بسم اللہ الرحمن الرحیم

شاخِ نبات

المعروف

ارمغانِ جہاں

١٣٥١

دیوان صاحب کمال شیخ قربان احمد قربان

١٩٣٢

[illegible] پریس [illegible] طبع شد

قیمت دو روپیہ چار آنہ (عہ/)

ایڈیشن اول ٥٠٠

لفظ صحیح	لفظ غلط	سطر	صفحہ	نمبر شمار
سہارنپور میں	سہارنپوری	۷	۲	۱
ارتقائے روش	ارتقائے رونش	۱۱	۳	۲
نہ دہواں	دہواں نہ	۲۱	؍؍	۳
برجستگی	برخستگی	۷	۴	۴
ارے	ازل	۲۲	۵	۵
اظہار	اعنار	۲۵	؍؍	۶
غرض	عرض	۱۲	۷	۷
پلائے	پلادے	۱۶	۸	۸
وعدہ نہ	وعدہ نے	۱۷	۱۰	۹
نہ زنہار	زنہار	۶	۱۵	۱۰
اسکو ہنسانا	اسکو	۲۰	۱۶	۱۱
حیلہ جو	حیلہ خو	۲۲	۱۸	۱۲
پر میرے	میرے	۵	۲۰	۱۳
وزدِ کفن	وزدِ کہن	۲	۲۷	۱۴
پیرنہ ہنس	پیرہنس	۷	۳۰	۱۵
پی پی	پی پی	۱۸	؍؍	۱۶
کردونگا	دوں گا	۶	۳۱	۱۷
لے لیکر	سے لیکر	۵	۳۳	۱۸
نہ تم	تم نہ	۶	۳۴	۱۹
جمال وحسن	حسن وجمال	۶	۳۵	۲۰
گل	غل	۱۹	۳۶	۲۱
محشر	ششر	۹	۳۸	۲۲
ہے مطلوب	مطلوب	۲۰	۳۴	۲۳
قربان کے	قربان	۳	۴۴	۲۴

[illegible]

نمبر شمار	صفحہ	سطر	لفظ غلط	لفظ صحیح
۲۵	۴۴	۷	ملا	ملا مجھکو
۲۶	۴۵	۱۸	گرشین	گردشیں
۲۷	۴۶	۶	زنگساز	انکسار
۲۸	۵۰	۷	غافل	بسمل
۲۹	۵۴	۵	پیای	پیامی
۳۰	۶۳	۲۲	ذرہ	ذرہ ذرہ
۳۱	۶۳	۲۲	محبت میں	محبت کا
۳۲	۶۶	۱	دم	دم دم
۳۳	،،	۹	مزا کیا کیا	ہے مزا کیا کیا
۳۴	۷۰	۱۸	رب کے	پہلے
۳۵	۷۵	۲	دلربی	دلفریبی
۳۶	۷۷	۷	سوزنے	سوزسے
۳۷	،،	۸	سور	سوز
۳۸	۷۸	۱۴	طاعوس	طاؤس
۳۹	۸۵	۱۳	گُل	مُل
۴۰	۹۲	۱۴	پر	پھر
۴۱	،،	۱۵	پر بہار	پھر بہار
۴۲	۹۳	۲۲	قضا بھی	قضا کا بھی
۴۳	۹۵	۸	ہیں پاک	ہیں پاک
۴۴	،،	،،	،،	،،
۴۵	،،	۹	ہے خوب	ہیں خوب
۴۶	۱۰۳	۲۰	اس کے	اس کو
۴۷	۱۰۸	۱۷	نقشہ	نشہ
۴۸	۱۱۵	۱	ڈھائیلی	ڈھائیگی
۴۹	،،	۳	ایک دل قیامت	ایک دن قیامت
۵۰	۱۲۱	۱۵	یہ ہر	بہ ہر
۵۱	۱۲۳	۱۷	دل مسرور	دل کو مسرور

لفظ صحیح	لفظ غلط	سطر	صفحہ	نمبر شمار
سینے	لینے	۲۱	۱۲۳	۵۲
زار بھی	ذار بھی	۴	۱۲۶	۵۳
خشمگیں	خوشگیں	۱	۱۲۷	۵۴
کبھی	بھی	۱۴	۱۴۰	۵۵
ہوا وہ	ہوا	۵	۱۵۵	۵۶
کہاں اور کہاں	کہاں کہاں	۷	۱۷۲	۵۷
دی	دیں	۲۳	۱۸۹	۵۸
کرنے والا	کرنے والے	۱۰	۱۹۳	۵۹
دل کے	دل سے	۱۳	۱۹۴	۶۰
کسی کی یاد	کسی یاد	۳	۱۹۵	۶۱
نہیں رہا نام	نہیں نام	۱۵	۔۔	۶۲
قانون	خاتون	۱۱	۱۹۶	۶۳
دیتے ہیں	دینے ہیں	۱۵	۲۰۰	۶۴
یہاں ہوگا	بیاں ہوگا	۴	۲۰۱	۶۵
زباں	رباں	۲۲	۔۔	۶۶
کرتی	کرنی	۹	۲۰۳	۶۷
دیر کیا	دیر کا	۸	۲۰۵	۶۸
نسیم صبح	نسیم صبا	۱۷	۲۰۶	۶۹
ہوتے	روتے	۱۶	۲۰۷	۷۰
سرائے دہر	ہوائے دہر	۱۳	۲۱۸	۷۱
بسر تھے	بسر ہیں	۔۔	۔۔	۷۲
خوف خزاں	ڈر خزاں	۱۲	۲۲۷	۷۳
شیخ پیر	شیخ	۱۸	۲۳۰	۷۴
زمیں پہ تو	زمین تو	۸	۲۴۴	۷۵
کردں	کرد	۱۸	۲۵۲	۷۶
نوازو	توازو	۶	۲۷۱	۷۷
دن کو	دل کو	۷	۲۷۶	۷۸

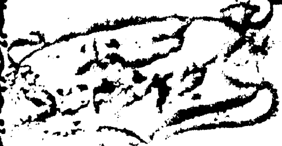
نمبر شمار	صفحہ	سطر	لفظ غلط	صحیح
۷۹	۲۷۶	۷	محفل	عقل
۸۰	”	”	ہوگئی پہ	ہوگئی کچھ
۸۱	۳۰۲	۱۵	پیکا	پھیکا
۸۲	۳۰۵	۳	وحشت سے	وحشت کے
۸۳	”	۹	معغفور	مغفور
۸۴	۳۲۰	۹	رکھلے	کھلے
۸۵	۳۳۲	۲۲	گگردوں	گردوں
۸۶	۳۳۷	۲۰	کوچھید	نہ چھید
۸۷	۳۴۲	۱۷	معشو	معشوق
۸۸	۳۴۵	۱۳	اپنے نالے	نالے تک
۸۹	”	۲۲	بہرہی	بھر رہی
۹۰	۳۴۶	۲۰	ملتے ہی	ملتے ہیں
۹۱	۳۵۲	۱۸	الفت کرینگے	الفت ادا کرینگے
۹۲	۳۸۱	۸	تو ہے	سچ ہے تو
۹	۳۸۶	۱۳	حقوق	حق العباد
۹	۳۹۶	۲۲	دفتہ	جاناجن سے میں ہوں جھکا
۹۵	۳۹۷	۱۲	رونا	اونا
۹۶	۴۰۰	۲	دل	وہ
۹۷	۴۱۷	۲۰	دقور	دفور
۹۸	۴۲۳	۱۸	خالصًا للّٰہ تھا	پہلے بتا حق کے لئے
۹۹	۴۳۵	۱۵	پر	پھر
۱۰۰	۴۴۴	۲۰	پھر	پر
۱۰۱	”	”	اب	دب
۱۰۲	۴۵۳	۸	ہے کہ نکیریں	ہے نکریں
۱۰۳	۴۵۵	۱۰	جس میں	جبھی
۱۰۴	۴۶۳	۱۹	عطار	عطا
۱۰۵			ارتقائے روشن	روش



مصنّف

Jamia Press, Jamia Masjid, Delhi.

آہ شعرائے تلامیذ الرحمٰن



رباعی

ہم نے وہ لکھا ہے وصفِ تیرِ قاتل
ہے رنگِ سخن میں خونِ دل کا شامل

شاخِ نبات

جو دیکھتا ہے اس کو تڑپ جاتا ہے
آنکھوں میں ہے شعر و صورتِ بسمل

المعروف

دیوان قربان

مصنفہ

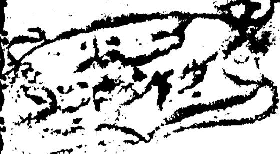
رئیس الکلام شیخ قربان احمد صاحب قربان۔ بلبل غریب۔ رئیس و آنریری مجسٹریٹ و منصف
یادگار امیر الکلام۔ جناب غریب رحمۃ اللہ

مرتبہ

حاجی حبیب احمد مختار عام رئیس الکلام موصوف

کتبہ غلام مصطفٰے آرٹسٹ جلال آبادی، سہارنپور یو۔پی
اتم ہند پریس سہارنپور باہتمام [illegible] پرنٹر

از قسم شعرائے تلامیذ الرحمٰن



رُباعی

ہم نے وہ لکھا ہے وصف تیرِ قاتل
ہے رنگ سخن میں خونِ دل کا شامل
جو دیکھتا ہے اس کو تڑپ جاتا ہے
ٹکڑوں میں ہے شعر و مصرعہ بسمل

شاخِ نبات

المعروف

دیوانِ قرباں

مصنفہ

رئیس الکلام شیخ قربان احمد صاحب قرباںؔ بلبل غریب۔ رئیس و آنریری مجسٹریٹ و منصف

یادگار امیر الکلام۔ جناب غریبؔ رحمۃ اللہ

مرتبہ

حاجی حبیب احمد مختار عام رئیس الکلام موصوف

کتبہ غلام مصطفےٰ آرٹسٹ جلال آبادی، سہارنپور، یو۔پی

طبع ہند پریس سہارنپور باہتمام [illegible]



حالات مصنف

آپ کا خاندانی سلسلہ۔ شاہ ہارون چشتی صاحبؒ سے ملتا ہے جو بانئے شہر تھے۔ آپ کے خاندانی حالات ایک گزیٹیر۔ سہارنپور میں بھی پائے جاتے ہیں۔ آپ کا سلسلہ حضرت امیر کلالؒ پر ختم ہوتا ہے۔ شیخ صاحب ۱۵ مارچ ۱۸۹۸ء میں پیدا ہوئے۔

اعزازات

آپ کے بزرگ ہمیشہ سے مجسٹریٹ۔ نمبردار۔ درباری ہوتے چلے آئیں ہیں آپکے والد کو علاوہ اور اعزازات کے خطاب خان بہادر بھی ملا ہوا تھا۔ خود رئیس الکلام۔ موصوف مجسٹریٹ۔ منصف۔ درباری ہیں۔ مغلیہ سندات اور برٹش سندات۔ اسوقت بھی شیخ صاحب کے پاس موجود ہیں اور محفوظ ہیں۔

تحصیل علم

آپ نے فارسی کی ابتدائی تعلیم منشی محمد یار خاں سے حاصل کی پھر دیگر اوستادوں سے جو مشہور تھے تکمیل کی۔ ناگری وغیرہ کی تعلیم پنڈت بشنودت جی سے حاصل کی۔ انگریزی پرائیوٹ پڑھی اور اسلامیہ اسکول سہارنپور میں تعلیم پائی ——— ہر علم میں اچھی مہارت ہے۔

تلمیذ

آپ کو جب شوق شاعری ہوا جس کی طرف فطرتاً طبیعت راغب تھی تو آپ کے والد نے جناب امیر الکلام محمد خاں غریبؒ کے سپرد کیا۔ وہاں سے تھوڑا فیض اوٹھانے پائے تھے کہ مولینا کا انتقال ہوگیا۔ مولینا غریبؒ کے سلسلہ سے آپکا سلسلہ مصحفی مرحوم تک پہونچتا ہے۔ جناب غریب آپ کو ہمیشہ بلبل غریب کہا کرتے تھے۔
آپ کا رنگ ہمیشہ سادہ رہا۔ اور اسی کو پسند فرماتے ہیں۔ یہ تو گستاخی ہے کہ امیر۔ داغ۔ اقبال۔ کسیکا کلام کہا جائے لیکن یہ ضرور ہے کہ بزرگان موصوف کے کلام سے ہمیشہ آپ کو الفت رہی اور ان ہی بزرگوں کا

تتبع کیا۔ شیخ صاحب کا قطعی ارادہ نہیں تھا کہ اونکا کلام شایع کیا جاوے۔ نہ کبھی اونہوں نے محفوظ رکھنے کی کوشش کی۔ بوجہ علالت رئیس الکلام موصوف کا بہترین ذخیرہ ضایع ہوگیا۔ بڑی مشکل سے جو دستیاب ہوسکا وہ شایع کیا جاتا ہے صاحب کلام میں کہیں غلطی پائیں درست کردیں یا نظر انداز فرمائیں۔

(اس دیوان کی نسبت ایک بزرگ کی دعا ہے جو اس کو پڑھیگا یا سُنے گا اختلاج کا مرض جاتا رہے گا)

حبیب احمد

تقریظ

(از قلم گوہر رقم۔ علامہ سیماب اکبرآبادی)

سنہ ۱۹۳۱ء میں جب میں سہارنپور گیا تو جناب شیخ قربان احمد صاحب قربان رئیس سہارنپور سے میری پہلی مرتبہ ملاقات ہوئی۔ میں نے آپ کو نہایت خلیق۔ وضع۔ اور شریف الخیال پایا۔ اور جب معلوم ہوا۔ اُنہیں مذاقِ شعروسخن بھی ہے تو مجھے حقیقتاً بڑی مسرت ہوئی

جناب قربان نئی وضع کے رئیس اور پُرانی وضع کے شاعر ہیں۔ پُرانی وضع کے شاعر میں نے اس لئے کہا کہ اُن کے کلام میں شعر لئے متقدمین کا رنگ جھلکتا ہے۔ اور وہ طالب علم بھی اُس اسکول کے ہیں جنکا تعلق قدیم شاعری سے ہو۔ تاہم اُن کے دیوان کا جستہ جستہ مطالعہ واضح کرتا ہے کہ کثرت مشق اور وفقِ سخن سے اُن کے کلام میں موجودہ ارتقائی روش شاعرانہ بھی جا بجا موجود ہے مثلاً

دیکھ قربان مرے عشق کے سامانوں سے | صبح نے سیکھ لیا چاک گریباں ہونا
بہا لیتا جو دو آنسو گنہگار اپنے عصیاں پر | یقیناً مستحقِ رحمت غفار ہو جاتا
رونقِ بزم ہے تو ہمارے دم سے | غیر محفل کی تیری ہمکو نہ محفل ہو اُٹھا

ندرت خیال کی ایک مثال ملاحظہ فرمائیے

عجب ہے کاتب تقدیر تیری مجبوری | جو لکھ دیا اُسے پھر تو کبھی بدل نہ سکا

دورِ جدید کی بلند ترکیبوں اور علو کہ بندش سے بھی آپ کا دیوان خالی نظر نہیں آتا ہے

رحم ساقی کو بقدرِ اضطراب آ ہی گیا | آج آخر دور میں جام شراب آ ہی گیا
نالہ بلب۔ ملول۔ پریشان سرعجب | قربان عشق نے یہ تجھے کیا بنا دیا

اس شعر میں جذبات کے ساتھ الفاظ میں موسیقی پیدا کرکے شعر کو کسقدر دلچسپ بنا دیا گیا ہے

ضبط کہتے ہیں اسے رسم وفا میں قرباں | آگ لگتی رہی لیکن دھواں نہ دل سے اُٹھا

عہدِ جوانی کی یاد میں کیا شعر کہا ہے

جوش تھا اُمنگ تھی مشقِ رباب و چنگ تھی۔ دِل میں عجب ترنگ تھی ہائے مزا شباب کا

ایک غزل کے یہ دو شعر مجھے بہت پسند آئے ؎

یہاں جو راز تیرے حسن کا عیاں ہوتا روانہ ملکِ عدم کو نہ کارواں ہوتا

نہیں وہ دیتے اجازت مجھے تکلم کی بلا سے صبر ہی کرتا جو بے زباں ہوتا

"قلم اوٹھ نہیں سکتا اور ستم اُٹھ نہیں سکتا۔ عین یہ شعر دیکھئے۔

اے فطرتِ غم دوست غلط کر کے دکھا دے کہتے ہیں کہ اِنساں سے غم اُٹھ نہیں سکتا

الفاظ کی برجستگی بندش کی چستی اور زبان کی صفائی ملاحظہ فرمائیے ؎

الٰہی تو نے عطا حسن کو شباب کیا | ہمیں عذاب میں ڈالا ہمیں خراب کیا

وہ پاس بیٹھے رہے اور سانس ٹوٹ گیا | نہ ہم نے شکوہ نہ کچھ اضطراب کیا

قلق ہوا کرم بے حساب کو کیا کیا | کسی نے میرے گناہوں کا جب حساب کیا

ایک چیز کو دو چیزوں سے تشبیہ دینے کا خوبصورت طریقہ ملاحظہ فرمائیے ؎

شبِ غم نور سویدا تھا کہ داغِ دل تھا کیا چمکتا تھا یہ قربان قمر کی صورت

صاف گوئی اور احترامِ محبت کا اس شعر میں کتنا فیصلہ کن مظاہرہ ہے ؎

مذہب جسے کہتے ہیں محبت ہے وہ ہمدم کافر ہے وہ کرتا ہے جو انکارِ محبت

کاف کی ردیف میں یہہ شعر خوب کہا ہے ؎

لہو ہوتا ہے جب دل یاس کے خونریز ہاتھوں نے تو اک رنگین آنسو کھنچ کے آجاتا ہے مژگاں تک

دیکھئے اک نئی تخیل اس شعر میں کتنی حقیقت آفریں ہے ؎

نہ ہو گا کچھ مآلِ شورشِ ہنگامۂ محشر یہہ دن کا خواب ہو سکتا نہیں تعبیر کے قابل

محاکات نگاری میں بھی قربان صاحب کی طبیعت عاجز نہیں معلوم ہوتی یہہ شعر کیا خوب کہا ہے

صبحِ محفل کی اُداسی کا یہہ عالم توبہ شمع اب بزم میں باقی ہے نہ پروانہ ہے

اِنسان کی ایک نئی تعریف ملاحظہ فرمائیے ؎

الٰہی ننگِ عالم جس کو اِک عالم سمجھتا ہے اسی کو بخش دیں عالم کی ساری خوبیاں تو نے

ایک جگہ پیامِ ضبط۔ اور درسِ رازداری یوں دیا جاتا ہے ؎

ضبط کر۔ راز نہ کہہ۔ واقفِ اسرار ہی کیوں ترے لب کو مذاقِ لبِ منصور ہے

یہاں ایک رنگ جدید سے دلچسپی رکھنے والے کو اِس دیوان میں معیاری اور بلند اشعار ملتے ہیں وہاں

رنگ قدیم کے متوالوں کے لئے بھی زیادہ سے زیادہ دعوتِ نظر کا سامان موجود ہے۔ روزمرہ۔ معاملہ بندی نفسیات محبوب۔ اور جذبات محبت کی ترجمانی قربان صاحب نے بہت کشادہ دلی کیساتھ فرمائی ہے بعض اشعار کے مطالعہ سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قربان صاحب کو تغزل میں وہی کمال حاصل ہے جو اکثر شعرائے متغزلین کو اب سے نصف صدی پہلے حاصل تھا ہجر و وصال۔ گل و بلبل۔ صیاد و نشیمن جذبات بعد الموت۔ کعبہ و بتخانہ۔ شیخ و برہمن۔ طور و کلیم۔ یاس و حسرت۔ قیس و لیلیٰ۔ غرضیکہ تمام کیفیات و احساسات جو متقدمین کے کلام کی روح رواں سمجھے جاتے ہیں قربان صاحب کے کلام میں بھی اکملیت کے ساتھ موجود ہیں

میں اور شکوہ تیرا غیر جھوٹ کہتا ہے
سنی سنائی ہوئی کا یقین کیا کرنا

میری نگۂ شوق سے شرم آگئی ورنہ
بے پردہ کوئی پردہ نشیں ہو چکا تھا

بھولا ہوا سا ایک سبق ہے کتاب کا
ہمدم میں کیا سناؤں فسانہ شباب کا

دل جب بھی ٹوٹ جائے کہ ہے ہمنشیں کسے
شیشے کا اعتبار بھروسہ حباب کا

جھیلی ہے اپنے دل پہ نگاہِ ستم کی چوٹ
برسوں بنا رہا ہوں نشانہ عتاب کا

رخ جو ہے آفتاب کی مانند
لب ہیں تیرے گلاب کی مانند

میری آنکھوں میں تیری آنکھوں سے
نشہ آیا شراب کی مانند

کیا شگفتہ ہے میری فطرت بھی
رنج میں بھی ہنسی نہیں جاتی

سخت سے سخت زمینوں میں قربان صاحب نے اچھے شعر نکالے ہیں اور کوئی ردیف ایسی نہیں جس میں سیر حاصل غزلیں نہ کہی ہوں۔ اگر دیوان کا تجزیہ کیا جائے تو اس میں درس و پیام کا بھی ایک حصہ نظر آتا ہے اور تہذیب۔ اخلاق۔ عبرت و نصیحت سے بھرے ہوئے اشعار جا بجا ملجاتے ہیں۔ مثلاً

کیا اس سے زیادہ کوئی دنیا میں گنہ ہے
احسان کو کردے کوئی انسان فراموش

اک قطرۂ ناچیز ہے تخلیق سے تیری
کر اپنی حقیقت کو نہ انسان فراموش

خودداری کو دیتے نہیں ہم ہاتھ سے اپنے
کرتے نہیں اپنی کبھی ہم شان فراموش

آنکھ میں آقا کی وہ ہوتا نہیں ہرگز عزیز
جس ملازم کو نہیں ہوتا اطاعت لحاظ

لے بشر ہوش میں آ حشر ہے نزدیک بہت
یوں ہی گمراہ رہیگا ازل غافل کب تک

ہوا ہے میری ہستی کا دھوکا
خدا جانے یہ کیا ہے میں نہیں ہوں

مجھے افسوس ہے کہ میں قربان صاحب کا دیوان بالاستیعاب نہ پڑھ سکا کہیں کہیں جستہ جستہ اشعار کے مطالعہ سے جو شعر نظر پر چڑھ گئے ہیں ان میں سے انھیں پر اکتفا خیال کیا ہے۔ اگر کوئی ناقد قربان صاحب کے کلام میں انتخاب

کرکے اُسپر تنقید کریگا تو میرے خیال میں سینکڑوں اشعار ایسے ملینگے جو قربانؔ صاحب کے مذاقِ سلیم اور کہنہ مشقی کی گواہی دینگے۔ غزلوں کے علاوہ دیوان میں متعدد رُباعیاں۔ قطعات۔ اور نظمیں بھی شریک ہیں۔ نظمیں زیادہ تر اخلاقی ہیں مگر اُن کے مطالعہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ قربانؔ صاحب صرف غزل گو نہیں بلکہ نظم نگاری کی طرف بھی اُنکا ذہن رسا پہونچتا ہے۔

غرضکہ بحیثیت مجموعی "شاخِ نبات" نہالِ سخن کی ایک ایسی ہری بھری شاخ معلوم ہوتی ہے جس میں ہر رنگ کے پھول کھلے ہوئے ہیں اگرچہ کانٹے بھی ہوں تو یہ لازم فطرت ہے۔ میری دُعا ہے کہ خدا اِس دیوان کو حسنِ قبولیت عطا فرمائے اور قربانؔ صاحب کو اتنی مہلت دے کہ وہ اسکے بعد اس سے بہتر ایک دوسرا دیوان پبلک کے سامنے پیش کرسکیں۔

قصر الادب آگرہ
۲۰ ستمبر ۱۹۳۲ء

سیمابؔ اکبر آبادی
مُدیر "تاج" آگرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

ردیف الف

حمد

کرے توحید یزداں کس طرح خامہ رقم میرا
میرے کمزور ہاتھوں میں لرزتا ہے قلم میرا

ندامت اُس پہ غالب ہے بتوں کی لکھ کے تعریفیں
سرِ قرطاس یوں آنسو بہاتا ہے قلم میرا

خدا کا نام جب لکھنے میں آتا ہے کہیں اس کے
تو پہلے جھک کے کر لیتا ہے اک سجدہ قلم میرا

نہ گستاخی کہیں ہو جائے رکھتا ہے قدم ڈر کر
یہی ہے وجہ جو رُک رُک کے چلتا ہے قلم میرا

میں جب تعریف لکھنے بیٹھتا ہوں اپنے مولا کی
قلم بھی دیکھتا ہے شوق سے حُسنِ رقم میرا

نہیں معلوم گمراہی میری پھینکے کہاں مجھکو
ہٹے جو ایکدم بھی راہ سے تیری قدم میرا

تجھے ہر طرح قدرت ہے ترے شایان رحمت ہے
اگر دفتر معاصی کا تو کردے کالعدم میرا

کروں جا کر زیارت پھر وہیں دم توڑ دوں اپنا
الٰہی اوسکو پورا کر جو ہے قصدِ حرم میرا

نہ لغزش آئے ایماں میں الٰہی مکرِ شیطاں سے
زباں پر نام ہو تیرا جو نکلے تن سے دم میرا

قلم کو ایسی قدرت دے سخن میں ایسی لذت دے
سُنیں مضموں فصیحانِ عرب میرا عجم میرا

میں اپنے ساتھ لیجاؤں یہ حمد و نعت کے دفتر
رواں ہو راہوارِ زیست جب سوئے عدم میرا

شہادت پاؤں یارب زندۂ جاوید ہو جاؤں
گلا کاٹے تیری الفت میں یوں تیغِ دو دم میرا

رہوں صابر رہِ الفت میں شاکر تیری مرضی پر
رہے یعنی مصائب میں سرِ تسلیم خم میرا

چلا جاؤں میں طے کرتا ہوا جیسے ہوا جائے
صراطِ مستقیم حق پہ کیوں لرزے قدم میرا

کہو رضواں سے کھڑکی کھولدے تربت میں طیبہ کی
نہ آئی بوئے احمد گر تو گھٹ جائے گا دم میرا

عبادت رات بھر کرتا ہوں لیکر نام تیرا میں
نہ کیوں ہر سانس بنجائے نسیم صبحدم میرا

نہ ہو تکلیف کچھ سکرات کی مجھکو دمِ آخر
نکل جائے الٰہی مثلِ بوئے گل یہ دم میرا

زباں پر نقش کردے کلمۂ توحید کو اپنے
کیے ہے کھوٹا مگر چل جائے یوں شاید درم میرا

تیری مرضی جو دیکھونگا خوشی سے سر جھکا دونگا
جہنم کو بھی میں سمجھونگا ہے باغِ ارم میرا

ہوا خیزی کی دشمن فکر میں ہیں ہر گھڑی یارب
یوں ہی تو اسکو قائم رکھیو یہ ہے جیسا بھرم میرا

قطعہ

کہیں جورِ فلک لکھے کہیں موسیٰ بنا ہوں میں
چلا تعریفیں اکثر بتوں کی یہ قلم میرا

کہا زلفوں کو بادل آنکھ کی مستی کو مے لکھا
غرض بیکار باتوں میں رہا جاری قلم میرا

لکھیں جو کچھ عرض میں نے وہ ساری جھوٹی باتیں تھیں
ہے تجھ پر حال سب روشن یہ مولا بیش و کم میرا

اڑائی شیخ کی پھبتی۔ تو دی تعلیم مے نوشی
مگر دنیا نے سمجھا اس کو اعجازِ رقم میرا

الٰہی عفو کر دے اپنے قرباں کے معاصی سب
مجھے تسلیم ہے مولا کرم تیرا ستم میرا

نعت

ہے سب سے بڑھکر نبی ہمارا زمیں پہ چمکا فلک پہ چمکا
وہ مثلِ خورشید اک ستارا زمیں پہ چمکا فلک پہ چمکا

یہاں بھی آیا وہاں بھی پہنچا زمیں پہ چمکا فلک پہ چمکا
کروں بیاں میں کہاں کہاں کا زمیں پہ چمکا فلک پہ چمکا

وہ فخرِ انساں وہ فخرِ عیسیٰ زمیں پہ چمکا فلک پہ چمکا
نہیں ہے بیجا یہ میرا دعوے زمیں پہ چمکا فلک پہ چمکا

مٹا کے ظلمت جہاں کی اوسنے کیا وہ توحید کا اجالا
تھا نورِ احمد میں ایسا جلوہ زمیں پہ چمکا فلک پہ چمکا

سلام کرتے ہیں اسکو انسان درود پڑھتے ہیں اسپہ قدسی
ہے نام نامی وہ مصطفےٰ کا زمیں پہ چمکا فلک پہ چمکا

وہ بنکے رحمت یہاں تھا آیا وہ بنکے رحمت وہاں تھا پہونچا
وہ لیکے امت کا اپنی ذمہ زمیں پہ چمکا فلک پہ چمکا

تمام دنیا یہ مانتی ہے تمام عالم یہ جانتا ہے
حبیبِ خالق نبی ہمارا زمیں پہ چمکا فلک پہ چمکا

فلک پہ باتیں خدا سے کی تھیں زمیں پہ پھیلا یا دین اوسنے
وہ نیّر و آفتابِ بطحا زمیں پہ چمکا فلک پہ چمکا

زمیں پہ بھی اُمتوں کی رسالت فلک پہ جا کر بھی کی امامت | وہ فخرِ موسیٰ وہ فخرِ عیسیٰ زمیں پہ چمکا فلک پہ چمکا

جو لکھی مدحِ نبی تو قسرباں۔ صلا ملا ہے یہ تجھے اُس کا
کہ نام تیرا۔ کلام تیرا۔ زمیں پہ چمکا فلک پہ چمکا

مجاز

عقدہ کبھی کھلا نہ کھلے گا وصال کا | آساں نہیں ہے سہل بنانا محال کا
اب دل کے ساتھ ساتھ ہے دورہ ملال کا | نشو نما محال ہے اس نونہال کا
عالم ہی اور ہے میرے حسنِ خیال کا | دیکھا ہے رات خواب کسی کے وصال کا
عصیاں کی تیغِ تیز کا خوف و خطر نہیں | سایہ ہمارے سر پہ ہے رحمت کی ڈھال کا
برپا ہے حشر راہ میں وقتِ خرام ناز | سیکھا ہے طرز تو نے قیامت کی چال کا
گو نیک کام ہم سے ہوئے ہیں تمام عمر | پھر بھی ہے خوف دلکو ہمارے مآل کا
لازم تھا امتحانِ نظر پیشتر نہیں | منظور تھا جو دیکھنا موسیٰ جمال کا
سب سے الگ ملی ہے طبیعت ازل کے روز | کوئی بشر نہیں ہے ہمارے خیال کا
دل میں خیالِ زلفِ شکن در شکن کا ہے | شیشے میں عکس دیکھتے ہیں بال بال کا
ناخن ترا۔ تراشکے گرا ہے زمین پر | اُس پر گماں ہے اہلِ فلک کو ہلال کا
تیرے کرم کی حد نہیں تو وہ کریم ہے | حاتم کے ہاتھ میں بھی ہے کاسہ سوال کا
قصہ طولِ دن ہے قیامت کا مختصر | ممکن نہیں کہ وقت ملے انفصال کا
ساقی اگر پلا دے تو پی ذوق و شوق سے | واعظ نہ ذکر چھیڑ حرام و حلال کا
کیوں کر پھنسے نہ عاشقِ بیپر کا مرغِ دل | صیاد دامِ زلف ہے دانہ ہے خال کا

اسواسطے کہ اس میں نہیں ہے کوئی کمال
قسرباں کے دلکو خوف نہیں ہے زوال کا

جسے چاہا تو نے رلا دیا۔ جسے چاہا تو نے ہنسا دیا | جسے چاہا تو نے جلا دیا جسے چاہا تو نے مٹا دیا
کبھی گل جو آہ سے کر دیا۔ جو کبھی ہوا نے بجھا دیا | چراغ پھر میری گور پر کسی شمع رو نے جلا دیا
تیری شان ایسی ہے کبریا جسے جیسا چاہا بنا دیا | جسے چاہا پاس بلا لیا جسے چاہا جلوہ دکھا دیا
تیرے دل میں رحم فلک نہیں ہے تجھے عاشقوں کا قلق نہیں | جسے چاہا تو نے چھڑا دیا جسے چاہا تو نے ملا دیا
میری گور پر جو وہ آ گئے۔ تو جفا کی چال دکھا گئے | جو نشاں تھا باقی رہا سہا اُسے شوخیوں نے مٹا دیا

نہ کھلی تھی دل کی میرے کلی نہ ابھی ملی تھی شگفتگی
چمن حیات کو کیوں خزاں یہ ابھی سے تو نے مٹا دیا
ترا حسن ایسا ہے جانِ جاں۔ کہیں جس میں عشوہ طرازیاں
جسے جلوہ اپنا دکھا دیا۔ اُسے مست اپنا بنا دیا
کہیں منکشف نہ ہوں حسرتیں کہیں اُن کی پردہ دری نہ ہو
جو چراغ جلتا تھا گور پر اُسے خود ہی ہم نے بجھا دیا
جو عدم کو قافلے ہیں گئے ہم اُنھیں کو پھرتے ہیں ڈھونڈتے
نہ کسی نے اُنکا نشاں دیا نہ کسی نے اُنکا پتا دیا
تیری عشق دیکھ لی منصفی تیری جتنی باتیں ہیں سب کہی
جو کسی نے راز بتا دیا۔ اُسے سُولی تو نے چڑھا دیا
کہوں کس سے اب میں بتاؤ تم۔ کہ دلیہ میری ہیں جو ستم
میرے دلکو تم نے ہلا دیا۔ میرے دلکو داغ لگا دیا
تجھے قرباں خوب ہے مشق غم نہیں برق سے تری آہ کم
ترے نالوں نے یہ اثر کیا۔ کہ فلک کے دل کو ہلا دیا

مجھے اِن بتوں کی جفاؤں نے مارا
نگاہوں نے لوٹا اداؤں نے مارا
نہیں ہوسکے اب ظلم برداشت ان کے
مجھے حسن کی ان جفاؤں سے مارا
بیاں میں کروں شکوہ کس کس کا تم سے
تمہاری مجھے سو اداؤں نے مارا
وہ اب ہوتے جاتے ہیں کچھ مہرباں سے
یہ میدان میری دعاؤں نے مارا
دکھائے مجھے جلوہ ہائے مجازی
خدا بنکے ان ناخداؤں نے مارا
تمنا نے ارمان نے حسرتوں نے
مجھے بل کے اِن رہنماؤں نے مارا
گنہگار مجھ کو بنایا خدا کا
گناہوں نے مارا خطاؤں نے مارا
وفا کرکے دی جان اُلفت میں ہم نے
جفا کرکے اِن بیوفاؤں نے مارا
میں کس منہ سے جاؤں گا اب پیش داور
مجھے ہائے میری خطاؤں نے مارا
نہ تو دیکھتا اور نہ قرباں ہوتا
تجھے ان بتوں کی اداؤں نے مارا

تمہیں جو جانتا ہرگز نہ آشنا کرتا
تمہارے غم میں نہ دل کو میں مبتلا کرتا
وہ میرے دل کو جو تسکین بھول کر دیتے
میں اُن کے عشق میں دانستہ جاں فدا کرتا
زبان بند نہ کرتے تو دل فروشی کی
تمہارے کوچہ میں جاکر میں ابتدا کرتا
ضرر نہ دیکھتا ہرگز کسی کا میں ظالم
تو اپنے درد سے مجھکو بھی آشنا کرتا
گذرتی عیش سے یہ عمر عاشقی اپنی
ہمارے پہلو میں ہر دم جو تو رہا کرتا
ضرور تجھ پہ مرا حال ہوتا آئینہ
جو تیرے دل پہ مرا عشق کچھ جلا کرتا

ہمیں نے تجھکو سکھایا ہے طرز ظلم و ستم
نہ ہم وفائیں دکھاتے نہ تو جفا کرتا

شب فراق جو ہمرا موت کو لاتی
ہزار بار تیرا شکر میں ادا کرتا

بہت یہہ دیکھا ہے قربان ہمنے دنیا میں
بتوں سے جو نہیں ہوتا وہ ہے خدا کرتا

الٰہی ہو نہ راز افشا میان انجمن اپنا
دکھانے کے لئے آیا ہے ظالم بانکپن اپنا

کھلے ہیں پھول کیا کیا قلب میں داغ محبت کے
ذرا تو دیکھہ لو آ کر کسی دن تم چمن اپنا

سخی تھے۔ بعد مردن بھی سخاوت یوں ہی جھلکی
کہ نذر خاک سارا۔ کر دیا ہم نے کفن اپنا

یہ راز عشق ہے اسکو کبھی افشا نہیں کرتے
چھپائے رکھتے ہیں تمسے بھی ہم داغ کہن اپنا

شکایت میں جو کرتا ہوں بت سفاک کی رو کر
تو کہتا ہے زمانہ سے نرالا ہے چلن اپنا

ابھی ہم دیکھنے پائے نہ تھے فصل بہاری کو
ہوا نذر خزاں کیوں وقت سے پہلے چمن اپنا

مجھے گھبرائے دیتی ہے اندھیری فرقت کی
دکھا دے چاند سا چہرہ مجھے اے سیمتن اپنا

کیا کچھ آندھیوں نے فیصلہ کچھ دست گلچیں نے
گلوں سے آہ خالی ہو گیا سارا چمن اپنا

محبت بھی ہمارے شعر میں ہے اور شکایت بھی
نرالا سب سے ہے قربان یہ طرز سخن اپنا

روح نے کہکے میری آج یہ تن چھوڑ دیا
جس میں رہتے تھے کبھی اب وہ وطن چھوڑ دیا

پاس وعدہ نے کیا روئے سخن چھوڑ دیا
ہم سے کیوں ربط بت عہد شکن چھوڑ دیا

برق کے خوف سے اب عزم ہے ویرانیکا
خوش رہیں اہل چمن ہم نے چمن چھوڑ دیا

رحم دل پر نہ کیا کچھ بھی کسی ظالم نے
کہ اسے کرکے بقیں داغ کہن چھوڑ دیا

ہو گیا اس کی نگاہوں میں گلستاں تاریک
جب یہ لیلیٰ نے سنا قیس نے بن چھوڑ دیا

ہر ادا تیری گوارا تھی محبت میں مجھے
کیوں ستانا مجھے اے غنچہ دہن چھوڑ دیا

دم آخر بھی نظر آئی نہ ان کی صورت
وہ اب آئے ہیں کہ جب روح نے تن چھوڑ دیا

جب سے وہ شوخ نہیں محو خرام گلشن
ہم نے بھی مشغلۂ سیر چمن چھوڑ دیا

کیا کہیں سن لی خبر مرگ عدو کی تو نے
ہنسنا کھل کھل کے جو اے غنچہ دہن چھوڑ دیا

ذکر جب سے ہے سنا اس نے تیری آنکھوں کا
ہو کے آہو نے خجل دشت ختن چھوڑ دیا

غیر کے مرنے پہ سامان کئے تھے کیا کیا
کشتۂ ناز کو بے گور و کفن چھوڑ دیا

اُن سے اُمید ہے بیکار وفا کی قربان
کہ وفا کا ہے حسینوں نے چلن چھوڑ دیا

وہ مر کے جی اُٹھا وہ قبولِ بقا ہُوا | جو تیری راہِ عشق میں زندہ فنا ہُوا
سوزِ فراقِ یار سے پھر سامنا ہُوا | پھر آج ہائے قلبِ حزیں مبتلا ہُوا
اے درد یہ بتا کہ تجھے آج کیا ہُوا | جو بن کے آشنا مرا - نا آشنا ہُوا
دل دیدیا تھا جان مگر پھر بھی رہ گئی | مجھسے نہ کچھ بھی فرضِ محبت ادا ہُوا
محفل تک اُن کی میرا - پہونچنا محال تھا | ذہنِ رسا بھی آہ میرا - نارسا ہُوا
دُنیا میں کچھ ملا ہے نہ عقبیٰ میں کچھ ملے | حاصل نہ مجھکو حیف کہیں مدعا ہُوا
ہرگز نہ دامِ غم سے رہائی اُسے ملی | جو بھی اسیرِ حلقۂ زلفِ دوتا ہُوا
چاہا تھا - شکوہ اس کا مجھے اعتراف ہے | اتنا ہُوا قصور کہ خود مبتلا ہُوا
کیا جانے مجھسے بزم میں وہ کیوں خفا ہوئے | شکوہ ہُوا - نہ کوئی زباں سے گلا ہُوا
آتی ہے میکدے سے جو بوئے کباب آج | بیٹھا ہے کوئی مستِ محبت جلا ہُوا
آتا ہے گر تو آؤ کہ شب پردہ پوش ہے | میرا چراغِ قبر ہے کیسے بجھا ہُوا
شکوہ فضول کاتبِ تقدیر کا کریں | مٹتا نہیں قلم کا خدا کے لکھا ہُوا
بے ہوش ہو کے پھر نہ گئے طور پر کلیم | پھر دید کا کہیں نہ کبھی حوصلہ ہُوا
پھرتے ہو پوچھتے جو لحد کو ادھر تو آؤ | عاشق یہاں پڑا ہے کفن میں دبا ہُوا
پھینکا جو تم نے تیر نشانے پہ وہ لگا | کب ناوکِ نگاہ تمہارا خطا ہُوا
پہلے مذاقِ درد کو دل کی تلاش تھی | دل پھر رہا ہے درد کو اب ڈھونڈتا ہُوا
کس کی نگاہِ ناز نے اُسکو کیا شکست | لاشہ روانہ دوش پہ مثلِ ہوا ہُوا
کہتے ہیں جسکو ماہ حقیقت سے اُسکی یہ | روشن فلک پہ ہے یہ ترا نقشِ پا ہُوا

ہرگز فنا ہُوا نہ مرے دل سے دردِ عشق
گو میں ہزار مرتبہ قرباں فنا ہُوا

کب خنجر و سناں نے کیا تیر نے کیا | جو کام وصل میں تری تاخیر نے کیا
عقدے کو وا نہ ناخنِ تدبیر نے کیا | جو کچھ کیا فقط مری تقدیر نے کیا
تھا بارِ سر گراں تو سبکدوش ہو گیا | احسان سر پہ برشِ شمشیر نے کیا

لَو اور تیز کردی سرِ شمع کاٹ کر
پروانوں پر یہ ظلم بھی گلگیر نے کیا

کعبہ تھا پہلے آج جو بتخانہ ہوگیا
یہ انقلاب آپ کی تصویر نے کیا

کہتا ہے کون کان ترے حق نیوش ہیں
تجھ پر اثر نہ کچھ مری تقریر نے کیا

اب پیر چرخ اور بھی پنبہ بگوش ہے
کچھ بھی اثر نہ آہ کی تاثیر نے کیا

مسکن سوائے دہر میں کوئی نہ کرسکا
آرام تھوڑی دیر کو رہگیر نے کیا

رحمت سے تیری عفو کا مژدہ سُنا مگر
محجوب مجھ کو حیرتِ تقصیر نے کیا

قربان وہ تو رہتا ہے سلوک سبکے ساتھ
محروم تجھ کو شومیٔ تقدیر نے کیا

تجھے زیبا نہیں شرمندہ احساں ہونا
تو نہ اے دل کبھی منت کشِ درماں ہونا

اُس کو تقدیر سے پڑتا ہے پریشاں ہونا
وہ ہی ہوتا ہے کہ جو چاہے نہ انساں ہونا

چاہتا ہے جو یہاں کوئی سلیماں ہونا
چاہیے مور کا پہلے اُسے مہماں ہونا

میرا۔ گلرو۔ جو گلستاں میں کبھی آجائے
تم قدم بوس وہاں سنبل و ریحاں ہونا

گر امیری سے کسی شخص پہ نکبت آئے
نامناسب ہے بُرے حال پہ خنداں ہونا

آؤ۔ اور دل سے نکالو مرے سامانِ خزاں
ابھی آسان ہے سرسبز گلستاں ہونا

سیر کو آپ جو گلشن میں کبھی جاتے ہیں
غنچے بھی سیکھتے ہیں آپ سے خنداں ہونا

دفعتاً برق کا گرنا وہ نشیمن پہ مرے
یک بیک وہ میرا برباد گلستاں ہونا

میں ہوں خوگردہ غم سے میرے دلِ غمگیں کا
غیر ممکن ہے مو ثرِ شبِ ہجراں ہونا

عشق کہتے ہیں جسے اس نے کیا ہے یہ حال
دیکھو گلزار تم میرے بیاباں ہونا

وہ اگر سامنے اے دل کبھی ہو بے پردہ
مثلِ آئینہ نہ تو بزم میں حیراں ہوتا

غیر بھی لینے کو تیار نہیں تھا اس کو
ہم نے دیکھا ہے تیرے حسن کا ارزاں ہونا

دیکھ قربان مرے عشق کے سامانوں سے
صبح نے سیکھ لیا چاک گریباں ہونا •

خون چوسیں گے کیا حسرت و ارماں مرے دل کا
پکڑے ہوئے ہیں آج جو داماں مرے دل کا

بجز آپ کے اُلفت نہیں منظور کسی کی
یہ حسن پہ ہے آپ کے احساں مرے دل کا

ڈسنے کو تیری زلفوں کے تیار ہیں کالے
اللہ ہے بس اب تو نگہباں مرے دل کا

معلوم ہے جب سب تمہیں رُو دادِ محبت
کیوں پوچھتے ہو حالِ پریشاں مرے دل کا

اُلفت کے میرے سینہ میں کچھ داغ ہیں روشن
لو دیکھ لو تم آج چراغاں مرے دل کا

اے دخترِ رز دُور ہی رہ مجھ سے خدارا
ٹوٹے ہے تجھے دیکھ کے پیماں مرے دل کا

آنکھوں میں رہو تم مرے سینہ میں رہو تم۔
گر دیکھنا چاہو غمِ پنہاں مرے دل کا

وہ دن بھی کبھی تھے کہ یہ پھولوں سے بھرا تھا
گلشن ہے مگر آج تو ویراں مرے دل کا

سینہ میں ہوئے خار مرے داغِ محبت
گلزار بنا جس سے بیاباں مرے دل کا

چلتی ہے وہاں خوب ہی مقراضِ محبت
سو بار ہُوا۔ چاک گریباں مرے دل کا

واپس وہ ہوئے دیکھ کے تحریرِ محبت
پڑھنے کیلئے آئے تھے عنواں مرے دل کا

پہلو جو سمندر ہے تو ہے ضبط کا ساحل
رُکتا ہے مری آنکھ میں طوفاں مرے دل کا

سمجھتے ہیں جسے لوگ چمکتا ہے فلک پر
اِک داغ ہے وہ مہرِ درخشاں مرے دل کا

پھیری ہے نگاہوں نے تری سینہ میں جھاڑو
کرتی ہیں صفایا تری مژگاں مرے دل کا

جانے نہ دیا میں نے کبھی تیرِ نظر کو
تا زیست رہا دل میں یہ مہماں مرے دل کا

ہیں وصل کی ہاتھوں میں کلید اپنے لئے آج
کھولیں گے وہ قفل آئے ہی قرباں مرے دل کا

نیا رنگ لایا ہے جوبن کسی کا
کھلا ہے جوانی کا گلشن کسی کا

دکھا کر مجھے رُوئے روشن کسی کا
بنا دے کلیم آج ایمن کسی کا

بہت ناموافق تھے جھونکے ہوا کے
لٹا ہائے بیوقت گلشن کسی کا

یقیں تم کو آئے نہ آئے مگر ہاں
زمانے پہ ہے حالِ روشن کسی کا

چھُوا۔ جوشِ مستی میں دستِ جنوں نے
گریباں کسی کا تو دامن کسی کا

نہ چھوڑیگی ہرگز کوئی گر چھُڑائے
کہ حسرت نے پکڑا ہے دامن کسی کا

تماشائیوں کی نظر کھینچتی ہے
نہیں پاس کرتی یہ چلمن کسی کا

وہ ہو روز مُردہ وہ ہو روز زندہ
جو ہو راہ میں تیری مدفن کسی کا

اُسے بارِ غم نے جھکایا ہے ورنہ
نہیں رکھتی احسان گردن کسی کا

تصوّر کا عاشق کے دیکھو کرشمہ
ہُوا۔ زیب دیوار روزن کسی کا

نہ روکے سے ٹھہرا۔ نہ تھامے سے ٹھہرا
گیا عُمر کا تیز توسن کسی کا

اُسی کا یہ سر ہے اُسی کا یہ تن ہے — نہ سر ہے کسی کا نہ ہے تن کسی کا
بُری ہے رقابت بُرا ہے نتیجہ — الٰہی نہ ہو کوئی دشمن کسی کا
چُراتی ہیں دل کو مرے تیری آنکھیں — نہیں پاس کرتیں یہ رہزن کسی کا
ہوئے چاک دامن ہزاروں ہی وحشی — سیا تو نے دامن نہ سوزن کسی کا

مزہ تم بھی لو آج قرباںؔ جا کر
بہاروں پہ آیا ہے جوبن کسی کا

لبریز میری عمر کا پیمانہ کر دیا — ساقی نے بند دیکھ کے میخانہ کر دیا
اُس کو نہیں خبر کہ ہے گلگیر بھی وہاں — صدقہ جو سر پہ شمع نے پروانہ کر دیا
اس عشق نے سکھائے مجھے تجربے بہت — ہشیار کر دیا کبھی دیوانہ کر دیا
لیلیٰ کمال اور کوئی تھا نہ قیس میں — مشہور تیرے عشق نے دیوانہ کر دیا
ناکامیوں نے دل کو اُجاڑا ہی ہائے ہائے — آباد تھا کبھی اُسے ویرانہ کر دیا
تیرا بُرا ہو عشق کیا تو نے پائمال — عشرت کدے کو تو نے الم خانہ کر دیا
آنکھوں میں تیری آنکھوں کا آیا سرور جب — ساقی وفور کیف سے خمخانہ کر دیا
ہوتا نہ یہ تو کچھ بھی نہ تھا خانہ خراب — آباد دل کا داغ نے کاشانہ کر دیا
دل سے خیال یار کی رہتی ہے دل لگی — آباد کر دیا کبھی ویرانہ کر دیا

چھیڑا تو پھر نہ آئیں گے ہرگز تمہارے گھر
قرباںؔ کو اتنی بات نے دیوانہ کر دیا

کسی کے دل کو کسی سے نہ تم جدا کرنا — لکھے جو لاکھ بھی کوئی نہ یہ جفا کرنا
مرے بھی گھر پہ وہ آ جائیں اے صبا لیکن — تجھے ملیں جو کہیں وہ تو التجا کرنا
الٰہی مر گئے ہی آرام کچھ ملے اُس کو — شہید ناز کی تربت پہ یہ دعا کرنا
ترا ہے شیخ یہاں میکدے میں اب کیا کام — تجھے تو چاہیے ہر دم خدا خدا کرنا
شرابیں پینی یہ چھُپ چھُپ کے ہم سے اپنے لئے — اور اپنے آپ کو مشہور پارسا کرنا
اُسے پلا دے مئے وصل کا فقط اک جام — مریض عشق کی کافی ہے یہ دوا کرنا
دکھا کے مہر کو اُس کا غرور ختم کرو — ذرا نقاب کو چہرے سے اپنے وا کرنا
تجھے زمانہ کہے گا کہ سچا عاشق تھا — گلا بھی کاٹ دیں لیکن نہ کچھ گلا کرنا

ٹپکتے جیسے ہیں آنسو یہ میری آنکھوں سے — ہمیشہ داغ محبت یوں ہی ہرا کرنا
خدا ہی دیتا ہے پھیلا اُسی کے سامنے ہاتھ — کبھی نہ غیر سے زنہار التجا کرنا
میں اور شکوہ ترا غیر جھوٹ کہتا ہے — سُنی سُنائی ہوئی کا یقین کیا کرنا
خوشی رقیب کی قسمت میں تھی لکھی ہمدم — لکھا تھا اپنے مقدر میں یوں جلا کرنا
مریض غم تجھے درد فراق کافی ہے — زباں کو اپنی نہ لذت کش دوا کرنا
یہ مے وہ شے ہے کہ چھوڑے سے بھی نہیں چھٹتی — زباں کو اس سے زنہار آشنا کرنا
الٰہی موت ہی دینا غریب انساں کو — مگر نہ درد محبت سے آشنا کرنا

تمہاری اس میں شرافت ہے آن ہے قرباں
بُروں کی ساتھ بھی ہرگز نہ تم بُرا کرنا

تصور ہی میں آنکھوں سے مرے دوچار ہو جاتا — یوں ہی ظالم شب غم تو مرا غمخوار ہو جاتا
عیادت کے لئے اُسکی جو تو بیمار ہو جاتا — کبھی کا آج تک اچھا ترا بیمار ہو جاتا
تبسم سے اگر دو چار موتی ہمکو مل جاتے — تو مشہور آپ کا دربار بھی دُربار ہو جاتا
ہوئے بیہوش ہی وہ تو مگر ہم جان دیدیتے — جو موسیٰ کیطرح حاصل ہمیں دیدار ہو جاتا
خیال یار اگر تسکیں نہ دیدیتا ہمیں آکر — شب فرقت مجھے جینا بہت دشوار ہو جاتا
بہا لیتا جو دو آنسو گنہگار اپنے عصیاں پر — یقیناً مستحق رحمت غفار ہو جاتا
شب فرقت اُٹھا دیتا تمہارا درد اگر آ کر — تو میرا بخت خوابیدہ نہ کیوں بیدار ہو جاتا
جفائیں دیکھ کر اُن کی وفائیں چھوڑتا اپنی — تو اے دل تجربہ ہی کر کے کچھ ہشیار ہو جاتا
خبر ہر بات کی دیتا مجھے ایام فرقت میں — نہ گر بیکار یہ تار نفس کا تار ہو جاتا
اگر بحر ندامت میں ڈبو دیتا گناہوں کو — سفینہ تیرے عصیاں کا بھنور سے پار ہو جاتا
اُٹھائی تیغ ناحق آپ نے اتنا ہی کافی تھا — نگہ کا وار ہو جاتا ۔ ادا کا وار ہو جاتا
نکل جاتا وہ وعدے کی صفت سے جانتے تھے وہ — اگر اک روز بھی پورا کوئی اقرار ہو جاتا

اگر قرباں اپنی جان دیدیتا نہ الفت میں
نظر میں قیس احمق کی ذلیل و خوار ہو جاتا

غلط خیال ہے گردوں کبھی دل نہ سکا — جب آہ نکلی مرے دل سے وہ سنبھل نہ سکا
وہ انقلاب زمانہ سے پھر سنبھل نہ سکا — جو پھونک پھونک کے اپنے قدم کو چل نہ سکا

تمہارے ابرو و مژگاں نے لاکھ کوشش کی
چُھپا تھا تیر جو دل میں وہ پھر نکل نہ سکا

رہا خیال تمہارا مجھ کو رہا بیہوش
تمہارا ۔ دلبر یہ جادو تمہارے چل نہ سکا

مرض عشق تھا مجبور ہو گیا آخر
سنبھالے لاکھ لئے اُسنے پر سنبھل نہ سکا

میں اُنکے عشق میں جل بجھکے زندہ کیا رہتا
چراغ بھی مری تربت پہ بجھ کے جل نہ سکا

قضا کے پھونک سے نے ایسا کیا اُسے خاموش
چراغ زیست ہوا گل تو ہائے جل نہ سکا

عجب ہے کاتب تقدیر تیری مجبوری
جو لکھدیا اُسے پھر تو کبھی بدل نہ سکا

کرینگے اُن سے بیاں غم کا حال سوچا تھا
مگر زبان سے اک حرف بھی نکل نہ سکا

نظام دہر کے نقشے بدل گئے لاکھوں
ترا ۔ خیال جب آیا تو پھر بدل نہ سکا

ہزار لوگوں نے قربان رُکاوٹیں ڈالیں
خدا سے تو نے جو چاہا کبھی وہ ٹل نہ سکا

مجھے بعد مردن جلانا پڑے گا
یہ اعجاز اکدن دکھانا پڑے گا

ہمیں داغ دل کا دکھانا پڑے گا
اُنھیں زخم کا مٹانا پڑے گا

بہت دیر سے ہم ہیں مغموم بیٹھے
تمھیں آج آکر ہنسانا پڑے گا

مرے دل کی حسرت مٹانی پڑیگی
مرے دل کا ارماں مٹانا پڑے گا

عدو کو اُٹھانا ہے اکدن وہاں سے
مجھے تیری محفل میں جانا پڑے گا

تمھیں اک ٹھوکر لگانی پڑے گی
نشان لحد بھی مٹانا پڑے گا

فسانہ مرا جتنا باقی ہے غم کا
تمھیں سننا مجھکو سنانا پڑے گا

ازل سے مجھے تیری الفت ملی ہے
مجھے بار غم کا اُٹھانا پڑے گا

مجھے اپنی صورت دکھانی پڑیگی
مرے خواب میں تمکو آنا پڑے گا

تبسم سے چھڑکو نمک میرے دل پر
یہ زخمی ہے اسکو پڑے گا

تمھیں حشر میں اک یہاں چال چلکر
قیامت کو رستہ دکھانا پڑے گا

وہ کہتے ہیں قربان غمگیں جو آیا
تو سینہ سے اسکو لگانا پڑے گا

الٰہی یہ اندھیر کیا ہو گیا
مرا ۔ یار مجھ سے جدا ہو گیا

دیا ہاتھ سے مجھکو تو نے اگر
تو وہ زہر مجھکو دوا ہو گیا

اُسے مل گیا وہ اُسی کا ہُوا
جو دل سے فدا اُسے خدا ہو گیا

بتا دے تو شوخی سے تجھے کیا میں دوں
میرا دل تو نذرِ ادا ہو گیا

جو تم بتا دو کروں گا میں کیا
جو ناراض مجھ سے خدا ہو گیا

نہیں مجھ سے رنجش یہ جاتی ہے تیری
عدو سے تیرا فیصلہ ہو گیا

شکایت جو میں نے کبھی اُسکی کی
عدو بھی میرا ہمنوا ہو گیا

وفا کا کیا ہم نے میدان فتح
اگر فرض الفت ادا ہو گیا

خدا جانے راضی وہ اب کس سے ہو
کہ قرباں سے تو خفا ہو گیا

رحم ساقی کو بقدر اضطراب آ ہی گیا
آج آخر دور میں جام شراب آ ہی گیا

پیش جو آنے کو تھا وہ اضطراب آ ہی گیا
کہتے کہتے ایکدن روزِ حساب آ ہی گیا

ہم نہ کہتے تھے نہ دیکھ اُس کی طرف اے چشم شوق
دیکھ لے آخر دل خانہ خراب آ ہی گیا

کیا کروں شکل عدو سے آگ دل میں لگ گئی
دیکھ کر صورت کو اُسکی پیچ و تاب آ ہی گیا

ہوتے ہوتے میری بربادی کے ساماں ہو گئے
آتے آتے یار پر آخر شباب آ ہی گیا

شکر ہے محنت ٹھکانے لگ گئی اے نامہ بر
جسکی آنکھیں منتظر تھیں وہ جواب آ ہی گیا

یاد جب آئی کسی کی تو مغنی ایکدم
لیکے فوراً ہاتھ میں چنگ و رباب آ ہی گیا

اے دل قرباں کہاں جائے گا آخر بچکے تو
لوٹنے کو اُنکا غارتگر شباب آ ہی گیا

کر دیا فیصلہ زیست جدھر دیکھ لیا
ہم نے اُس شوخ کا اعجازِ نظر دیکھ لیا

تکے دنیا میں اگر حسنِ بشر دیکھ لیا
کیا بُرا میں نے کیا تیرا ہنر دیکھ لیا

تیر مژگاں نے ترے یوں ہی جگر دیکھ لیا
جیسے ہو کوئی کہیں موت نے گھر دیکھ لیا

ہیں حسیں سینکڑوں جاتا نہیں گھر اُنکے کبھی
غیر نے صرف ہے کیا تیرا ہی گھر دیکھ لیا

ایک شیشے کی طرح ہے تو مگر نازک ہے
کمرِ یار کو بھر بھر کے نظر دیکھ لیا

داغ الفت کو ٹھکانا نہ کہیں ملتا تھا
میرا دل دیکھ لیا میرا جگر دیکھ لیا

مرتے مرتے بھی رہی خواہش دنیا تجھ کو
تو نے دنیا میں ہے کیا خاک بشر دیکھ لیا

ہم نہ کہتے تھے کہ تم ظلم نہ عاشق پہ کرو
کر گیا آج وہ دنیا سے سفر دیکھ لیا

اشکِ شبنم جو بہاتی ہے چمن میں نرگس
اُس نے کیا میرا کہیں دیدۂ تر دیکھ لیا

شبِ غم کیوں تو پریشان ہمیں کرتی ہے
ہم نے اے آہ بہت تیرا اثر دیکھ لیا

پھونک کر جسم تیرا کر دیگی اُلفت اکسیر
اِک نظر بھی تجھے قربان اگر دیکھ لیا

صدقے نگاہِ یار کے کیا کیا بنا دیا
بدمست کر دیا مجھے شیدا بنا دیا

ذرے کو تو نے کوہ سے اونچا بنا دیا
اِک قطرۂ حقیر کو دریا بنا دیا

گل کی جگہ اب اسمیں ہیں کانٹے بھرے ہوئے
گلزارِ دل کو عشق نے صحرا بنا دیا

ادنا کرشمہ ہے یہ ترے لطف کا کریم
اِک طالبِ جمال کو موسےٰ بنا دیا

اے عشق کیسا تو نے یہ مجھپر کیا ستم
پردیس اور دیس میں رسوا بنا دیا

بلبل کے واسطے کیا گلشن کو انتخاب
میرے لئے بہار نے صحرا بنا دیا

+ اوروں کی میں نگاہ سے دیکھوں ہوں اپنا عیب
احساس کو نگاہ نے بینا بنا دیا

ہنستے ہیں میرے حال پہ جنکو نہیں ہے عشق
مجکو جہاں کا ایک تماشا بنا دیا

نالہ بلب، ملول، پریشان، سر بجیب
قربان تجھ کو عشق نے یہ کیا بنا دیا

جو پوچھنا مجھ سے چاہتے ہو ہوا لہو کیسے آرزو کا
تو چھیڑ دو ذکر میرے آگے کسی کی خفگی کی گفتگو کا

خدا کا ہے شکر ہو رہا ہے تمہارے ہاتھوں وہ خود قلم اب
لگایا تھا تم نے دل میں پودا ہمارے جو نخلِ آرزو کا

ملاؤں ہیں تجھ سے اپنی آنکھیں ملاؤ تم مجھ سے اپنی نظریں
کہ پردے پردے میں ہوں اشارے تو لطف ہو خاک گفتگو کا

رہی نہ جو آرزو تھی دل کی ہوئے خفا آکے وصل میں بھی
کیا نہ تم نے خیال کچھ بھی ہمارے ارمان و آرزو کا

ہمارے مشرب کے لوگ جو تھے وہ اُٹھ گئے میکدے سے ساقی
بھلا دے دل سے نہ تذکرہ کر ہمارے آگے مے و سبو کا

عدو کے ہمراہ پھر رہے ہو زمانہ انگلی اُٹھا رہا ہے
نہ پاس الفت کا میری کچھ ہے نہ خوف ہے اپنی آبرو کا

غرور جتنا کرے ہے تھوڑا تمام باتیں ہیں اُس کو زیبا
نہیں ہے ثانی جہاں میں اُس کا نہ اُسکے انداز و حیلہ خو کا

اگرچہ پیاری ہیں دونوں چیزیں مگر ہے قربان فرق بیحد
خیال اتنا نہیں ہے جاں کا خیال جتنا ہے آبرو کا

کیوں ہے لیلیٰ یہ حیا وسوسے سب دل سے اُٹھا
دیکھ لے قیس کو پردہ کبھی محمل سے اُٹھا

سخت جاں تھا، مگر احسان کسی کا نہ لیا
بارِ نشتر نہ کبھی سینۂ بسمل سے اُٹھا

دل بسمل میں رہے جاتے ہیں ارماں لاکھوں
چشم حسرت کوئی اب چھیڑ ہی قاتل سے اٹھا

جوش گریہ سے یہ ہے حال میرے اشکوں کا
سخت طوفان ہو جیسے کوئی ساحل سے اٹھا

دل کے شیشہ میں مرے دیکھ ادائیں اپنی
مان جا آئینہ یہ اپنے مقابل سے اٹھا

وہ تو نزدیک تھا شہ رگ سے نہ دیکھا اس کو
پردۂ وہم ہی افسوس نہ غافل سے اٹھا

رونق بزم اگر ہے تو ہمارے دم سے
خیر محفل کی تری ہم کو نہ محفل سے اٹھا

چھوڑ دے عشق بتاں عشق خدا حاصل کر
لطف لے حق سے تو نقصان نہ باطل سے اٹھا

ضبط کہتے ہیں اسے رسم وفا میں قربان
آگ لگتی رہی لیکن نہ دھواں دل سے اٹھا

دیر سے ہم اسیر ہیں یاد نہیں بہار کیا
ہم تو خزاں نصیب ہیں قصۂ لالہ زار کیا

ہم کو بہار اور خزاں دونوں قفس میں ایک ہیں
دیکھئے کیا خزاں ہمیں لائے گی اب بہار کیا

ہم ہوئے ہجر میں فنا دل تو مگر نہیں مرا
دل تو ہمارے ساتھ ہے آئے نہیں قرار کیا

گرد ملال سے اگر قبر نہ میری بن سکی
تیری کدورتیں فضول اور ترا غبار کیا

کہتے ہیں جس کو زندگی اسکو یہاں نہیں قیام
موت کا تو یقین ہے زیست کا اعتبار کیا

پھر کوئی حشر اٹھائینگے پھر کوئی رنگ لائیں گے
نوحہ مجھے سنائیں گے دیدۂ اشکبار کیا

اب نہ وہ شوق اور نہ جوش عیش و نشاط کا ہے ہوش
ہو گئی زندگی خموش گھر بھی ہوا مزار کیا

باغ کا رازدار ہوں آئینۂ بہار ہوں
میری نگہ میں پھول کیا میری نظر میں خار کیا

کیوں نہ ادائے یار پر جان کو کیجئے نثار
مرنا ہی جب ہوا اک دن قربان پھر انتظار کیا

تڑپ کر شمع پر پروانہ کا خاموش ہو جانا
سکھاتا ہے اسے کہتے ہیں محو جوش ہو جانا

حجاب یار کے کشتو ذرا تربت سے بولو تو
جمال یار سے سیکھا ہے کیا روپوش ہو جانا

پڑی ہے راستہ میں ایک میت بے کفن میری
ذرا اے خاک عبرت تو ہی پردہ پوش ہو جانا

وہ وقت نزع میرا کچھ طلب کرنا اشارہ سے
کسی کا چپکے چپکے کہکے کچھ خاموش ہو جانا

پلادے خم کے خم کے ساقی رہے گا ہوش پھر باقی
نہیں آساں ہمارا اب بے نیاز ہوش ہو جانا

بٹھاتے تھے جو جیتے جی مجھے آنکھوں پہ دنیا میں
غضب ہے میرا لاشہ انکو بار دوش ہو جانا

غنیمت ہم سمجھتے پردہ رہتا اس سے دنیا میں
میسر خواب میں ہوتا جو ہم آغوش ہو جانا

نہ ہم ساغر سے واقف تھے نہ ہم صہبا سے واقف تھے
سکھایا چشم جاناں نے ہمیں مینوش ہو جانا

وہ اے قربان بے پردہ کسی کا بام پر آنا
وہ میرا دیکھتے ہی دیکھتے بے ہوش ہو جانا

محفل میں سب کو یار کی اذنِ سروش تھا
بربط ہمارے دل کا وہاں کیوں خموش تھا

اے ہمنشیں میں ضبطِ وفا سے خموش تھا
یہ تو نہیں نہ تھا، میرے سینہ میں جوش تھا

گل تھا نہ کوئی اور نہ کوئی گلفروش تھا
البتہ کچھ بہار کا گلشن میں جوش تھا

تربت پہ اُن کے آتے ہی وہ چھائی بیکسی
عبرت کے ساتھ ساتھ ہی منظر خموش تھا

منصور کی زبان نہ کیوں تو نے بند کی
جلووں کا تیرے دل میں اگر اسکی جوش تھا

راز و نیاز بلبل و گل ہو رہا تھا جب
شرمندہ شاخ شاخ تھی غنچہ خموش تھا

آخر شباب کا بھی زمانہ گذر گیا
تھوڑی سی دیر کا یہ فقط ایک جوش تھا

مجنوں کا ذکر ناقۂ لیلیٰ سے کیا سنیں
دُنیا میں شور تھیں وہ پنبہ بگوش تھا

تیری نگاہیں دیکھ کے محفل میں چپ رہا
دلمیں اگرچہ میرے تمنا کا جوش تھا

قربان کون اُن کو سناتا ہمارا حال
پہلو میں ایک دل تھا سو وہ بھی خموش تھا

حیلہ اُنھیں حجاب کا شکوہ مجھے نقاب کا
ہو تو علاج کسطرح قلب پُر اضطراب کا

غش ہوں زمین و آسماں زندہ کوئی رہے کہاں
پردہ کبھی اُلٹ جو دے رُخ سے کوئی نقاب کا

اسمیں ہیں جو مشاہدے وہ کہیں اور مل چکے
فطرتِ حق سے درس لے۔ لوٹ ورق کتاب کا

لکھا ہے میں نے حال سب لکھی ہے دل کی ہر طلب
بیٹھا ہوں منتظر میں اب یار ترے جواب کا

کھل گیا۔ تیرا حال سب اب ہے حجاب ہی غضب
کر دے اُسے بھی دور اب کام ہی کیا حجاب کا

مجکو تو عشق ہی ترا۔ اور کسی سے کام کیا
خوف نہیں عذاب کا شوق نہیں ثواب کا

خونِ جگر شراب ہے لختِ جگر کباب ہے
تشنہ نہیں شراب کا خستہ نہیں کباب کا

جوش تھا اور امنگ تھی ہشق رباب و چنگ تھی
دلمیں عجب ترنگ تھی، ہائے مزہ شباب کا

خوف یہی تھا دلنشیں، میں نہ کروں گلہ کہیں
منتیں قربان اُس نے کیں آیا جو دن حساب کا

ظالم ترا تبسم گر۔ سے نے۔ نواز ہوتا
خاموش انجمن میں ہرگز نہ ساز ہوتا

محدود میرے دل تک گر تیرا راز ہوتا | دُنیا میں یوں نہ رُسوا حسنِ مجاز ہوتا
کیوں زخمِ دل نہ بھرتا۔ کیوں داغِ دل اُبھرتا | تجھ سے علاج دل کا گر چارہ ساز ہوتا
اے بوالہوس اگر تو خود غرضیاں نہ کرتا | بدنام پھر نہ تیرا عشقِ مجاز ہوتا
الفت کا پردہ رکھتا گر تیرا حسنِ رعنا | محمود کا نہ چرچا ہر سو ایاز ہوتا
گر مرگِ عاشقی کا معلوم ہوتا رتبہ | کیوں خضر خواستگارِ عمرِ دراز ہوتا
تیرے مریضِ غم کو صرف اتنی آرزو تھی | تو چارہ کار ہوتا تو چارہ ساز ہوتا

وہ اسکو گھر بناتے دو اس میں رہنے آتے
قربان دل تمہارا گر پاکباز ہوتا

جو مہربان کسی طور باغباں ہوتا | چمن سے میرا نہ معدوم آشیاں ہوتا
جو کوئی تیرِ نظر کا تری رواں ہوتا | ہمارے دل کا جگر کا وہ میہماں ہوتا
یہاں جو راز ترے حسن کا عیاں ہوتا | روانہ ملکِ عدم کو نہ کارواں ہوتا
نہیں وہ دیتے اجازت مجھے تکلم کی | بلا سے صبر ہی کرتا جو بے زباں ہوتا
شبِ فراق میں دیتا جو دلکو کچھ تسکیں | کبھی نہ شکوہ تیرا ہم کو آسماں ہوتا
نہ ہوتی دید جو منظورِ عشقِ بلبل کی | چمن میں گل کا نہ ہرگز کہیں نشاں ہوتا
ہوائے باغ کا مجھ سے لگاؤ تو رہتا | میں کاش اپنے قفس ہی کی تیلیاں ہوتا
وہ نزع میں بھی جو سر گرمِ لطف ہو جاتے | ابھی نہ سرد میں یوں لیکے ہچکیاں ہوتا۔

بلا سے تو اُسے قربان لکھ کے بھیج ہی دے
نہیں زباں سے تیری جو کچھ بیاں ہوتا

دلمیں میرے شوخی بن آنکھوں میں حیا ہو جا | تسکینِ دلِ عاشق کی اے ماہ لقا ہو جا
افسانہ عالم بن، رنگِ دوسرا ہو جا | مشہور زمانہ میں اے میری وفا ہو جا
گر مجھ سے خفا تو ہے دنیا ہے خفا مجھ سے | یہ کس نے کہا تجھ سے تو مجھ سے خفا ہو جا
ناراض جو یہ بُت ہوں۔ ہونے دے نہ کر پروا | اللہ کا عاشق بن محبوبِ خدا ہو جا
ان چارہ گروں کی تو تدبیر ہی اُلٹی ہے | پچھتائینگے یہ آخر اے دردِ سوا ہو جا
اے حسنِ صنم میری جلووں نے نوازش کر | دل کی میری رونق بن آنکھوں کی حیا ہو جا
جاں دیدے مگر ہرگز شکوہ نہ زباں پہ لا | عاشق ہے اگر سچا خاموش فنا ہو جا

گھر غیر کے جانیکی فرصت ہے اگر تجھ کو ۔ | کشتوں کی لحد پر بھی اے مردِ خدا ہو جا

قربان بتوں پر تو قربان نہ ہو ہرگز
بندہ تو خدا کا ہے ۔ مشغولِ خدا ہو جا

نالہ میرا ۔ شبِ فرقت مرا غماز ہوا | واقفِ رازِ بالآخر بُتِ طناز ہوا
مر کے بھی یہ تو معمہ ہی رہا ہے سب پر | روح کا راز کسی پر نہ کبھی باز ہوا
کیوں شفا ہوتی نہیں ہجر کے بیماروں کو | آخر اب کیا وہ مسیحا ترا اعجاز نہ ہوا
ایک بھی اُس نے محبت کا دکھایا نہ چلن | جو ہوا مجھسے بناوٹ ہی کا انداز ہوا
بسملِ تیرِ نظر ہو کے رہا ہوں زندہ | میری الفت سے نمایاں ترا اعجاز ہوا
جب سے اے جانِ جہاں تجھ پہ ہوا ہوں میں نثار | نام مشہور میرا ۔ عاشقِ جانباز ہوا
عشق تیرا، رہا، دُنیا میں معمہ بن کر | جس کا معلوم نہ انجام نہ آغاز ہوا

تیرے مضمون جو قربان نکلتے ہیں نفیس
تو بھی کیا ہند میں اب بلبلِ شیراز ہوا

دُنیا میں اک بگولا محشر نما اُٹھا تھا | میرا، غبارِ تربت صحرا میں جب اُڑا تھا
قدرت نے اسکا خوں سے مُنھ لال کر دیا تھا | گلشن میں کوئی غنچہ مجھ پر اگر ہنسا تھا
رستے میں بتکدہ جو آیا وہیں یہ ٹھہرا | نیت میں کر کے سُوئے کعبہ اگر چلا تھا
کیوں دفعتاً خزاں میں کملا گیا مرا دل | مدت میں حسرتوں سے اک پھول یہ کھلا تھا
وہ ہو گیا جو راضی، خوش ہو گئی خدائی | جب تک وہ بُت خفا تھا ۔ اللہ بھی خفا تھا
اچھا ہوا نہ میرا دردِ جگر کسی سے | جتنا کیا مداوا ۔ اُتنا ہی وہ سوا تھا
نامہ تو اُنکا آیا لیکن جواب سادہ | پُورا ہوا وہ آخر قسمت میں جو لکھا تھا
دیکھا ہے ہم نے اُسکو مخمور میکدے میں | مشہور جو کہ زاہد دُنیا میں پارسا تھا

راحت نہیں تھی اُس سے تکلیف بھی نہیں تھی
قربان تھا غنیمت، اچھا تھا یا بُرا تھا

کر رحم کہ یہ بارِ ستم اُٹھ نہیں سکتا | ہر وقت ترا، جور و ستم اُٹھ نہیں سکتا
بے اذن ترے ہل نہیں سکتا کوئی پتہ | بے حکم ترے ایک قدم اُٹھ نہیں سکتا
اے فطرتِ غم دوست غلط کر کے دکھا دے | کہتے ہیں کہ انسان سے غم اُٹھ نہیں سکتا

بتخانہ کے شیدائی وہیں جائینگے اے شیخ | اب اُنکا قدم سوئے حرم اُٹھ نہیں سکتا
رکھدے اسے جاکر کسی دامانِ حسیں پر | آنسو جو کوئی دیدۂ نم اُٹھ نہیں سکتا
کسطرح تو پھر حسرت و ارماں سے لڑیگا | جب ضبط کا اے دل یہ علم اُٹھ نہیں سکتا
کافی ہے مرے واسطے ابرو کا اشارہ | احسان ترا، تیغ دودم اُٹھ نہیں سکتا
اوروں کے بھرے ہیں گُلِ اُمید سے دامن | کیا میرے لئے دستِ کرم اُٹھ نہیں سکتا

لکھ بھیج تو خط آج اُنھیں حال کا اپنے
کیا ہاتھ سے قربان قلم اُٹھ نہیں سکتا

جلوہ میری آنکھوں سے قریں ہو ہی چکا تھا | دیدار ترا پردہ نشیں ہو ہی چکا تھا
میری نگہ شوق سے شرما گئی ورنہ | بے پردہ کوئی پردہ نشیں ہو ہی چکا تھا
تسکین نہ دیتا جو تصوّر میں اُسے تو | عاشق ترا، مرنے کے قریں ہو ہی چکا تھا
اے موت تو کیوں لائی ہے اب قبر کا پیغام | مٹ کر کوئی پیوند زمیں ہو ہی چکا تھا
کوچہ میں صبا لائی ترے خاک کو میری | مجنوں کی طرح دشت نشیں ہو ہی چکا تھا
اُمید نے تیری اُسے مشکل سے نکالا | دل میں مرے غم تیرا مکیں ہو ہی چکا تھا
آتا نہ اگر خوفِ خدا وقتِ تکبّر | انسان بھی مردودِ لعیں ہو ہی چکا تھا
اقرار، اشاروں سے کیا چشمِ کرم نے | منھ سے تو ادا لفظِ نہیں ہو ہی چکا تھا

کیوں حشر میں دیدار نہ ہوتا ہمیں اُن کا
یہ فیصلہ قربان حزیں ہو ہی چکا تھا

پھاڑ کر کپڑے میں صحرا کو نکل جاؤنگا | خاک ہو کر تیرے قدموں میں کچل جاؤنگا
تو نے تسکین جو دی آکے مسیحا مجھ کو | کچھ دنوں سائے میں اور سنبھل جاؤنگا
کیوں تصوّر ترا، تسکین مجھے دیتا ہے | کوئی بچہ تو نہیں ہوں کہ بہل جاؤنگا
وہ یہ کہتے ہیں کہ نالوں سے ڈراتا ہے عبث | آسماں تو میں نہیں ہوں جو دہل جاؤنگا
نگہ یار نہ لوں سر پہ قضا کا احساں | مانگنے تجھ سے ہی میں اپنی اجل جاؤنگا
ساتھ سایہ کی طرح تیرے رہونگا ہر دم | میں گیا وقت نہیں ہوں کہ جو ٹل جاؤنگا
طورِ دنیا کے بدلجائیں یہ ممکن ہے مگر | غیر ممکن ہے کہ میں رنگ بدل جاؤنگا

کیوں بُرے بنتے ہیں قربان وہ اُٹھا کر مجکو

دیکھ کر غیر کو میں آپ ہی ٹل جاؤنگا

سر پہ احسان تری تیغ ادا نے رکھا
ورنہ محروم شہادت تھا قضا نے رکھا

ان کو شوخی نے شب وصل بہت اکسایا
باز آنے سے مگر شرم و حیا نے رکھا

دشمن حسن تھیں غیروں کی نگاہیں کیا کیا
تم کو محفوظ تو میری دعا نے رکھا

قید محرم میں ترا جوش جوانی نہ رکا
گو حفاظت میں بہت بند قبا نے رکھا

میری حسرت کا لہو تیرے نہ تن نے دیکھا
کیا کروں پردہ ترا شوق حنا نے رکھا

مے پلانے پہ بھی آمادہ نگاہ ساقی
میرے ایمان کو محفوظ خدا نے رکھا

ہم سے دنیا میں گنہ ہوتے ہزاروں سرزد
باز ہم کو خلش روز جزا نے رکھا

زندہ کی غم نے میرے سنت قیس و فرہاد
نام عشاق کا میری ہی وفا نے رکھا

جو بھی ملتا ہے حسیں اس پہ تو ہوتا ہے نثار
نام قرباں ترا کس مرد خدا نے رکھا

حال دل بیمار سنبھل جائے تو اچھا
کانٹا میری حسرت کا نکل جائے تو اچھا

تم نزع میں للہ جمال اپنا دکھا دو
اٹکا ہے دم آنکھوں میں نکل جائے تو اچھا

راحت کی مجھے دیتا ہے تکلیف تصور
غم سے ہی دل زار بہل جائے تو اچھا

اوروں کو ملے فائدے الفت کے کرشمے
میرا شجر عشق بھی پھل جائے تو اچھا

تقدیر میری غیر کو ملجائے مزا ہو
یا اللہ مری قسمت کا بدل جائے تو اچھا

لغزش ہو ترے پاؤں کو مے سے کسی دن
اے شیخ جو تو یوں ہی سنبھل جائے تو اچھا

ہر دم کے غم و رنج سے ملجائے رہائی
دنیا سے مجھے لیکے اجل جائے تو اچھا

قرباں میرا کام ہو آپس کی خلش سے
ساغر میں صراحی میں جو چل جائے تو اچھا

وہ حال تباہی پہ تاسف نہیں کرتا
تکلیف ہو گو لاکھ مگر اف نہیں کرتا

دل لینے میں ہرگز وہ تکلف نہیں کرتا
دل دینے میں ہرگز میں توقف نہیں کرتا

ظالم ہو بہت تم کو جو احساس نہیں ہے
وہ کون ہے جو مجھ پہ تاسف نہیں کرتا

تلوار چلے تیر چلے یا چلے خنجر
بسمل ترا مقتل میں کبھی اف نہیں کرتا

ہے میرا مقدر تیری تقدیر زلیخا
تجھ سے بھی محبت تیرا یوسف نہیں کرتا

سمجھے ہے زلیخا اُسے رسوائی کا ڈر ہے
تعبیر بیاں خواب کی یوسف نہیں کرتا

تو کیوں بُتِ ہندی کو بُرا کہتا ہے واعظ یہ
میں حورِ بہشتی پہ تری تف نہیں کرتا

قانع ہوں سدا چیز پہ قربان میں اپنی
غیروں کی کسی شے پہ تصرف نہیں کرتا

بالیں پہ جو وہ رشکِ مسیحا نہیں آتا
بیمار کا کیا اُس کو مداوا نہیں آتا

حاجت ہے کوئی تجھ کو تو جا اُس سے طلب کر
خود پاس پیاسے کے تو دریا نہیں آتا

وحشی کا مکاں ہو کے ہر وحشی سے گریزاں
کیا تجھ کو خیال اتنا بھی صحرا نہیں آتا

قاتل نے کہا دیکھ کے یوں ضبط ہمارا
بسمل کی طرح اسکو تڑپنا نہیں آتا

پیدا یہ نہیں ہوتی ہے فطرت کی بدولت
دنیا میں کوئی لے کے تمنا نہیں آتا

گھبراتا ہے دل میرا لپٹ جائے نہ دل سے
پہلو میں مرے وہ نہیں آتا نہیں آتا

جاتا ہے غم و رنج وہ اک عمر کے لیکر
کشتہ ترا تربت میں بھی تنہا نہیں آتا

قسمت سے ہیں مجبور وگرنہ ہیں ہنرمند
ہم ماہر فطرت ہیں ہمیں کیا نہیں آتا

عاشق کو لگاتے نہیں سینہ سے تم اپنے
دل لینے کا کچھ تم کو طریقا نہیں آتا

کعبہ اُسے ہم کردیں مگر ہم کیا کریں زاہد
بتخانہ میں تو بن کے مصلا نہیں آتا

قربان تری آنکھوں پہ غفلت کے ہیں پردے
یوں اُن میں بصیرت کا اُجالا نہیں آتا

ہم بھی مشتاق ہیں دیکھیں کبھی جلوہ تیرا
سامنے سے کبھی اُٹھ جائے یہ پردہ تیرا

کچھ خبر بھی ہے تجھے پردے میں رہنے والے
جابجا محفلِ عالم میں ہے چرچا تیرا

خود بخود لذتِ آزار ہوئی مجھ کو نصیب
درد جس روز سے دل میں ہوا پیدا تیرا

نام باقی ہے ترا چین سے سو زیرِ لحد
جانشیں قیس ہوا میں سرِ صحرا تیرا

سخت جانی کا مری یا ہے نزاکت کا سبب
کیوں یہ خنجر سے مرے حلق پہ ہلکا تیرا

غم نہیں اسکا کہ ہوجائے مری روح فنا
سر پہ احسان نہ لوں گا میں مسیحا تیرا

تیرے جلووں سے نگاہوں کی ہے دنیا آباد
جلوہ کرتا ہے میری آنکھونکا بینا تیرا

لذتِ عشق کسے ملتی ہے اے دل شاباش
مانگتا ہوں میں دُعا درد ہو دونا تیرا

تھی مروت کہ ملے غسل اسے بعد فنا
جامۂ تن جو گناہوں سے تھا میلا تیرا

میں نے انصاف محبت میں ترا دیکھ لیا
ہوگا اب حشر میں بس فیصلہ میرا تیرا

دو جہاں میں نہیں گنجایش یک پائے خیال
پاٹ کتنا ہے بتا دامن صحرا تیرا

خارِ صحرا کو بھی وہ نخل محبت سمجھے
سر میں جسکے ہو سمایا ہوا سودا تیرا

جان بھی تن سے گئی آگ مگر باقی ہے
شورش عشق کھلا - کچھ نہ معما تیرا

تیرے منصوبے تو قربان بہت ہوتے ہیں
پورا ہوتے کبھی دیکھا نہ ارادا تیرا

بربادئی زمانہ ہی میں بے وطن ہوا
گذرا جہاں سے خشک وہ نورِ چمن ہوا

گل خندہ زن تھا جو مرے ارمان قتل پر
اللہ تیرا شکر وہی تیغ زن ہوا

جس کو خزاں نے صحن چمن سے دیا نکال
مرغ ہوا پھر آج وہ مرغ چمن ہوا

پہنے جو اس نے کپڑے بسا کر گلاب میں
تھا پہلے گلعذار تو اب گلبدن ہوا

کرتا نہیں ہے عہد کا اپنے جو تو لحاظ
مشہور تیرا نام ہے وعدہ شکن ہوا

ساقی کے میکدے میں جب آیا تو خوب پی
محفل میں جا کے شیخ کی توبہ شکن ہوا

جو بے کھلے تھے غنچہ وہ گل ہو گئے تمام
بلبل کی طرح میں جو کبھی نغمہ زن ہوا

پھٹتے عزیز اہل جہاں کیا جہان میں
قربان تیرا کوئی نہ اچھا چلن ہوا

پھر عزم قتل ہو کے وہاں دل میں رہ گیا
ارمان گھٹ کے پھر دل بسمل میں رہ گیا

پروانے جل کے خاک ہوئے شمع بجھ گئی
تنہا میں ایک رونے کو محفل میں رہ گیا

رکھا حیا نے باز وہ کہتے تھے کچھ ضرور
آتے ہی آتے لب پہ سخن دل میں رہ گیا

دامن کو تیرے کیوں نہ رنگا اپنے خون سے
قاتل یہ حوصلہ دل بسمل میں رہ گیا

جب آنکھ اُٹھا کے قیس نے دیکھا ابھی اُدھر
شعلہ سا ایک پردۂ محمل میں رہ گیا

مقصود تک نہ ضعف کے باعث میں جا سکا
بنکے غبار عشق کی منزل میں رہ گیا

جتنے تھے ہم جلیس اُٹھے رفتہ رفتہ سب
میں نامراد ایک ہی محفل میں رہ گیا

دیگا ثبوت حشر میں بنکر مری زباں
دھبہ جو خوں کا دامن قاتل میں رہ گیا

لے جانیوالو ٹھہرو کرو کچھ تو اسکا پاس
قربان دور عشق کی منزل میں رہ گیا

شیشہ ٹوٹا تو بُتِ عہد شکن یاد آیا
ہم کو میخانہ میں وہ غنچہ دہن یاد آیا
تو جو خوش ہو کے چلا لے کے کفن میرا خبیث
اپنا مرنا نہ تجھے دُزدِ کفن یاد آیا
تیرے رونے سے رُکینگے نہ مسیحا ہرگز
اٹھو جاتے ہیں ہمیں اپنا وطن یاد آیا
اُٹھ گئے پہلو سے وہ اُنکا ستم تو دیکھو
اُن کو جب میرا کوئی زخم کہن یاد آیا
تن میں ایک آگ لگی مُنھ سے شرارے نکلے
اُن کا جب ہم کو کبھی گرمِ سخن یاد آیا
تو نے الطاف کئے ہم پہ کچھ ایسے صیاد
نہ اسیری میں کبھی ہم کو چمن یاد آیا
خود بخود اپنی ہی وحشت پہ لگے ہم ہنسنے
بیٹھے بیٹھے جو ہمیں اپنا وطن یاد آیا
اشک بارش کے گرا کر جو تو اب روتا ہے
مٹنے والا تجھے کیا چرخِ کہن یاد آیا

رُوح کیوں تن سے نکل کر مرے قربان چلی
بیٹھے بیٹھے اسے کیا اپنا وطن یاد آیا

مجھے جلوہ دکھا دیتے بسانِ طور میں جلتا
مجھے موسیٰ بنا دیتے بسانِ طور میں جلتا
مرا دل شمعِ الفت بنکے کیا کیا روشنی دیتا
اگر دل کو جلا دیتے بسانِ طور میں جلتا
کہاں تھی تاب میں کیا اُن کے جلوے دیکھ سکتا تھا
اگر پردہ اُٹھا دیتے بسانِ طور میں جلتا
مرے دل میں تھی کب طاقت کہ جاتا پاس میں اُنکے
مری ہستی جلا دیتے بسانِ طور میں جلتا
بہت ہی سرد دل اُنکا۔ اگر وہ آ کے پہلو میں
لگی دل کی بجھا دیتے بسانِ طور میں جلتا
غنیمت ہے اُسے محروم رکھا سامنے میرے
عدو کو وہ ہنسا دیتے بسانِ طور میں جلتا

دکھا دیتا اُنھیں قرباں تماشا سوزِ الفت کا
اگر موسیٰ بنا دیتے بسانِ طور میں جلتا

ہے دل میں اثر میرے تیری جلوہ گری کا
صدقے ہے فقط یہ تیری جادو نظری کا
معشوق کی پاتا ہوں میں اس دل میں ادائیں
سایہ ہوا جس دن سے کسی رشکِ پری کا
دل توڑ کے دشمن کے گلے میں کبھی ڈالو
تعویذ ہے مخصوص یہی بدنظری کا
نرگس ہے گئی فصلِ بہاری ترے آگے
انعام بلا تجھکو یہی دیدہ دری کا
کھاتا ہوں سدا تیرِ نظر اُف نہیں کرتا
یہ حوصلہ تو دیکھ میری بے جگری کا
اے نالۂ ناکام ہوا خوب تو بدنام
چرچا ہے زمانہ میں تیری بے اثری کا
جلووں کیلئے ہم رہے تا عمر ترستے
موسیٰ نے لیا لطف تیری جلوہ گری کا

اب ختم ہوئی زیست کہ پیری ہے نمودار | کیا خاک بھروسہ ہے چراغِ سحری کا
اچھا نہیں دنیا میں سمجھتا ہے تجھے کوئی
قرباںؔ سبب ہے یہ تیری بے ہنری کا

لیکے پھر ساتھ قیامت کا وہ ساماں نکلا | حسن سے کر نیکو پھر خلق کے حیراں نکلا
جادۂ عبرت و حسرت ہے طلسم دنیا | کہ جو نکلا ہے یہاں سے وہ ہی حیراں نکلا
داغ دل میرا، اگر زیر گریباں چمکا | ہوا، لوگوں کو یہ شک مہر درخشاں نکلا
بوند بھی ایک لہو کی نہیں چھوڑی غم نے | خشک سینہ سے کماندار کا پیکاں نکلا
خار صحرا کے لگے لینے قدم اُٹھ اُٹھکر | تیرا وحشی جو کبھی سوئے بیاباں نکلا
جیسے کردیکھا تو کچھ اور تماشا تھا وہاں | دلکے بدلے میرے پہلو سے بھی پیکاں نکلا
کارسازی کو مرے حال پہ رحم آہی گیا | حشر میں گور سے جب بے سروساماں نکلا
چاہِ غم سے مجھے یوں ہی مرے اللہ نکال | جس طرح چاہ سے تھا یوسف کنعاں نکلا
ہے دعا غیر بھی یا رب نہ کبھی یوں نکلے
جس طرح بزم سے اُس شوخ کی قرباںؔ نکلا

ساقی نے اپنے لطف سے دیوانہ کردیا | اتنی مجھے پلائی کہ مستانہ کردیا
زلفیں سنگھا کے یار نے افسوں کیا عجیب | ہشیار کردیا کبھی دیوانہ کردیا
اے حسن دوست تو نے یہ کیسا ستم کیا | مشہور میرا خلق میں افسانہ کردیا
یوں عشق نے لگائی مرے دلمیں تیری لگ | اے شمع رو ترا مجھے پروانہ کردیا
کیا کیا ہنسے ہیں رند بلا نوش مجھپر آج | منہ سے لگا کے دور جو پیمانہ کردیا
ساقی میں ایک تیرا پرانا ہوں بادہ نوش | کیوں بند دیکھ کے میخانہ کردیا
پیر مغاں کے فیض نے ایسا کیا نہال | ساقی کی چشم مست کو میخانہ کردیا
ظلمت دلوں سے دور زمانہ میں ہو گئی | روشن یہ تو نے جلوۂ جانانہ کردیا
قرباںؔ تیرے جاؤں میں اے چشم نیم باز
دارو سے ہوش دیتے ہی دیوانہ کردیا

ہوش فرسا ہے سماں عرصۂ محشر تیرا | مجھ سے دیکھا نہیں جاتا ہے یہ منظر تیرا
اُن کی چالوں سے ہوا حشر بپا لاکھوں بار | نام ہی نام رہا دہر میں محشر تیرا

میری گردن کیلئے ہے مرے سینہ کیلئے
تیر ہو کوئی ترا۔ یا کوئی خنجر تیرا

اے گنہگار یہ اندازِ کرم بھی دیکھا
گرد یا چاک ترے سامنے دفتر تیرا

عشق نے دونوں کو دو طرح کیا ہے مشہور
آج بیدل ہے میرا نام تو دلبر تیرا

چھپنے والے ترے چھپنے کا نتیجہ یہ ہوا
آجکل شور خدائی میں ہے گھر گھر تیرا

کیوں شب غم تو مرے پاس ہے آتی ہر روز
نام بھی لیتا نہیں میں کبھی ڈر کر تیرا

جیسے تیزی سے جوانی ہو کسی کی رخصت
اس روانی سے چلا حلق پہ خنجر تیرا

تو تو قربان گرا جاتا تھا دوزخ میں مگر
ہاتھ رحمت نے لیا حشر میں بڑھ کر تیرا

یاس کی شکل بنا کر تیرا بسمل آیا
رحم اب بھی نہ تیری آنکھ میں قاتل آیا

کس قیامت کی کشش رکھتی ہیں قاتل آنکھیں
قتل ہونے کیلئے دوڑ کے بسمل آیا

ہوش کی بات نہیں تھی مری تقصیر معاف
وجد بے ساختہ مجھ کو سرِ محفل آیا

سو دفعہ بھول گیا عشق و وفا کی منزل
سو دفعہ دیکھ کے میں عشق کی منزل آیا

نجد کے دشت میں شب کو جو بگولا اٹھا
قیس چیخا مری لیلےٰ کا وہ محمل آیا

آ کے پہلو میں دمِ ذبح وہ فرماتے ہیں
اب تو کچھ دل کو سکوں اے مرے بسمل آیا

عشق صادق تھا اُسے رنگ وہ لایا آخر
پاس خود قیس کے لیلےٰ ترا محمل آیا

کیا اُسے بھی نہیں معلوم یہ راہِ مقصود
خضر کیوں پوچھنے کو عشق کی منزل آیا

اہلِ منزل نے کلیجہ سے لگایا اُس کو
کر کے قربان جو طے عشق کی منزل آیا

اِس ارادے سے کہ شیا کی نہ ہو بسمل میرا
دیر کرتا ہے بہت قتل میں قاتل میرا

قتل رک رک کے کروں تجھکو کہ اک وار کے ساتھ
پوچھنے بیٹھا ہے خود مجھ سے یہ قاتل میرا

سار باں سے یہ کہا شوخیٔ لیلےٰ دیکھو
قیس کی نظروں سے مخفی رہے محمل میرا

کب خدا جانے یہ پہونچیگا عدم تک لیکر
رک گیا قافلہ جب پہلی ہی منزل میرا

نہ تو سینہ سے لگے تم نہ ہوا وصل نصیب
مدعا تم سے ہوا، کونسا حاصل میرا

یہ نہ سمجھے کہ محبت کا میں دیوانہ ہوں
مضحکہ تم نے اُڑایا سرِ محفل میرا

شکل تم بن کے مرے دل کی مرے دل میں ہو
دیکھنا ہے تمہیں منظور اگر دِل میرا

قتل تو کر ہی چکے منہ سے اب اتنا کہہ دو
حشر تک آج سے ٹھنڈا رہے بسمل میرا

اُس کو قرباںؔ کیا رحمتِ حق نے آساں
کام دنیا میں ہوا جو کوئی مشکل میرا

دنیا سے جب بھی کوئی عدم کو بشر گیا
لیکن نہ اپنے ساتھ وہ زادِ سفر گیا

کتنی ہی دور آپ کا تیرِ نظر گیا
دل کو نہ کر کے پار مرے تا جگر گیا

کرنا جو اُس کو تھا وہ بہر طور کر گیا
نالہ کبھی نہ کوئی مرا بے اثر گیا

اے عندلیب رخصتِ صیاد پر ہنس
بے پر تجھے قفس میں وہ پہلے ہی کر گیا

وعدہ کی شب وہ آئے تو آئے دمِ سحر
کہتا ہے نالہ دل سے کہ لطفِ سحر گیا

محشر میں سب سے پہلے ہوا وہ ہی کامیاب
روداد لکھے زیست کی جو مختصر گیا

چھپا لیا ہے کیوں مرا تو نے شبِ فراق
آنے سے روز روز ترے میں تو ڈر گیا

آیا نہ لوٹ کر کبھی دنیا کی سمت پھر
دنیا سے جانے والا نہ جانے کدھر گیا

مرنے کے بعد بھی ترے چرچے ہیں ہر جگہ
قرباںؔ نام عشق میں اپنا تو کر گیا

قرباںؔ خراب نالہ ترا عمر بھر رہا
تیری زبان میں بھی نہ باقی اثر رہا

قصہ ہے طول کیسے سنائیں گے حشر میں
اک دن تو فیصلہ کا بہت مختصر رہا

محشر نے اُس کو اپنا ہی دامن بنا لیا
آنچل اگرچہ لاکھ ترا مختصر رہا

آخر فلک کو چین نہ آیا جہان میں
چکر میں میری طرح یہ شام و سحر رہا

پی پی شراب سامنے زاہد کے بیٹھ کر
اے رند تجھ کو کچھ بھی خدا کا نہ ڈر رہا

باتوں ہی باتوں میں مرے دن رات کٹ گئے
جب تو سفر میں ساتھ مرے ہمسفر رہا

پہلو سے تو نکل بھی گیا، دل کو چھید کر
اے تیرِ یار یاد نہ میرا جگر رہا

صیاد تو نے دل کی نکالیں یہ کاوشیں
ہو کر میں تیرے ہاتھ سے بے بال و پر رہا

اغیار کا نہ اُس پہ کبھی رنگ چڑھ سکا
قرباںؔ میرے عشق کا جب تک اثر رہا

معترف ہو ہی گیا سارا زمانہ تیرا
دور و نزدیک ہے مشہور فسانہ تیرا

قابلِ داد ہے یہ تیر لگانا تیرا
ٹھیک بیٹھا ہے مرے دل پہ نشانہ تیرا

اپنا کاشانہ وہیں ہم بھی بنالیں فوراً
ہم کو معلوم جو ہو جائے ٹھکانا تیرا

فاتحہ میری وفاؤں پہ ذرا پڑھ دینا
میری تربت پہ اگر ہو کبھی آنا تیرا

میں جدھر جاؤں وہیں تیرا اثر پاتا ہوں
میں کدھر جاؤں کہ ہے سارا زمانا تیرا

بھول بیٹھا ہوں میں افسانۂ قیامت کبھی
جب سے ہے دیکھ لیا حشر اٹھانا تیرا

ڈھونڈھنے میں تیرے ہوتی نہ کبھی بھی تکلیف
دل کے اندر ہی جو ملجاتا ٹھکانا تیرا

مجھسے کہتے ہیں زباں قطع تیری دوں گا۔
پھر سنیگا کوئی کسطرح فسانا تیرا

وصل کے بعد بھی آئے گا مجھے یاد بہت
روٹھنا اُن کا وہ قربان منانا تیرا

میرے بعد مرگ اگر اُن پر شباب آیا تو کیا
بےخودی طاری ہے اب جام شراب آیا تو کیا

ہم تو نا اُمید پہلے ہی سے تھے بیٹھے ہوئے
لیکے تو قاصد اگر خط کا جواب آیا تو کیا

دیر تک آنکھوں میں وہ رہتے جو آتا شام سے
صبح ہوتے اب میری آنکھوں میں خواب آیا تو کیا

توبہ مے پینے سے کرلی، اب کہاں وہ میکشی
لیکے ساقی بادۂ جام شراب آیا تو کیا

وقت پیری ضعف دل مٹجائے تو اک بات ہے
تیرے بالونپر اگر رنگ خضاب آیا تو کیا

عمر بھر ہم نے دیا ہے اُنکی باتوں کا جواب
اب محاسب بنکے یہ روز حساب آیا تو کیا

جیتے جی آتے فرشتے تو مزہ آنے کا تھا
گور میں سننے کوئی ہمسے جواب آیا تو کیا

موت آکر بیقراری اب تو دے گی خود مٹا
نزع میں کوئی مٹانے اضطراب آیا تو کیا

تو نے جب قربان کو پہونچا دیا ہے گور میں
چین تجھکو اب دل خانہ خراب آیا تو کیا

الٰہی تو نے عطا حسن کو شباب کیا
ہمیں عذاب میں ڈالا ہمیں خراب کیا

وہ پاس بیٹھے رہے اور سانس ٹوٹ گیا
نہ ہم نے شکوہ نہ کچھ ذکر اضطراب کیا

ہمیشہ مجھپہ رہے تیرے ظلم ہیں ظالم۔
کبھی نہ مہر و مروت سے فیضیاب کیا

قلق ہوا۔ کرم بے حساب کو کیا کیا
کسی نے میرے گناہوں کا جب حساب کیا

ہمیں تو شرم سی آتی ہے تیرے پاس آتے
یہ عذر اُس نے بصد ناز وقت خواب کیا

عدو کو اس نے لکھے سینکڑوں ہزاروں خط
میرے ہی خط کا نہ تحریر کچھ جواب کیا

شریک ہوگا تو رندوں میں کیا جواں بنکر
یہ شیخ تو نے جو داڑھی پہ ہے خضاب کیا

اُسی کو نامۂ اعمال میں لکھا پایا | جو کام ہمنے سمجھکر یہاں ثواب کیا
بتاؤ دوگے خدا کو جواب کیا جاکر
جو اپنی عمر کو قرباں یوں ہی خراب کیا

جلوہ جو اپنا آپ نے مجکو دکھا دیا | میں کیا کہوں نگاہ نے کیا کیا مزا دیا
ہردم خوشی نے ساتھ مرے رنج کا دیا | اُس نے ہنسا دیا کبھی اُس نے رُلا دیا
یہ قدٗ یہ چال اُسپہ یہ رہ رہ کے جھومنا | چلتے ہی تم نے حشر کا منظر دکھا دیا
اے موت نام کو بھی مرے سب گئے ہیں بھول | ہستی کو میری تو نے یہاں تک مٹا دیا
اک صور حشر تیری صدا سے بپا ہوا | تربت میں سونے والوں کو ناحق جگا دیا
دِل بھی دیا ہے جان بھی ایمان بھی دیا | جو کچھ ہمارے پاس تھا ہمنے لٹا دیا
منعم خدا کی شان ہے میں رشک کیوں کروں | مجھکو فقیر تجھکو تونگر بنا دیا
جس حال میں ہوں شکر ہے مجھکو گلا نہیں | جیسا بنا دیا سب مجھے بہتر بنا دیا
جتنے ہیں راز تجھپہ وہ کھل جائینگے تمام
قرباں تجھے اُس نے جو پردہ اٹھا دیا

ساقی نے مست چشم طرحدار کردیا | اِک جام مے پلاتے ہی سرشار کردیا
کرتا نہ اُنکو پیار مگر دل نے ہمنشیں | مجبور کردیا سب مجھے لاچار کردیا
جسنے مذاقِ ظلم دیا اہل حسن کو | دل کو اُسی نے خوگر آزار کردیا
اب اُن کے دیکھنے کا سہارا کہاں رہا | سر سے بلند روزن دیوار کردیا
یہ انقلاب میرے مقدر نے کیا کیا | دلبر تمہیں بنا کے دل آزار کردیا
رہتا ہے ساتھ ساتھ حسینوں کا اک رقیب | پیدا گلوں کی ساتھ بھی ہے خار کردیا
گلشن میں میرے ساتھ وہ مصروف خواب تھی | آخر نسیم صبح نے بیدار کردیا
آہستہ ہم شباب میں چلتے رہے مگر | پیری میں تیز عمر کا رہوار کردیا
قرباں اب جو وقت موافق ہوا مرا
دشمن کو بھی خدا نے ہے غمخوار کردیا

ترا ناوک اگر پہلو میں اے قاتل نہ ٹھہریگا | سحر تک کیا قیامت تک ہمارا دل نہ ٹھہریگا
رہے گا یہ یوں ہی چلتا جوانی ہو کہ پیری ہو | یہ اسپ عمر ہے ظالم کسی منزل نہ ٹھہریگا

عدو میرے مقابل آئیگا تو منہ کی کھائے گا
کہ حق کے سامنے ہرگز کبھی باطل نہ ٹھہریگا

وہاں کی بیقراری لے اُڑیگی اور تجھے آگے
جنازہ کوئے قاتل میں ترا بسمل نہ ٹھہریگا

ترا خنجر، مری گردن پہ وقتِ ذبح تسکیں کو
ذرا سی دیر بھی کیا اے مرے قاتل نہ ٹھہریگا

تڑپتا ہی رہونگا صورت سیماب میں ہر دم
نہ آئیگا مجھے کیا چین۔ کیا اب دل نہ ٹھہریگا ؟

جہاں تڑپا ہے قیس زار تیرا، نام سے لیکر
وہاں لیلےٰ قیامت تک ترا محمل نہ ٹھہریگا

اُسے خود کھینچ لینگے وہ کنارِ بحر رحمت میں
سفینہ میرے عصیاں کا لبِ ساحل نہ ٹھہریگا

مآلِ کار سے کب کوئی بچ سکتا ہے اے قرباں
کریگا قتل جو مجکو وہ کیوں قاتل نہ ٹھہریگا

اُس کی آنکھوں میں ترا حسن نرالا ہوتا
گر کوئی میری طرح دیکھنے والا ہوتا

ہم سمجھتے کہ مسیحا تیرا بیمار بچا
ایک بھی اُس کو میسر جو سنبھالا ہوتا

آپ دیتے جو کبھی قلب کو تسکیں آکر
لب پہ ہوتی نہ مرے آہ نہ نالا ہوتا

کھولدیتا تو اگر زلف کو رخساروں پر
بخدا حسن ترا اور دوبالا ہوتا

نہ بتاتیں جو حسیں میری نگاہیں تجکو
کون دنیا میں ترا چاہنے والا ہوتا

خلد میں حوروں کے دھوکے میں جو میں آجاتا
اُس نے آدم کی طرح مجکو نکالا ہوتا

جام تو تو نے پلایا ہے مگر اے ساقی
لغزشوں کو بھی کوئی روکنے والا ہوتا

قبر پہ میری وہ آئے ہیں سنور کر قرباں
ہائے اس وقت کوئی دیکھنے والا ہوتا

دلمیں رہے خیال جو مستِ شباب کا
آجائے کچھ مزہ ہمیں جامِ شراب کا

تیری سمجھ میں آئے جو کچھ دے سزا مجھے
کس کو یہاں دماغ حساب وکتاب کا

انساں جہاں میں کیا نہ کرے اور کیا کرے
جھگڑا لگا ہوا ہے عذاب وثواب کا

الفت کا درس آئے گا تیری سمجھ میں کیا
اے شیخ یہ سبق تو نہیں ہے کتاب کا

اُن کا جواب آتے ہی اُمید بجھ گئی
کیوں میں نے انتظار کیا تھا جواب کا

آتا اگر نہ دل تو نہ ہوتا یہ اپنا حال
سب ہے فساد یہ اسی خانہ خراب کا

وعدہ کہیں ہے اور کہ جلدی ہے اسقدر
آخر سبب بھی آپکے کچھ اضطراب کا

اُتنے ہی بدلے لے لئے پیری نے ہمنشیں
گذرا زمانہ عیش سے جتنا شباب کا

عصیاں کی روسیاہی ہے چہرہ پہ اس طرح
قرباںؔ سر پہ رنگ ہو جیسے خضاب کا

نہ بت ہوتے زمانہ میں نہ کوئی بتکدا ہوتا
فقط اِک خدائی میں خدا رہتا خدا ہوتا

دلِ پُرسوز جلکر میری ہستی کو جلا دیتا
بسانِ طور وہ دلمیں اگر جلوہ نما ہوتا

خزاں کے ہاتھ سے برباد ہو جاتا نشیمن کیوں
نہ میں مُرغِ چمن بنتا نہ میں مُرغِ ہوا ہوتا

جفائیں عاشقوں پر پھر کبھی ہرگز تم نہ کرتے
تمہیں معلوم دنیا میں جو انجامِ وفا ہوتا

ہُوا اچھا جو یہ ناراض دنیا میں رہا مجھ سے
جو خوش ہوتے یہ بت مجھ پر خفا میرا خدا ہوتا

کبھی ہرگز بتوں کو تو نہ کہتا پھر بُرا اتنا
ترا دل بھی اگر زاہد کسی بُت سے لگا ہوتا

انھیں کی سب خطا ہے یہ انھیں کا سارا جھگڑا ہے
نہ آنکھیں دیکھتی تجھ کو نہ یہ دل مبتلا ہوتا

ہزاروں مثلِ موسیٰ دیکھکر خاموش ہو جاتے
دوبارہ طور پر تیرا اگر پردہ اُٹھا ہوتا

خفا ہوتا تو پھر اِن کا ٹھکانا کیا تھا دنیا میں
مگر قرباںؔ خدا کیوں اپنے بندونسے خفا ہوتا

ترا وحشی تھا اور جوشِ جنوں تھا اور بیاباں تھا
بہارِ گل کا آنا باغ میں وحشت کا ساماں تھا

عدو نے جو کہا وہ افترا تھا اور بہتاں تھا
تمہیں برباد کرتا کیا میں دیوانہ تھا ناداں تھا

خدا کے سامنے جب دعوئے خونِ شہیداں تھا
پریشاں تھا ستمگر خونِ ناحق سے پشیماں تھا

ترا دیوانہ کچھ ایسا معِ زنجیر نالاں تھا
تزلزل میں زمین و آسمان جنبش میں زنداں تھا

فلک نے کر دیا تم سے جدا اسکی شکایت کیا
ہمیں آغازِ الفت میں خیالِ روزِ ہجراں تھا

جنوں میں قیس نے کیں پیرہن کی دھجیاں ایسی
کہ ٹکڑے ٹکڑے پُرزے پُرزے دامن تھا گریباں تھا

خدا جانے میرا سینہ ہُوا چھن چھن کے کیوں چھلنی
نہ میرے دلمیں برچھی تھی نہ میری دلمیں پیکاں تھا

شرابیں پی رہا تھا چھپکے تو جس وقت حجرے میں
مجھے سمجھا ذرا واعظ کہاں اُسوقت ایماں تھا

رسائی کسطرح ہوتی مری دربار میں اُس کے
نہ مجھکو اذنِ درباں تھا نہ مجکو اذنِ جاناں تھا

رقیبوں سے ملیں اب آپ یا گھر غیر کے جائیں
بچایا آپکو میں نے جہاں تک میرا امکاں تھا

عدم کو جب گئے دنیا سے ہم اپنی یہ حالت تھی
نہ کوئی پاس توشہ تھا نہ کوئی پاس ساماں تھا

تیری محفل میں کل قرباںؔ کو دیکھا اے پری پیکر
کبھی انداز کے صدقہ کبھی چتون پہ قرباں تھا

نالہ ہمارے لب سے جو باہر نکل گیا
کانپی زمین خوف سے گردوں دہل گیا

سینے میں اور جگر میں تو تھے داغ بے شمار
محروم دل تھا آبلوں سے وہ بھی پھل گیا

کل دیکھتے تھے زائچہ قربان غیر کا
خود گم ہوا اب کہاں وہ تمہارا رمل گیا

اس ضد کو کمسنی کے سوا کوئی کیا کہئے
دردِ جگر کی دید پہ قاتل مچل گیا

اک آن میں نہ دردِ جگر تھا نہ تھی غشی
سینہ جو میرے سینہ سے آکر وہ مل گیا

قرباں عطا کیا ہے وہ حق نے حسن و جمال
زاہد کا دل بھی دیکھ کے اُن کو پھسل گیا

آیا نہ جواب آہ میرے نامۂ غم کا
قاصد بھی ہوا جا کے ہدف تیرِ ستم کا

کرتا ہوں اگر کوچۂ محبوب کی میں سیر
جلوہ نظر آتا ہے مجھے باغِ ارم کا

سب دُور سیہ بختی کی ہو جائیں گھٹائیں
سایہ ہو اگر مجھ پہ تیرے ابرِ کرم کا

کیا جانئے کس رنج و مصیبت میں پڑے ہیں
خط بھی کوئی آتا نہیں یارانِ عدم کا

کمبخت پئے جاتا ہے چھپ چھپ کے مئے ناب
اے شیخ تجھے کچھ بھی نہیں پاس حرم کا

سُننا ہے جو منظور جگر تھام کے بیٹھو
پُر درد فسانہ ہے ہمارے غم و غم کا

چلنا ہے عیادت کو تو اب دیر نہ کیجئے
مہمان ہے بیمارِ محبت کوئی دم کا

اللہ مجھے دے درِ احمد کی گدائی
طالب سرِ ناچیز نہیں افسرِ جم کا

کیا بات ہے رُخ ہے کبھی میخانہ کی جانب
کرتے ہو کبھی حضرتِ دل قصدِ حرم کا

کافی ہے مرے قتل کو تیری نگہ ناز
قاتل نہ اُٹھا بارِ گراں تیغِ دو دم کا

قرباں وہاں کا نہ کھلا راز کسی پر
کیا جانئے کیا حال ہے یارانِ عدم کا

حسینانِ جہاں میں طور ہے یہ آشنائی کا
دلِ عاشق ہدف کرتے ہیں تیرِ کج ادائی کا

سُنا ہے طبع اُنکی مایل تیغ آزمائی ہے
مذاقِ قتل کو موقع ہے قسمت آزمائی کا

جھپکتی ہی نہیں تا صبح چشمِ خونچکاں میری
خیال آتا ہے جب ظالم مجھے تیری جدائی کا

خدا کی شان بیٹھے غیر جا کر بزمِ جاناں میں
نہ پاؤں اذن میں درباں سے بھی اُن تک رسائی کا

ہمارے دل میں روشن ہے ہمیشہ آتشِ فرقت
یہ پھل ہم کو ملا اُس شعلہ رُو کی آشنائی کا

اثر تک خاک پہونچے آہ سوزاں ہم ضعیفوں کی
ہوا ہے راستہ مسدود نالہ کی رسائی کا

تڑپتے ہیں جگر تھامے ہزاروں راہ میں بسمل
ابھی دیکھو وہ کشتہ ہے تیری نازک ادائی کا
لہو کا ایک قطرہ بنگیا دل اک اشارے میں
کرشمہ ہے یہ قربان اُنکی انگشتِ حنائی کا

طریقہ تم نے سیکھا ہے بتو ظلم و عداوت کا
لہو پیتے ہو بے جرم و خطا اہل محبت کا
وہ رشکِ ماہ دم بھرتا ہے غیرونکی محبت کا
ستارہ اندنوں چمکا ہوا ہے انکی قسمت کا
بھرے جاتا ہے دم وہ بیوفا غیرونکی الفت کا
اثر ہوتا نہیں اُس پر مری پند و نصیحت کا
رہا شعلہ دلِ سوزاں میں گر سوزِ محبت کا
بنیگا میرا پہلو شمعداں گرمیٔ فرقت کا
دلِ ناداں کو پھر کچھ ضبط ہے کوئے محبت کا
ہوا جاتا ہے دامن تنگ میری ضبطِ الفت کا
محمد نے زمانہ کو کیا اسلام سے روشن
اندھیرا ہوگیا کافور کفر و شرک و بدعت کا
برائی میکدہ کی رات دن کرتا ہے تو واعظ
کوئی میخوار پردہ کھولدیگا تیری جنت کا
مجھے بخشی ہے تیغِ ناز نے ایسی سُبک ساری
ورق پھولونکا ہے ایک ایک پتھر میری تربت کا
نہیں ایک عضو بھی محفوظ اُس کی ٹیس سے میرا
اثر رگ رگ میں ہے میرے بدن کی دردِ فرقت کا
جب آتے ہو عدو کو اپنی تم ہمراہ لاتے ہو
تمہاری مہربانی میں بھی ہے پہلو عداوت کا
اسی کو ذبح کرتے ہیں جو ان پر جان دیتا ہے
بتانِ بیوفا کو کچھ نہیں ہے پاسِ الفت کا
جہاں میں جنکے عالیشان لاکھوں قصر دیواں تھے
نشاں تک بھی نہیں باقی رہا اب اُنکی تربت کا
سیہ نامے سیہ کاروں کے دُھل کر صاف ہوجائیں
اگر پڑجائے اک چھینٹا الٰہی ابرِ رحمت کا
نمک چھڑکو نہ زخموں پر نمکدانِ تبسم سے
کٹا نکے دلکے کہتے ہیں یہ دشمن ہے جراحت کا
بُلالو اے شہ دیں مجکو بھی اب تو مدینہ میں
شرف بندے کو بھی حاصل ہو روضہ کی زیارت کا
الٰہی پھر گلستاں میں بہارِ بے خزاں آئے
صدائے قلقلِ مینائے مُل ہو نغمہ عشرت کا
پریشاں کررہی ہے تیری زلفوں کو قیامت میں
نسیم صبح کو مضمون سوجھا ہے قیامت کا
جزاک اللہ اے قربان کیا اچھی غزل لکھی
دکھایا کھینچ کر قرطاس پر نقشہ فصاحت کا

عاشقوں کے دلکو ناکامِ تمنا کردیا
اے فلک تیرا بُرا ہو تو نے یہ کیا کردیا
جب میں تڑپا آگئی اُس کے لبِ شیریں کی یاد
اور میرے درد کی تلخی کو میٹھا کردیا
میرے گھر آنا ترا اے بیوفا ممکن نہ تھا
میری قسمت نے تجھے مہمان میرا کردیا

بیوفا ایسی عنایت کا تو میں تھا مستحق -
میرے ہوتے غیر کا کیوں خون بہا کر دیا

کیجئے اے چارہ گر زخم جگر کا بھی علاج
درد دل کو تو دوائیں دیکے اچھا کر دیا

دیکھتے ہی ڈر گئی روئے خزاں کو اسقدر
باغ میں موقوف بلبل نے چہکنا کر دیا

ہم نہ کہتے تھے نہ جانا دیکھنے کو طور پر
ایک جلوہ نے تمہیں بیہوش موسیٰ کر دیا

قتل کرتے ہو کرو تم مجکو کیا انکار ہے
سب کہینگے خون کیوں اس بیخطا کا کر دیا

مدعا یہ تھا نہ ہو یہ کامیاب آرزو
وصل کی شب شام ہی سے اُسنے جھگڑا کر دیا

تیغ ابرو دور تک میدان کر دیتی ہے صاف
صف اُلٹ دی جسطرف اُسنے اشارا کر دیا

قتل کرتے کرتے اے قربان رحم آیا اُسے
جب مری گردن پہ آیا ہاتھ ہلکا کر دیا

پیاسا لہو کا ابروے خمدار ہو گیا
میرے گلے کے واسطے تلوار ہو گیا

یوں اور گرم حسن کا بازار ہو گیا
دیکھا جہاں حسیں میں خریدار ہو گیا

حالت تمہاری ہو گئی بیمار سے سوا
بڑھ بڑھ کے عشق جان کا آزار ہو گیا

پرتو اُسیکے نور کا ہے مہر و ماہ میں
رخسار یار قاسم انوار ہو گیا

تائب ہوا تھا دیکھ کے مستونکی حالتیں
جا کر شراب خانہ میں میخوار ہو گیا

پی جلد یہ نہ ہو کہ در توبہ بند ہو
آئی بہار وا در خمار ہو گیا

جب تک پلائے جائیں پیئے جائے شراب
لب پر کبھی نہ لائے سرشار ہو گیا

ٹکرا کے سر کو عاشق شیدا نے جان دی
کچھ ہوش بھی ہے کیا پس دیوار ہو گیا

روتا گیا جو داور محشر کے سامنے
شایان مغفرت وہ گنہگار ہو گیا

تعریف ہم نے کی رخ جاناں کی اسطرح
جسنے سنا وہ طالب دیدار ہو گیا

سبزہ سے خوب رونق گلزار بڑھ گئی
رخسار خط سے اور طرحدار ہو گیا

زاہد گناہگار ہوا پی کے جو شراب
وہ مستحق رحمت غفار ہو گیا

اللہ نے بتوں کو دیا اسقدر جمال
بے ہوش ہو گیا جسے دیدار ہو گیا

کیا عشق و عاشقی میں اثر ہیں نئے نئے
دیوانہ ہو گیا کوئی ہشیار ہو گیا

قربان چہچہونکی صدا آئی باغ سے
آزاد کوئی مرغ گرفتار ہو گیا

دل کے آجانے نے ظالم اسقدر اندھا کیا
ہم نے جا سمجھا جو تو نے غمزۂ بیجا کیا

ہر کس و نا کس کے آگے عشق کا چرچا کیا
آپ بھی رُسوا ہوئے تم مجکو بھی رسوا کیا

جانتا ہے وہ ترے اعمال سب اچھے بُرے
کیا سمجھکر تو نے دعویٰ بیگناہی کا کیا

اے زلیخا سب کھینگے چاک دامن دیکھکر
آپ تو رُسوا ہوئی یوسف کو کیوں رُسوا کیا

آج ہی پردہ اُٹھا دے روئے پُر انوار سے
ہے اگر ملنا تو کیوں پھر وعدۂ فردا کیا

طور پر دیکھی ہے کیا تم نے تجلی اے کلیم
آنکھیں کھلی ٹنگی جب اُس شوخ نے جلوہ کیا

جان سے بیزار تھا دردِ محبت کا مریض
مر گیا اُسکے لبِ جاں بخش پر اچھا کیا

لایقِ تحسین ہے یہ آپ کا طرزِ عمل
دوست کو دشمن بنایا غیر کو اپنا کیا

اُڑ گئے اُس قاتلِ مغرور کے ہوش و حواس
خون کا حشر میں اپنے ہمنے جب دعویٰ کیا

کسطرح آئے یقیں ہے غیر کے کہنے میں وہ
ایک دن بھی جب میرا۔ اُسنے نہ کچھ کہنا کیا

ہاتھ پھیلاتا ہے آگے غیر کے بالکل فضول
کیوں نہ مانگیں اُس سے ہم جسنے ہمیں پیدا کیا

اس دوا سے کچھ سنبھل جائے گا بیمارِ فراق
شربتِ دیدار تم نے دیدیا اچھا کیا

عقل حیراں ہے کہ پھر بھی وہ نظر آتا نہیں
ذرہ ذرہ میں جمالِ یار نے جلوہ کیا

شکر کر اللہ کا تو اپنے اے قربانِ مدام
تجکو اُس نے دی زبانِ صاف اور گویا کیا

سُننے والا کون ہے مظلوم کی فریاد کا
جائے کس کے پاس فریادی تری بیداد کا

ہائے کیا پایا میرے دل نے مزا بیداد کا
اور بھی شیدا ہوا ہے اُس ستم ایجاد کا

ہو گیا ہے دل ہمارا تختۂ مشقِ ستم
روز اُس پر ہاتھ اُٹھتا ہے ستم ایجاد کا

ہائے ہم یوں ہی چلے دنیا سے محروم المراد
ایک بھی ارماں نہ نکلا خاطرِ ناشاد کا

سخت جاں تھا میری گردن پر نہ آیا خط کوئی
جب چلایا پھر گیا مُنہ خنجرِ فولاد کا

رحم کر لے چرخ اب صدمہ اُٹھا سکتا نہیں
روز کے جور و ستم کا روز کی اُفتاد کا

منفعل ہونگے قدموزوں کو تیرے دیکھکر
سر جھکے گا تیرے آگے سرو کا شمشاد کا

یہ ہوا فضلِ خدا سے میرے نالوں کا اثر
رحم پر مائل ہوا ہے دل ستم ایجاد کا

قیس کا ہمنام ہے جاگیر دارِ دشت سے
یہ پتا ہے یہ نشاں ہے عاشقِ ناشاد کا

کیا تری تصویر کھینچینگے کہ تجھکو دیکھ کر
محوِ حیرت ہو گیا دل مانی و بہزاد کا

حالتِ دنیا بدل دی انقلابِ دہر نے — ہو گیا تبدیل نقشہ عالمِ ایجاد کا
کیا بتا سکتی ہے وہ بلبل چمن کی حالتیں — جس نے آنکھیں کھولکر دیکھا ہو گھر صیاد کا
دیکھ لے زنار اس بت کی تو سُبحہ توڑ دے — ترک کر دے شیخ پڑھنا ورد کا اوراد کا

تم نے اے قربان الحمد خوب ہی لکھی غزل
داد دینے کیلئے کھلتا ہے منہ حساد کا

جب مقابل آئینہ سے روئے دلبر ہو گیا — آئینہ ایسا ہوا حیراں کہ ششدر ہو گیا
روئے جاناں جب ذرا پردہ سے باہر ہو گیا — جلوہ گر پیشِ نظر خورشید خاور ہو گیا
یادِ دنداں میں گرا آنسو جو میری آنکھ سے — آتا آتا تا سرِ دامن وہ گوہر ہو گیا
میرے دلکو روزِ ہجرِ یار نے صدمہ دیئے — تختۂ مشقِ ستم یہ قلبِ مضطر ہو گیا
رُخ نہیں کرتا کسی بستی کی جانب دشت گرد — تیرے سودائی کا صحرائے جنوں گھر ہو گیا
ہجر میں اُس ماہ پیکر کے جو رویا رات کو — جو گرا آنکھوں سے آنسو میری اختر ہو گیا
دیدیا جا کر عدو کو خط ہمارا بے خطر — مُرغِ نامہ بر بھی صیدی کا کبوتر ہو گیا
جو گذارش ہم نے کی فریاد کی۔ یہ سب دروغ — کہدیا جو جھوٹ سچ غیروں نے باور ہو گیا
جب وہ گل آیا چمن میں میکشی کے واسطے — پھول لالہ کا مئے گلگوں کا ساغر ہو گیا

نارسائی دیکھئے قرباں میری تقدیر کی
کھو گیا خط راہ میں عنقا کبوتر ہو گیا

جواں ہوتے ہی کیسا جان پر میری عذاب آیا — کہ اک بے رحم ظالم پر دلِ خانہ خراب آیا
حیا جاتی رہی یارب یہ کیسا انقلاب آیا — کہ بزمِ غیر میں وہ بے حجاب و بے نقاب آیا
عدو کے قتل کو وہ تیغ لیکر گھر سے نکلے تھے — مری شامت کہ میں پیشِ نگاہِ پُرعتاب آیا
شکایت کی حکایت کام اتنا کر گئی آخر — جھکائے سر ہمارے سامنے وہ بے نقاب آیا
وہ آتے ہی نہیں اوّل تو میرے گھر کبھی ہمدم — جو بھولے بسرے آئے بھی تو دشمن ہم رکاب آیا
ہوئیں پامال لاکھوں تربتیں گورِ غریباں میں — لگاتا ٹھوکریں کچھ اسطرح مستِ شباب آیا
حواس و ہوش کو محفل سے میں نے کر دیا رخصت — مغنی لیکے جدم بربط و چنگ و رباب آیا
نظر آنے لگے ہو شیخ صاحب نوجواں اب تو — تمہاری ریشِ اقدس پر عجب رنگِ خضاب آیا

تیری سب مشکلیں آسان ہو جائینگی اے قرباں

جو اپنی آرزلیکر حضورِ بو تراب آیا

تجھ پر ہوا نثار میں تجھ پر فدا ہوا
شکر خدا کے فرض محبت ادا ہوا

نکلا میں جس طرف بھی تجھے ڈھونڈتا ہوا
ہر ذرہ خاکِ راہِ طلب فتنہ زا ہوا

رکھتا نہ تھا جو پاؤں زمیں پر غرور سے
دیکھو وہ خاک پر ہے لحد کی پڑا ہوا

اتنا تو میرے نالۂ دل نے کیا اثر
وہ پوچھتے ہیں آ کے مرا حال کیا ہوا

کیا دیکھتا ہے نبض مری چھوڑ چارہ گر۔
نسخہ نہ لکھ کہ دردِ جگر لا دوا ہوا

پہونچا ہوں میں کہاں مجھے اتنی خبر نہیں
کرتا ہوا تلاش تمہیں ڈھونڈتا ہوا

کیا ایسے خود غرض کی محبت کا اعتبار
وہ آ کے مِلگیا جو کوئی مُدعا ہوا

رنجش نہ ہو تو کیفیتِ دوستی نہیں
اِک لطف آگیا جو وہ مجھ سے خفا ہوا

ہم نے لکھے جو نظم میں مضمون فراق کے
پیدا ردیف قافیہ میں فاصلا ہوا

ہوتا ہے دلمیں صحبتِ بد کا بُرا اثر
رندوں میں بیٹھ کر نہ کوئی پارسا ہوا

بعدِ زوال حسن کا ہوتا نہیں عروج
پھرتا نہیں ہے جیسے کبھی دن ڈھلا ہوا

جس نے پیے شرابِ محبت کے چار گھونٹ
نزدیک اہلِ دل کے وہ ہی پارسا ہوا

مجھ پر نہ مہربان ہوا آسماں کبھی
حاصل نہ مدعی سے مرا مُدعا ہوا

اس سنگدل کے دل کو نہ آیا نہ آئے رحم
قربان کسکے سامنے نغمہ سرا ہوا

تضمین بر غزل خود

بندھا ہے دھیان اک نامہربانکا
مقابل ہے اک آشوب جہانکا

خدا حافظ جگر کا دِل کا جانکا
تصور ہے مجھے ایک ظلمراں کا

زمیں منھ تک رہی ہے آسمانکا

جگا کر اک جہاں کو سو گیا ہے
جہاں میں تخمِ الفت بو گیا ہے

تمہاری جستجو میں کھو گیا ہے
تمہاری راہ میں گم ہو گیا ہے

نشاں کافی ہے اتنا بے نشاں کا

زمیں سے آسماں تک دیکھا بھالا
نہ نکلا کھوج گو سب نے نکالا

زمانے نے زمانہ چھان ڈالا　　نہیں ملتا جہاں سے جانے والا
خدا جانے مسافر تھا کہاں کا

نتیجہ خاکساری کا ہے بہتر　　عمل کوئی نہیں ہے اس سے بہتر
نظر قطرے میں آتا ہے سمندر　　لب دریا کھلا یہ راز ہم پر
زمیں ایک آئینہ ہے آسماں کا

نہ ہوں گر میں تو یہ جینے سے تیرے　　زمانہ مثل بارش اس پہ برسے
بچاتا ہوں اسے لوگوں کے شر سے　　اٹھاتے ہو مجھے کیوں اپنے در سے
نگہباں ہوں تمہارے پاسباں کا

کیا ارمان نے شادی کے ناشاد　　بجائے نغمہ نکلی منہ سے فریاد
گئی برسوں کی محنت دم میں برباد　　ہوئی بلبل اسیر دام صیاد
نہ آیا راس رہنا آشیاں کا

ہوئی کیوں غیر کی آفت میں شامل　　یقیناً ہو گئی ہے عقل زائل
ذرا اتنا تو دلمیں سوچ جاہل　　پرایا بوجھ سر رکھنے سے حاصل
الگ کر لے زمیں بوجھ آسماں کا

نہ سمجھے کوئی یا رب اور نہ سمجھا　　تجھی پر منکشف ہے بھید تیرا
کہاں کی ہے مری مٹی خبر کیا　　لئے پھرتی ہے مجکو موت ہر جا
خمیر اپنا نہ جانے ہے کہاں کا

نہ گذرا چین سے اپنا کوئی دم　　مصیبت میں کٹا ہر ایک عالم
نہ اب خوش ہیں نہ جب تھے شاد و خرم　　قفس کا آشیاں میں تھا ہمیں غم
قفس میں رنج ہے اب آشیاں کا

گھٹائیں بنگئے احباب غم کی　　فلک نے سر پہ سل توڑی الم کی
کہوں روداد کس کس پر ستم کی　　خدائی مدعی ہے ایک دم کی
زمانہ ہے مخالف ایک جاں کا

خدا پورا کرے عزم سفر کو　　کہاں کے واسطے باندھا کمر کو
سنبھالے قلب کو تھامے جگر کو　　کدھر کو چلدیئے قرباں کدھر کو

کہاں کا قصد ہے حضرت کہاں کا

اے جلوۂ جانانہ دیدار دکھا جانا سینہ سے لگا جانا حسرت یہ مٹا جانا
ہم قبر پہ آجانا اعجاز دکھا جانا تربت کو ہلا جانا مردہ کو جلا جانا
ہر چند کہ دنیا کا سب اچھا برا جانا وہ تھی مری نادانی جو تیرے سوا جانا
بے عشق مجازی کے پہونچے نہ حقیقت تک جب دیکھ لیا بت کو تب رازِ خدا جانا
بالیں پہ ذرا آکر بیمار محبت کو کچھ آس دلا جانا ڈھارس ہی بندھا جانا
گلشن میں صبا آکر قدرت کے اشارے سے کلیوں کو کھلا جانا غنچوں کو ہنسا جانا
ہمت نہ ہوئی میری کیا قصۂ غم کہتا راضی بھی تمہیں دیکھا تو بھی تو خفا جانا
خواہش ہے اگر اسکی دیکھے نہ کوئی تم کو اس دل میں چلے آنا آنکھوں میں سما جانا
تلوار منگائی ہے دیتے ہیں سزا مجھکو دشمن کی خطا کو بھی میری ہی خطا جانا
اس عالم ہستی میں کیا میں نے کیا آکر جینے کا مزہ چکھا مرنے کا مزا جانا
اندھے ہوے الفت میں ظالم کی یہانتک ہم کی اس نے جفا ہم پر اسکو بھی وفا جانا
تیار ہوا ظالم کیوں قتل پہ دشمن کے جانباز کو کیا اپنے قاتل نے مرا جانا

قرباں ستم دیکھو اس شوخ جفا جو کے
روتوں کو ہنسا جانا ہنستوں کو جلا جانا

میرے دل پہ کچھ بھی نہ ہمنشیں اثرِ زوال و کمال تھا کہ نہ مجھ میں کوئی کمال تھا نہ خیال خوفِ زوال تھا
نہ تجھے ہی کوئی ملال تھا نہ مجھے ہی کوئی ملال تھا تجھے میرے دل کا خیال تھا مجھے تیرے دل کا خیال تھا
مجھے غم سے تو نے چھڑا دیا مجھے جلوہ اپنا دکھا دیا ہوا اچھا مجکو بلا لیا مجھے خود ہی جینا وبال تھا
جو میں آج ہنستا ہوا اٹھا نہ کسی پہ اسکا سبب کھلا میرے خواب میں تھا وہ آ گیا میری آنکھوں میں جمال تھا
کروں لاکھوں تمکو پیار میں نہ رہا یہ یاد خمار میں کروں جان اپنی نثار میں مجھے شوقِ روزِ وصال تھا
تجھے اسمیں کتنا کمال ہے وہ مٹا یا روزِ وصال سب مرے دلمیں جتنا ملال تھا میرے دلمیں جتنا خیال تھا
ترے جام میں نے نہیں پئے تھے اگرچہ تو نے مجھے دیئے بھلا کیسے پیتا میں ساقیا کہ نظر میں اسکا مآل تھا
کہاں نام تیرا عدو لیا مرے لب پہ یار کا نام تھا مجھے ذکر تیرا حرام تھا مجھے ذکر ان کا حلال تھا

ہوا کیا ہے قرباں خبر نہیں ہوا غم یہ کیوں ترے ہمنشیں
تجھے دیکھا ہم نے جو رات کو تو عجیب کچھ ترا حال تھا

میرے رشکِ قمر لے لے دل کی دُعا | میرے جان و جگر لے لے دل کی دُعا
میری حسرت مٹا مجھے جلوہ دکھا | میرے آ کے تو گھر لے لے دل کی دُعا
تجھے میری قسم تو یہ کر نہ ستم | کبھی رحم بھی کر لے لے دل کی دُعا
نہ تو غیروں میں رہ نہ تو غیروں کا بن | کبھی آ جا ادھر لے لے دل کی دُعا
نہیں سنتا کوئی میرے دل کی لگی | پڑی تجھ پہ نظر لے لے دل کی دُعا
یہیں کر لے گذر اسے روشن تو کر | اسے کر لے تو گھر لے لے دل کی دُعا
میری راحت ہے تو میرے غم کو مٹا | میری لے لے خبر لے لے دل کی دُعا

تو جو قرباں چاہے کہ پھولے پھلے
کبھی دیری نہ کر لے لے دل کی دُعا

دِل سے مرے نکلے اگر فرقت کی شب میں بدُعا | پھر کیوں نہ کر جائے اثر فرقت کی شب میں بدعا
کرتا نہیں یوں بدُعا، انجام ہوں میں جانتا | پہونچائیگی تم کو ضرر فرقت کی شب میں بدعا
تھی بدعا تو پھر دُعا اُن کیلئے کیوں بن گئی | دشمن سی آتی ہے نظر فرقت کی شب میں بدعا
دشمن خفا ہو جائیگا، مطلب ترا ہو جائے گا | اے دل کریگا تو اگر فرقت کی شب میں بدُعا
کیا کیا لرز کر کانپ کر سب منع کرتے ہیں مجھے | سنتے ہیں جب نجم و قمر فرقت کی شب میں بدعا
اُنکو نہیں الفت تری کرتا ہے کیوں تو پھر کبھی | ہو کے تو کر اے دل نڈر فرقت کی شب میں بدعا
نکلی زباں سے میری گر ہرگز نہیں رکتی یہ پھر | جاتی ہے سیدھی اُنکے گھر فرقت کی شب میں بدعا
ہوتی رہی یہ رائیگاں، اُنکو نہ پہونچا کچھ زیاں | کرتا رہا میں عمر بھر فرقت کی شب میں بدعا

اے بے خبر ایسا نہ ہو، تکلیف پہونچے دوست کو
ہرگز نہ قرباں اب تو کر فرقت کی شب میں بدُعا

ملجائے گا تجکو ترا مطلوب زلیخا | کر صبر ذرا صورت ایوب زلیخا
یوسف کے تو دامن کی طرف ہاتھ نہ لیجا | رکھ یاد بہت ہو گی تو محجوب زلیخا
کر دیر نہ یوسف کی خریداری میں ہرگز | سنے لے اسے سودا ہے بہت خوب زلیخا
ملجائیگی تجکو بھی جوانی نئے سر سے | بینا ہووے جو دیدۂ یعقوب زلیخا
پھر ہو کے جواں پہلو میں یوسف کی ہے بیٹھی | تعبیر ملی خواب کی کیا خوب زلیخا
اتنا ہی تو محبوب وہ یعقوب کو بھی ہے | یوسف ہے تجھے جتنا کہ مطلوب زلیخا

جسطرح کیا تو نے ہے یوسف کو مقید
یوں قید کہیں ہوتے ہیں محبوب زلیخا
دامن کو پکڑتے ہوئے حق سے نہ ڈری تو
تصویروں سے گو ہو گئی محجوب زلیخا

قرباںؔ دلکو بھی کریگا وہی روشن
جسنے کئے وا دیدۂ یعقوب زلیخا

ملنے کی کسی شوخ سے تدبیر کریں کیا
بگڑی ہوئی جب اپنی ہو تقدیر کریں کیا
ہے ناشنوائی کی تجھے عادت بیجا
ہم شکوہ ترا اے فلک پیر کریں کیا
جو کچھ تھا بلا وہ ہی لکھدیا ہم نے
کہتے ہیں مرے کاتب تقدیر کریں کیا
ہوتا نہیں جز میرے کوئی اور خریدار
اب لوگ بنا کر تری تصویر کریں کیا
عشاق کے مجمع میں ہوا آکے وہ حیران
اب سوچتے ہیں ڈھنگ کہ تقریر کریں کیا
پڑھتا نہیں جب لکھکے وہ خط کو ہی اپنے
نامہ بت عیار کو تحریر کریں کیا
رستہ میں ہی جب چھین لیا اُن کو جگر نے
پھر دل پہ اثر یار ترے تیر کریں کیا
ظالم کا ستم دیکھو کہ جب دل نہیں باقی
اب پوچھتا ہے خاطر دلگیر کریں کیا

معلوم نہیں چھپکے وہ بیٹھا ہے کہاں پر
قرباںؔ سے اب ملنے کی تدبیر کریں کیا

کوئی درد دل میں ہے مبتلا نہ خیال اُس کو ذرا رہا
میری جان تن سے نکل گئی وہ جدا رہا وہ خفا رہا
یہ تو جیتے جی ہی کے جھگڑے تھے کہ جو جان تن سے نکل گئی
نہ کسی کا شکوہ ذرا رہا نہ کسی کا کوئی گلا رہا
وہ جفا نہیں کرتے نہ مجھسے کیوں وہ لگاتے سینہ سے کیوں مجھے
کروں کیا کہ مجھسے تو عمر بھر یہ نصیب میرا خفا رہا
نہ غرض کرم نہ عطا سے ہے انھیں کام صرف حیا سے ہے
جو نگاہیں نیچی کئے رہے جو نقاب منہ سے اٹھا رہا
یہ ہی خواب تھا میری زندگی یہ ہی زندگی تھی مری خوشی
دم صبح تک میرے خواب میں کوئی کیوں نہ جلوہ نما رہا
بھرے سوز عشق سے ہمنشیں مرے دل میں [illegible]

میں جلا کیا، میں جلا کیا، میں پُھکا رہا میں پھکا رہا
کیا ترک میں نے جو غیرِ حق، مجھے حق ملا مجھے حق ملا

رہے بُت خفا تو رہا کرے، کہ خدا نہ مجھ سے خفا رہا
کوئی گلکدہ تھا میرا مکاں، نہ چمن میں تھا کہیں آشیاں

کبھی میں یہاں کبھی میں وہاں، یوں ہی مثلِ مرغِ ہوا رہا
نہیں قرباں شکوہ زباں پر، یہ مقامِ شکر ہے کس قدر

مجھے سب نے چھوڑ دیا مگر، مرے ساتھ میرا خدا رہا

کب دل میں خیالِ رُخِ انور نہیں ہوتا
آنکھوں سے میرے دور یہ منظر نہیں ہوتا

نظروں سے زیادہ کوئی نشتر نہیں ہوتا
ابرو سے زیادہ کوئی خنجر نہیں ہوتا

وہ کونسا بُت ہے جو ستمگر نہیں ہوتا
اُن کو تو خدا کا بھی کبھی ڈر نہیں ہوتا

فتنہ کو دبا دیتے ہو ٹھوکر سے ہمیشہ
منظور اُٹھانا تمہیں محشر نہیں ہوتا

آتی ہے شبِ غم تو میرے پاس ہمیشہ
جانے کو تو ہے اور کوئی گھر نہیں ہوتا

رہ جاتی الٰہی تیری دُنیا میں کمی کیا
پہلو میں جو میرے دلِ مضطر نہیں ہوتا

ہم غم سے ہی بہلاتے ہیں دل جب بھی ہمدم
سامانِ طرب ہم کو میسر نہیں ہوتا

کم ہے میرے عصیاں سے مرا بحرِ ندامت
غرقاب کبھی اس میں یہ دفتر نہیں ہوتا

کوچہ میں ترے خون ہوا کرتے ہیں لاکھوں
دن کونسا ہوتا ہے کہ محشر نہیں ہوتا

غیروں کیلئے تیرا کرم ہے بہت ارزاں
کیا وجہ تیرا لطف جو ہم پر نہیں ہوتا

محدود ہیں اس دہر میں گرشئیں جتنی
قسمت کا مگر ختم یہ چکر نہیں ہوتا

جب اس پہ الم ٹوٹتے رہتے ہیں ہمیشہ
کیوں دل کے عوض پہلو میں پتھر نہیں ہوتا

اُٹھ جاتے ہیں باطن کے حجاب آنکھ سے ساقی
مدہوش مگر میں کبھی پی کر نہیں ہوتا

حاصل نہیں ہوتا ہمیں واللہ کوئی کیف
جب بزم میں دورِ مے و ساغر نہیں ہوتا

رکھتا ہے چھپا کر تو ہنر اپنا ہمیشہ
قرباں عیاں یوں ترا جوہر نہیں ہوتا

پرتو ہے ذرہ ذرہ میں ذرہ نواز کا
جلوہ ہے چار سو یہ اُسی بے نیاز کا

یکساں ہیں دونوں خادم و مخدوم عشق میں
محمود بھی ہے بندہ کمتر ایاز کا

غافل نہ اُس کو چھیڑ جو ہے محوِ عشق میں
اک لطف لے رہا ہے وہ راز و نیاز کا

تقلید کرکے سیکڑوں محبوب ہو گئے
دُنیا میں فیض ہے ترے انداز و ناز کا

دل کی لگی سے نغموں کی آواز تھی بلند
سوزِ نفس کی ساتھ ہی پردہ تھا ساز کا

کھلجائے رازِ مرگِ محبت جو خضر پر
خواہاں نہ وہ ہو پھر کبھی عمرِ دراز کا

اُسکی رسائی بامِ حقیقت پہ ہو چکی
زینہ بھی جس نے طے نہ کیا ہو مجاز کا

سب خوش ہیں رنگسار سے وہ بُت ہوں یا خدا
سب پر اثر ہے شیوۂ عجز و نیاز کا

قربان اب ملی مجھے معراجِ عاشقی
ہاتھ آگیا ہے سلسلہ زلفِ دراز کا

دیکھے وہ مجھے جس نے خدا کو نہیں دیکھا
جلوہ تو ہوں گو جلوہ نما کو نہیں دیکھا

یوں حُسن سے مانوس حیا کو نہیں دیکھا
یوں چھپتے کسی مست ادا کو نہیں دیکھا

جبتک کہ نہ عاشق کی ہو حسرت کوئی شامل
پامال کبھی رنگِ حنا کو نہیں دیکھا

ہاں فہم سے اور عقل سے پہچانا ہے اُس کو
آنکھوں سے اگرچہ ہے خدا کو نہیں دیکھا

یہ ہیں صفتِ شمع و ضیا لازم و ملزوم
شوخی سے کبھی دُور حیا کو نہیں دیکھا

کرتا ہے قیامت کا سدا ذکر جو زاہد۔
شاید بُتِ کافر کی ادا کو نہیں دیکھا

ہر وقت زباں پہ ہے بیاں حورِ جناں کا
کیا شیخ نے اُس ماہ لقا کو نہیں دیکھا

اس خوف سے اسمیں نہ کوئی خاک نشیں ہو
اُس نے کبھی نقشِ کفِ پا کو نہیں دیکھا

ہاں کھولدے زلفیں کہ بہت روز سے ساقی
میخانہ پہ گھنگور گھٹا کو نہیں دیکھا

دلچسپ و دل آویز ترا تیرِ نظر ہے
اس درجہ حسیں ہم نے قضا کو نہیں دیکھا

سنتے تو ہیں ایسا مگر آغوشِ اثر میں
ہم نے تو کبھی اپنی دُعا کو نہیں دیکھا

جب آئی ادھر خاک اُڑاتی ہوئی آئی
لائے ترا پیغام صبا کو نہیں دیکھا

طوفان اُٹھاتا ہی رہا عالمِ ہستی۔
خاموش کبھی سیلِ فنا کو نہیں دیکھا

پرواز پہ اے مرغِ چمن ہے تجھے نازش
تو نے ابھی دُنیا کی ہوا کو نہیں دیکھا

قربان ہے کس حال میں معلوم نہیں کچھ
مدت ہوئی اس مردِ خدا کو نہیں دیکھا

تڑپتا دیکھ جائے میرے پہلو میں مرے دل کا
تماشا دیکھنا ہو جس کسی کو رقصِ بسمل کا۔

ہوا جب ساتھ میرا اور مرے مدِ مقابل کا
تمہیں خود امتحاں ہو جائیگا حق اور باطل کا

بہاروں میں نہ کیوں بڑھ جائے گرمی آتشِ گل کی
کہ صحنِ باغ میں چھڑکا ہوا ہے خونِ عنادل کا

سُنا ہے آج پھر برہم ہے تیغِ ابروئے قاتل
محافظ اب خدا ہے میرے ناکردہ گنہ دل کا

خدا کو پوچھتے ہیں یہ فرشتہ بت کے بندے سے
ہُوا ہے سامنا تربت میں مجکو کیسی مشکل کا

وہ ہے لیلیٰ کا شیدائی نظر میں اُسکی لیلیٰ ہے
نگاہِ قیس پر پردہ پڑا رہتا ہے محمل کا

بہت کی سیر گلشن خوب کی تفریح دُنیا میں
کسی دن دیکھ لو نقشہ ہمارے دل کی محفل کا

بنالیں شوق کو گر رہنما دم بھر میں جا پہونچیں
تعجب اُنپہ ہے جو راستہ بھولے ہیں منزل کا

خضر دیتا ہے کیوں آبِ زلالِ زندگی مجکو
کہ میں تشنہ ہوں مرنے کیلئے زہر ہلاہل کا

ضیا ریزی نہیں اچھی یہ حسنِ یار کی ہر سُو
ڈھکا رہنا ہے اچھا پردہ فانوسِ محفل کا

بھٹکتا پھرتا ہے وہ بھی ہمیشہ سارے عالم میں
خضر کو بھی نہیں معلوم رستہ تیری منزل کا

جسے تو ڈھونڈتا ہے وہ ترے ہی دلمیں پنہاں ہے
عبث ہے پوچھنا اے شیخ پھر تحصیل حاصل کا

محبت کے اسیروں کی بھی تو توقیر ہوتی ہے
سُنا ہے ہم نے قصہ چاہِ کنعاں چاہِ بابل کا

اگر قربانؔ بزمِ دوست میں ہو آپ کا جانا
پیامِ شوق پہونچانا مرے حسرت بھرے دل کا

اعتبارِ التفاتِ دوست کیا جاتا رہا
زیست کا بیمارِ غم کی آسرا جاتا رہا

ایکدن بھی قابلِ تسکیں نہ لایا وہ جواب
روز ہی گو نامہ بر آتا رہا جاتا رہا

جب جواں تھے ہم اسیرِ دلبری رہا کرتی تھی چھیڑ
اب جوانی کی طرح وہ حوصلا جاتا رہا

میرے گھر تک آتے آتے لیگیا دُشمن اسی
آہ دل کے ساتھ ہی وہ دلربا جاتا رہا

اب تجھے شاید میسر ہی نہیں خونِ وفا
رنگ پھیکا سا ترا رنگِ حنا جاتا رہا

ساغرِ چشمِ مروت نے پلا دی جب سے مے
رنج کھانے خون پینے کا مزا جاتا رہا

آمد و رفت اُنکی محفل میں ہوئی ہے آج بند
مدتوں لیکر میں اپنی التجا جاتا رہا

اب بجائے شادمانی غم کی ہے دل میں جگہ
آگیا نا آشنا اور آشنا جاتا رہا

کیں تمہارے حسن نے کیسی یہ افسوں سازیاں
دیکھ لی صورت تمہاری سب گلا جاتا رہا

پی چکے مے تو یہ رندوں نے تمسخر سے کہا
شیخ صاحب اب کہاں وہ اتقا جاتا رہا

زندگی کے غم سے چھوٹے موت کے آغوش میں
مل گئی اچھی بقا خوفِ فنا جاتا رہا

اب تو اُن کا ہوگیا اب مجھ سے تجکو کیا غرض | میرا تیرا آج سے اے دل واسطہ جاتا رہا

دل گیا قرباںؔ جانے دے نہ کر اتنا ملال
صبر کر مردِ خدا جاتا رہا جاتا رہا

بُھولا ہُوا سا ایک سبق ہے کتاب کا | ہمدم میں کیا سناؤں فسانہ شباب کا
جھگڑے پڑے ہیں جتنے ابھی سب یہ ختم ہوں | اُٹھ جائے درمیاں سے جو پردہ حجاب کا
رحمت کے آسرے پہ گنہ کر رہے ہیں ہم | مطلق نہیں خیال عذاب و ثواب کا
پیری میں آکے خواب پریشاں وہ بنگیا | گذرا پلک جھپکتے ہی عالم شباب کا
وہ جانتا ہے عشق و محبت کے کچھ مزے | جسنے سبق پڑھا ہے محبت کے باب کا
تم تو سوالِ وصل پہ خاموش ہوگئے | میں منتظر ہوں چشمِ کرم سے جواب کا
دل جب بھی ٹوٹ جائے کہیں ہمنشیں کسے | شیشہ کا اعتبار، بھروسہ حباب کا
جھیلی ہے اپنے دل پہ نگاہِ ستم کی چوٹ | برسوں بنا رہا ہوں نشانہ عتاب کا

قرباںؔ نماز پڑھتا ہوں پیکر شراب ناب
کرتا ہوں احترام عذاب و ثواب کا

کچھ تو فرمایئے تھا طور پہ جلوہ کیسا | یہ تحیّر ہے اب حضرتِ مُوسیٰ کیسا
ہے تغافل اُنھیں بیمار سے کیسا کیسا | دیکھنے تک نہ کبھی آئے مداوا کیسا
یہی بہتر ہے کہ سجدہ میں رہے فرقِ نیاز | بندگی جو نہ کرے بندہ خدا کا کیسا
لاکھ کہتا ہوں مگر وہ نہیں کرتا جنبش | دیدیا تمنے عدو کو یہ سہارا کیسا
وصل کو میں نے کہا اُسنے تو ہنسکر بولے | ایک ہی بات کا یہ روز تقاضہ کیسا
ہے میرے پاس جو کچھ دقت ہے سب تیرے لئے | دل بھی لے لے نگہِ یار کلیجا کیسا
آفریں حسن پریں ہمتِ مردانہ تو | مقتلِ عشق میں ہے معرکہ آرا کیسا
آنکھ تک سی نہ کبھی پہلے جسے دیکھا تھا | اُسپہ تو ٹوٹ پڑا اے دلِ شیدا کیسا
اب دَوا اور دعا سے مجھے مطلب ہی نہیں | آپنے دلمیں کیا دردیہ پیدا کیسا
اسکی ہر موج میں ہیں نوح کے لاکھوں طوفاں | ایک قلزم ہے میری آنکھ میں دریا کیسا
دل میں رہکر کوئی چھپتا ہے کہیں آنکھوں سے | اپنے عاشق سے میریجان یہ پردہ کیسا
کرسکا دور نہ جب پردہ محمل کو غریب | چاک مجنوں نے کیا دامنِ صحرا کیسا

طور پر آنکھ نہ ڈالی کبھی دنیا کیسی ؟ | ظرف رکھتا ہے ترا چاہنے والا کیسا
ہمنے کیا اس سے کیا ہے کبھی کوئی وعدہ | یہ کرتی رہتی ہے اجل ہم سے تقاضہ کیسا

چاہے جب خلوت قرباں میں چلی آئے تو
خود ہی تیار ہے وہ اس سے تقاضہ کیسا

کبھی درد تم کو ہوا ہے کسی کا | کبھی نالہ تم نے سنا ہے کسی کا
گھٹا کو سمجھتا ہوں زلفیں کسی کی | مجھے جب سے سودا ہوا ہے کسی کا
کوئی رام کہتا کوئی رب ہے اس کو | کسی کا وہ بت ہے خدا ہے کسی کا
میں سنتا ہوں اکثر وہ کہتے ہیں اکثر | سمجھتا ہوں جو مدعا ہے کسی کا
نہ لو بددعائیں جہاں میں کسی کی | ستانا بہت ہی برا ہے کسی کا
ترے کان تک گر نہ پہونچے عجب کیا | کہ نالہ ابھی نارسا ہے کسی کا
بنا طور ایمن کبھی اپنے دل کو | جو جلوہ تجھے دیکھنا ہے کسی کا
ہے ترچھی نظر ان کی اے دل سنبھلنا | مچلنے کو تیر ادا ہے کسی کا
کسی کا کبھی کام تم نے کیا ہے | کبھی کام تم سے ہوا ہے کسی کا
دم نزع اور سلسلہ ہچکیوں کا | تقاضا بہت ہو رہا ہے کسی کا
حسیں جسکو پایا اسی پہ یہ آیا | مگر دل بہت منچلا ہے کسی کا
مجھے تجھ سے بوئے وفا آرہی ہے | لہو کیا یہ دزد حنا ہے کسی کا

وفا کی عبث ان سے حسرت ہے قرباں
وہ بت آج تک بھی ہوا ہے کسی کا

مجھے بھی کشتۂ نور و ظہور کر جانا | دکھا کے جلوہ میرے دل کو طور کر جانا
قسم ہے تجکو تو اتنا ضرور کر جانا | وصال کا میرا ارمان دور کر جانا
نصیب تجکو ہو صورت کے ساتھ سیرت بھی | خدا کے واسطے ترک غرور کر جانا
بہار آئی ہے چل سوئے میکدہ ساقی | عصائے شیخ سے توبہ کو چور کر جانا
تو جا رہا ہے تو جا روکتا نہیں میں تجھے | مگر علاج دل ناصبور کر جانا
سرور ہے تری آنکھوں میں موجزن ساقی | میری نظر کو بھی غرق سرور کر جانا
جگانا تجھکو جو مد نظر ہے مستوں کا | تو راہ گور میں شور نشور کر جانا

ہے جلوہ گاہِ محبت کی سیر اگر منظور ‌ا ادوئی کو دل سے یہیں اپنے دور کر جاتا

ہے بحرِ عشق سے قرباں خوف کیوں تجکو
خدا کا نام لے جب عبور کر جانا

کیوں اور کسی شوخ پہ مائل نہیں ہوتا پورا تیرا ارمان اگر دل نہیں ہوتا
ہرگز وہ کسی غیر پہ مائل نہیں ہوتا زنہار کسی اور سے سائل نہیں ہوتا
تکلیف میں اوروں کی جو شامل نہیں ہوتا پتھر اُسے ہم کہتے ہیں وہ دل نہیں ہوتا
ملتی ہے شہادت اُسے جو سر کو کٹائے بے جاں دیئے کوئی بھی غافل نہیں ہوتا
دربان نے پایا ہے ستاروں کا مقدر کمبخت کسی وقت بھی غافل نہیں ہوتا
کیونکر کوئی سلجھائے گا اس عشق کی گتھی حل عقل سے یہ عقدۂ مشکل نہیں ہوتا
بے جرم ہوئے قتل ترے کوچہ میں لاکھوں مغموم ترا دل کبھی قاتل نہیں ہوتا
جب چاہتے ہیں جان فدا کرتے ہیں جانباز یہ کام کچھ اُن کیلئے مشکل نہیں ہوتا
کشتی محبت کو کنارہ نہیں ملتا عاشق کبھی آسودہ ساحل نہیں ہوتا
رفتار جو رکھتا ہے سدا معتدل اپنی پھر وہ کبھی واماندۂ منزل نہیں ہوتا
گل لیکے اُڑ جو پنج میں صیاد جب آئے یہ کام مگر تم سے عنادل نہیں ہوتا

غیروں کی چھپائے نہ برائی کو جو قرباں
وہ دل کبھی ہم پایۂ محمل نہیں ہوتا

پلا کے جامِ محبت غلام کرنا تھا نگاہِ یار تجھے اپنا کام کرنا تھا
نہیں تو چین سے تمکو قیام کرنا تھا یہ صبح و شام کا جھگڑا تمام کرنا تھا
غرورِ حسن کا آئے نہ دل میں یوسفؑ کے اسی لئے اسے کچھ دن غلام کرنا تھا
بھٹکتے پھرتے ہو کوچہ میں کیوں رقیبوں کے کسی کے دل میں تمہیں تو قیام کرنا تھا
تجھے تو بنتِ عنب سے ہے بخل اے زاہد جو شے لذیذ تھی اُس کو حرام کرنا تھا
نہ رکھتے کوچۂ الفت میں ہم قدم اپنا جنابِ قیس کو لیکن سلام کرنا تھا
عدم کو جانا ہے اور ہاتھ تیرے خالی ہیں تجھے تو پہلے ہی کچھ اہتمام کرنا تھا
یہ ہم سے چوک ہوئی بن گئے جو سودائی کلیم بنکے کسی سے کلام کرنا تھا
یہ خاص لوگوں پہ کیا لطفِ خاص اے ساقی تجھے تو میکدہ میں اذنِ عام کرنا تھا

کبھی تو ملتا ہمیں بوسۂ لبِ ساقی | ہماری خاک سے تیار جام کرنا تھا

اگر بتوں سے وہاں تھی نجات لے قرباں
تو اور کعبہ میں چند سے قیام کرنا تھا

روز موسیٰ کی طرح جلوہ دکھایا جاتا | روز دنیا میں نیا طور بنایا جاتا
اپنے عاشق کو کبھی ہوش میں لایا جاتا | لخلخۂ زلفِ معنبر کا سنگھایا جاتا
تم نے دلداریاں غیروں کی بہت کچھ کی ہیں | میرے دل کا بھی کبھی درد مٹایا جاتا
کس بلا کی ہے دلاویزی حسن کافر | آکے اس بزم میں ہم سے نہیں جایا جاتا
سیدھی سمجھوں میں تیری بات کہ الٹی سمجھوں | کچھ تری بات کا مطلب نہیں پایا جاتا
تیری رحمت کا تقاضہ تھا کہ صبح محشر | میرے اعمال کا دفتر نہ سنایا جاتا
سے رخوں کے لب شیریں کے ہیں بوسے لیتا | میری مٹی سے اگر جام بنایا جاتا
مہ جبینوں کے اسے ظلم ہیں سننے منظور | ورنہ کیوں حشر میں اوکو نکو بلایا جاتا
زخم دل پر جو کبھی میرے لگاتے پھایا | پھر نہ الزام جفا تم پہ لگایا جاتا

سر میں سودا ہے تو قرباں اسے کیجئے دور
بارِ غم اتو نہیں ہم سے اٹھایا جاتا

خفا ہونے لگا مولا بتوں کا نام جب آیا | خفا ہونے لگے یہ بت جو لب پر نام رب آیا
جو لکھا تھا نصیبے میں وہ میرے پیش سب آیا | وہ مجھ تک اسنے پہونچایا وہ مجھ تک بے طلب آیا
جوانی جا چکی اور بھر چکے دفتر گناہوں کے | ہمیں اب ہوش بھی آیا تو صد افسوس کب آیا
گذاری عمر ساری نامہ بر کی راہ تکتے میں | جواب نامہ لیکر وہ نہ اب آیا نہ جب آیا
خدا ہانے بتوں کو کیوں ہر کا دشمن نام سے انکے | زباں پر ذکر حور آیا ستم ٹوٹا غضب آیا
مجھے ڈر ہے کہ زاہد بھی نہ تجھ پہ ہو کہیں مفتوں | بلا کا اب ہے جوبن تجھ پہ لے بنت عنب آیا
نصیبے میں یکسے سوز اور اندوہ لکھا تھا | مقدر میں کسی کے حصۂ عیش و طرب آیا
مجھے تنہائی فرقت کی ڈرا سکی ستا لیگی | غضب آیا بلا آئی کہ یارب وقتِ شب آیا

برابر سکو لے قرباں اس نے کردیا آخر
کسی کے کام کب اس عشق میں نام و نسب آیا

دل دیکے محبت میں پشیماں نہیں دیکھا | قرباں کوئی آپ سا انساں نہیں دیکھا

تم سا بھی ستمگر کوئی انساں نہیں دیکھا
عاشق کا کبھی حال پریشاں نہیں دیکھا

مجنوں کی طرح دشت و بیاباں میں پھرے ہیں
وہ کونسا ایسا ہے جو میداں نہیں دیکھا

میرے دلِ پُر داغ کو وہ دیکھ کر بولے
ایسا کوئی شاداب گلستاں نہیں دیکھا

قیمت ہے اگر آپ کی سرمایۂ کونین
اتنا تو کبھی حسن کو ارزاں نہیں دیکھا

اللہ رے بیمارِ محبت کا تحمل
اس کو کبھی منت کشِ درماں نہیں دیکھا

لو دیکھ لو کرتا ہے تصور میرا پرواز
تم نے جو کبھی تختِ سلیماں نہیں دیکھا

دیتا ہے نمک سیکڑوں زخموں کو تبسم
خالی کبھی ہوتے یہ نمکداں نہیں دیکھا

ہے نجد کے صحرا کی جو منظور تمہیں سیر
کیا تم نے مرے دل کا بیاباں نہیں دیکھا

کیا پوچھتے پھرتے ہو سحر ہوتی ہے کیونکر
عاشق کا کبھی چاک گریباں نہیں دیکھا

کیسے یہ بھلا کہدیں کہ وعدہ کرو سچے
پورا کبھی ہوتے کوئی پیماں نہیں دیکھا

ہر داغ میں ہے شمع محبت کی تجلی
کیا تم نے مرے دل کا چراغاں نہیں دیکھا

شاعر اسے کہنے میں جو کرتے ہو تامل
قرباں کو کیا تم نے غزلخواں نہیں دیکھا

دوائے دردِ دل ناصبور کر لینا
کسی طرح ہمیں نالہ ضرور کر لینا

ہمارے بعد تم ایسا ضرور کر لینا
ابھی پڑی ہے جوانی غرور کر لینا

ہمارے دل میں بھی اک دن ظہور کر لینا
جو ہو سکے اسے اپنا ہی طور کر لینا

بتوں کا تذکرہ کر اس جہان میں اے شیخ
ملے بہشت تو پھر ذکرِ حور کر لینا

تری کسی نہ کسی طرح گالیاں سننا
غرض ہمیں کوئی پیدا قصور کر لینا

جو دیکھنا ہو تمہیں حال اپنے کشتوں کا
تو کچھ مہارتِ کشف القبور کر لینا

انھیں تو روز ہی فتنہ نیا اٹھا دینا
انھیں تو روز ہی روزِ نشور کر لینا

وہ کہتے ہیں کہ میری بزم میں اگر آنا
تو دور عشق کا سر سے فتور کر لینا

سنا ہے ہم نے بتوں کی ہے جلوہ گاہ وہاں
قیام کعبہ میں قرباں ضرور کر لینا

آ کر زباں پہ شکوۂ بیداد رہ گیا
ہو کر خموش پھر لبِ فریاد رہ گیا

جنت بنائی لطف نہ جنت کے لے سکا
ناکام آرزوئے دلِ شداد رہ گیا

بعد بہار مجکو نہ تو نے کیا اسیر
ارمان دل میں ایک یہ صیاد رہگیا

عاشق نے جان دیدی ترے ظلم دجور سے
باقی ترا ستم، ستم ایجاد رہگیا

کام اُن کے نام اُن کے زمانہ کو یاد ہیں
باقی رہا نہ قیس نہ فرہاد رہگیا

سکتہ کے بعد اور یہ سکتہ نیا ہوا
دامنہ رگِ نقال کا فصاد رہگیا

طلعت تمہاری اُسپہ ہوئی اسطرح عیاں
حیران تم کو دیکھ کے بہزاد رہگیا

آیا عدم سے اور عدم کو چلا گیا
افسانہ اتنا اپنا مجھے یاد رہگیا

چرچے جہاں میں اُنکے کرم کے ہیں جابجا
محروم تو ہی کیوں دلِ ناشاد رہگیا

لوگوں نے سب وہ عشق کے قصے بھلادیئے
قربان تھا کوئی یہ فقط یاد رہگیا

دوہری ہونے لگی دہار یہ کیا
کیوں رکی آپ کی تلوار یہ کیا

کس سے اُلجھی ہے طبیعت ایسی
روز رہتی ہے جو تکرار یہ کیا

اُن سے رودادِ الم کہنی تھی۔
نہیں کھلتے لبِ گفتار یہ کیا

تم مسیحائے جہاں کہلاؤ۔
اور اچھے نہ ہوں بیمار یہ کیا

چاند چھپتا نہیں گردوں پہ کبھی
تم دکھاتے نہیں دیدار یہ کیا

دیکھ عارض میرے گل کے اے گل
پھیکے پھیکے ترے رخسار یہ کیا

کیا کسی بت نے ہیں ڈالے ڈورے
گردنِ شیخ میں زنار یہ کیا

آپ تو یوسفِ ثانی ہیں مگر
سرد ہے حسن کا بازار یہ کیا

جور کا لطف ہے گاہے گاہے
روز دیتے ہو جو آزار یہ کیا

ہے ابھی دور بہت منزلِ عشق
سست قربان ہے رفتار یہ کیا

جلا کیا چند تنکوں کو جو تو نے آسماں پھونکا
گرا کر بجلیاں کمبخت میرا آشیاں پھونکا

نہ دن کو چین لیتا ہے نہ شب کو چین دیتا ہے
تری سرگرمیوں نے اے دلِ آتش نشاں پھونکا

نہ جانے کس غضب کی آگ تھی اسمیں بھری تو نے
تری سوزِ محبت نے میرا ہر استخواں پھونکا

غضب کا ہے اثر تجھ میں سُنا کر داستاں تو نے
دلِ اہلِ بزم کا یکبارگی اے قصہ خواں پھونکا

بظاہر گو رہا اچھا مگر گھلتا گیا پیہم۔
مجھے اندر ہی اندر تو نے اے داغِ نہاں پھونکا

خدا جانے اگر یہ ٹوٹتا تو کس کے سر جاتا
نہیں اسواسطے آہوں نے میری آسمان پھونکا

سمجھکر یادگارِ سوختہ جاں اُسکو رکھ چھوڑا
نشیمن کیوں نہ مجکو پھونک کر اے باغباں پھونکا

غضب توڑا ستم توڑا کہاں جائیں کہیں کس سے
کہ پتہ پتہ تو نے باغ کا بادِ خزاں پھونکا

مجھے ہر وقت ردکے ہی مجھے ہر وقت ٹوکے ہے
کچھ اُن سے بھی زیادہ تو نے ظالم باغباں پھونکا

پیا می صحبتِ اغیار کا قصہ نہ کہنا تھا
مجھے ظالم سنا کر اُن کی تو نے داستاں پھونکا

عبث قربان کہتا ہے کہ پھونکا عشق نے تجکو
یہاں پھونکا وہاں پھونکا کدھر پھونکا کہاں پھونکا

آنسو نہ گر نکلتے کیوں شرمسار ہوتا
بدنام کیوں جہاں میں میں بے قرار ہوتا

قدموں میں کاش تیرے میرا مزار ہوتا
میں تیری رہگذر میں مشتِ غبار ہوتا

بندہ پہ رازِ قدرت گر آشکار ہوتا
جلووں میں بت کے حسنِ پروردگار ہوتا

کوچہ کا قصد تیرے ظالم اگر نہ کرتا
عاشق قضائے تیرا پھر کیوں دوچار ہوتا

گر آسمیں رہ کے اپنی تم شوخیاں دکھاتے
محشر کا ایک ٹکڑا دل بھی شمار ہوتا

میں خاک ہو کے رہتا گر صحنِ میکدہ میں
مستی طلب ہمیشہ ساقی غبار ہوتا

تربت پہ تم جو روتے آنسو سے خاک دبتی
برباد پھر نہ میرا ہر سو غبار ہوتا

بے اختیاریوں سے مجبور ہو گیا ہوں
گر کام ضبط دیتا کیوں اشکبار ہوتا

دشتِ جنوں اگر میں واماندہ ہو نہ جاتا
مہمان آبلوں کا ہر ایک خار ہوتا

قربان نزع میں وہ صورت اگر دکھاتی
کیوں روح کو ہماری یہ انتشار ہوتا

سچا تھا کس کو عشق چلو جان تو گیا
کشتوں میں اپنے وہ مجھے پہچان تو گیا

وعدہ کیا ہے آنیکا گھر سے رقیب کے
شکرِ خدا وہ بات میری مان تو گیا

اب کہہ رہا ہے اِک میرا جانباز مر گیا
وہ لیکے میری جان مجھے جان تو گیا

لو سن کے میرا حال وہ ناراض ہو گئے
اُلٹی بُرائی آئی ہے احسان تو گیا

انسان دیکھ تیرے بھی اعمال ہیں خراب
تو بھی نہ جائے ہاتھ سے شیطان تو گیا

حسرت کے بعد دنیا بھی اُسکی نگاہ ہے
نوبت ہے میزبان کی مہمان تو گیا

دستِ جنوں کے ہاتھ بہت کچھ دراز ہیں
دامن کی خیر ہو کہ گریبان تو گیا

اُن کی ہنسی کے بعد ہیں مژگاں کے تیر تیز
نشتر کی باری آ گئی نمکدان تو گیا

دھوکے میں میرے غیر کو تُو کا سزا ملی
شکرِ خدا کہ آج سے دربان تو گیا

میں سر کٹا کے اپنا سبکدوش ہو گیا
گردن سے میری آپکا احسان تو گیا

کہتے ہیں وہ عدو سے کہ محفل میں کھل کے بیٹھ
اور یہ سمجھ لے آج سے قربان تو گیا

کہتے ہیں دھیان میں اک خانماں برباد آیا
بعد مرنے کے کبھی اُنکو اگر یاد آیا

یاد فوراً آ ہی بس مجھے قصۂ فرہاد آیا
ہاتھ میں لیکے جو وہ شیشۂ فولاد آیا

دارِ ہستی میں وہ محکوم کسی کا نہ ہوا
لیکے جو روزِ ازل ہر دل آزاد آیا

ظلم وہ کرتے رہے دیتے رہے طعن ہمیں
اور نہ جنبش میں ہمارا لبِ فریاد آیا

ہیں تو پتھر کے مگر ہوتی ہے پوجا اُنکی
ان حسینوں پہ عجب حسن خداداد آیا

ہوا کمبخت خفا اُنپہ جو پہلے تھے اسیر
ہو کے محروم گلستاں کو جو صیاد آیا

تو نے ظالم کی بھی مظلوم بنا لی تصویر
حسن تصویر کشی تجکو نہ بہزاد آیا

بنگئے دل میں مرے آکے وہ دل کی صورت
اور پہلو میں نیا اک ستم ایجاد آیا

فاتحہ میں نے پڑھی روح پہ اُنکی پر سول
قیس آیا نہ مرے کام نہ فرہاد آیا

بدگمانی اُسے شاید مری تربت سے بھی ہے
ساتھ اغیار کے اب بھی ستم ایجاد آیا

سن کے قصہ مرا کس شان سے فرماتے ہیں
لیکے قربان تو کیا آج یہ رُوداد آیا

سمجھ نہ اسکو ہم یہ ہمارا قصور تھا
ورنہ ہر اک جگہ پہ تمہارا ظہور تھا

وہ بھی نہ پا سکے جنہیں حاصل عبور تھا
جتنا کہ تھا قریب وہ ونہا ہی دور تھا

جبتک کہ چشم یار تصور رہا تیرا
لذت تھی دل میں اور ہمارے سرور تھا

شرما گئے بہشت میں حوروں کو دیکھ کر
کتنا بتوں کو حسن پہ اپنے غرور تھا

تو نے لگائی ٹھوکریں جس روز قبر پر
عاشق کے واسطے وہی یوم النشور تھا

کی تیرے آستاں نے کشش آ پڑا یہاں
سودا تھا میرے دل میں نہ کوئی فتور تھا

دشمن بھی ہیں شریکِ ملالِ مریضِ غم
آنا تمہیں بھی بہرِ عیادت ضرور تھا

موسیٰ کر دیا شکر کہ تم جھانک بچ گئے
صدقہ مگر تمہارے لئے کوہ طور تھا

تربت پر آکے میری مصیبت سمجھ نہ لی
کیوں آپکو تو دعوئے کشف القبور تھا

تنہا وہ آج کیوں مری محفل میں آئے تھے
قرباںؔ بھید کچھ نہ کچھ اس میں ضرور تھا

شبِ فرقت سُنا کرتے ہیں چھپ چھپ کر بیاں میرا
پسند آیا ہے شاید اُنکو اندازِ فغاں میرا

وہ سمجھا یادگار اسکو، ہے مخلص باغباں میرا
بچا کر اُس نے جو رکھا خزاں میں آشیاں میرا

نشیمن کا ہر اک تنکا مجھے خود برق ساماں ہے
یہ گر کر بجلیاں کیوں پھونکتی ہیں آشیاں میرا

مرے تم دل میں چھپ جاؤ عیاں ہو جائیگا سب کچھ
تمہیں ہے دیکھنا منظور اگر دردِ نہاں میرا

اچھوتے نشتروں سے آبلہ پائی کی خاطر کی
بنا ہر خارِ صحرا آج گویا میزباں میرا

نہ وہ نغمے نہ وہ گلبازیاں صحنِ گلستاں میں
مجھے اب یاد کرکے رو رہا ہے باغباں میرا

سُناؤں داستانِ غم کسے بزمِ قیامت میں
نہ کوئی ہمزباں میرا نہ ہے ہم داستاں میرا

نہ چلتا دستِ گلچیں کا نشیمن پر مرے قابو
چمن میں مجھ سے غافل گر نہ ہوتا باغباں میرا

بدلتا ہے یہ رنگ اپنا وہ جب تیور بدلتے ہیں
بنا ہے مدعی افسوس کیوں یہ آسماں میرا

وفا کا نقش بھی قرباںؔ کہیں باقی نہ رہجائے
وہ یوں دنیا دانستہ مٹاتے ہیں نشاں میرا

تمام ایک اشارے میں سب کا کام کیا
نظر نے تیری زمانے میں قتلِ عام کیا

تری نگاہوں نے ظالم قضا کا کام کیا
بُری طرح سے مرا ہائے اختتام کیا

یہ خوب حسن کی قوت نے اہتمام کیا
اسیر زلف بنا کر ہمیں غلام کیا

غضب کا تو نے یہ صیاد آج کام کیا
بھری بہار میں مجکو اسیرِ دام کیا

ہُوا ہے بیٹھ کے اُٹھنا بھی ہم کو اب دشوار
وہیں کے ہوگئے ہمتو جہاں قیام کیا

شراب پیتے جو دیکھا جنابِ شیخ کو آج
تو جھک کے میکدہ میں ہمنے بھی سلام کیا

خدا کا شکر کہ ساقی نے کی نہ خست کچھ
جو کوئی آیا نظر ایک اُس کو جام کیا

کیا یہ قیس نے احسان خوب اے قرباںؔ
کہ بعد مرنے کے صحرا ہمارے نام کیا

نمایاں آپکو آکر کسی صورت میں ہونا تھا
اُجالا کچھ نہ کچھ میری شبِ فرقت میں ہونا تھا

نمونہ اُسکا کچھ میخانے میں تھا دیر میں کچھ تھا
میسر ساز و ساماں جو ہمیں جنت میں ہونا تھا

کسیکے حسن کا جلوہ کسی کے خُلق کا پَر تو
تری صورت میں ہوناتھا میری سیرت میں ہوناتھا
اثر کچھ بھی مسیحا تیرے درماں میں نہیں دیکھا
کوئی تو فرق میرے زخم کی صورت میں ہوناتھا
یہاں بھی کنج تنہائی ہے اور تاریک راتیں ہیں
جو دنیا میں ہوا ہم پر وہی تربت میں ہوناتھا
نہ کچھ پیری چلی میری نہ کچھ پیری چلی تیری
وہی ہو کر رہا آخر کہ جو قسمت میں ہوناتھا
تمہارا ہجر بھی لکھا ہوا تھا میری قسمت میں
تمہارا وصل بھی اک دن میری قسمت میں ہوناتھا
مسلّم ہے کہ بعد ہر مصیبت ایک راحت ہے
میری تسکین کا پہلو میری کلفت میں ہوناتھا

سرِ قرباں ہے اب اور خاکِ رہگذر اُن کی
یہی انجام اُلفت ہے یہی الفت میں ہوناتھا

جہاں میں جنکو مولا ذات پر تیری توکل تھا
چراغ حرص اُنکے دل میں روشن تو نہ تھا گل تھا
وہاں زاغ و زغن اب بے تحاشہ شور کرتے ہیں
چمن میں جس جگہ ہنگامۂ نغماتِ بلبل تھا
جہاں تھا فصلِ گل میں پتہ پتہ گلشنِ جنت
وہاں گل کی طرح صرف ایک مُرجھایا ہوا گل تھا
کسی نے جان تک دیدی نہ آنا تھا نہ آیا تو
شبِ وعدہ قیامت سے ترا کیا کم تغافل تھا
چمن میں ہمنے یہ نیرنگ دیکھا اپنی آنکھوں سے
کہیں گریاں تھی بلبل اور کہیں خندۂ گل تھا
پروئے ایک لڑی میں کوئی جیسے سیکڑوں تارے
ہے داغ جگر اور داغ دل میں یوں تسلسل تھا
پریشاں کرنے کو فرقت میں اور اُلجھن بڑھانیکو
تری خمدار زلفیں تھیں ترا ایک پیچ کاکل تھا
ہوا برباد ہو کر بے زباں ۔ خاموش پژمردہ
کبھی یہ دل بھی سینہ میں چہکتا ایک بلبل تھا

گئے تھے دیکھنے ہم بعد مدت میکدہ قرباں
نہ وہ مستیٔ ساقی تھی نہ جوش بادۂ ومُل تھا

کس بلا کا تھا کلیجہ آپ کے نخچیر کا
سہہ گیا جو زور چھوٹے سے جگر پر تیر کا
کیا گلہ تقدیر کا یا کاتبِ تقدیر کا
ہے جو کچھ اے دل نتیجہ ہے تری تقصیر کا
ہم کو تو رونا فقط ہے اپنی ہی تقدیر کا
ہے گلہ تیرا نہ کچھ شکوہ ہے چرخ پیر کا
کیا ہوا وحشی تمہارا قید ہستی سے رہا
شور اب سنتے نہیں ہم پاؤں کی زنجیر کا
ایک عالم ہو تو کوئی اُسکا نقشہ کھینچ لے
کھینچ چکا بہزاد سے خاکہ تری تصویر کا
آسماں پر یہ جو بجلی سی چمکتی ہے کبھی
ہے یہ ایک ٹکڑا ہمارے نالۂ شبگیر کا
آپ شرما جائیں گے یا عکس شرما جائے گا
سامنا ہوگا اگر تصویر سے تصویر کا

غیر کے خوش کرنیکو ہم کو برا کہنے لگے
خوب ہم دل میں سمجھتے ہیں سبب تقصیر کا

کیا شب وعدہ کوئی مہندی لگا کر آئیگا
آج پھر میری دعا میں رنگ ہے تاثیر کا

کاتب قدرت نے بدلا میری رونے سے اسے
بڑھ گیا پلا تیری تقدیر سے تدبیر کا

سر بکف بیٹھا ہوا ہے آپ کا **قربان** آج
دیکھنا ہے کاٹ اُس کو آپ کی شمشیر کا

فضول جبر یہ کیوں دل پہ اختیار کیا
یہ آج تم نے کرم کیوں سر مزار کیا

کہیں نہ راز محبت کو آشکار کیا
سمجھ کے کچھ مجھے خالق نے رازدار کیا

پلا دی شیخ کو مے یہ برا کیا ہم نے
گناہ سر پہ لیا اور گنہگار کیا

نہ وعدہ وصل کا کرتے نہ آگ سی لگتی
سکون دیکے ہمیں اور بیقرار کیا

برا ہو اکہ بڑھے اپنے ناخن وحشت
جنوں نے جیب و گریباں کو تار تار کیا

سزا ملی تھی ہمیں جس خطا کے کرنے پر
وہی قصور تو ہم نے بھی بار بار کیا

ہوئی جو بات وہ وحشت پہ ہو گئی مبنی
جنوں کو عشق نے میرا اصلاح کار کیا

نہ آئی تو بھی تو فرقت کی رات اے ظالم
اجل ترا بھی بہت ہم نے انتظار کیا

خیال کر کے انھیں کھینچ ہی لیا **قرباں**
کمال آج بڑا تو نے میرے یار کیا

یار نے تیر نظر اپنا اگر چھوڑ دیا
کر کے چھلنی میرا دل اور جگر چھوڑ دیا

تو نہ گھبرا کہ وہ کل شام کو پھر آئے گا
کسی پروانے کو اے شمع اگر چھوڑ دیا

اب خبر دیگی یہ لیگا کہ جگر کی دیکھو
بے تکا یار نے ہے تیر نظر چھوڑ دیا

منزل عشق کسی طرح جو طے کر نہ سکے
تھک کے ہم بیٹھ گئے عزم سفر چھوڑ دیا

بات تو جب تھی یوں ہی رہتی شب ہجر مدام
ساتھ کیوں تو نے میرا اے وقت سحر چھوڑ دیا

منہدم کر دو مکاں کو کہ مکیں ہی نہ رہا
جسم خاکی کا میری روح نے گھر چھوڑ دیا

پھر نکل آئیں گی پرواز کی لاکھوں راہیں
تو نے صیاد اگر ایک بھی پر چھوڑ دیا

دفعتاً چھوڑ دیا سب نے مریض غم کو
اور تو اور دوا نے بھی اثر چھوڑ دیا

جب مداوا نہ ملا عشق کا **قرباں** کوئی
مجھے احباب نے تقدیر ہی پر چھوڑ دیا

غفلت کا اگر آنکھوں سے پردہ نہیں اُٹھتا　دل سے بھی دوئی کا ترے جھگڑا نہیں اُٹھتا
ہے جھوٹ کے وہ پردہ نہیں کرتے کسی سے　اُٹھنے تو نقابِ رُخِ زیبا نہیں اُٹھتا
کیا روح نے مجنوں کی کیا دشت کو معمور　کیوں پاؤں مرا جانبِ صحرا نہیں اُٹھتا
ارمان مرے جاتے ہیں ہمراہ عدم کو　دُنیا سے میں اُٹھتا ہوں تو تنہا نہیں اُٹھتا
مجنوں سے حیا آتی ہے ناحق تجھے لیلےٰ　محمل کا ترے کیا کبھی پردہ نہیں اُٹھتا
اک برق چمکتی ہے شبِ غم کی فضا میں　سینے سے مرے آہ کا شعلہ نہیں اُٹھتا
وہ کہتے ہیں آجائیں گے کیا ہیں ترے پابند　ہر روز کا ہم سے یہ تقاضا نہیں اُٹھتا

قرباں مرے جنکے لئے اُن سے صد افسوس
دو چار قدم آج جنازہ نہیں اُٹھتا

نہ کہنا پھر کبھی دل شمعِ محفل ہو نہیں سکتا　کہ جس دل میں نہ ہوں انوار وہ دل ہو نہیں سکتا
ہمارے آنسوؤں سے اور بھڑکی آگ اُلفت کی　فغاں کرنے سے کچھ فرقت میں حاصل ہو نہیں سکتا
تم اسمیں رہ کے دیکھو سب کہینگے غیرتِ لیلےٰ　یہ کیا تم نے کہا دل میرا محمل ہو نہیں سکتا
کُھلی چشمِ حسرت کیوں نہ وقتِ ذبح گھائل ہو　ہے بسمل نہ جو قاتل وہ قاتل ہو نہیں سکتا
نہ ہوگا قتل تو پھر قتل کی شورش اُٹھائیگا　ترحم اس لئے کچھ تجھ پہ بسمل ہو نہیں سکتا
اگر جانباز ہے دشمن تو میری طرح کٹ جائے　لگا کر خوں شہیدوں میں وہ شامل ہو نہیں سکتا
مصیبت بھی جو آتی ہے تو ہنسکر کاٹ دیتا ہوں　کبھی پژمردہ میرا غنچۂ دل ہو نہیں سکتا
حقیقت کھل ہی جاتی ہے تعلّی اور بناوٹ کی　مگر جو حق ہے باہر حال باطل ہو نہیں سکتا
فقط پستی ہی پستی ہو بھری جس کے خیالوں میں　کبھی وہ کامیابِ اوجِ منزل ہو نہیں سکتا
جو آلودہ یہ آلودہ ہوئے جاتے ہیں غفلت سے　کبھی اب اُن کے دل سے زنگ زائل ہو نہیں سکتا
جو ہے دشمن بھی تیرا تو اُسے دیتا ہے بے مانگے　کبھی محروم تیرے در سے سائل ہو نہیں سکتا
نہ ہونگا ہمزباں میرے کبھی یہ مدعی ہمدم　کہ شورِ زاغ گلبانگِ عنادل ہو نہیں سکتا

نگاہِ یاس لے قرباں اُنہیں کیا اثر ڈالے
کہ جو بسمل ہے وہ بسمل سے قائل ہو نہیں سکتا

جب اُن کی اجازت نہ ہو فریاد کریں کیا　بیٹھیں جو نہ خاموش تو ناشاد کریں کیا
کہتے ہیں دوبارہ تجھے برباد کریں کیا　ہم بھول چکے جس کو اُسے یاد کریں کیا

گو ضبط کی اب تاب نہیں دل میں ہمارے — مجبور ہیں مجبور ہیں فریاد کریں کیا
اُڑ جاتے قفس لیکے ترا ہم تو چمن کو — تقدیر سے مجبور ہیں صیاد کریں کیا
پر توڑ کے بھیجا ہو قضا نے جنھیں افسوس — بے چارے وہ سیرِ عدم آباد کریں کیا
تھے جتنے ستم ہو گئے سب ختم وہ مجھ پر — ہے فکر اُنھیں اب ستم ایجاد کریں کیا
الفت نہ قفس سے نہ ہمیں تجھ سے ہو ظالم — اُڑنے ہی کی طاقت نہیں فریاد کریں کیا
ہم قصۂ غم اپنا سُنانے آئے ہیں اُن کو — ہیں منتظر اب اسکے وہ ارشاد کریں کیا

ہیں وضع کے پابند اب انجام جو کچھ ہوں
قربانؔ جو بھولا ہے اُسے یاد کریں کیا

اے صنم تو نے محبت میں جلایا ایسا — دیکھنے میں کوئی جانسوز نہ آیا ایسا
طور پر حضرتِ موسیٰ نے نہ دیکھا ہوگا — ہے مجھے جلوہ تیری چلمن نے دکھایا ایسا
شور برپا ہے تیرے نمکدان کی خیر — تو نے زخموں کو میرے آج ہنسایا ایسا
حشر تک اب نہ اُٹھینگے جو اُٹھائے کوئی — ہے تیری چال نے فتنوں کو دبایا ایسا
نہ رہی قدر زمانے میں کسی گلشن کی — ہم نے اِک باغ محبت کا کھلایا ایسا
خاک بھی دل میں میرے اُنکی نہیں اب ملتی — تو نے ارماں کو میرے ہائے مٹایا ایسا
ہوئی شاداب شفق رنگ چڑھا پھولوں پر — میری حسرت نے بھی ہے خون بہایا ایسا
اور بھی آگ میرے دل میں بھڑک اُٹھی ہے — نامہ بر یار کا خط آج ہے آیا ایسا

دوست خوش ہوتے ہیں دشمن تہ ہر رو دیتے ہیں
تو نے قربانؔ کچھ انداز ہے پایا ایسا

تو نے عاشق سے کیا آج ہے پردہ جیسا — نظر آتا ہے تجھے کیا وہ انوکھا جیسا
پھر کرے طور پہ امیدِ تجلی اُن سے — پہلے بنکر تو دکھائے کوئی موسیٰ جیسا
دیے چرکے نگہِ یار نے فوراً دل پر — زخم کو میرے کبھی دیکھا جو اچھا جیسا
ہم تو جب جانیں دکھا دو ہمیں تم گھر بیٹھے — طور پر جاکے دکھا آئے تھے جلوہ جیسا
کوئی دیتا نہیں تعبیر مثالِ یوسف — دیکھتے روز ہیں ہم خوابِ زلیخا جیسا
وہ کہاں صفحۂ عالم پہ نظر آتا ہے — ہم کہیں دیکھ کے آئے ہیں تماشا جیسا
اے مسیحا دلِ بیمار کو معلوم ہے سب — کیا بیمارِ محبت کا مداوا جیسا

جب سے اُمید ہوئی وصلِ صنم کی مجکو
اورد معلوم سے مجھے ہوتا ہے ہلکا جیسا

کرادا شکر تو قربان خدا کا ہر دم
ہو جہاں میں ہے ترے گھر میں اُجالا جیسا

سخت دل کرکے یہاں آیا تھا قاتل کیسا
آہ اب خاک پہ غلطاں ہے یہ بسمل کیسا

تیرے مجنوں سے اُٹھائے سے نہیں اُٹھتا لیلے
حائلِ شوق ہے یہ پردۂ محمل کیسا

آج کیا پھر کوئی صیادِ دنیا آیا ہے
شور کرتی ہیں گلستاں میں عنادل کیسا

آکے پروانے شہادت کا مزا لیتے ہیں
خون کرتی ہیں یہ شمعیں سرِ محفل کیسا

کیا نہ پہونچیگی کنارے میری کشتی یارب
دور ہوتا ہی چلا جاتا ہے ساحل کیسا

اسمیں جو کھو گیا تا عمر بھٹکتا ہی رہا
پیچ میں ڈالتی ہے عشق کی منزل کیسا

سخت جانی نے مری اسکو کیا گھائل جب
بنکے بسمل گیا آخر میرا قاتل کیسا

کیا تیری طرح ہوئی انکو بھی وحشت وحشی
شور کرتی ہیں یہ زنداں میں سلاسل کیسا

میرے گھر آئیں تو قربان وہ شام وعدہ
جان بھی نذر کروں گا میں اُنھیں دل کیسا

ہر شاخ میں ہر پھول میں جلوہ نظر آیا
دیکھا تجھے موجود وہیں پہ جدھر آیا

آخر اُسے ہم برق ہی کی نذر کر آئے
جب نخلِ تمنا میں نہ کوئی ثمر آیا

دل چھیدا کلیجہ کے عوض تیر نظر نے
پھینکا تھا کہاں اور وہ ظالم کدھر آیا

قاصد نے کیا راہ میں گم میرا خطِ شوق
لیکر نہ جبھی آج تک اُن کی خبر آیا

سمجھو کہ غلط راہ کوئی اسکو ملی تھی
بھٹکا ہوا جو رات کا وقتِ سحر آیا

اب قدر رہی دنیا میں نہیں کوئی ہنر کی
اللہ ترا شکر نہ ہم کو ہنر آیا

گردوں پہ ستارہ بھی کھلے چاند بھی نکلا
تا صبح شبِ غم نہ وہ رشکِ قمر آیا

قربان طرف کعبہ چلا دیر میں پہونچا
جاتا تھا کدھر اور نکل میں کدھر آیا

گو ترے حکم سے میں بزم میں خاموش رہا
دل کشاکش میں رہا دل میں بڑا جوش رہا

کیسی مے تو نے حقیقت کی پلادی ساقی
ایسا بے خود میں ہوا کچھ نہ مجھے ہوش رہا

موت نے ایسی پلائی ہے انھیں اپنی شراب
کوئی ساقی نہ رہا آج نہ مے نوش رہا

خود سے غافل وہ ہوا تجھ سے نہ غافل وہ ہوا — تیرے دیوانہ کو مطلب کا بہت ہوش رہا
مرتے دم تک تو مجھے یاد رہا اے ظالم — تیرے دل سے تو فقط میں ہی فراموش رہا
پوچھتے جلوہ گہ ناز کا کچھ حال کلیم — کیا کریں تجکو تو اپنا بھی نہ کچھ ہوش رہا
پتہ کھڑکا تو اُٹھا قیس کہ لیلے آئی — ہمہ تن چشم رہا اور ہمہ تن گوش رہا

گئی ہمراہ جوانی کے اُمنگیں **قربان**
اب نہ تم ہی وہ رہے اور نہ وہ جوش رہا

تیرے پردہ کو بھی اے پردہ نشیں دیکھ لیا — جسطرف آنکھ اُٹھی تجھ تجکو وہیں دیکھ لیا
دشت و کہسار میں پھرنے کی تمنا نہ رہی — جب سے دل میں ہے تجھے ہمنے مکیں دیکھ لیا
آج کل حد سے زیادہ جو شگفتہ ہے بہار — اس نے کیا ہنستے ہوئے تمکو کہیں دیکھ لیا
جو کبھی ہم کو ملا تھا شکم مادر میں — ہم نے آرام وہ ہی زیر زمیں دیکھ لیا
اپنے دل پر جو حقیقت کی نگاہیں ڈالیں — اے بتو تم سے بھی اک بڑھکے حسیں دیکھ لیا
ایک نالہ شب غم کرکے ہوا تو خاموش — حوصلہ ہم نے ترا اے قلب حزیں دیکھ لیا
نہ دبی قبر کی سختی سے میری بے چینی — دفن بھی کرکے مجھے زیر زمیں دیکھ لیا
جہاں بندہ گیا پہونچا نہ فرشتہ بھی وہاں — سب نے یہ اُوج ترا خاک نشیں دیکھ لیا
طور پر تو نے کیا تھا جو کسی کو بیہوش — اسکا انجام بھی اے پردہ نشیں دیکھ لیا
روح نازاں ہوئی جب خوش تجھے دیکھا ہمنے — جان نکلی جو تجھے چین بہ چین دیکھ لیا
دیر میں دیکھ لیا یا حرم کعبہ میں — پوچھتے کیوں ہو تمہیں ہمنے کہیں دیکھ لیا

تیرے اشعار سے جو حسن ٹپکتا ہے نیا
تو نے **قربان** کوئی آج حسیں دیکھ لیا

جب دل شیدا ہوا اک عارض پر نور کا — رات دن رہنے لگا آنکھوں میں جلوہ طور کا
اس طرح ٹپکا کیا ناسور دل کا ہمنشیں — جس طرح رس رس کے گرتا ہے عرق انگور کا
کیا تماشا ہو "انا المحبوب" میں کہنے لگوں — پوچھنے بیٹھے ہیں مجھ سے حال وہ منصور کا
ہیں وہ سائل ہوں کہ مجکو مانگنا بھی عار ہے — ہاتھ میں کاسہ نہ ہو جبتک سر فغفور کا
بے ستوں پر آئی لیلے دلنوازی کے لئے — رنگ لایا رفتہ رفتہ عشق اک مزدور کا
یاں تو دل بھی جل گیا حاصل نہ کچھ لیکن ہوا — جس نے دیکھا ہوگا دیکھا ہوگا جلوہ طور کا

صرف تجھکو چاہتا ہوں تو جہاں بھی مل سکے
میں نہ جنت کا ہوں طالب اور نہ خواہاں حور کا

کوئی دیکھے تو یہ میری بے سروسامانیاں
پاس میرے کچھ نہیں ہے اور سفر ہے دور کا

مجھ میں اور زاہد میں اے قربان اتنا فرق ہے
میں پرستارِ حقیقت ہوں وہ شیدا حور کا

اتنا ٹھنڈا کچھ کلیجہ تیرا قاتل ہو گیا
خاک پر بسمل تڑپ کر دیکھ غافل ہو گیا

وادیٔ الفت میں میرا یہ ہوا انجام کار
خاک ہو کر مٹتے مٹتے گردِ منزل ہو گیا

قیس کے دل میں بھی لیلیٰ شوق سے رہنے لگی
رفتہ رفتہ اور ایک تیار محمل ہو گیا

غیر کے پہلو میں اُن کو دیکھ کر دل جل گیا
بن کے پروانہ نثارِ شمع محفل ہو گیا

دونوں پہلو ہو گئے آباد قسمت سے میری
میرے دل میں آ گئے تو اک دوسرا دل ہو گیا

خون جب ٹپکا سرِ مقتل شہیدِ ناز کا
جو گرا قطرہ زمیں پر اک نیا دل ہو گیا

اُٹھ گئے پہلو سے جو میرے ہو گیا رخصت کوئی
دو گھڑی بھی مجھکو جینا اپنا مشکل ہو گیا

بحرِ عصیاں میں سفینہ اب نظر آتا نہیں
ہو گیا وہ غرق یا ممنونِ ساحل ہو گیا

تیرے طالب راستے میں میل منزل ہو گئے
تھک کے جو بیٹھا نشانِ کوسِ منزل ہو گیا

کہہ سکا اپنی نہ بیچارہ کسی کی سن سکا
نام لیتے ہی تیرا قربان غافل ہو گیا

گردونپہ ابر بنکر چھایا غبار میرا
خورشید بنکے چمکا سنگِ مزار میرا

آنکھیں تمہیں کو ہر سو ہر وقت ڈھونڈتی ہیں
ہے یاد میں تمہاری دل اشکبار میرا

غیروں نے آخر آخر بدظن اُنھیں بنایا
گو اُنکو اوّل اوّل تھا اعتبار میرا

آنکھوں سے چار آنسو نکلے ہیں جو شبِ غم
کیا کیا دلِ پریشاں ہے شرمسار میرا

بھر کر مجھے پلا دے دو چار اور ساغر
کم ہو چلا ہے ساقی پھر کچھ خمار میرا

مجھکو وہ پھر جلاتے یا ٹھوکریں لگاتے
رستے میں کاش اُن کے ہوتا مزار میرا

گلشن کا ذرہ ذرہ ہے پاسبان گلشن
گلچیں سمجھ کے دامن بچتے ہیں خار میرا

قربان کیوں نہ پہونچوں موجِ نسیم بنکر
گلشن میں کر رہے ہیں وہ انتظار میرا

کھلے ہیں گل ادہر کیا کیا کھلے ہیں گل اُدھر کیا کیا

نیا ہی رنگ لائے زخم دل زخم جگر کیا کیا
جلاتا ہے، مٹاتا ہے، ہنساتا ہے، رُلاتا ہے
ستم ڈھاتا ہے میرے دل پہ ظالم فتنہ گر کیا کیا
کہاں ہیں یاد دُنیا و عدم میں تھا جو کچھ دیکھا
تماشے تھے اِدھر کیا کیا کرشمے تھے اُدھر کیا کیا
وہ بزم ناز تھی اور اُسمیں کس کو کامیابی تھی
وہاں دیکھا مگر تو نے بتا اے نامہ بر کیا کیا
چھُری ہیں پھیر دی اُسنے گلے پر کیا شب وعدہ
لہو کرتا ہے ارمانوں کا یہ مُرغِ سحر کیا کیا
کسی پر راز گور و مَوت کے ابتک نہیں ظاہر
کہ ہوتا ہے اِدھر کیا کیا کہ ہوتا ہے اُدھر کیا کیا
جہاں جائیں جدھر بیٹھیں ہمیں بدنام کرتی ہے
ہماری چشم تر کیا کیا تیری کافر نظر کیا کیا
کوئی پر بند، کوئی ناتواں، کوئی بریدہ پر
قفس میں بند ہیں صیاد کے بے بال و پر کیا کیا
مریضِ غم کی قسمت میں نہ لکھا تھا شفا پانا
نہیں تو نے دوائیں دی ہیں اُسکو چارہ گر کیا کیا
کلیجہ تھام لیتے ہیں کبھی اُٹھتے ہیں گھبرا کر
شبِ غم میرے نالوں کا ہے اُنپر بھی اثر کیا کیا
ابھی دُنیا میں آیا تھا، عدم کو جانیوالا ہے
ابھی درپیش ہے قرباںؔ مسافر کو سفر کیا کیا

مزہ ہرگز ہمیں جبتک محبت میں نہیں آتا
کہ آنکھونمیں ترے ڈورا مروت کا نہیں آتا
عزادارانِ غم آکر یہاں آنکھیں چڑھاتے ہیں
تمہیں تو پاس کچھ بھی میری تربت کا نہیں آتا
نگاہیں حسن ظاہر کے فریبوں میں الجھتی ہیں
کبھی پیشِ نظر جلوہ حقیقت کا نہیں آتا

اگر دھونا ہی ہے مقصود میرے فردِ عصیاں کا | تو دریا جوش پر کیوں اُن کی رحمت کا نہیں آتا
یہاں تو روز ہی ہے اک تماشہ طرفہ تر ہمدم | بتا ۔ دن ۔ کونسا دنیا میں حیرت کا نہیں آتا
مرے دل میں ہمیشہ آپ تو فتنہ اُٹھاتے ہیں | مزہ کس دن مجھے روز قیامت کا نہیں آتا
نمک پاشی نہیں کرتا مرے زخموں پہ تو جبتک | مزہ مجکو کبھی دل کی جراحت کا نہیں آتا
مجازِ محض تک جنکی طلب محدود رہتی ہے | اُنھیں کچھ لُطف دنیا میں حقیقت کا نہیں آتا

اُنھیں غربت میں رہکر کیوں خیال عیش آتا ہے۔
جنھیں عشرت میں قرباںؔ دھیان غربت کا نہیں آتا

دل میں جو خدا تیرے دکھائی نہیں دیتا | تو کور ہے کچھ تجکو سُجھائی نہیں دیتا
جو آپ نہیں کرتے بڑا بننے کی کوشش | ہرگز بھی خدا اُن کو بڑائی نہیں دیتا
خود آنکھ سے عیب اپنے نظر آتے ہیں جسکو | اوروں کو وہ زنہار بُرائی نہیں دیتا
آنکھوں کے ترے سامنے ہر ناحق و حق بھی | ہے عقل پہ پردہ کہ دکھائی نہیں دیتا
مولا ہے سہارا تو فقط ذات کا تیری۔ | جُز تیرے کوئی ہمکو دکھائی نہیں دیتا
دنیا ہے کہ یہ عرصۂ محشر ہے الٰہی | کیوں ساتھ یہاں بھائی کا بھائی نہیں دیتا

مصروف تو اے شب دیجور ہے قرباںؔ
کیا نالہ تمھیں اُسکا سُنائی نہیں دیتا

میں ہُوں کشتہ تمہاری کاکُل کا | مجکو سودا نہیں ہے سنبل کا
کیا نظر آگیا کوئی صیاد۔ | بُلبُلو کیا سبب ہے اِس غُل کا
عشق میرا۔ تمہارا ہے مشہور | جیسے دُنیا میں بُلبُل و گُل کا
کچھ بتاتے نہیں ستم کا سبب | راز کھلتا نہیں تغافل کا
میرے دامن سے مل گیا آخر | سلسلہ عشق کے تسلسل کا
کبھی میرے دل کا بھی راگ سنیں | سُننے والے ترانہ بلبل کا
خار ہر سو خزاں نے پھیلائے | اب چمن میں پتا نہیں گُل کا

مانگتے ہم نہیں کچھ اے قرباںؔ
درس جب سے لیا توکل کا

گذرنے والا ہے قسمت میں اپنی ماجرا کیا کیا | بتا اے کاتبِ تقدیر تو نے ہے لکھا کیا کیا

کبھی غم ہے کبھی راحت کبھی ماتم کبھی عشرت
زمانہ کی بدلتی رہتی ہے دم ہوا کیا کیا

نہ غنچوں کو ہے دلتنگی نہ بلبل کی غم آہنگی
چمن میں رنگ لائی ہے بہار دلکشا کیا کیا

ستایا اور تڑپایا، مٹایا اور ترسایا
مرے دلبر نہیں کی تونے ای ظالم جفا کیا کیا

میرے دلمیں ہر درد اور زخم پہلو میں کلیجہ میں
سناؤں آپکو میں دکھ کا اپنے ماجرا کیا کیا

مسلسل اک خلش سینہ میں، دلمیں اک تپش پیہم
دیئے ہیں عشق تونے مجکو درد لا دوا کیا کیا

ہوئے ناراض کیوں مجھسے بلا تحقیق اصلیت
خدا جانے عدو نے آپسے جا کر کہا کیا کیا

ہماری ایک حسرت بھی کبھی پوری نہیں ہوتی
اگرچہ کرتے رہتے ہیں ہم اُنسے التجا کیا کیا

نہ آئی نیند آئی بھی تو وہ آئے تصور میں
دیا قرباںؔ شب فرقت نے بھی ہمکو مزا کیا کیا

اپنا بنا کے مجھکو بھلایا یہ کیا کیا
دل لیکے پھر نظر سے گرایا یہ کیا کیا

عاشق کو تم نے اپنے ستایا یہ کیا کیا
جو رو رہا تھا اُسکو رولایا یہ کیا کیا

اپنا نہ تمنے مجکو بنایا یہ کیا کیا
جلوہ نہ ایک روز دکھایا یہ کیا کیا

تربت پر آج یار کے ٹھوکر خرام ناز
سوتے ہوے کو تونے جگایا یہ کیا کیا

کیا یہ خبر نہ تھی کہ اسی میں مقیم ہو
دلکا مکان تم نے ہلایا یہ کیا کیا

اب ہے سر اک نگاہ میں حسرت جمال کی
موسیٰ کو تم نے جلوہ دکھایا یہ کیا کیا

یہ سجدہ گاہ اہل وفا تھی جہان میں
میری لحد کو تمنے مٹایا یہ کیا کیا

مجکو تو اعتبار تھا پیمان وصل پر
وعدہ پہ اپنے تو جو نہ آیا یہ کیا کیا

قرباںؔ رہا تو بندہ بتوں کا تمام عمر
یاد خدا میں سر نہ جھکایا یہ کیا کیا

پایا وہیں خیال ہمارا جدھر گیا
دل میں سما کے کوئی نگاہوں میں بھر گیا

پھینکا جو تم نے تیر جگر سے گذر گیا
پروردہ نگاہ بڑا کام کر گیا

دل میں سموم غم تو ہمیشہ چلی مگر
جھونکا خوشی کا کوئی جو آیا گذر گیا

بیٹھا ہوں انتظار میں لائے جواب خط
کیا میرے ہاتھ سے بھی مرا نامہ بر گیا

ساقی نے کس نگاہ سے دیکھا یہ کیا ہوا
جتنا تھا نشہ سر میں ہمارے اُتر گیا

دینے لگے وہ ضبط کے طعنے نئے نئے
میں اُنکے سامنے جو کبھی چشم تر گیا

آئینگا، اد سکے اور نہ جانیکا کچھ اصول
آیا نہ وقتِ شام نہ وقتِ سحر گیا

وہ شام وعدہ آگئے گیسو سنوار کے
معلوم شد کہ آج مقدر سنور گیا

آنکھیں ترس گئیں، نہ میسر ہوا جمال
قربان روتے روتے زمانہ گذر گیا

میرا سینہ ظالم ترے کوچہ کی زمیں ہوتا
تو تیرا نقشِ پا اس میں یقیناً دلنشیں ہوتا

تجھے کچھ بھی جو میرا درد لے پردہ نشیں ہوتا
تری فرقت میں اتنا میں نہ پھر اندوہ گیں ہوتا

تری تصویر کھنچ جاتی لحد میں ساتھ لیجاتا
میری آنکھوں کے آگے تو جو وقتِ والپسیں ہوتا

بہت کی میں نے تدبیریں بہت منت سماجت کی
کسی صورت سے وہ ظالم کبھی راضی نہیں ہوتا

عدو نے بل کے آخر کی دغا یہ ہی قصور اپنا
نہ اس کو منھ لگاتے ہم نہ مارِ آستیں ہوتا

سنے جب دیکھئے حوروں کا ذکر و فکر ہے واعظ
یہاں کیوں آگیا تو ساکنِ خلدِ بریں ہوتا

تجل جب سے ہوا ہے آپکے پُر نور چہرہ سے
نہیں اب آشکارا چرخ پر ماہِ مبیں ہوتا

خدا جو چاہتا ہے بس وہی ہوتا ہے دنیا میں
جو بندہ چاہتا ہے وہ نہیں ہوتا نہیں ہوتا

یہ تیری خاک سامانی، یہ تیری خانہ ویرانی
مناسب تھا اگر **قربان** تو صحرا نشیں ہوتا

جان لیگا مگر نہ چھوڑے گا
ہائے یہ چارہ گر نہ چھوڑے گا

دیکھ لیگا اگر کہیں صیاد
تو مجھے دیکھ کر نہ چھوڑے گا

ناز پرواز پر ہے کیوں بلبل
ترا صیاد پر نہ چھوڑے گا

انکی مژگاں کا تیر جب چھوٹا
سینے میں دل جگر نہ چھوڑے گا

مری جبتک دعا نہ ہوگی قبول
رنگ اپنا اثر نہ چھوڑے گا

نہ ملے گی تجھے کوئی عزت
جبتک اپنا تو گھر نہ چھوڑے گا

کیا نہ ہوگا ابھی ہدف سینہ۔
کیا وہ تیرِ نظر نہ چھوڑے گا

مرغِ مسجد ضرور دیگا اذاں
کبھی بانگِ سحر نہ چھوڑے گا

ہو گی پانی سب آبرو **قربان**
بادہ نوشی اگر نہ چھوڑے گا

عدو کے واسطے کیوں سوگوار ہونا تھا
ارے تو موت کا اکدن شکار ہونا تھا

زہے نصیب ہمیں بادہ خوار ہونا تھا
جناب شیخ کو پرہیزگار ہونا تھا

تجھے خزاں کا گلہ عندلیب ناحق ہے
کہ انقلابِ جہانِ بہار ہونا تھا

ہماری جان ہے نکلی تمہارے کوچہ میں
تمہاری راہ میں اپنا مزار ہونا تھا

بنا ہے خاک سے انسان جب تو اے ہمدم
ضرور اُسکے لئے خاکسار ہونا تھا

فضول رِندوں میں تو آکے ٹھہر گیا اے شیخ
تجھے تو واقفِ انجام کار ہونا تھا

غرور کرتا پھرا تو زمین پر اے انسان
خبر نہ تھی تجھے زیرِ مزار ہونا تھا

نہ اختیار ہے تجھ پر نہ موت پر ہم کو
کسی تو بات پہ کچھ اختیار ہونا تھا

چھپا کے اپنے جگر کو کہاں میں لیجاتا
تمہارا تیر کلیجے کے پار ہونا تھا

یہ میرے ناخنِ وحشت نہ کسطرح بڑھتے
کہ پیرہن کو مرے تار تار ہونا تھا

گناہ کیسے نہ قربان میں بھلا کرتا
خدا کے رحم کا امیدوار ہونا تھا

کبھی مجکو اپنا بنایا تو ہوتا
سبب مجھے رازِ الفت بتایا تو ہوتا

پڑا سو رہا ہوں میں غفلت میں کب سے
مجھے آکے تم نے جگایا تو ہوتا

عدو کی حقیقت تو کچھ تجھ پہ کھلتی
کسی دن اُسے آزمایا تو ہوتا

شبِ غم کسی نے خبر لی نہ میری
اجل ہو کہ تم کوئی آیا تو ہوتا

جگہ دیتے ہم اُس کو دل میں جگر میں
کوئی تیر تم نے چلایا تو ہوتا

مری بے خودی دیکھنی تھی تو ساقی
مجھے ایک ساغر پلایا تو ہوتا

ستانے کا ہم کو گلہ تم سے کیا تھا
مگر تا عدو سے ستایا تو ہوتا

تبسم سے اپنے مرے زخمِ دل پر
نمک پاش ہو کر ہنسایا تو ہوتا

چلا باغِ ہستی سے قربان احمد
ابھی کچھ دنوں چہچہایا تو ہوتا

سکھائے جور و ستم جب تمہیں عدو کرنا
تو مجھ سے اور محبت کی گفتگو کرنا

تری جو بات ہے اے دل نئی ہر دنیا میں
جو بر نہ آئے کسی سے وہ آرزو کرنا

کھلی رہیگی دعا کیلئے زباں اُن کی
ہمارے زخمِ جگر کو نہ تو رفو کرنا

پیامبر ہے بہت مختصر یہ نامۂ شوق
ملیں جو اُن سے زبانی بھی گفتگو کرنا

تمام عمر کٹی اپنی نامرادی میں ۷
ہمیں تو آیا نہ قربان آرزو کرنا

تمہارا تیر شاید ہی دلِ بسمل سے نکلیگا
جو نکلا بھی تو دم لیکر بڑی مشکل سے نکلیگا

سحر تک شمع رو یہ سب فدا ہو جائینگے تجھ پر
کوئی زندہ نہ پروانہ تری محفل سے نکلیگا

مرے ارمان جتنے ہیں وہ جز و دل ہیں سب ظالم
مرا ارماں نہ ہوگا وہ جو میرے دل سے نکلیگا

نگاہوں میں تری لے قیس بار ناتوانی ہر
تیرا تیر نظر کیا یار اب محمل سے نکلیگا

اگر آجائیگا صرف ایک جھونکا بادِ رحمت کا
سفینہ میرے عصیاں کا لب ساحل سے نکلیگا

چھری رک رک کے چلتی ہے برا ہو سخت جانی کا
یہی حالت رہی تو کام کیا قاتل سے نکلیگا

جسے تو ڈھونڈتا پھرتا ہے وہ تو ہے تیری دل میں
نتیجہ شیخ کیا تحصیل لاحاصل سے نکلیگا

نکلنا یوں تو سنتے آئے ہیں دنیا کی منزل سے
اُسے سمجھینگے ہم جو عشق کی منزل سے نکلیگا

گریگا برق بنکر جانہ صیاد پر قربان
قیامت ہوگا وہ نالہ جو میرے دل سے نکلیگا

عشق کا اے دل تجھے پھر کچھ مزا آجائے گا
میرے قابو میں اگر وہ بیوفا آجائیگا

میرے پہلو میں جو وہ رنگی قبا آجائیگا
ہاتھ اپنے پھر تو اے دل مدعا آجائیگا

کچھ ہمیں بھی آشنائی کا مزا آجائیگا
آشنا بنکر اگر نا آشنا آجائیگا

روزِ وصل آئے تو دیکھو نے توڑے اسکا کرم
رفتہ رفتہ تجھکو اے دل حوصلا آجائیگا

ٹھوکروں سے وہ کریگا کیا قیامت خیزیاں
میری تربت پر اگر نا آشنا آجائیگا

کیا کسی سے پوچھنا اُسکا کہ آئے تو شباب
خود بخود ہی آپکو درس جفا آجائیگا

خونِ بسمل کا کوئی دھبہ اگر لگ جائیگا
خود ہی دست نازنیں رنگِ حنا آجائیگا

خودکشی کرتا دلِ نافہم ہے بے دانشی
وقت آئے گا تو پیغام قضا آجائیگا

آپ وہ تکلیف میں آنے لگے گا مجھکو یاد
لب پہ میرے مرتے دم نام آشنا آجائیگا

تو خدا کو بھول بیٹھا اپنے طوفاں میں اگر
ناخدا خود بنکے سیلاب فنا آجائیگا

یاد اگر اُس کو کیا قربان راہِ عشق میں
تو خدا کا فضل بنکر ناخدا آجائیگا

مری قسمت میں لکھا تھا تیرا بیمار ہو جانا
اُٹھا کے درد پیہم خوگر آزار ہو جانا

لگادی ہے خدا نے جنکے دل پر مہر غفلت کی
نہیں ممکن ہے انکا خواب سے ہشیار ہوجانا

وہ تیرا بیٹھنا پردے میں چھپکر سو اداؤں سے
وہ رسوا تیرے عاشق کا سر بازار ہوجانا

بچانا تھا مقدر کو تو کیوں اس راہ میں لاتا
میری قسمت میں تھا وارفتۂ رفتار ہوجانا

کسی کا جلوہ دیکھا وہ بھی بام طور پر جاکر
کوئی موسیٰ سے سیکھے طالب دیدار ہوجانا

کھٹک کر قلب عاشق میں کھٹکتا چشم عاشق میں
بڑی حسرت ہے گل ہو کر کسی کا خار ہوجانا

سمجھتا ہے وہ ظالم اب عدو کو جاں نثار اپنا
مناسب ہے ہمیں اب جان سے بیزار ہوجانا

عدو کا کام سنکر امتحاں کا نام رو دینا
ہمارا کام وقت امتحاں تیار ہوجانا

بلائیں سر پہ لیں اک روز گیسو آپکے چھو کر
مری قسمت میں ہی لکھا تھا تیرہ کار ہوجانا

وہ میرا اعتبار اور وہ کسی کے وصل کے وعدے
کبھی اقرار ہوجانا کبھی انکار ہوجانا

کسیکو دیکھنے گھبرا کے انکا بام پر آنا
کسی کا دیکھکر فوراً پس دیوار ہوجانا

خزاں جاتی نہیں فصل بہاری میں بھی گلشن سے
علامت چشم نرگس کا ہے یہ بیمار ہوجانا

ابھی قربان دیکھا کیا ہے آکر تو نے دنیا میں
جوانی میں ہے وجہ غم ترا بیمار ہوجانا

کوئی پوچھے جو بعد قتل کچھ کہکر مکر جانا
تم اپنا کام کرنا چین کرنا اپنے گھر جانا

مجھے جس طرح دل لیکر یہاں مکرا رہے ہو تم
خدا کے سامنے بھی ایکدن یوں ہی مکر جانا

بجز گیسو کے تیرے اور آتا ہے یہاں کس کو
سنور کر پھر بگڑ جانا بگڑ کر پھر سنور جانا

لگائے بے تحاشا تیر لیکن بے خبر ہو کر
نہ تم نے حال دل جانا نہ کچھ حال جگر جانا

حقیقت بعد میں ہم پر کھلی ہے تیری اے ظالم
دگر نا عیب کو بھی ہم نے تھا سمجھے ہنر جانا

نگہ کی طرح تم بھی تو ہر اک جا پھرتے رہتے ہو۔
یہاں جانا وہاں جانا ادھر جانا اودھر جانا

انھیں جاتا جو دیکھا گور سے عبرت یہ چلائی
ذرا اے جانیوالے اس طرف آنا ادھر جانا

طہارت کرلے اے انسان پیدا ظلمت شب کی
اندھیرا قبر میں ہوگا وہاں جاکر نہ ڈر جانا

یہ وہ طوفان ہے نکلا تھا جس سے نوح کا طوفان
نہیں ممکن ہے بحر عشق کا چڑھکر اتر جانا

قفس میں یاد ہیں بیچارگی کے اپنے وہ دن بھی
کسی کا نوچنا کلیاں کسی کا پر کتر جانا

رہے قربان مرکر بھی تمہارا نام دنیا میں
نمایاں کام ایسا زندگی میں کوئی کر جانا

اسیرِ زلف دل ہو کر نہ نکلا ہے نہ نکلے گا ۔ کوئی اس دام میں پھنسکر نہ نکلا ہے نہ نکلیگا

بھلا اب لذتِ درد اسکا دامن چھوڑ سکتی ہے ۔ رگِ جاں سے ترا خنجر نہ نکلا ہے نہ نکلے گا

وہ کہتے ہیں مجھے تاکید ہے کیوں پردہ کرنیکی ۔ کبھی ماہِ مبیں چھپکر نہ نکلا ہے نہ نکلے گا

عبث ارمان اور حسرت کی ایدل تجکو کاوش ہے ۔ یہ ڈیرا ڈالکر لشکر نہ نکلا ہے نہ نکلے گا

ہمیشہ اُنکے کوچہ سے ملی ہے نامرادی ہی ۔ کوئی بھی سرخرو ہو کر نہ نکلا ہے نہ نکلے گا

جبھو یا دل میں جب تو نے وہ جزوِ دل ہوا جاکر ۔ کبھی دلسے ترا نشتر نہ نکلا ہے نہ نکلے گا

اسی کے واسطے تھی صرف تعمیرِ مکانِ دل ۔ تیرا ئم قلب میں بس کر نہ نکلا ہے نہ نکلے گا

ترا گھر رفتہ رفتہ بنگیا عشاق کی دُنیا ۔ اور اپنے گھر سے تو باہر نہ نکلا ہے نہ نکلے گا

رہے گا پائے وحشت حشر تک قرباں گردش میں
تری قسمت سے یہ چکر نہ نکلا ہے نہ نکلے گا

دی زندگی کسی کو کسی کو مٹا دیا ۔ قدرت نے انقلاب کا نقشہ دکھا دیا

موسیٰ کے ضبط و ہوش کو آخر جلا دیا ۔ بے پردہ ہو کے اپنا جو جلوہ دکھا دیا

یہ کس نے دیدیا ارنی کا مجھے جواب ۔ آواز کس کی آئی کہ پردہ اُٹھا دیا

اے برقِ حسن چوٹ تری اب سہے گا کون؟ ۔ کیوں دلکے ساتھ میرا جگر بھی جلا دیا

رازِ نیاز بلبل و گل دیکھ دیکھ کر ۔ غنچہ سے ضبط ہو نہ سکا مسکرا دیا

غنچہ دہن کے لب پہ تبسم جو آگیا ۔ زخموں کو اُسنے دلکے مرے گدگدا دیا

آتی ہے جان لینے کو اکثر شبِ فراق ۔ اس موت کو ہے کس نے میرا گھر بتا دیا

محشر میں تیری خاک شکایت کرینگے ہم ۔ پہلے ہی تو نے قفل لبوں پر لگا دیا

مارا ابھی بتوں نے ہمکو تو مارا حرام موت ۔ تکبیر کے بغیر ہی خنجر چلا دیا

مجکو عدم میں جاکے بھی آیا نہ ہوش کچھ ۔ ساقی یہ تو نے کیسا پیالہ پلا دیا

کل تک تھا جو عزیز عزیزوں نے بعد مرگ ۔ مٹی میں اپنے ہاتھ سے اُسکو دبا دیا

کوچہ میں اُسکے جب کبھی پہونچا میں ناتواں ۔ تنکا سمجھ کے مجکو ہوا نے اُڑا دیا

اُستاد کے کرم سے ہوں سرمایہ دارِ فکر
قرباں غریب نے مجھے سلطان بنا دیا

ساتھ تیرے لے شبِ غم موت کا سامان تھا ۔ دیکھتے ہی دیکھتے میں دفعتاً بے جان تھا

دیکھکر صورت تری بہزاد بھی حیران تھا
گو مصور تھا مگر اک پیکرِ بے جان تھا

جس جگہ جانے سے جلتے تھے فرشتوں کے بھی پَر
بار یاب اُس جلوہ گاہِ ناز میں انسان تھا

گور میں تنہا نہ تھا، میں یعنی میرے ساتھ دفن
میری حسرت تھی تمنا تھی ترا ارمان تھا

آنسوؤں نے میرے اُسکی دہر میں تصدیق کی
ورنہ اِک قصہ کتابی نوحؑ کا طوفان تھا

اِنقلاب آئے گلستاں میں خزاں کے ہاتھ سے
کل جسے شاداب دیکھا آج وہ ویران تھا

تیغ نے بخشی تری ہمکو سبکباری بہت
ہم کو اپنا سر حقیقت میں وبالِ جان تھا

غیر کو در پر بٹھایا پاسبانی کے لئے
کیا نہ سمجھے تھے۔ کہ رعبِ حسن خود دربان تھا

خاک بستر۔ ایک چادر، ایک بوسیدہ کفن
ساتھ تربت میں فقط اپنے یہی سامان تھا

مفلسی نے ہائے اُسکو کردیا اب کھوکھلا
ورنہ اک گنجِ گراں مایہ یہ ہندوستان تھا

رازِ الفت فاش کرتا کب تھی یہ میری مجال
یہ عدو کا افترا تھا، غیر کا بہتان تھا

تونے جو قرباںؔ کو مارا وہ تو عاشق تھا ترا
تیرے انداز و ادا پر جان سے قربان تھا

میرے ہی سوزِ دل کا دھواں ہے جما ہوا
ابرِ سیاہ جو ہے فلک پر گھرا ہوا

دُنیا خفا ہوئی جو وہ مجھ سے خفا ہوا
راضی ہوا جہان جو راضی خدا ہوا

تونے پلائی کیسی دوا چارہ گر ہمیں
اس سے تو درد اور ہمارا سوا ہوا

تو آ، کہ میری خاک ٹھکانے لگے کہیں
ہے تیرے انتظار میں لاشہ پڑا ہوا

بھٹکے ہوئے ہیں کوچۂ گیسو میں رات دن
منزل کا کیا پتہ کہ غلط راستہ ہوا

آئے دوا نہ پائی کہ بیمار چل بسا
رکھا رہا طبیب کا نسخہ لکھا ہوا

جو کچھ ہوا وہ حکم سے تیرے ہوا یہاں
اچھا ہوا جہاں میں کہ مجھ سے برا ہوا

بندے تھے جسکے اسکی نوازش ہوئی ضرور
ہم سے جو بُت خفا ہوے راضی خدا ہوا

رُسوائی میری کر نہ قیامت جہان میں
مردہ عبث اُکھاڑتی ہے تو دبا ہوا

صیاد کی نظر میں ہے گلچیں کی آنکھ میں
جو پھول گلکدہ میں ہے کوئی کھلا ہوا

اے عندلیب پردۂ گل پر نہ ناز کر
صیاد بھی ہے تاک میں بیٹھا چھپا ہوا

شاید ملا ہے خونِ عدو آج اسمیں کچھ
پھیکا جو تیرا رنگ یہ دزدِ حنا ہوا

غم تیرا۔ ساتھ ساتھ رہا جیتے جی مرے
اک لحہ کیلئے نہ یہ مجھسے جدا ہوا

محشر میں داد داورِ محشر نے دی نہ کچھ۔ ا ہم کیا جھکے آئے یہاں اور کیا ہوا
ہرگز متاعِ غیر پہ **قرباں** نظر نہ کر
کافی ہے تیرے پاس خدا کا دیا ہوا

کیا ہو تو نے مجھ سے بے مروت ہو نہیں سکتا ۔ یہیں کرکے بیوفائی ننگِ الفت ہو نہیں سکتا
نہ آیا ایک بھی آنسو جنازہ میرا جب نکلا ۔ ہو دشمن بھی تو ایسا وقتِ رخصت ہو نہیں سکتا
بہت ہی مختصر ہے دن کہانی طول ہے اپنی ۔ ہمارا فیصلہ روزِ قیامت ہو نہیں سکتا
زباں کو روک دو گے تو ربابِ دل صدا دیگا ۔ کسی سے بند یہ بابِ اجابت ہو نہیں سکتا
بتوں کو چھوڑ دیں اے شیخ ہم خوردوں کی لالچ میں ۔ کبھی ہم سے تو یہ حضرت سلامت ہو نہیں سکتا
یہ ہوتا داستانِ عشق کا اک کتبۂ ناطق ۔ غضب ہے دل ہمارا لوحِ تربت ہو نہیں سکتا
لگا دی ہاتھ رکھ کر منہ پہ اُسنے مہرِ خاموشی ۔ زباں سے میری اظہارِ محبت ہو نہیں سکتا
اُڑائی ہو نہ جسنے خاک کچھ دن تیرے کوچہ میں ۔ کبھی وہ مستحق باغِ جنت ہو نہیں سکتا
خدا ہی ساتھ دیگا آئی آفت گر جو اے **قرباں**
رفیق اپنا کوئی وقتِ مصیبت ہو نہیں سکتا

خوب آئی بہار کیا کہنا ۔ اب چمن کے نکھار کیا کہنا
رُدح میں میکدے کھلے پھول ۔ نغمۂ خوشگوار کیا کہنا
آپ جس بات کو نہیں سُنتے ۔ اُس کا پھر بار بار کیا کہنا
وہ ہوں اور ایک لمحۂ فرصت ۔ ہے ہوا اور جوئبار کیا کہنا
اپنے ہاتھوں سے خود اُکھاڑ دیا ۔ پھر اشکِ مزار کیا کہنا
کاٹ دی رات آنکھوں آنکھوں میں ۔ دیدۂ انتظار کیا کہنا
اپنے مجنوں کو گرد میں دابا ۔ واہ محمل سوار کیا کہنا
خوب بدلے لئے ہیں تربت نے ۔ کیا دیا ہے فشار کیا کہنا
ساتھ لیکر عدو کو پھرتے ہو ۔ گُل کی ہمراہ خار کیا کہنا
کردے خم کے خم حنالی ۔ تیرا اے بادہ خوار کیا کہنا
تو نے وعدہ کیا کچھ اس ڈھب سے ۔ آگیا اعتبار کیا کہنا
ناوکِ یار آفریں تجھ کو ۔ ہو گیا دل کے پار کیا کہنا

کلفتیں سب خزاں کی دور ہوئیں
اے نشاطِ بہار کیا کہنا

جیب دامن کو تو نے اے وحشت
کردیا۔ تار تار کیا کہنا

تم نے قرباں پڑے پڑے میں
خوب کھیلا شکار کیا کہنا

اثر کرنے لگی تقدیر اُلٹا
زباں کو بھی میری تقدیر اُلٹا

جو مارا۔ آہ کے ترکش سے اُن پر
لگا دل میں وہ میرے تیر اُلٹا

گرہ قسمت کی میری کیا کھلے گی
چلا ہے ناخنِ تدبیر اُلٹا

زمیں پر خون حسرت کا گریگا
یہ کیوں لٹکا دیا نخچیر اُلٹا

قلم اُلٹا تھا یا تقدیر اُلٹی
دکھاتی ہے اثر تحریر اُلٹا

تری آنکھیں رہیں دل کی ہی جانب
بہت ہم نے رُخِ تصویر اُلٹا

چلا دشمن پہ پہونچا میرے دل میں
لگایا تم نے کیسا تیر اُلٹا

یہی حسرت رہی نالوں کو میرے
کبھی تجکو نہ چرخِ پیر اُلٹا

ہوئی الٹی ہر اک تدبیر قرباں
کہ لکھا تھا خطِ تقدیر اُلٹا

ہر ایک ارادہ رہا ناکام ہمارا
اچھا نہ ہوا عشق میں انجام ہمارا

اب رات کو ہے چین نہ دن کو ہمیں راحت
کیوں چھین لیا آپ نے آرام ہمارا

ڈھلتی ہوئی اب دھوپ ہے افسانۂ ہستی
خورشیدِ حیات اب ہے لبِ بام ہمارا

قاصد نے ہمیں دیدیا دھوکے میں خط اُسکا
تقدیر سے تھا غیر بھی ہمنام ہمارا

مرتے ہی گئے بھول ہمیں واہ رے الفت
اب یاد کسی کو نہ رہا نام ہمارا

کچھ اور خصوصیت ہستی نہ تھی ہم میں
ہاں عشق سے دُنیا میں رہا نام ہمارا

اب تنگ بتوں سے ہے بہت تیری خدائی
لیجائے خدا تک کوئی پیغام ہمارا

جو چاہے وہ دے زور نہیں اُسکی عطا پر
تکلیف ہماری ہے نہ آرام ہمارا

کیا عشق میں اب سعیِ وفا کیجے قرباں
مایوس بہت ہے دلِ ناکام ہمارا

تیرے کوچہ میں جو سودائی کوئی آجائیگا
پھاڑ کر اپنا گریباں سوئے صحرا جائیگا

رفتہ رفتہ جانِ مضطر کو سکوں آجائیگا
بیکلی کم ہوگی جتنا درد بڑھتا جائیگا

دلفریبی کھینچتی ہر دہر کی اپنی طرف
پھر بھی دامانِ عدم ہمسے نہ چھوڑا جائیگا

یہ ہجومِ غم یہ ہنگامہ ملال و یاس کا
دلمیں جو ارمان آئیگا وہ کچلا جائیگا

ذرہ ذرہ خاکِ صحرا کا بنیگا شکلِ یار
دہیان اے مجنوں جو تیرا اسوئے بہجائیگا

یہ مریضِ عشق ہے اچھا کبھی ہوتا نہیں
ہوکے شرمندہ یہاں سے تو مسیحا جائیگا

تو نے بےتابی بڑھادی اور آکر نزع میں
تیرا کشتہ قبر میں بھی اب تڑپتا جائیگا

بختِ خفتہ جاگ اُٹھے گا تیرے دیدار سے
خواب میں بھی تو اگر میرے کبھی آجائیگا

تجکو اے **قرباںؔ** نہ ہوگا وصل اُس بُت کا نصیب
ساتھ لیکر قبر میں تو یہ تمنّا جائے گا

خیالِ یار تو ہی رحم کر تڑپا نہیں جاتا
کہ اُن سے تو شبِ وعدہ یہاں آیا نہیں جاتا

جسے ہو آرزو اُنکی وہ جائے اُن کے کوچہ میں
کبھی پیاسے کی جانب خود بخود دریا نہیں جاتا

جھپک جاتی ہیں آنکھیں اُنکی جلووں کی شعاعوں سے
نہیں خورشید وہ اُنکو مگر دیکھا نہیں جاتا

ہمارا جانا آنا کسطرح ہو بزمِ جاناں میں
کہ اب مدت سے نامہ بھی نہیں آتا نہیں جاتا

عدو کی ساتھ آتا ہے عدو کی ساتھ جاتا ہے
کبھی تنہا نہیں آتا کبھی تنہا نہیں جاتا

یہ کثرت ضعف کی ہے اب یہ بیمار کی حالت
کہ اتنو درد سے بھی شامِ غم اُٹھا نہیں جاتا

ہوا بدنام گھر چھوٹا رہا صحرا نشیں ہوکر
مگر مجنوں کے دل سے دھیان لیلیٰ کا نہیں جاتا

کسی کے حال پر کیا دیکھکر حسرت کریں اے دل
خود اپنا حال اپنی آنکھ سے دیکھا نہیں جاتا

بہت تدبیریں کی **قرباںؔ** کر ڈالے جتن لاکھوں
خیال اُنکا مگر دل سے نہیں جاتا نہیں جاتا

آپ کو محفلِ اغیار میں کیسا دیکھا
آپ نے بھی مرا دل اور کلیجا دیکھا

اپنی ہستی میں تجھے انجمن آرا دیکھا
جب نہ اُٹھتے ہوئے یہ ظاہری پردا دیکھا

باغِ عالم میں نیا روز تماشہ دیکھا
ایک ہنگامہ بہار اور خزاں کا دیکھا

جاکے ہم بزم میں سو بار اُنھیں دیکھ آئے کلیم
طور پر آپ گئے تھے تو وہاں کیا دیکھا

سوکھتے ہم نے سمندر کو تو دیکھا اکثر
خشک ہوتے نہ کبھی عشق کا دریا دیکھا

وہ بھی تو بھول گئی یاد ہمارے گھر کی
موت کا ہم نے بہت ہجر میں رستہ دیکھا

دل سے آواز لنو وار ہوئی مثلِ جرس
قیس نے دور سے جب ناقۂ لیلےٰ دیکھا

مثلِ یعقوب نہیں کھولتی آنکھیں اپنی
آج کیا خواب بتا تو نے زلیخا دیکھا

حسن افسانۂ دلگیر کا پابند نہیں
اسے سو پردوں میں ہوتے ہوئے رسوا دیکھا

چُن لیا اُن کی محبت کی نگاہوں نے مجھے
دل میں جب کوئی کھٹکتا ہوا کانٹا دیکھا

کیا گلہ کیجئے اغیار کی خود غرضی کا
ہم نے اپنوں کو بھی دنیا میں نہ اپنا دیکھا

جو مٹے عشق میں پھر اُن کا اُبھرنا کیسا۔
خاکِ قرباںؔ سے اُٹھتے نہ بگولا دیکھا

وہ قتل کرکے سر بگریباں ضرور تھا
مغموم تھا ضرور پشیماں ضرور تھا

اے قیس گو وجود عبث تھا ترا مگر۔
آباد تیرے دم سے بیاباں ضرور تھا

وحشت میں میرے ہاتھ نہ خالی کبھی رہے
دامن نہ تھا اگر تو گریباں ضرور تھا

حیرت گہِ جہاں کا میں بھولا ہوں رنگ ڈھنگ
اتنا ہے صرف یاد کہ حیراں ضرور تھا

خلوت میں اپنی تھا میں اکیلا شبِ فراق
دل میں ہجومِ حسرت و حرماں ضرور تھا

سینے میں تا بہ عمر ہمیشہ خلش رہی۔
پہلو میں دل نہ تھا تیرا پیکاں ضرور تھا

کچھ داغ کے چراغ تھے کچھ حسرتوں کی خاک
تربت میں اپنے ساتھ یہ ساماں ضرور تھا

عظمت نہ کیوں نگاہ میں ہو قیسِ نجد کی
وحشی وہ تھا نہ تھا مگر انساں ضرور تھا

داغوں کی روشنی ہو کہ ہو جگنوؤں کا فیض۔
قرباںؔ مری لحد پہ چراغاں ضرور تھا

دہر میں ملتا بھی دشوار ہے انساں ہونا
خود ہی کرنا ستم اور خود ہی پشیماں ہونا

نفس جب ملتا ہے کرتے ہیں معاصی یہ بھی
ہے فرشتوں کو بھی مشکل بہت انساں ہونا

آنکھ کھولی تو ہے اے پیکرِ خاکی تو نے
دیکھکر رونقِ دنیا کو نہ حیراں ہونا

مجھے الزام میں دیتا نہیں اے دستِ جنوں
میری تقدیر میں تھا بے سر و ساماں ہونا

دیر ہوتی ہے چلے آؤ ذرا لاشہ پر
دفن ہو لوں تو پھر۔ آراستہ اے جاں ہونا

آ گئی موت اور آپ آتے رہے تیغ بکف
میری قسمت میں نہ تھا آپکا احساں ہونا

منزلِ عشق میں تم گر مرے ہمراہ رہو
راہِ اُلفت کا بہت سہل ہے آساں ہونا

غیر کی آنے نہ دیتا میں کبھی پاس ہوا
ہوتا قسمت میں اگر تیرا نگہباں ہونا

عشق صادق ہے نہیں انکی یہ ہی صورت ہے
دیکھکر شکل کو قرباں کی نہ حیراں ہونا

ایک دن برباد تیرا آشیاں ہو جائیگا — عندلیب خستہ دل نذر خزاں ہو جائیگا
جب کروگے غور تم میری وفائے عشق پر — میری الفت کا نتیجہ خود عیاں ہو جائیگا
قتل کردوں غیر کو میں تو بہ آسانی ابھی — میری جانب سے مگر وہ بدگماں ہو جائیگا
داستاں اپنی سنانے جب بیٹھوں گا کبھی — ہے یقیں مجکو عدو بھی ہمزباں ہو جائیگا
جب دھواں اٹھے گا میرے سینۂ پرسوز سے — آسماں اک روز زیر آسماں ہو جائیگا
میں تو کھلکر آہ بھی کرتا نہیں اس خوف سے — آشکار اغیار پہ سوز نہاں ہو جائیگا
اپنی بربادی کی ہم نے جب کبھی فریاد کی — پتہ پتہ گلستاں کا آشیاں ہو جائیگا
نیت صیاد ہے مدت سے میری گھات میں — ایکدن ویران میرا آشیاں ہو جائیگا

یاد کرتے کرتے اے قرباں اس بے مہر کی
ختم یوں ہی لیتے لیتے ہچکیاں ہو جائیگا

ایک نئی ٹیس اٹھی تو جو ہمیں یاد آیا — پھر نہ قابو میں ہمارے دل ناشاد آیا
مجھسے کہتے ہیں نہ بولونگا کبھی پھر تجھ سے — اب زباں پر جو تیری شکوۂ بیداد آیا
ابکے کچھ۔ اور ہی عالم ہے تکلم کا میرے — یوں تو جنبش میں ہے اکثر لب فریاد آیا
جان بھی ڈالدے یہ پیکر تصویر میں کاش — کھینچنے کو تیری تصویر ہے بہزاد آیا
تیری جنت ہے مگر تو ہے کسی اور کی ملک — یہ تیرے دھیان میں اسوقت نہ شداد آیا
آج بھی ہم یوں ہی ناکام چلے مقتل سے — نہ وہ آئے نہ اجل آئی۔ نہ جلاد آیا
یہی کہتا ہے وہ سنتا نہیں میری لیکن — کس ستمگر پہ الٰہی دل ناشاد آیا
ساری دنیا میں ہوئے میرے فسانہ مشہور — رحم تجھکو نہ مگر بانئے بیداد آیا

حشر یاران چمن میں ہوا برپا قرباں
لیکے گلشن میں قفس جب میرا صیاد آیا

اب کیا کروں کہ میں کسی قابل نہیں رہا — دل مانگتے ہیں پہلو میں جب دل نہیں رہا
آنکھیں ملاکے ہائے مجھے قتل کر دیا — انسانیت کا پاس بھی قاتل نہیں رہا
لیلی اسی میں بیٹھکے کرسیر روز حشر — باقی ہے چشم قیس جو محمل نہیں رہا

کہنا کہا کے رنج اور الم ہو گیا خفیف
پہلا سا میرے پہلو میں اب دل نہیں رہا

تیرے فراق نے مجھے بے خود کیا مگر
اس بیخودی میں تجھ سے میں غافل نہیں رہا

تعریف بجلیوں کی جو کرتے ہیں آج آپ
دنیا میں کیا کوئی دل بسمل نہیں رہا

مشکل سے میرے سامنے آکر جمے رقیب
منفرد حق کے سامنے باطل نہیں رہا

بے پوچھے ہم نے عشق میں کیوں کہدیا قدم
کچھ بھی خیال وسعت منزل نہیں رہا

بیٹھے ہے طور جبکہ پہ تجلی ہے یار کی
قربان تیرے پہلو میں کیا دل نہیں رہا

میری تشخیص مرض سے دنگ جالینوس تھا
مرگیا تو کہدیا قیلوس تھا کیموس تھا

عفو کرکے میرے عصیاں رحمت حق نے کہا
فضل سے میرے تو بندے کس لئے مایوس تھا

اپنے پہلو میں چھپانا تھا ضیائے حسن کو
عشق تیرا شمع تھا اور دل میرا فانوس تھا

نامہ بر میرے کبوتر کو کیا بے خوف ذبح
وہ یہ سمجھے اہل وحشت کا کوئی جاسوس تھا

دیکھ کے محفل میں تجکو درد میرا بڑھ گیا
تھا یہ پہلے بھی مگر نا قابل محسوس تھا

اُن کی قبروں کا نشاں بھی ہائے اب ملتا نہیں
جنکے قبضہ میں کبھی دن روس تھا اور طوس تھا

زخم الفت کا نمایاں سوز دل نے کردیا
داغ دل میرا بسان پنجۂ طاؤس تھا

لاکھ سمجھایا نہ چھوڑا۔ غیر سے ملنا مگر
کیوں نہیں تجکو خیال ذلت ناموس تھا

تھا سہارا زندگی کا صرف دنیا میں یہی۔
رحمت حق سے میں اے قربان کب مایوس تھا

ہراک گردش سے اسکی گردش تقدیر ہے پیدا
نیا دشمن ہوا اپنا یہ چرخ پیر سے پیدا

میری خواہش جو ہوتی ہو یہ کرتی ہے خلاف اُسکے
نرالی میری دنیا سے ہوئی تقدیر ہے پیدا

رقیب روسیاہ سے دوستی مطلب کو گانٹھی ہے
نئی یہ تجھ سے ملنے کی ہوئی تدبیر ہے پیدا

تمہارا خون پروانو نہ ہوگا رائیگاں ہرگز
برائے شمع بھی اب ایک نیا گلگیر ہے پیدا

کوئی سودائی کہتا ہے کوئی خبطی بتاتا ہے
نئی شکلوں سے عشق عاشق دلگیر ہے پیدا

پریشاں رات دن دل کو بخار آہ رکھتا ہے
بدن میں جب سے الفت کی تری تبخیر ہے پیدا

غلط سائنس کہتی ہے ضیا سورج سے پاتا ہے
رخ روشن سے تیرے ماہ کی تنویر ہے پیدا

تمہارے ظلم کا اب تم سے بدلا خوب لے لونگا
سنبھل جاؤ دعاؤں سے مری تاثیر ہے پیدا

دلِ مجروح کی ہے داستاں قربان اک نشتر
لبِ ہر زخم سے گویا زبانِ تیر ہے پیدا

تیرے ستم کا خنجر پھر مجھ پہ کیوں چلا تھا — حسرت میں تیری میں تو اے دوست مبتلا تھا
کس طرح نیند آتی آخر مجھے شبِ غم — پہلو میں دل بھی کوئی معشوق چلبلا تھا
کچھ طور پر کسی کو دی تھی کسی نے دعوت — کچھ دیکھتے ہی کوئی بیہوش ہوگیا تھا
بیمارِ غم کی تم نے اپنے سنیں نہ باتیں — اک آرزو تھی لب پر اک دل میں مدعا تھا
جو دم چرا کے بھاگا۔ وہ غیر ہی تھا ظالم — دی اپنی جان میں نے میرا ہی حوصلہ تھا
مسجد سے شیخ صاحب کل یوں گئے نکالے — تسبیح ہاتھ میں تھی۔ کاندھے پہ بوریا تھا
دامن ریا کا میں نے دھویا ہے موج مے سے — میں اب بنا ہوں میکش پہلے تو پارسا تھا
امید ہے وفا کی اُس سے فضول اے دل — وہ کس کا آشنا ہے وہ کس کا آشنا تھا

قربان سے نہ ممکن ضبطِ الم ہوا جب
چپکے سے جان دیدی تو مردِ با حیا تھا

اِن بتوں پر کہیں اے دل نہ فنا ہو جانا — کہ یہ اک کھیل سمجھتے ہیں خدا ہو جانا
اب تو شوخی کے سہارے سو مرے گھر آ جاؤ — پھر مرے پہلو میں تصویرِ حیا ہو جانا
وہ مرا انتقام کے دل آہ بہ لب رہ جانا — وہ ترا میری نگاہوں سے جدا ہو جانا
چین پاتا ہے جو دُنیا سے گذر جاتا ہے — کہ فنا ہونا ہے دراصل شفا ہو جانا
ہمکو اب زیست کی دُنیا میں نہیں ہے خواہش — عشق سے سیکھ لیا ہم نے فنا ہو جانا
کسطرح ہوگا بتوں کا وہ پرستار کہیں — جسنے خود اپنی ہی ہستی کو خدا ہو جانا
وہ میرے خونِ تمنا میں نمودِ طوفان — اور وہ آپ کا مصروفِ حنا ہو جانا
جان لیکر مری یہ اُن سے ملا دیگا سب مجھے — درد کو آج ہے منظور دوا ہو جانا

غیر ممکن نہیں قربان گدا ہو سلطان
اور سلطان کا دم بھر میں گدا ہو جانا

بتکدہ سے لئے اللہ کا گھر چھوڑ دیا — راہ میں کعبہ تو آیا تھا مگر چھوڑ دیا
غیر کے پہلو میں جب راتکو وہ سوتے تھے — تو نے کیوں چیختا اے مرغِ سحر چھوڑ دیا
الاماں کی ہیں فلک سے بھی صدائیں پیدا — آج ظالم نے کدھر تیرِ نظر چھوڑ دیا

چین سے محفل دشمن میں وہ ہوتے ہیں شریک ۔ جب سے نالوں نے مرے اپنا اثر چھوڑ دیا
کی یہ صیاد نے دانستہ قفس میں غلطی ۔ جو مجھے لیکے اڑا تھا وہی پر چھوڑ دیا
آب الطاف سے تمنے نہ جو سینچا اسکو ۔ نخل امید نے دینا ہی ثمر چھوڑ دیا
کیا ستم تو نے یہ تیر نگہ پار کیا ۔ دل میرا چھید لیا اور جگر چھوڑ دیا
آبرو عشق کی تھی صرف عنایت سے تری ۔ ساتھ کیوں تو نے میرا دیدۂ تر چھوڑ دیا

جسپہ تھا ہستی مغرور کو ناز اے **قرباں**
روح نے آج وہ کاشانہ وہ گھر چھوڑ دیا

جو تیرا میسر نہ دیدار ہوگا ۔ تو جینا محبت میں دشوار ہوگا
کماں سے جو نکلیگا تیری نگہ کی ۔ وہی تیر دل سے میرے پار ہوگا
ہمیں تو نہیں یاد سے انکی فرصت ۔ جو بیکار ہوگا وہ باکار ہوگا
جسے تم پلا دوگے ہاتھوں سے اپنے ۔ وہ پھر تا قیامت نہ ہشیار ہوگا
وہ ہمراہ لائینگے اپنے عدو کو ۔ خبر کیا تھی گل بھی مجھے خار ہوگا
سنواری ہیں صیاد نے اپنی زلفیں ۔ نیا مرغ کوئی گرفتار ہوگا
مرے بعد اے یوسف مصر خوبی ۔ تیرے حسن کا سرد بازار ہوگا
پریشان مجھ سا زمانہ میں کوئی ۔ مسیحا نے دیکھا نہ بیمار ہوگا

نہ **قرباں** دیکھ ان کے چہرہ کی جانب
نگاہوں سے میلا وہ رخسار ہوگا

ہو حاصل جس سے کلفت ہے عبث وہ جستجو کرنا ۔ بتوں کے وصل کی ہرگز نہ اے دل آرزو کرنا
تصور میں مرے خاموشیوں سے لفظ پیدا ہیں ۔ تو کیا تصویر انکی جانتی ہے گفتگو کرنا
رفوگر سوزن الفت نہ جبتک پاس ہو تیرے ۔ نہ تو زنہار مرے چاک دامن میں رفو کرنا
اسے معلوم ہے جب حال میری تشنہ کامی کا ۔ تو ہے ساقی سے ناحق خواہش جام و سبو کرنا
نماز میت بسمل ادا کرتی ہے گر تسکو ۔ تو ہے درکار پہلے خون سے اسکے وضو کرنا
دہن کی فکر تحقیق کمر تحصیل حاصل ہے ۔ جو عنقا ہو تو لا حاصل ہے اسکی جستجو کرنا
یہ پتھر ہیں خدا نے انکو پتھر سے بنایا ہے ۔ کہیں نرمی سے آتا ہے بتوں کو گفتگو کرنا
خدا جب دل میں ہے زاہد عبث ہے پھر تلاش اسکی ۔ جو شے حاصل ہو ہے بیکار اسکی جستجو کرنا

مجھ کو قرباں جاؤں کس سے سیکھا ہے بتاؤ تو
ہاں آرزو کو بے نیازِ رنگ و بو کرنا

سوزشِ عشق اگر پھونک دے خرمن میرا
آئیں موسیٰ بھی کبھی دیکھنے ایمن میرا

سوزِ غم میں بھی ہے یک گونہ تجلّی کا ظہور
جل نہیں سکتا تری آگ سے خرمن میرا

اے رفوگر رہی زخموں پہ توجہ تیری
کبھی آنچل سے سیا اُنکے نہ دامن میرا

سو دفعہ اسمیں نظر آئی نئی ایک بہار
سو دفعہ نذرِ خزاں ہو گیا گلشن میرا

یاد کرتا ہے مجھے اب بہت افسوس کیا تھا
مر کے گویا ہے دلِ دوست میں مدفن میرا

جسکا گلزار ہے مالک ہے وہی اُن کا بھی
آشیاں پر مرا قبضہ نہ نشیمن میرا

کبھی گلزار میں تجھ پر بھی گرے گی بجلی
باغباں پھونک لے ہنس ہنس کے نشیمن میرا

آہ اپنا نہ ہوا۔ فاتحہ پڑھتے جاتے
سو دفعہ اُن کو ملا راہ میں مدفن میرا

دامن آلودہ جو ہوگا وہ ڈریگا قرباں
مجھے کچھ خوف نہیں پاک ہے دامن میرا

چشمِ سفید بینا کرتا ہے نور تیرا
ظلمت کدہ ہے اُجالا رنگِ ظہور تیرا

طالع ہوا ہے نورِ خالق سے نور تیرا
ایجادِ خلق سے تھا پہلے ظہور تیرا

پڑھکر درود ہر دم لیتے ہیں نام اقدس
جن و بشر ملایک غلمان و حور تیرا

پاتے ہیں رنگ و خوشبو تجھ سے ہی غنچہ و گل
کرتے ہیں ذکر ہر دم وحش و طیور تیرا

محبوبِ پاک ہو کر بارِ دو کون تو نے
کس حسن سے اُٹھایا دیکھا شعور تیرا

کس طرح بار ہو پھر یہ تجلّیِ طور رہتا
ہوتا اگر نہ اس میں پیوند نور تیرا

ظلمت مٹا کے تو نے کی رہنمائی سبکی
ہے شور شش جہت میں نزدیک و دور تیرا

تجھ پر درود بھیجیں کیونکر نہ جن و انساں
مداح جبکہ خود ہو ربِ غفور تیرا

قرباں تمکو اتنی جب مقدرت ہے حاصل

حج کو جو تو نہ جائے یہ ہے قصور تیرا

جنت کی آرزو ہے نہ خطرہ جہیم کا
امیدوار ہوں ترے لطف عمیم کا

تشنہ ہوں ایسے سرور کوثر تسنیم کا
ہو سرد جسکے نام سے شعلہ جہیم کا

چالیسویں برس جو نبوت انہیں ملی
احمد احد میں فرق رہا ایک میم کا

میں آستانہ بوس در مصطفےٰ کا ہوں
کھٹکا نہیں ہے حشر کے امید و بیم کا

ہوں جب سے تیری چاندسی صورتکا میں خواں
پھیلا ہے نور سا مری طبع وسلیم کا

لیجائے گا اڑا کے مزار رسول تک
آیا اگر مدینہ سے جھوکا نسیم کا

اندیشہ کیا ہے تابش خورشید حشر کا
قرباں تیرے سر پہ ہے سایہ کریم کا

ہوا جو لانیوں پر ابر جس دم تیری رحمت کا
ترشح سے لبوں تک بھر گیا دریا شفاعت کا

گرے بت کعبہ میں اور قصر کسریٰ کو ہوئی لغزش
عرب سے تا عجم جب غل ہوا اسکی ولادت کا

ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ علیؓ ہیں رکن دیں حق کے
ہوا مسدود ان سے راستہ کفر و ضلالت کا

ہوئے ہر چند پہلے انبیاء و مرسلیں لاکھوں
ملا ہے سب سے بڑھکر آپکو رتبہ رسالت کا

ملا تھا سید کونین کو ہر طرح کا رتبہ
ولایت کا۔ رسالت کا۔ مروت کا۔ سخاوت کا

ہوا خواہ غلامان محمدؐ ہوں تعجب کیا
ملے میری دعا کو غیب سے درجہ اجابت کا

ہے سر زیر پائے زائران مرقد اقدس
تو اے قرباں باعث ہو ہماری فخر و عزت کا

صل علیٰ وہ روئے منور حضور کا
ہے نور جسکے سامنے شعلہ ہے طور کا

بعد از نماز صبح پیمبر کی مدح لکھ
اے دل بہ ہوش باش کہ ہے وقت نور کا

تنہا میں ایک واصف خیر الامم نہیں
ہر دم یہی وظیفہ ہے وحش و طیور کا

شوق زیارت شہ دیں میں ہے بیقرار
کیا پوچھتے ہو حال دل ناصبور کا

طفیل نعتِ گناہ سے قرباںؔ نہ خوف کر
کیا نام پاک بھول گیا تو غفور کا

مداح خاص ہوں میں رسالت مآب کا
پھر کیوں مرا کلام ہو آب تاب کا

نبیوں کے درمیاں میں ہمارا نبی ہے یوں
جس طرح نور ذروں میں ہو آفتاب کا

پُرسش کے وقت پیش کرونگا نبی کی نعت
ڈر یا زپرس کا ہے نہ خطرہ حساب کا

پھر کیوں نہ خاتم الشعرا ہو مرا لقب
مداح ہوں میں ختم رسالت مآب کا

قرباںؔ کو اُس تپش سے بچانا شہِ اُمم
ایک نیزہ پر عروج ہو جب آفتاب کا

درِ احمد پہ ہو یہ سر ہمارا
ہم اُس در کے گدا وہ در ہمارا

کسے خلدِ بریں کی آرزو ہے
مدینہ میں رہے بستر ہمارا

مریں یثرب میں گر خوش قسمتی سے
تو ہو خلدِ بریں میں گھر ہمارا

تعجب کیا اگر ہو جنت یا ور
رہے چوکھٹ پہ تیری سر ہمارا

چلے آئیں وسیلہ ہو نہ جنکا
شفیعِ کُل ہے پیغمبر ہمارا

بغیر از آستاں بوسیٔ حضرت
نہ ٹھہرے گا دلِ مضطر ہمارا

چلیں قرباںؔ قدمین نبی کے
وسیلہ ہے وہ ہی بہتر ہمارا

گر اُس کو تیرا حکم ہدایت پکارتا
ابلیس دم نہ سجدہ آدم میں مارتا

آتا ہے مومن آپ کی اُمت سے جب کوئی
پھرتا ہے باغ خُلد کو رضواں سنوارتا

ہوتیں قیودِ شرع نہ گر مانعِ نیاز
نقشِ قدم پہ دل کو میں صدقہ اتارتا

ہوتا اگر نہ باعثِ ایجادِ خلق وہ
لولاک کہہ کے اُسکو خدا کیوں پکارتا

سوئے مدینہ ہند سے اُڑ چل کسی طرح
ہر دم یہ اشتیاق ہے دل کو اُبھارتا

ہوتا خیال تیرا نہ قرباںؔ کو گر مدام
کیوں کر وہ اپنی عمر دو روزہ گذارتا

کرم ہے سایہ گستر ہم پہ اُس ممدوح عالم کا
شفیع انس و جاں جو فخر ہے حوا و آدم کا

لقب ہے رحمت العالمیں سلطان عالم کا
سفارش سے ہم انکی حق نے بخشا جرم آدم کا

گیا اک پل میں بام عرش پر معراج ہوا انکو
وہ پھر اک پل میں آکر عرش سے خورشید سا چمکا

میں ہوں تشنہ ترے دیدار کا اے سرور عالم
ہو میری روح تازہ گر پیوں اک قطرہ زمزم کا

برائے غسل جسم اطہر محبوب جنت سے
اُتر آیا ہے کوثر آپ چشمہ بنکے زمزم کا

خدارا دیجیے تسکیں نوازش اپنے فرما کر
کہ زخمی دل نگاہ لطف سے طالب ہے مرہم کا

گدائی کوچہ احمد کی یارب کر عطا مجھ کو
الملب تخت سکندر کی نہ ارمان ساغر جم کا

پلائینگے تجھے قرباںؔ نبی دست مبارک سے
جناں میں جام کوثر کا جہاں میں آب زمزم کا

دل حبیب کبریا کے رُخ پہ مائل ہو گیا
ذرۂ ناچیز بھی خورشید کامل ہو گیا

خنجر عشق محمد سے جو بسمل ہو گیا
کربلا میں سے دل شہید و نہیں تو داخل ہو گیا

مومنو جس نے کیا عشق نبی سے انحراف
خبث باطن سے وہ عاقل بنکے غافل ہو گیا

جب سے ساقی نے بھری اسمیں مئے حب نبی
پاک ساری گندگی سے شیشۂ دل ہو گیا

اے زہے قسمت صلہ میں مدحت سرکار کی
ہم کو گھر بیٹھے ریاض خلد حاصل ہو گیا

جائیگا بے توشۂ بیش حق تو قرباںؔ دیکھنا
نام سے اُس کے جو وقت نزع غافل ہو گیا

آہ الفت کیف نیا ہے مرے جذبات میں کیا
کچھ تو کہہ مجھ سے حلاوت ہے تری بات میں کیا

میری تصویر ہے تصویر عدو کا کیا میل
فرق معلوم نہیں آپ کو دن رات میں کیا

دیکھلو دیکھ لو بگڑے ہوئے آتے ہو جگر
اب بھی شک رکھتے ہو تم میری کرامات میں کیا

اپنی صورت کا ہمیں دیجئے صدقہ جلدی
اسطرح کے تو بہت رنگ ہیں دیکھے ہمنے
غیر کیطرح مرے گھر بھی چلا آ اک دن
جسکی نظروں میں ہوں ساقی ازل کے جلوے

ٹھہرا دیا ہی تو پھر دیر ہے خیرات میں کیا
رنگ دکھلاتا ہمیں سبزہ ہے برسات میں کیا
فرق آجائیگا اس سے تری اوقات میں کیا
جی لگے اُس کا بھلا دیر و خرابات میں کیا

حال کا حال سنا کیا ہے گذرتی تجھ پر
رکھا قربان ہے ماضی کی حکایات میں کیا

ردیف ب

بلبل ہماری رائے میں وہ گل بھی بدنصیب
صیاد اور خزان کے ہوئے نذر باغ میں
آئے اگر نہ کام کسی کے بہار میں
میرے نصیب میں نہیں جب ان کی صحبتیں
برق خزان نے کر دیا جب عندلیب کو
شکوہ ہے اُس کو گل کا مجھے آپ سے گلا
پینے پلانے والا نہ ہو میکدہ میں جب
دیتا ہے جب وہ ہر متوکل کو بے طلب

جو غور سے ترانہ سُنے غل بھی بدنصیب
بلبل بھی بدنصیب ہے اور گل بھی بدنصیب
ریحان بھی بدنصیب وہ سنبل بھی بدنصیب
مینا بھی بدنصیب ہے قلقل بھی بدنصیب
کرنے نہ پائی آہ ذرا غل بھی بدنصیب
میں ہی نہیں ہوں ایک ہے بلبل بھی بدنصیب
ساغر بھی بدنصیب ہے اور گل بھی بدنصیب
ہے بے نیاز رسم توکل بھی بدنصیب

قربان جسے رہائی نہ ہو اس وبال سے
ہے وہ بلا گرفتہ کاکل بھی بدنصیب

وہ بُت بے وفا خفا ہے اب
کہہ چکے وہ کہ ہم نہیں سُنتے
میں اب اپنا خدا کہوں کس کو
دے چکا جب نصیب صاف جواب
جب ازل میں کہا نہ کچھ پردہ
بھید ناصح کھلے گا محشر میں
تیرے کہنے سے کی ہے خود تقصیر

میرا حافظ فقط خدا ہے اب
اُن سے بے سُود التجا ہے اب
تو جو مجھ سے خفا ہوا ہے اب
آپ سے ہم کو کیا گلا ہے اب
مجھسے کیسی یہ پھر حیا ہے اب
تو جو مشہور پارسا ہے اب
تو بتا میری کیا خطا ہے اب

نقل اسی کو ملے گی راہ بقا
تیری الفت میں جو فنا ہے اب

دیکھ قربان کہیں نہ پچتائے
دل ترا مائل وفا ہے اب

ہے وہی فائز جو ہے کرتا ادب
چاہیئے بندہ کو مولا کا ادب

ہے جو خادم ہوگا وہ مخدوم بھی
چاہیئے خادم کو آقا کا ادب

کیوں نہ اس کی شرم رکھے گا خدا
جس نے رکھا ہے بزرگوں کا ادب

باادب ہوگا جہان میں بانصیب
ہاں بجا کرتا ہے یہ دعویٰ ادب

آگیا دنیا میں کیا انقلاب
باپ کا کرتا نہیں بیٹا ادب

بے ادب رحمت سے بھی محروم ہے
اور رحمت دار کرم ہے با ادب

جائے پھر بہر تماشہ طور پہ
سیکھ تو سے دیدۂ موسیٰ ادب

چونکہ یہ اسلاف کو محبوب تھا
ہے بہت قربان ہمیں پیارا ادب

کون ہے دنیا میں اب میرا حبیب
گر نہیں تو اے بت رعنا حبیب

کیوں نہ ہو ہم کو سلیماں کا دماغ
ہے میسر تیری خاک پا حبیب

کسطرح عاشق کا دل مفتون نہ ہو
تیری ثانی ہی نہیں پیدا حبیب

اپنے عاشق کی کبھی پروا نہ کی
سنگدل دیکھا نہیں تجھسا حبیب

جب سے دیکھا ہے تجھے رہتا ہی اب
ہلکا ہلکا درد دل میں یا حبیب

دیکھیے لکھتے ہیں اب وہ کیا مجھے
خط میں میں نے انکو ہے لکھا حبیب

جس طرف جاتے ہیں تجھ کو دیکھتے
سنتے ہیں تیرا ہی ہم چرچا حبیب

تیرا اے قربان اس میں شک نہیں
سب سے اعلیٰ سب سے ہے اچھا حبیب

پیتے ہیں تیرے ہاتھ سے پیر مغاں شراب
ورنہ کہاں یہ ظرف ہمارا کہاں شراب

ساقی کی لاگ سے نہ لگے میکدہ میں آگ
یہ بادہ کش اڑائیں نہ تیرا دھواں شراب

کرتا ہے روز بزم شفق میں کسی کو نذر
بھر بھر کے شام کو قدح آسماں شراب

ہیں آج مست صحن چمن میں جو بلبلیں
پھولوں نے کیا پلائی انہیں باغباں شراب

بلبل کی طرح خوب چہکتے ہیں ہوکے مست
بنتی ہے بادہ خواروں کی گویا زباں شراب

کرلی ہے یاد کیا کسی مستِ قدیم کو
شیشے میں آج لیتی ہے کیوں ہچکیاں شراب

اس شرط پر تو شیخ چلیں گے وہاں ضرور
ملجائے ہم کو روز میانِ جناں شراب

ہلکی سی ان کو لاکے پلا آج ساقیا
برداشت تیز کرتے نہیں ناتواں شراب

ساقی یہ تیری کم نگہی کا ملے جواب
برسائے کاش مینھ کی جگہ آسماں شراب

قرباں ہمارا ضبط بھی ہے عین مصلحت
کوثر پہ کیا پئیں گے جو پی لی یہاں شراب

پھر ہے کیا فصلِ خزاں گلشن میں آنیکے قریب
سوکھ کر گرتی ہیں کلیاں آشیانے کے قریب

میں قفس میں ہوں تو ہے محفوظ میرا آشیان
ٹوٹ کر بجلی گری ہے آشیانے کے قریب

حرص نے آخر کیا اسے ہمنشین مجکو اسیر
کیا خبر تھی دام بھی رکھا ہے دانے کے قریب

بادہ نوشوں کی رہیگی تجھسے زاہد چھیڑ چھاڑ
میکدہ کھولا ہے تیرے آستانے کے قریب

دل کے بدلے چھد گیا سینہ تو اس کا غم نہ کر
تیر پھر بھی تیرا بیٹھا ہے نشانے کے قریب

جتنے تھے اذکار دنیا کردیئے سب ہمنے ترک
اب تو خالی ہاتھ ہیں ہم جلد جانے کے قریب

زحمتِ صیاد سے بچنے کی یہ تدبیر ہے
اک قفس بھی ہم بنالیں آشیانے کے قریب

بادِ صرصر سے اڑی افسوس ان کی تازگی
جب ہوئے گلشن میں غنچے رنگ لانے کے قریب

بیٹھ جا تیار ہو کر جلد اے قرباں تو
کاروانِ عمر ہے اب تیرا جانے کے قریب

یار پہلو میں میرے تو آ شتاب
ورنہ دم نکلے گا اب میرا شتاب

دیکھنے سے جس کے ساقی کیف ہو
بھر کے ساغر میں تو ایسی لا شتاب

شاق ہے تیری جدائی شاق ہے
اب دکھادے اپنا تو جلوہ شتاب

راہوارِ زیست کتنا تیز ہے
عمر کاٹے کرلیا رستہ شتاب

تیغِ ابرو سے خدنگِ چشم سے
زندگی کا دو چکا جھگڑا شتاب

ہو نہ قاتل کی کہیں رسوائیاں
دفن کردینا میرا لاشہ شتاب

اس تلوّن کی نہیں ہے کوئی حد
تم کو آتا ہے بہت غصہ شتاب

ہاتھ پھیلائے کھڑا قرباں ہے
دے تو اس کا مدعا مولا شتاب

باعث تکلیف ہے اے دل یہ تیرا اضطراب
صورتِ سیماب کیوں ہے تو سراپا اضطراب

اے دل بیتاب یہ دن رات فریاد و فغان
ہم سے تو دیکھا نہیں جاتا ہے تیرا اضطراب

کام اپنے وقت سے پہلے نہیں ہوتا کبھی
کیوں دکھاتا ہے ہمیں اے دل تو اتنا اضطراب

رات بھر بیچین رکھتا ہے شب فرقت مجھے
یوں دکھاتا ہے قیامت کا تماشا اضطراب

انکی محفل میں بھی اے دل کچھ نہیں آسودگی
ایک دن کر کے رہیگا تجھکو رسوا اضطراب

اضطراب قیس کا گر کچھ نہیں اسیر اثر
نجد میں جانے کا کیوں کرتی ہے لیلیٰ اضطراب

تیری قسمت میں ہے لکھا وہ ترا ہوگا غلام
فرقت یوسف میں ناحق ہے زلیخا اضطراب

چھوڑ دیں چارہ گری اور آپ خود ہوں مضطرب
دیکھ لیں دل کا جو میرے آکے عیسیٰ اضطراب

ایک لمحہ میں بدلتے ہیں ہزارون کروٹین
آپ کا قربانؔ دیکھا ہے نرالا اضطراب

غم گوارا ہے مجھے اور ہے کلفت مرغوب
فطرتاً ہی میرے دلکو نہیں راحت مرغوب

اسکے بھوکے ہین اسی کی ہے تمنا دلمیں
ہمکو دنیا میں ہے بس حسن کی دولت مرغوب

آپ جس حال میں رکھین ہی وہی حال پسند
ہمکو مرغوب ہے کلفت نہ ہی راحت مرغوب

لطف سوزش میں ہی جو کیف وہ مرہم میں نہیں
کسی صورت نہیں تسکین جراحت مرغوب

یہ مذاق اپنا ہے اپنی ہے طبیعت منعم
تجکو عشرت ہے اگر ہمکو ہے عسرت مرغوب

ایک نہ ایک نیا روز لگا ہو چرکا
زخم دل کی ہے اگر دیکھنی حالت مرغوب

جس جگہ تو ہو وہیں رہنے سے ہمیں غرض
ہم کو دوزخ ہے پسند اور نہ جنت مرغوب

بعد مرنے کے ہی کہلائیں شہید الفت
مقتل عشق میں ہے ہمکو شہادت مرغوب

اُن کا دیدار وہاں ہوگا سُنا ہے قربانؔ
سب دنون میں ہے ہمیں یوم قیامت مرغوب

عدو کی طرح شگفتہ نصیب ہو یارب
ہمارے پاس ہمارا حبیب ہو یارب

کسی کا وصل میسر اسے بھی ہو جائے
قبول آج دعائے غریب ہو یارب

تو اس کی آبرو رکھ لے مجھے شفا دیکر
خفیف دل میں نہ میرا طبیب ہو یارب

ہماری زیست کٹی ساری رنج و عسرت میں
تو چند روز ہی عشرت نصیب ہو یارب

خزاں کا دور گلستاں سے ہو کبھی معدوم
چمن میں نغمہ سرا عندلیب ہو یارب

مداوا دردِ محبت کا جو میرے کر دے
کوئی تو ایسا میسر طبیب ہو یارب

ترے ہی فضل کے محتاج تیرے بندے ہیں
امیر ہو وہ کوئی یا غریب ہو یارب

وہ میری طرح کبھی آشنائے کلفت ہو
عدو کو میرا مقدر نصیب ہو یارب

وہ ساتھ دیتا ہے قربان کی مصیبت میں
جُدا نہ اس سے یہ حاجی حبیب ہو یارب

پاس کچھ تیرے نہیں ساماں غریب
کس طرح پھر ہو ترا درماں غریب

ٹھہر کے آگے ترے مولا میرے
کیا حقیقت رکھتا ہے انساں غریب

تیرے باعث آج اے دستِ جنوں
چاک ہو کر رہ گیا داماں غریب

کھا گئی مُردے کا سب مٹی کفن
رہ گیا زیرِ لحد عُریاں غریب

دیکھ کر دنیا کا انسان آئینہ
کسقدر ہے رات دن حیراں غریب

لے گئی بادِ خزاں شانِ بہار
بلبلیں ہیں باغ پر نازاں غریب

تو تو ٹھنڈا اجل کے پروانے ہوا
غم میں تیری شمع ہے گریاں غریب

خونِ ناحق کس طرح میرا کرے
ہے مصیبت میں تری مژگاں غریب

نام تھا قربان کے اُستاد کا
مولوی حاجی محمد خان غریب

دیکھ کر صورت تری اے ماہ پیکر آفتاب
گر پڑے گا تیرے قدموں پر تڑپ کر آفتاب

جستجو میں ہے تری اے ماہِ پیکر آفتاب
گرم رو راہِ طلب میں ہے برابر آفتاب

کون کرتا ہے جہاں میں ایسے آوارہ کی قدر
پوچھتا کوئی نہیں پھرتا ہے دن بھر آفتاب

آئیگا جسدم مرے داغِ جگر کے سامنے
برف کی مانند بہ جائے گا گھُل کر آفتاب

دیکھ کر صورت تری ایسا ہوا ہے منفعل
چھُپ گیا ہے گوشۂ مغرب میں جا کر آفتاب

روئے پر انوار سے اُسنے اٹھائی جب نقاب
دیکھنے والوں نے سمجھا ہے زمین پر آفتاب

گردشِ افلاک سے راحت نہیں ملتی اُنہیں
رات دن کھاتے ہیں چکر ماہ و اختر آفتاب

آسماں پر آہ کا شعلہ میری پہونچے اگر
خوف سے کانپے سرِ افلاک تھر تھر آفتاب

عارضِ روشن پہ اسکے بال ہیں بکھرے ہوئے
ہے نہاں ظلمات کے پردہ کے اندر آفتاب

جام میں قربان جب ساقی کا پڑ جاتا ہے عکس
آبِ زر بنتا ہے بادہ اور ساغر آفتاب

ردیف پ

شوخی سے وہ فرماتے ہیں بیٹھا میں اگر چپ / خوش آتی نہیں ہم کو تری آٹھ پہر چپ
واں غیر لگاتے ہیں حنا ہاتھ میں اُن کے / یاں پیتے ہیں ہم بیٹھے ہوئے خونِ جگر چپ
باقی ہیں ابھی سیکڑوں ارماں میرے دل میں / للہ زباں بند کرا اے مُرغِ سحر چپ
عقدہ نہ یہہ حل ہو سکا اور ہو گئی شب ختم / میں وصل کا طالب رہا وہ رشکِ قمر چپ
خوں میری تمنا کا نہ ہو جائے شبِ وصل / اللہ کسی طرح رہے مرغِ سحر چپ
چھائی ہے گھٹا جلد پلا دے کہیں ساقی / ہے کب سے اس امید پہ یہ تشنہ جگر چپ
ہے آہ فقط لب پہ تکلم نہ تبسم / بیٹھے ہیں وہ پا کر میرے مرنے کی خبر چپ

لرزاں ہے فلک شق ہے زمیں آہ سے میری
ہو جائے نہ قربانؔ جہاں زیر و زبر چپ

ہرگز نہ کریں میرے لئے فکرِ کفن آپ / مٹی سے بنا ہوں وہ چھپا لیگی بدن آپ
اک جان مری اور کئی اُسکے ہیں دشمن / تقدیر۔ دلِ عشق زدہ چرخِ کہن آپ
ملنا ہے مجھے خاک میں اے چارہ گر آخر / بھر جائے گا اک روز مرا زخمِ کہن آپ
کیا پھول کھلائے ہیں محبت کے اثر نے / دیکھیں تو ذرا آ کے مرے دل کی لگن آپ
خط غیر کو لکھ دیتے ہیں بے غور کئے روز / رہ جاتے ہیں کاغذ پہ مرے دیکھ شکن آپ
اکدن بھی کلیجہ نہ کیا آپ نے ٹھنڈا / غصہ سے ہمیشہ ہی رہے گرم سخن آپ
جب آپنے وعدہ نہ کیا ایک بھی پورا / کیونکر نہ کہیں پھر کہ ہیں پیمان شکن آپ
مقصد میں یہ ناکام جو ہو جائے گا اپنے / ہو جائیگی کم آگ بھرے دل کی لگن آپ

صیاد کے گھر سیرِ قفس دیکھ تو لیتے
افسوس نہ قربانؔ ہوئے مرغِ چمن آپ

دیکھ کر دل کی مرے قاتل تڑپ / کہہ رہا ہے خود ہی اے بسمل تڑپ
بیٹھے بیٹھے میں نے جب اک آہ کی / ایک لمحے میں گئی محفل تڑپ
برقِ غم گر تجھ کو تڑپنا ہے ضرور / ہو کے میرے دل کی تو شامل تڑپ

آہ مجنوں نے کیا شاید اثر
کیوں گئی لیلے پسِ محمل تڑپ

برق کی تو شوخیاں کچھ بھی نہیں
دیکھنی تیری ہے اب اے دل تڑپ

بے قراری آج کچھ اپنی دکھا
دیکھنے آئے ہیں وہ اے دل تڑپ

تجھ سا قاتل جبکہ لینے آئے جاں
کیوں نہ اٹھے پر رگِ بسمل تڑپ

ان پہ ظاہر شوق ہو قربان کچھ
وجد میں آ کر سرِ محفل تڑپ

اب دیکھ رہی ہیں مرے نالوں کا اثر آپ
تھامے ہوئے آتے ہیں مرے پاس جگر آپ

رخشندہ ہیں دونوں کوئی ظاہر کوئی پنہاں
گردوں کا قمر اور ہے دل کے ہیں قمر آپ

میں چاند سے کہہ دونگا کہ روشن کرے مشعل
شامِ شبِ وعدہ مرے گھر آئے اگر آپ

دامانِ شب آیا نہ مرے ہاتھ میں افسوس
رخصت ہوئے جس وقت کہ ہنگام سحر آپ

جب روز کرم ہوتا ہے اغیار پہ پیہم
کرتے نہیں الطاف کی کیوں مجھ پہ نظر آپ

ایسا نہ ہو منکر ہو مسیحائی کی دنیا
لیتے نہیں کیوں اپنے مریضوں کی خبر آپ

جب بارِ محبت کا مری اٹھ نہیں سکتا
لچکاتے ہوئے چلتے ہیں کیوں اپنی کمر آپ

خوشبو کبھی پھولوں کی کہیں چھپ نہیں سکتی
ہوتا ہے کسی میں تو جھلکتا ہے ہنر آپ

دشوار ہے منزل سے قدم ہی نہیں ہٹتے
قربان بڑے ظرف کے گویا ہیں بشر آپ

ردیف ت

موت نے کر دی ہو جب برباد زیست
کس سے پھر جا کر کرے فریاد زیست

میں تو جب جانوں کہ حاصل ہے کمال
ڈال دے تصویر میں بہزاد زیست

دی ارادے نے ترے جنت بنا
لے کے آیا کیوں نہ تو شداد زیست

قلبِ شیریں پہ نہ ہو کچھ بھی اثر
سو دفعہ دیدے اگر فرہاد زیست

زندہ ہیں اور شکر ہے اللہ کا
کٹ رہی ہے شاد یا ناشاد زیست

موت یاد آتی ہے اپنی روز روز
تو نہیں آتی ہے مجھکو یاد زیست

کیوں نہ ظالم کر دیا اُسکو رہا
دائمی مجھ کو سے پھر وصل دوست

قید میں بلبل نے دی صیاد زیست
ختم کردے جلد تو جلاد زیست

اس کے رہنے کی نہیں دنیا جگہ
جائے گی قرباں عدم آباد زیست

فصل بہار آئی سنادے خوشی کی بات
موجود تیرے واسطے بھی ہے غمی کی بات
دنیا سے ہائے کیسے اُٹھی دوستی کی بات
دیوانے کو ستا کے ذرا اپنے دیکھ لو
شکوہ کیا ہے مین نے مگر رنج کچھ نہیں
ہرگز نہ بات میرے عدو سے کبھی کرو
آہ و بکا میں میں نے گذاری تمام رات
اقرار کر رہا ہے فریب رقیب کا
صدمہ ہوا ہے تجھ کو غلط بات سے اگر
اللہ کیا سمجھ ہے میں قربان آپ کے
سنتا ہوں پر بہار گلستاں میں آئی ہے

صیاد کچھ سنا نہ گل کچھ کلی کی بات
غافل نہیں ہے مرگ عدو کچھ خوشی کی بات
سنتا نہیں ہے کوئی مری بیکلی کی بات
سُننی اگر ہے آپ کو کوئی ہنسی کی بات
سنکے خفا ہوئے ہو عبث دل لگی کی بات
منظور تم کو رکھنی ہے گر دوستی کی بات
کب آسماں نے میری سنی بیکلی کی بات
لا ہونٹھ چوم لوں کہ یہ ہے میرے جی کی بات
دشمن سے کیوں سنی تھی لگی اور بجھی کی بات
رونیکو میرے آپ نے سمجھا ہنسی کی بات
صیاد آج کوئی سنادے خوشی کی بات

قرباں بے نیاز ہے وہ اہل درد سے
سنتا نہیں ہے دل سے کبھی وہ کسی کی بات

بھول بیٹھے راہ شاید رہبران کوئے دوست
مل گیا ان کو نشاں جو ہو گئے وہ بے نشاں
بیخودی نے دوست کی منزل دکھا دی ہے جنہیں
ٹھوکریں انکی جلاتی رہتی ہین ہر دم انھیں
دیکھ لیں گے اسکو بھی اسکی بدولت اے ندیم
سنگدل جتنا ہے یہ اتنا نہیں وہ سنگدل
مرتے ہیں ناکام اور واپس نہیں آتے کبھی
گم نہ ہوگا صاف ہے اس کا پتہ اے نامہ بر

ہو گیا ملنا نہیں مشکل نشان کوئے دوست
راہ میں یا ہو گئے گم رہروان کوئے دوست
پوچھتے پھرتے ہین وہ ناحق نشان کوئے دوست
مر کے بھی رہتے ہیں زندہ ساکنان کوئے دوست
پڑ گیا باغ جناں گرد میان کوئے دوست
بڑھ گیا ہے آسماں سے آسمان کوئے دوست
کتنے غیرتمند ہیں یہ رفتگان کوئے دوست
تربتیں پائے جہاں وہ ہے نشان کوئے دوست

تو فقط قربانؔ باقی ایک تنہا رہ گیا
رفتہ رفتہ مر گئے سب رہروانِ کوئے دمت

جان سے تو ہمیں ہے پیاری موت
اس سے ہم ہو گئے ہیں عاری موت
تیرے آنے سے ہم بہت خوش ہیں
لوگ کرتے ہیں آہ و زاری موت
اپنے مرنے سے جو کہ ڈرتے ہیں
زلیست اپنی ہے انکو پیاری موت
روز آتی ہے یوں شب فرقت
جیسے کرے کسی سے یاری موت
اُٹھتے جاتے ہیں اپنے سب احباب
مر گئی ہے کہاں ہماری موت
اے رقیبو وہ امتحاں لیں گے
آج مقتل میں ہے تمہاری موت
پھر نہ آئے قضا زمانہ میں
زندگی سے جو کرے یاری موت

جتنے قربانؔ تھے رفیق ترے
لے گئی سب کو باری باری موت

میری آنکھوں میں رہو نورِ نظر کی صورت
یوں نہ آوارہ پھرو شمس و قمر کی صورت
ضبط کا درس لیا اس نے بھی اس سے ہمدم
بن گیا دل بھی مرا میری جگر کی صورت
بے نتیجہ ہی رہا عشق میں انجام تلاش
خوب چکر میں رہے شمس و قمر کی صورت
نارسائی ہے وہی اور وہی ناکامی
کبھی دیکھی نہیں نالوں نے اثر کی صورت
وصل کا تم نے جو بیمار سے وعدہ ہے کیا
یہ دوا وہ ہے جو دیکھے نہ اثر کی صورت
غیر کے گھر بھی تو اک روز چلی جا ظالم
دیکھ لی تو نے شب غم میرے گھر کی صورت
مرغ دل ایسا بنا لے تو نشیمن اپنا
شاخ امید بڑھے شاخ شجر کی صورت
اس تجسس میں کمر جھک گئی وقت پیری
دیکھی ہم نے نہ کبھی تیری کمر کی صورت

شب غم نور سویدا تھا کہ داغ دل تھا
کیا چمکتا تھا یہ قربانؔ قمر کی صورت

فرقت میں اس مسیح جہاں کی جب آئی رات
پیغام ساتھ ساتھ قضا بھی لائی رات
تکلیف وہ فراق کی ہم نے اٹھائی رات
آنکھوں میں ہائے نیند نہ دم بھر بھی آئی رات
دن بھر خیال شب میں تڑپتے رہے ندیم
صورت جو اسنے خواب میں آکر دکھائی رات
جلوہ سے اس نے گھر کو جو معمور کر دیا
چوکھٹ پہ میری کرتی رہی جبہ سائی رات

سن سن کے ان کو پیر فلک بھی لرز اٹھا
نالوں نے میرے کیسی پھر الچل مچائی رات

مطلب کی بات کوئی نہ آنے دی درمیاں
تم نے تو باتوں باتوں میں ساری اڑائی رات

کوثر پہ لطف لیتا رہا میں ظہور سے
ساقی یہ تو نے کیسی مجھے تھی پلائی رات

سوتے نہیں ہوتی زلفِ پریشاں تری ضرور
نالوں کو میرے کچھ بھی جو ملتی رسائی رات

جو کچھ کیا وہ وصل میں منظور تھا نہیں
دلبر ہمارے کرتے رہے وہ خدائی رات

قربان تیرے دھوکے میں کیسے وہ آگئے
آواز غیر کی سی جو تو نے بنائی رات

مرجائے گا مرجائے گا بیمار محبت
چھوڑے گا نہ زندہ ترا آزارِ محبت

بڑھتے چلے جاتے ہیں خریدارِ محبت
ہوتا ہے کبھی سرد ہی بازارِ محبت

کرتے نہیں زنہار وہ اظہارِ محبت
جو لوگ ہیں در اصل سزاوارِ محبت

گاہک ہیں عداوت کے زمانہ میں ہزاروں
دنیا میں نہیں کوئی خریدارِ محبت

دامن میں گرہ دیکے کہا تم سے ملینگے
مضبوط ہوا آج یہ اقرارِ محبت

رہجاتی ہی آ آکے لبوں تک مری حسرت
کس طرح کروں تجھسے میں اظہارِ محبت

کہتی ہے یہ رحمت نہ ہوں مایوس کبھی وہ
بخشے گا خدا جو ہیں گنہگارِ محبت

دانستہ ہی کیں اسنے جفائیں مرے دلبر
سمجھا جو مجھے اس نے وفادارِ محبت

مذہب جسے کہتے ہیں محبت ہے وہ ہمدم
کافر ہے وہ کرتا ہے جو انکارِ محبت

الفت کے ہی باعث وہ چڑھا دار پہ آخر
منصور نہ کس طرح ہو سردارِ محبت

ساقی وہ تری آنکھوں سے پیتے ہیں سدا مست
بادہ کبھی پیتے نہیں مے خوارِ محبت

لو دیکھ لو وہ بند کئے لیتا ہے آنکھیں
مایوس ہوا زیست سے بیمارِ محبت

لینی ہے خبر اسکی تو لے جلد مسیحا
مہمان کوئی دم کا ہے بیمارِ محبت

دیدی مجھے بے پرسشِ اعمال معافی
اللہ نے سمجھا جو گنہگارِ محبت

حملوں کا عداوت کے ہیں کچھ بھی نہیں خطرہ
حائل ہے اگر بیچ میں دیوارِ محبت

ساقی انہیں دے بھر کے محبت کے پیالے
مے پینے کو بیٹھے ہیں قدح خوارِ محبت

جو دل میں کرے گھر وہ محبت کا ہے جادو
پتھر کو کرے موم وہ گفتارِ محبت

بڑھ بڑھ کے قدم پڑتے ہیں عشاق کے دیکھو
ہوتی نہیں ہلکی کبھی رفتارِ محبت

قرباںؔ اُسے مفت دیلے دیتے ہو تم دل
کیا کوئی نہیں اور خریدار محبت

جفا کی خوگر وفا دشمن تمھاری صورت ہماری سیرت
ہے ساری دنیا پر آج روشن تمہاری صورت ہماری سیرت

جو اُس میں جلوے جھلک رہے ہیں تو اِس میں شعلہ بھڑک رہے ہیں
ہے آتشِ عشق کا نشیمن تمہاری صورت ہماری سیرت

نہ تم کو شمع وفا کی حاجت نہ مجھ کو برقِ بلا سے ہیبت
تجلیوں کے یہ دو ہیں خرمن تمہاری صورت ہماری سیرت

کوئی ہے کہتی میں پاک صورت کوئی ہے کہتی میں پاک سیرت
دکھاتی ہے خوب اپنا جوبن تمہاری صورت ہماری سیرت

میں اپنا دل تم کو دے رہا ہوں جفائیں تم مجھ پہ کر رہے ہو
بنی ہیں مل کر یہ دونوں رہزن تمہاری صورت ہماری سیرت

کوئی جو سینتی اسے اگر ہے کوئی ہے پھاڑے جنوں میں اسکو
ہمارا دامن تمہاری سوزن تمہاری صورت ہماری سیرت

کسی کو ہے نازِ لن ترانی کسی کو ہے حسرتِ تماشا
ہے مثل موسیٰ ہے مثل ایمن تمہاری صورت ہماری سیرت

ہوئے جو ہم جان و دل سے قرباںؔ ہوئی جو تم منہ دکھا کے پنہاں
دکھا گئی اپنا چلبلا پن تمہاری صورت ہماری سیرت

سرمایہ دار گنج صداقت محمدؐ است
مہر منیر برج کرامت محمدؐ است

کان حیا و مخزن وحدت محمدؐ است
در یتیم و دُرج نجابت محمدؐ است

از سنگ خارہ نخل برآورد بارور
بستان معجزات و کرامت محمدؐ است

حوران جنت اند ملبس ز فیض او
طاؤس عرش رافض عظمت محمدؐ است

خواہم بکے کشایش اشکال خویش را
کافی مجال ماست شفاعت محمدؐ است

ازصنبر نار اے گناہاں چہ خوف و بیم
مارا بہر دو کون کفایت محمدؐ است

گویک متاع نیک مرا در دکان مباش
قرباںؔ شفیع روز قیامت محمدؐ است

ردیف ٹ

کب سے تمہارے عشق کی دل پہ آئی چوٹ
تم نے کبھی نہ آکے ہماری مٹائی چوٹ

کیا جانو تم کہ ہم نے محبت کی کھائی چوٹ
معلوم کب کسی کو ہوئی ہے پرائی چوٹ

ملتا نہیں نشان کہیں ۔ کی بہت تلاش
جانے کہاں پہ دل نے ہماری کھائی چوٹ

وہ آگئے تو حال انہیں سب دکھا دیا
دل کے دکھائے زخم جگر کی دکھائی چوٹ

تیر نظر سے ہوگئے دل اور جگر تباہ
دشمن نہ کھائے جیسی کہ ہم نے ہے کھائی چوٹ

یہ جبر و اختیار نہیں ہے تو کیا ہے پھر
کہہ کہہ کے دل پہ یار نے میرے لگائی چوٹ

اہل نظر پہ کھل ہی گیا راز عشق کا
قرباں دل کی ہم نے بہت کچھ چھپائی چوٹ

بہت لی تمہاری عداوت نے کروٹ
نہ بدلی ہماری محبت نے کروٹ

وہ یوں اٹھے پہلو سے کروٹ بدل کر
کہ جس طرح لی ہو قیامت نے کروٹ

کبھی ہم نے پھرتے نہیں اسکو دیکھا
نہ لی زخم دل کی جراحت نے کروٹ

رہے عمر بھر ہم اسی آرزو میں
عداوت سے بدلی نہ الفت نے کروٹ

ہماری طرف کیا وہ پہلو بدلتے
بدلنے نہ دی جب نزاکت نے کروٹ

بہت ہم نے منت بہت التجا کی
بگڑ کر نہ لی ہائے قسمت نے کروٹ

کھڑی تھی پس پشت ہی میرے عشرت
نہ لینے دی لیکن مصیبت نے کروٹ

عداوت سے اس کو رہا انس اتنا
نہ لی تیری چشم مروت نے کروٹ

طبیبوں نے قرباں کی لاکھ کوشش
بگڑ کر نہ لی تیری صحت نے کروٹ

ردیف ث

زباں سے اب نکلتی کیوں نہیں فریاد کیا باعث
اسیر دل میں نہیں ہے شکوہ بیداد کیا باعث

اسے تو قید کیوں کرتا نہیں صیاد کیا باعث
قفس میں کیوں تصور ہے مرا آزاد کیا باعث

اسیروں کو نہیں جو چھوڑتا صیاد کیا باعث
قفس سے کیوں نہیں کرتا اسے آزاد کیا باعث

مجھے تم یاد بھولے سے کبھی کرتے نہیں لیکن
مرے دل سے نہیں جاتی تمہاری یاد کیا باعث

ہوا جب شاد خسرو پا کے شیریں کو زمانے میں
رہا ناکام تو دنیا میں اے فرہاد کیا باعث

دل مجبور پہ کس نے لگا دی مہر خاموشی
زباں پر رک گئی آکر ترے فریاد کیا باعث

ہمارے قتل سے کیا دھار موٹی تیغ کی ہوگی
نہیں گردن ہماری کاٹتا صیاد کیا باعث

بتوں سے تم تعلق اب بھی اے قرباں رکھتے ہو
بڑھاپے میں نہیں کرتے خدا کی یاد کیا باعث

ہمیشہ رہے ہو مصیبت کا باعث
نہیں بنتے تم دل کی راحت کا باعث

ترا حسن ہے اور فطرت ہماری
محبت کا باعث عداوت کا باعث

فلک اور ہم دل جلوں کو ستائے
یہ ہے آپ ہی کی شرارت کا باعث

اگر تم نہ اٹھتے قیامت نہ اٹھتی
تمہیں بن گئے ہو قیامت کا باعث

گناہوں سے اپنے نہ نادم ہوا میں
نہیں اور کوئی ندامت کا باعث

بلا وجہ ناراض کیوں ہو رہے ہو
بتاؤ تو کیا ہے شکایت کا باعث

تمہیں گل سے نازک جو سمجھا ہے میں نے
مرا عشق ہے اس نزاکت کا باعث

کبھی تندرستی میں ملنے نہ آئے
عیادت کو آئے عیادت کا باعث

جدھر جاؤ قرباں ہنستی ہے دنیا
محبت بتوں کی ہے ذلت کا باعث

گلے پر کیوں نہیں چلتی تری تلوار کیا باعث
نہیں کچھ کام دیتی آج اسکی دھار کیا باعث

میں انکے سامنے کیوں حرف مطلب کہہ نہیں سکتا
ہوئی کیوں بند میری ایکدم گفتار کیا باعث

قیامت کے ابھی آنے میں کیا وقفہ ہے کچھ ظالم
نہیں فتنے اٹھاتی کیوں تری رفتار کیا باعث

کیا ہے جب سے اے صیاد تو نے قید بلبل کو
نہیں پہلی سی وہ شاداب ہے گلزار کیا باعث

کھڑے ہو کر نظارے راہ سے وہ تیرے کرتا ہے
عدو پر کیوں نہیں گرتی تری دیوار کیا باعث

معمہ بن گئے الفت رہ گئی تیری مرے دل میں
کبھی مجھ پر نہیں کھلتے ترے اسرار کیا باعث

عدو نے بے اجازت آج کیا گستاخیاں کر لیں
ہوئے ہیں سرخ کیوں آخر ترے رخسار کیا باعث

تمہیں قرباں کیا الفت ہوئی طفل برہمن سے
گلے میں کیوں پڑی ہے آج کل زنار کیا باعث

ردیف ج

ہے شمع آبِ آبِ حیا سے لگن میں آج
کس کی وفا کا ذکر ہوا انجمن میں آج

بکھرا کے رُخ پہ زلف وہ بیٹھے ہیں بزم میں
کہتے ہیں لوگ چاند ہے گویا گہن میں آج

آتی ہیں بار بار جو یہ ہچکیاں ہمیں
شاید کہ یاد کرتا ہے کوئی وطن میں آج

شاید خزاں بہار کی پھر جانشین ہوئی
آتا نہیں نظر کوئی بلبل چمن میں آج

اک شمع تھی وہ شام سے خاموش ہو گئی
اب ساتھ کون دے مرے دل کی لگن میں آج

سوزِ فراق کو کوئی دوزخ میں ڈال دے
اس نے لگائی آگ ہے میرے کفن میں آج

آئے ہیں مل کے غازہ وہ رُوئے صبیح پر
لگ جائے آگ غیر کے کام و دہن میں آج

دیکھا ہے تم کو ساتھ جو اپنے رقیب کے
اک آگ سی لگی ہے مرے تن بدن میں آج

دشمن کو میرے سامنے اس نے چھڑک دیا
انگور آ گیا مرے زخمِ کہن میں آج

ٹھنڈا کیا ہے خون نے پروانے کے اسے
پھیلا ہوا سوزِ شمع نہیں انجمن میں آج

فیضِ غریب سے ہے ملا اُس کو یہ صلا
یکتا زمانہ بھر میں ہے قرباںؔ سخن میں آج

افواہ ہے۔ اجل سے ہوا ہمکنار آج
مایوس ہو کے ہائے ترا بے قرار آج

بھولے سے آ گئے ہیں غریبوں کے گھر میں وہ
کیسی ہوئی ہے رحمتِ پروردگار آج

رحمت اگر اٹھائے تو اُٹھیگا اس کا سر
بیٹھا ہے سر جھکائے ہوئے شرمسار آج

ارمان کچھ تو عاشقِ ناکام کا مٹے
ہو دل کے ساتھ ساتھ جگر بھی فگار آج

کل کو رقیب دیکھنا ہونگے یہی خلاف
اب ہیں موافقت میں جو لیل و نہار آج

تجھ کو بھی کچھ خبر ہے مری مجھسے بے خبر
آتی ہے یاد دل میں تری بار بار آج

ہے رحمتِ غفور نہ کر عذر بخشد سے
آیا ہوں تیرے سامنے میں شرمسار آج

اے چاند مُنہ پہ مل تو تبرک سمجھ اسے
تربت کا وہ اُڑاتے ہیں مشتِ غبار آج

قرباںؔ کو بھی چہرۂ انور ذرا دکھا
بیٹھا ہے وہ بھی دید کا امیدوار آج

سمجھے اُن کا جوبن دکھایا ہے آج
ان آنکھوں نے کیا گل کھلایا ہے آج

لگا کر مجھے اپنے سینے سے خوب
مرے درد دل کو مٹایا ہے آج

قیامت سے ہے بحث رفتار میں
نیا اس نے فتنہ اٹھایا ہے آج

الٰہی نگاہ محبت کی خیر
نقاب اس نے اپنا اٹھایا ہے آج

انھوں نے جو تھے کل مرے ہمنشین
مجھے زیر تربت دبایا ہے آج

مٹا کر مری قبر رفتار سے
قیامت کا نقشہ دکھایا ہے آج

وہ انکار کرتے ہیں پیمان کے بعد
ہنسایا تھا پہلے رلایا ہے آج

یہ آتی ہیں قربان کیوں ہچکیاں
مجھے موت نے کیا بلایا ہے آج

کہتا پھرتا ہے یہ ہر جانب ترا دیوانہ آج
کر دے بالوں میں صبا تو جا کے اُنکے شانہ آج

دیکھنے آتے ہیں دل کو پاس وحرماں روز روز
دیکھ لو تم بھی ذرا۔ آ کر مرا کاشانہ آج

شمع رو لے ہو گیا تیری تجلی پر نثار
تیری محفل میں گرا ہیں صورت پروانہ آج

دیکھتے ہی تو نے ہم کو کر دیا در بند کیوں
آ گئے تھے دیکھنے ساقی ترا میخانہ آج

دیکھنا یہ ہو گا ثابت مثل مار آستین
آپ بیٹھے ہیں عدو سے کر کے جو یارانہ آج

میں نے ساقی چھوڑ دی تھی میکشی مدت ہوئی
تیرے کہنے سے لیا ہے ہاتھ میں پیمانہ آج

حشر کا دن ہے بڑی فرصت ہے آؤ بیٹھ جاؤ
زندگی بھر کا سنانا ہے تمہیں افسانہ آج

جانے کیا اجڑے ہوئے دل کا ہوا اُنپر اثر
کہتے ہیں آباد کر دیں گے ترا ویرانہ آج

غیر جلتے ہیں جلیں اسمیں تو کوئی شک نہیں
رکھتے ہیں قربان احمد عظمت شاہانہ آج

معشوق کو عاشق نے بلایا شب معراج
حکمت کا ہر اک راز بتایا شب معراج

راہوار فلک سیر کو لے کر بصد اعزاز
جبریل امیں لینے کو آیا شب معراج

آیا تھا جو اک طشت بھرا رحمت حق کا
وہ دل میں محمد کے سمایا شب معراج

لے ساتھ گیا مسجد اقصےٰ میں بعزت
دوگانہ وہاں اس نے پڑھایا شب معراج

موسیٰ ہوئے غش ایک جھلک دیکھ کے جسکی
وہ نور محمد کو دکھایا شب معراج

جب چرخ پہ پہونچا قدم پاک محمد
آنکھوں سے ملائک نے لگایا شب معراج

تھا عرش پہ غل صل علیٰ صل علیٰ کا
جب سدرہ سے رفرف کو بڑھایا شب معراج

افلاک کو طے کر چکے جب صاحب لولاک
مرکب طرف عرش پھر آیا شب معراج

جوں ماہ شب چاردہم عرش سے تا فرش
اس ماہ نبوت کا تھا سایا شب معراج

جب پردۂ حرمت کے قریب آئے تو حق نے
جو بیچ میں حائل تھا اٹھایا شب معراج

ہر لفظ میں تھی بخشش امت کی سفارش
در پردہ جو کچھ تذکرہ آیا شب معراج

دنیا میں نہ آئے کبھی دن رات پھر ایسے
تولید سا دن فصل علی یا شب معراج

خاموش ہو قربان بیاں ہو نہیں سکتا
جو کچھ کہ وہاں آپ نے پایا شب معراج

کرتا نہیں ہے آکے کبھی وہ مرا علاج
سمجھا ہے درد میرا مسیحا نے لا علاج

جب تو ہی انکی زیست سے ناراض ہو گیا
بیمار تیرے کیسے کریں پھر بھلا علاج

جتنی کہ دیں دوائیں بڑھا اسقدر مرض
یہ کیا مریض غم کا مسیحا کیا علاج

افسوس یہ مریض سے کہتا ہے چارہ گر
اب میرے ہاتھ میں نہیں ہرگز ترا علاج

مولا ہے تیرے ہاتھ مسیحا کی آبرو
آیا ہے آج دعویٰ سر کرنے مرا علاج

بیمار غم کا ان کے سنبھلنا ہوا محال
غائب ہوئے طبیب جو دیکھا ہی لا علاج

تدبیر ہے نہ کوئی نہ جسکی کوئی دوا
مجھ کو دیا مرض بھی مقدر نے لا علاج

جسکا ہوں میں مریض وہ دے پہلے اس سے اذن
منظور ہے جو تجھ کو مسیحا مرا علاج

منشائے رب جو ہو تو ابھی ہو وہ تندرست
مشکل نہیں ہے ہجر میں قربان کا علاج

ردیف ۔ چ

چہرے کے دیدے سے کے مرے جسم کی اکسیر نہ کھینچ
روح تن سے تو مری اے بت بے پیر نہ کھینچ

ہائے باقی مرے ارمان رہے جاتے ہیں
ٹھہر اے موت ابھی زیست کی زنجیر نہ کھینچ

ایک جہاں دار کی تصویر بنائی بے جان
اس لئے کہتا تھا بہزاد کہ تصویر نہ کھینچ

گور میں جانا ہے اور گور مکاں ہے تیرا
تھوڑی سی زیست پہ تو محنت تعمیر نہ کھینچ

عوض گل تو مجھے خار دئے جاتی ہے
مجھے کانٹوں میں پریشانیٔ تقدیر نہ کھینچ

تجھکو جانا ہے اگر پہلے ہی چل دے اٹھ کر
کہتی ہے موت کہ تو زحمت تاخیر نہ کھینچ

نقش قدرت ہے بدلنے سے نہ بدلیگا کبھی
نقش تقدیر پہ تو نقشۂ تدبیر نہ کھینچ

اے کماں دار ہیں کیا لطف خلش میں اسکی
دل یہ کہتا ہے کلیجہ سے ابھی تیر نہ کھینچ

کھینچدے کاتب تقدیر جو تو چاہے مگر
میری تقدیر میں یہ ہجر کی تحریر نہ کھینچ

صرف ابرو کا اشارہ ہی مجھے کافی ہے
ڈاب سے تو عبث بے پیر یہ شمشیر نہ کھینچ

پھر کہاں جوش تمنا کا مزہ تیرے بعد
وصل جاناں تو مرے شوق کی تاثیر نہ کھینچ

نزع کے وقت وہ آجائیں عجب کیا ہے یہاں
میری آنکھوں کی ابھی موت تو تصویر نہ کھینچ

دیکھئے ہوتا ہے کیا اس کا نتیجہ آخر
اُلٹی قرباںؔ ابھی خواب کی تعبیر نہ کھینچ

ہوگیا ہے اس کا کاروبار ہیچ
ہوگئی دنیا کی کیا رفتار ہیچ

کیا ہے جنگ زرگری کا فائدہ
روز رکھتے ہو جو تم تکرار ہیچ

بات مطلب کی نہیں کہتے کبھی
آپ کی ہوتی ہے ہر گفتار ہیچ

دل نہیں گر پاک شیخ و برہمن
ہے تمہاری سبحہ و زنار ہیچ

ہائے دنیا سے ہے اچھا داغ دل
میری نظروں میں ہے یہ گلزار ہیچ

جن کے دل ساقی ہیں مخمور ازل
جانتے ہیں مے کو وہ میخوار ہیچ

جس جگہ سنوائی ہوتی ہی نہیں
درد دل کا ہے وہاں اظہار ہیچ

آئے گا مل کر عدو سے میرے گھر
ہے یہ اس کا وعدہ و اقرار ہیچ

کھولدے جو صورت منصور راز
اس کو سمجھو محرم اسرار ہیچ

میری گردن ہی نہیں اس سے کٹی
دیکھ لی یہ آپ کی تلوار ہیچ

ہے مسیحا تیری یہ چارہ گری
ہو نہ جب اچھا ترا بیمار ہیچ

وہ نہ ہو جب تک کہ عالم باعمل
شیخ کی ہے جبہ و دستار ہیچ

ہیں فضول آنکھیں جو ہوں محروم دید
ہم نہ جب دیکھیں تو ہے دیدار ہیچ

میں نے وہ قرباںؔ اٹھائے رنج و غم
میری نظروں میں ہیں سب آزار ہیچ

تیری تقریر میں مضمر جو ہیں اقرار کے پیچ
کھولدے گا ترا عاشق ترے انکار کے پیچ

ٹھیک رندوں سے نہیں تیرا اُلجھنا ہرگز
کھولدے گا کوئی زاہد تری دستار کے پیچ

بات کہتا ہے کوئی یا کہ معمہ ظالم
کچھ سمجھ میں نہیں آتے تری گفتار کے پیچ

نقش پا راہِ عدم کا ہمیں دیتے ہیں پتہ
آہ سے ترچھے وہ ترے ہوتے ہیں رفتار کے پیچ

سیدھی اُلٹی ہو سدا بات ہو اُلٹی سیدھی
خوب ہم جانتے ہیں اُس بتِ عیار کے پیچ

جس کی تقدیر میں وحشت نے لگا دی ہو گرہ
ہے پسند اس کو تری کاکلِ خمدار کے پیچ

اثر اُلٹا کیا قربانؔ دوا نے اُس پر
کیا نصیب میں پڑے عشق کے بیمار کے پیچ

ردیف ح

دیکھ لی ہم نے بہار اچھی طرح
کر لیا دل داغدار اچھی طرح

ہوش آنا بادہ خواروں کو ہے جرم
پیلے پیلے بادہ خوار اچھی طرح

ہم نہ ہوں گے لے دلِ بیتاب کل
آج ہو لے بے قرار اچھی طرح

روز تیرا کر رہے ہیں انتظار
ہاں برس ابرِ بہار اچھی طرح

ساتھ لے لینا یہاں سے روزِ حشر
دیکھ لو میرا مزار اچھی طرح

رکھ کسر باقی نہ اے دستِ جنوں
کر گریباں تار تار اچھی طرح

شوق پر میرے کبھی ہوگا نہ بار
تم کرو خنجر کا وار اچھی طرح

آئے تربت پر جو ہمراہِ عدو
کر گئے وہ بے قرار اچھی طرح

تاک کر قربانؔ دل کہتے ہیں وہ
آج کھیلیں گے شکار اچھی طرح

لختِ دل بہ بہ کے نکلے تھے جو آنسو کی طرح
میرے دامن پر وہ چمکے شب کو جگنو کی طرح

دامِ ہستی میں پھنسا ہے دل نکل سکتا نہیں
لاکھ دل اُچھلا کرے پہلو میں آہو کی طرح

سامری فن نے بھرا تھا ان میں سحرِ سامری
کر گئی اس کی نگاہیں کام جادو کی طرح

نزع کہتے ہیں کسے تکلیف کس کا نام ہے
روح نکلی یاد میں محبوب کی بو کی طرح

کیا کریگا یہ کسی کا خون مل کر اُن کے ساتھ
جو ہلالِ چرخ بھی نکلا ہے ابرو کی طرح

اس کی اُلجھن کا سلجھنا بھی ہے دنیا میں محال
ہیں مری تقدیر میں بل اُنکے گیسو کی طرح

اے قفس میں رہنے والے تجھ میں مجھ میں فرق کیا
کٹ گئے بازو مرے بھی تیرے بازو کی طرح

خون کے آنسو جو میں رُوتا ہوں سوزِ ہجر سے | رات بھر چنگاریاں اُڑتی ہیں جگنو کی طرح

شعر کیا لکھے چڑایا تم نے اے قربانؔ منہ
ہاں غریبِ نامور کی تھی یہ قابو کی طرح

دیکھیں گے دیدار تیرا یار ہم اچھی طرح | یوں مٹا دیں گے دلِ پُر غم کا غم اچھی طرح
میں کروں اُف بھی تو فوراً کاٹ دو میری زباں | کر لے جتنا کر سکے جور و ستم اچھی طرح
آستاں پر تیرے لے آئی ہے وحشت جبر سے | مجھ کو کرنے دے ذرا طوفِ حرم اچھی طرح
ابر کے پردے میں رہ جائے گی تیری آبرو | رو لے تو بھی کھول کر چشمِ نم اچھی طرح
پھر بھی اس کی سیر کی باقی تمنا رہ گئی | کر چکے تھے گو کہ ہم سیرِ عدم اچھی طرح
میرے سینے سے جدا کرنا نہ تصویرِ جمال | چارہ گر جب تک نکل جائے نہ دم اچھی طرح
عشق کی دشواریئے منزل سے لغزش آ گئی | لاکھ گو ہم نے جمائے تھے قدم اچھی طرح
کیا کرے کوئی بھلا اُن کی قسم کا اعتبار | اُن کو کھانی بھی نہیں آتی قسم اچھی طرح

تو نے کیوں قربانؔ الفت کا یہ سودا لیلیا
دل کو چیرے گا ترے اب خارِ غم اچھی طرح

رات دن کیوں مجھ کو تڑپاتی ہے روح | کیوں نہیں تن سے نکل جاتی ہے روح
اک کرشمہ سا دکھا جاتی ہے روح | خواب میں جانے کیسے لاتی ہے روح
سامنے مولا کے جائے کس طرح | شرم سے عصیاں کی شرماتی ہے روح
غیر ممکن ہو رسائی جب تلک | مجھ کو اس محفل میں پہونچاتی ہے روح
پہلے لیجانے سے جنت میں مجھے | چشمہ کوثر میں نہلاتی ہے روح
اے صبا تیری خوشامد کیوں کروں | بوئے زلفِ یار لے آتی ہے روح
جو نہیں اس کے سمجھتے امرِ ربّ | اک معمہ اُن کو بن جاتی ہے روح
مل گیا ہے پاک دل جن کو انھیں | تا درِ مقصود پہونچاتی ہے روح

عیب کرتا ہے جو کوئی چھپ کے بھی
لعنتیں قربانؔ برساتی ہے رُوح

کھلے ہیں داغِ جگر بھی میرے چمن کی طرح | چھپائے پھرتا ہوں فانوسِ انجمن کی طرح
تھے میرے جتنے بھی اعمال سب رہے آخر | مرے ہیں جسم سے لپٹے ہوئے کفن کی طرح

بغیر فکر کے سوتے ہیں پاؤں پھیلائے
ملی ہے گور میں راحت ہمیں وطن کی طرح

نکل کے جائیں کدھر اب ہمیں مفر ہی نہیں
کہ دل لپیٹ لیا زلف نے رسن کی طرح

رہے نہ ماں کے بھی ہم پیٹ میں کبھی عریاں
حجاب اک ہمیں گھیرے رہا کفن کی طرح

تجھے بھی سوز محبت کا حال ہو معلوم
لگن جو دل میں ہو تیرے مری لگن کی طرح

ہمارے دل سے نکلتی ہے عشق کی خوشبو
یہ نافہ رکھتے ہیں ہم آہوئے ختن کی طرح

وداع روح سے تکلیف کچھ ہمیں نہ ہوئی
گئی بدن سے مگر بوئے یاسمن کی طرح

زمین سخت ہمارے قلم کو پانی ہے
یہ تیشہ چلتا ہے قرباںؔ کوہکن کی طرح

ردیف ۔ خ

ہو گیا غیر بہت منہ ترے لگ کر گستاخ
کہ تری بزم میں دیکھا اُسے اکثر گستاخ

تم کہیں دیکھ کے اس کو نہ خفا ہو جانا
کہ بہت ہے مرے اعمال کا دفتر گستاخ

صاف کہہ دیتا ہے آتا ہے زباں پر جو کچھ
آج پھرتا ہے ترا وحشی سر محشر گستاخ

عشق صادق جو تجھے میری طرح ہو ناصح
تو بھی آوارہ مری طرح ہو در در گستاخ

زلف چھونے کو ہم آغوش ترے سینے سے
تا کمر آ ہی گئی دوش سے بڑھ کر گستاخ

میری تقدیر کو کیوں دی ہے سزائے گردش
میں تھا گستاخ نہ تھا میرا مقدر گستاخ

میری مٹی سے یہ بنتا تو مناسب ہوتا
بوسہ لیتا ہے ترا ہے لب ساغر گستاخ

مجھ سے کہتا ہے کہ پہلو میں بٹھائے اس کو
ہو گیا ہائے یہ کیسا دل مضطر گستاخ

اس جفا پیشہ نے کیوں توڑ دئے ہیں بازو
ترا قرباںؔ نہ تھا کوئی کبوتر گستاخ

میخانہ کی جو آج ہے کرتا برائی شیخ
تھوڑی سی پی کے کرنے لگیگا بھلائی شیخ

پھر اس سے بڑھ کے دیکھتے ہیں میکدہ میں ہم
جنت کی تو نے کی ہے جو اتنی بڑائی شیخ

رندوں کیساتھ خندۂ دنداں نما فضول
اس کا رہے خیال نہ ہو جگ ہنسائی شیخ

میخانہ میں جو آج چلے آئے بے طلب
دل میں تمہارے آج یہ کیا بات آئی شیخ

دستار پر نگاہ ہے سب کی جمی ہوئی
رندوں کی ہجو کر کے قیامت اٹھائی شیخ

دوزخ سے ہمکو روز ڈراتا ہے وعظ میں
کیا ہاتھ میں ہے تیرے خدا کی خدائی شیخ

یہ مارتے ہیں اور جلاتے ہیں خلق کو
کرتے ہیں بت جہاں میں اپنی خدائی شیخ

بہتر ہے تم بھی خان کا اب جلد لو خطاب
قرباں بن گئے ہیں یہاں نان بائی شیخ

مدعی بن گیا ہمارا چرخ
اب چلاتا ہے سر پہ آرا چرخ

تیری کردوں کا دھجیاں فوراً
ہیتر کوئی جو میں نے مارا چرخ

میری پستی ہوئی گوارا کیوں
کیوں زمیں پر سے مجھے اتارا چرخ

ہے زمیں تنگ رنج غربت سے
کچھ تو دیدے ہمیں سہارا چرخ

ہیں نے نالے کئے جو شام فراق
بن کے اڑنے لگا غبارا چرخ

ہائے ظالم تو رہ گیا باقی
نہ سکندر رہا نہ دارا چرخ

ہے زمین سخت اور تو ہے دور
کیسے اپنا کریں گذارا چرخ

یہ دوپٹے سے تیرے ہے ہم رنگ
اس لئے ہے مجھے یہ پیارا چرخ

گو ہوں پامال پھر بھی ہے قرباں
میری آنکھوں میں ایک تارا چرخ

کرتا ہے ستم روز جو تو ہم پہ نیا چرخ
دیتا ہے یہ کس بات کی تو ہم کو سزا چرخ

ڈرتا ہوں خدا سے کہ خدا کا ہے تو مسکن
نالوں سے وگرنا میں تجھے دیتا گرا چرخ

کیا ابر کے پنبہ سے ترے کان بھرے ہیں
سنتا نہیں ہرگز جو کبھی میری صدا چرخ

گو ہم نے بہت ہاتھ پسارے ترے آگے
موذی ہے بہت کرتا نہیں کچھ بھی عطا چرخ

کینہ تو سدا رکھتا ہے عشاق سے دل میں
کینا یہ تری عقل پہ پردہ ہے پڑا چرخ

پرتو سے دیئے اپنے بنا چاند ستارے
احساں مرے معشوق نے تجھپہ کیا چرخ

پیتے ہوئے شرم آتی ہے ہمکو ترے آگے
تو اوڑھ لے بادل کی ذرا آج ردا چرخ

دنیا میں ہیں تو نے جدا اُن سے کیا تھا
اب حشر میں ہم کیوں نکریں تیرا گلا چرخ

کہتے ہیں یہ جب لوگ کہ یہ حد نظر ہے
قرباں بہت ہنستا ہے اُن پہ بخدا چرخ

ردیفِ - د

میرا باقی نہ نشاں کوئی رہا میرے بعد
میرا مدفن بھی زمانے سے مٹا میرے بعد

دل کے کھلنے کی تمنا میں رہا میں تا عمر
کیا چلی پھر جو چلی موجِ صبا میرے بعد

خون سے دل کے اسے شوخ بناتا تھا میں
رنگ دیگی نہ کبھی تیری حنا میرے بعد

کرتے ہیں اب جو وفا نقل وہ کرتے ہیں مری
ورنہ دنیا سے مٹا نقشِ وفا میرے بعد

فاتحہ کیلئے بھی آئے نہ تربت پہ کبھی
میری الفت کا دیا خوب صلا میرے بعد

اپنے مرنے سے مجھے اسکا زیادہ ہے ملال
سر پہ لے گا نہ کوئی بارِ جفا میرے بعد

اُن کے سینے میں مرا داغِ محبت چمکا
باغِ الفت میں نیا گل یہ کھلا میرے بعد

کیا کروں ڈالدے اب گور پہ اسکو میری
لے کے آیا ہے مسیحا جو دوا میرے بعد

وجد کرتا تھا جہاں سُن کے ترانے غم کے
تیری محفل میں رہا کچھ نہ مزا میرے بعد

قبر میں رکھتے ہی احباب مجھے بھول گئے
ایکدن بھی تو مرا غم نہ کیا میرے بعد

زنگ آلود رہے گی یہ ترے قبضہ میں
کون کھائیگا تری تیغِ ادا میرے بعد

جسکو دیکھو وہ یہ کہتا ہے کہ عاشق میں ہوں
چل گئی عشق کی دنیا میں ہوا میرے بعد

وینؔ کہتا ہے مری آبرو اُسنے رکھ لی
جانشیں نجد میں فرہاد ہوا میرے بعد

آتی نہیں کان میں یارب فغانِ درد
خاموش کیوں ہوا ہے جرس کاروانِ درد

دل پر کرے گی اپنا اثر داستانِ درد
کہتے ہیں وہ کہ ہم نہ سنیں گے بیانِ درد

یہ دیکھنا ہے آبرو کس کی خدا رکھے
لیتا ہے دل جگر سے مرے امتحانِ درد

اب چٹکیوں کا اُن کی کوئی کیا گلا کرے
پہلے ہی کاٹ لی ہے کسی نے زبانِ درد

بجلی گری تھی خرمنِ دل پر اگر مرے
محفوظ رہ گیا ہے یہ کیوں آشیانِ درد

سوزِ خلش بھی مٹ بھی اور تپش بھی ہے
آباد میرے دل میں ہوا ہے جہانِ درد

شعلوں نے دلمیں آگ لگائی تھی آہ سے
سوزِ جگر نے پھونک دیا گلستانِ درد

تھے جتنے داغ بن گئے تارے شبِ فراق
دل پر گرا جو ٹوٹ کے اک آسمانِ درد

میں کیا بتاؤں ڈھونڈ لو پہلو میں آکے خود
کیوں بار بار پوچھتے ہو تم نشانِ درد

مہر سکوت تم نے لگا دی زبان پر
کیوں کر کرے بیان کوئی رازدان درد

دونوں رہیں گے ساتھ کہ ہے ربط باہمی
دل میں ہے درد اور ہے دل درمیان درد

آزردہ ہو کے اٹھ گئے آخر وہ بزم سے
قربان تھا بیان قیامت بیان درد

بنے میرے دشمن مروت کے بعد
یہ کیا ہو گئے تم محبت کے بعد

انہیں ہے عداوت محبت کے بعد
یہ ذلت ملی ہم کو عشرت کے بعد

سناتے ہیں ہم داستان فراق
قیامت ہے برپا قیامت کے بعد

وہ بیکار ہے قدر اس کی نہیں
ملے گر کوئی شے ضرورت کے بعد

ٹھکانے لگی آج محنت مری
کیا اس نے اقرار محبت کے بعد

گناہوں کے ڈر سے میں اب روؤں کیوں
رہی اس کی حاجت نہ رحمت کے بعد

گناہوں کی آخر سزا یہ ملی
ملی ہم کو جنت ندامت کے بعد

ہے انجام آغاز سے خوشگوار
ملی ہم کو راحت بھی کلفت کے بعد

رہی درد راحت کے جانے مزے
جو پا جائے صحت علالت کے بعد

کہاں تک کروں اس عنایت کا شکر
نمک پاشیاں ہیں جراحت کے بعد

شب وصل کیا شوق سے تنگ ہوں
اب اک اور حسرت ہے حسرت کے بعد

دل غمزدہ قابل دید تھا
محبت سے پہلے محبت کے بعد

گئے ہیں وہ قربان یہ کہہ کے آج
کہ تجھ سے ملیں گے قیامت کے بعد

میری گردن کی سنی تو نے نہ خنجر فریاد
اور تیزی سے چلا اس کی تو سن کر فریاد

بت تو سنتے ہیں مری اور نہ کچھ کہتے ہیں
تو ہی اب سن لے مری داور محشر فریاد

تیری رحمت نے مگر حشر میں عزت رکھ لی
بے اثر تھی مری اے داور محشر فریاد

تم نے وعدہ جو کیا ہم نہ ستائیں گے کبھی
رک گئی آ کے شب غم مرے لب پر فریاد

صبر سے بیٹھے تھے وہ کھول دئے منہ تو نے
زخم کرتے ہیں تجھے دیکھ کے نشتر فریاد

باہر آ کر جو کرو نالہ تو دنیا بھی سنے
بلبلو کرتی ہو کیوں باغ کے اندر فریاد

میری فریاد کا فریادرسی شاید تھا جواب
لے کے آیا ہے مرے پاس کبوتر فریاد

ہاتھ رکھ کر مرے منہ پر وہ یہ فرماتے ہیں | ہم بھی فریاد سنیں گے تری اب کر فریاد

کام قربان تری کچھ نہ فصاحت آئی
موم ان کو نہ کیا تو نے سنا کر فریاد

میری الفت سے لے سبق فرہاد | عشق کا درس ہے ادق فرہاد
عشق شیریں میں آہ یہ حالت | سینہ شق اور رنگ فق فرہاد
دی گئی شیریں تجھے مبارک باد | بے ستوں کو کیا ہے شق فرہاد
خون ٹپکا جو تیرے تیشے سے | آسماں پر بنا شفق فرہاد
تو بھی الفت میں اپنی صادق تھا | تجھ سے ہم کیوں نہ لیں سبق فرہاد
منہ سے جاری تھا نام شیریں کا | جان جب تک تھی اک رمق فرہاد
تیرا قصہ تھا سخت عبرتناک | سن کے ہم کو ہوا قلق فرہاد
تیرے مرنے کی سن جو لی ہے خبر | رنگ شیریں ہوا ہے فق فرہاد

حاضر قبر آج ہے قربان
لے کے پھولوں سے کچھ طبق فرہاد

رخ جو ہے آفتاب کی مانند | لب ہیں تیرے گلاب کی مانند
تیرا جلوہ چھپائے رہتی ہے | آنکھ میری نقاب کی مانند
سوز الفت میں تیری جلتا ہے | دل ہمارا کباب کی مانند
میری آنکھوں میں تیری آنکھوں نے | نقشہ آیا شراب کی مانند
آج دنیا میں پیش وہ آئے | مجھ سے روز حساب کی مانند
آنکھ اٹھتی ہے نہ کبھی اوپر | ہے حیا بھی نقاب کی مانند
یاد آئی ہے تیری یہ خوبی | آنکھ برسی سحاب کی مانند
ہم نے روز ازل جو دیکھا تھا | ہوئے بیٹھے ہیں خواب کی مانند
فصل جاتے کوئی نہیں دیکھی | ہم نے اپنے شباب کی مانند
شیب میں ہے ہوس کے چہرہ پر | روسیاہی خضاب کی مانند

زندگی جس کو کہتے ہیں قربان
صرف وہ ہے حباب کی مانند

بنا قفس بھی وہ ہی سے کے تیلیاں صیاد
کہ جن سے تو نے بنایا تھا آشیاں صیاد

کبھی کبھی مری سنتا ہے داستاں صیاد
خدا کا شکر ہوا۔ اب تو مہرباں صیاد

نظر نہ آئے سبھے اپنا گلستاں صیاد
غلاف ڈال قفس پر تو کر نہاں صیاد

سناؤں کیا تجھے میں اپنی داستاں صیاد
کہ تو سمجھ نہیں سکتا مری زباں صیاد

عبث کہ اب بھی تو رہتا ہے بدگماں صیاد
ہزار بار کیا میرا امتحاں صیاد

ذرا سی دیر قفس کو چمن میں رہنے دے
فراق گل میں ہوا ہوں میں نیم جاں صیاد

یہاں تو کوئی بھی اپنا نظر نہیں آتا
چمن سے لیکے تو آیا مجھے کہاں صیاد

جہاں گرے ہوں گلستاں میں پھول کملا کر
وہیں تو پھینکتا میری کبھی استخواں صیاد

ہوئے ہیں داغ محبت کے جب سے دل میں عیاں
قفس کو اپنے سمجھتے ہیں گلستاں صیاد

تو روز روز عنادل چمن سے پکڑے ہے
بنا ہے گویا حوادث کا آسماں صیاد

معاملہ ہے جو کچھ مجھ میں اور گلستاں میں
نہیں ہے تیرے سوا کوئی راز داں صیاد

خدا کے واسطے اتنی خبر تو دے لا کر
کہ اب بہار ہے گلشن میں یا خزاں صیاد

خزاں بھی جانے کو اور بھی بہار آنے کو
چھڑایا ایسے زمانے میں گلستاں صیاد

چمن میں یاد کوئی ہم صفیر کرتا ہے
کہ بار بار اب آتی ہیں ہچکیاں صیاد

ہماری آنکھ بھی کھلتی نہیں نقاہت سے
کیا ہے فرقت گل نے یہ ناتواں صیاد

کھٹک رہا تھا نشیمن مرا مگر تو نے
گرائیں سارے گلستاں پہ بجلیاں صیاد

نہ کیوں میں لطف اسیری اٹھاؤں اے اقبال
کہ پھر کہاں یہ قفس میں کہاں۔ کہاں صیاد

ٹھیرا دل بیتاب ہوئی اسکی زباں بند
بیمار محبت کی ہے اب آہ و فغاں بند

میخواروں کا آنا بھی ہوا اتو یہاں بند
میخانے کو اب اپنے تو کر پیر مغاں بند

مایوسی میں یہ حال ہے اب حسرت دل کا
جس طرح ہو آوارہ مکیں اور مکاں بند

ضد ان کو دم نزع کہ قصہ کہوں اپنا
اور میری یہ حالت کہ زباں بند بیاں بند

کیا ضبط نے کچھ دل کیطرح تجھ سے کیا ساز
آنسو جو ہوئے آج ترے چشم رواں بند

ممکن ہے ہو محشر میں گواہی کی ضرورت
پہلو میں سدا رکھتا ہوں اک زخم نہاں بند

اے باغباں قوت تری اسوقت ہو تسلیم
آئے نہ کبھی باغ میں ہو جائے خزاں بند

تقریر پہ تقریر کئے جاتا ہے اے دل ‎ رہتی نہیں کمبخت کبھی تیری زباں بند

مجبور محبت بھی عجب چیز ہے قرباں
پابند۔ نظر بند۔ زباں بند۔ دہاں بند

جب اس کی بو پسند نہ ہے اسکی خو پسند ‎ کیوں دل کو کر لیا مرے اے حیلہ جو پسند
آنکھوں میں آ گئے ضبط کے کتنے سو رک گئے ‎ آنسو بھی ہو گئے ہیں مرے آبرو پسند
پہلے عزیز تھی یہ ہیں اب مگر نہیں ‎ ہے جان سے زیادہ نہیں آبرو پسند
ہیں آرزوئے وصل کو کر دونگا دل سے دور ‎ تم کو نہیں اگر یہ میری آرزو پسند
کیا میرے دل کا حال فرشتے سنائینگے؟ ‎ تم کو نہیں ہے میری اگر گفتگو پسند
دشمن کی اور دوست کی تم کو نہیں تمیز ‎ فطرت تمہاری ہو گئی کیسی عدو پسند
قسمت تری کھلی کہ نصیبا ہوا بلند ‎ اے دل سنا ہے آ ہی گیا اُن کو تو پسند
یہ بھی تمہارے سوز محبت کا ہے طفیل ‎ زخموں کی میرے تمکو جو آتی ہے بو پسند

قرباں اپنی اپنی نظر اور پسند ہے
تجھ کو نہیں وہ پسند اُنہیں ہے عدو پسند

کیا ہوا۔ کیا نہ ہوا میرا خدا یا قاصد ‎ آج بھی کوچۂ جاناں سے نہ آیا قاصد
میرے مطلب کی خبر کوئی نہ لایا قاصد ‎ ہو کے ناکام در یار سے آیا قاصد
اُنکی خفگی کا مجھے حال سنایا قاصد ‎ تو نے تو اور مرے دلکو ستایا قاصد
دل کے خوش کرنیکو میرے تو ذرا نقل تو کر ‎ کسطرح اُنکو مرا حال سنایا قاصد
جانا آنا تو ترا روز رہا اُس در پر ‎ خط مگر دوست کا لا کر نہ دکھایا قاصد
اس طرح ہو کے خفا یار کے گھر سے آیا ‎ جسطرح موت کا پیغام ہو لایا قاصد
تیرے آنے سے ملی زندگی نو گویا ‎ عمر لوٹ آئی کہ تو لوٹ کے آیا قاصد
پھر مرا حال اُنہیں جاکے سنانا لیکن ‎ دیکھنا پہلے وہاں اپنا پرایا قاصد

تجھ پہ قرباں میں جاؤں کہ تری آنکھوں پر
اللہ اللہ تو اُنھیں دیکھ کے آیا قاصد

سب پر ہیں عیاں چار سو احسان محمدؐ ‎ کس طرح نہ دُنیا ہو ثنا خوان محمدؐ
گیسو کا ہوا عکس جو واللیل یقیناً ‎ والشمس ہے خال رخ تابان محمدؐ

یہہ نور شب ماہ تصدق ہے کسی کا
ہے عکس فگن شمع شبستانِ محمدؐ

توحید کا رستہ ہمیں بتلا دیا سیدھا
کس درجہ ہے اسلام پر احسانِ محمدؐ

تکمہ ہے گریبان کا اک عقدۂ پُر نور
اور مطلعِ انوار گریبانِ محمدؐ

محشر میں سفارش مری نانا سے کرینگے
حسنینؑ جو ہیں لختِ دل و جانِ محمدؐ

جا پہونچوں مدینہ میں یونہی مانگتا کھاتا
حامی ہوں مرے کاش گدایانِ محمدؐ

قربان شفاعت انھیں کرنی ہی پڑے گی
چھوڑوں گا نہ میں حشر میں دامانِ محمدؐ

خدا خود ہوا حرزِ جانِ محمدؐ
نہ کچھ کر سکے دشمنانِ محمدؐ

کوئی شان میں اسکا ہمسر ہو کیونکر
کہ شانِ الٰہی ہے شانِ محمد

چھپا کب جدا ماہِ کامل سے ہوگی
یہہ روشن رہے گا نشانِ محمدؐ

غرض عرش سے اور نہ کرسی سے مطلب
ہے تکیہ مرا آستانِ محمد

کوئی اور قصہ نہ ہرگز سنوں گا
سنا تو مجھے داستانِ محمدؐ

زبانِ عرب میں ہے قرآن اُترا
زبانِ خدا ہے زبانِ محمدؐ

صلہ مدح خوانی کا خلدِ بریں ہے
بہشتی ہیں سب واصفانِ محمد

یہ اعزاز کچھ کم نہیں ہے عزیزو
کہ قرباں بھی ہے مدح خوانِ محمدؐ

ہر گل میں ہے عکسِ رُخِ نیکوئے محمدؐ
ہر غنچہ میں پیوستہ ہے خوشبوئے محمدؐ

ہے طور کے شعلہ میں نہاں موئے محمدؐ
کیا تاب جو دیکھے کوئی گیسوئے محمدؐ

خلوت کدۂ پاک میں صلواۃ کا غل تھا
پردے کے مقابل ہوا جب رُوئے محمدؐ

کیونکر ہو میسر درِ اقدس کی غلامی
جبریل ہے جاروب کشِ کوئے محمدؐ

عقبیٰ بھی ملی مل گئی دنیا بھی اسی کو
جو شخص ہوا دل سے رضا جوئے محمدؐ

پامال ہوں سب ہاتھ لگائے کفِ پا کو
نادیدہ ہوں میں کشتۂ ابروئے محمدؐ

خالق نے خطاب آپکو محبوب کا بخشا
کس درجہ ہے مقبولِ خدا خوئے محمدؐ

واپس نہ کبھی آؤں میں پھر جا کے وہاں سے
دکھلائے خدا کاش سبے مجھے کوئے محمدؐ

رکھتا ہی بس اصلاح میں ہاتھ اپنا ستپ روز
چوگانِ قضا زیرِ سرِ کوئے محمدؐ

ہوتے ہیں اُدھر قافلہ پر قافلہ راہی
قرباںؔ کبھی تو بھی تو چل سوئے محمدؐ

وَالشمس ہے وہ چہرۂ زیبائے محمدؐ | وَالیل ہے وہ گیسو دل آرائے محمدؐ
طوبیٰ چمن خلد میں اک سایہ ہے اُسکا | اے صل علیٰ قامت رعنائے محمدؐ
کیونکر نہ اُسے دعویٰ رفعت ہو فلک سے | اک رات سر عرش پہ تھا پائے محمدؐ
کر سکتا کسی کام کا کب عقل کل آغاز | ہوتی نہ شریک اُسکے اگر رائے محمدؐ
جز بخشش اُمت نہ کیا حق سے طلب کچھ | قربان سر ہمت والائے محمدؐ
بر لائے خدا کاش یہ دلکا مرے ارماں | ہو پیش نظر روضۂ زیبائے محمدؐ

قرباںؔ ہے اب اور تمناؤں سے بیزار
دلمیں ہے فقط اس کے تمنائے محمدؐ

ایسی ہے شان مصطفےٰ صل علیٰ محمدؐ | جس کی ثنا کرے خدا صل علیٰ محمدؐ
شافیٔ علت ریا دافع محنت و بلا | ادنیٰ ہے تیرا معجزہ صل علیٰ محمدؐ
گلشن خلد کا شجر گلبن خلد کا ثمر | شوکت دین کا صلا صل علیٰ محمدؐ
کھلتا ہے باغمیں جو گل ہوتی ہے ائیں تیری بو | نغمہ ہے عندلیب کا صل علیٰ محمدؐ
ہادیٔ راہ کبریا رہبر جملہ انبیا | تیرا بڑا ہے مرتبہ صل علیٰ محمدؐ
دلسے پڑھے درود جو غم میں ہو کوئی مبتلا | بس یہ ہی اُسکی ہے دوا صل علیٰ محمدؐ

قرباںؔ خاکسار کو بندۂ جاں نثار کو
ورد ہے رات دن شہا صل علیٰ محمدؐ

ہے سب سے تیرا افضل ساماں یا محمدؐ | شاہوں سے تو ہے بڑھ کر ذیشان یا محمدؐ
مشرق میں نور تیرا مغرب میں تیرا جلوہ | ہے شش جہت میں تیرا فیضان یا محمدؐ
معراج میں خوشی سے کیونکر طلب نہ کرتا | عاشق تھا دل سے تیرا رحمان یا محمدؐ
روح القدس ہی تیرے روضہ کا ایک چاکر | رضواں ہے تیرے درکا دربان یا محمدؐ
جنت کی راہ ہم کو تو نے بتائی سیدھی | بے حد ہے تیرا ہم پر احسان یا محمدؐ

قرباںؔ کا یہ ہر دم ہر آن ہے وظیفہ
قربان یا محمدؐ قربان یا محمدؐ

ردیف ڈ

تجکو ہے یار ابروئے خمدار پر گھمنڈ
دنیا کو پھر ہوا کرے تلوار پر گھمنڈ

اتنا غرور حسن پہ ہوگا نہ غیر کو
جتنا ہے تجکو شعلۂ رخسار پر گھمنڈ

ہے بات کونسی نہیں جس پر تجھے غرور
رفتار پر گھمنڈ ہے گفتار پر گھمنڈ

ہونا ز عاشقوں پہ تو وہ ناز ہے بجا
زیبا نہیں ہے آپ کو اغیار پر گھمنڈ

تجکو بھی سخت جانی پہ اتنا ہی ناز ہے
جتنا ہے اپنی آپ کو تلوار پر گھمنڈ

ہے انکا اک سخن دم عیسیٰ سے بھی سوا
پھر کیوں کریں نہ اپنی وہ گفتار پر گھمنڈ

گلچین کی آستین کو جیب سے پکڑ لیا
بلبل کو اب ہے گل سے سوا خار پر گھمنڈ

قمری کو سرو پر بھی ہوگا وہ ناز و فخر
جتنا ہے ہم کو قامت دلدار پر گھمنڈ

توڑے گا ایک روز وہ تیرا غرور بھی
قرباں کرکے بیٹھا ہے جس یار پر گھمنڈ

ردیف ذ

یہ سمجھتے ہیں اسے ہر دم لذیذ
ہوگیا زخموں کو اب مرہم لذیذ

اہل دل سے اسکی لذت پوچھئے
ہے خوشی سے کچھ زیادہ غم لذیذ

رکھتا ہے اس سے ہمیشہ تر زباں
ہے مگر گل کو بہت شبنم لذیذ

وہ ہی کرتی ہے زیادہ فائدہ
جو دوا ہے ذائقہ میں کم لذیذ

اپنا اپنا ذوق ہے یہ ہمنشین
عیش تجھ کو ہے تو ہمکو غم لذیذ

تیرے نالے قلب مضطر خوشگوار
ہیں مرے آنسو دیدۂ پرنم لذیذ

دل کچھ اس سے ہے سوا ہمکو پسند
جام تھا جیسا تجھے اے جم لذیذ

مے ہے دست غیر سے قرباں کو زہر
اور تیرے ہاتھ سے ہے سم لذیذ

بہت ناقص لکھا کاتب مری تقدیر کا کاغذ
پڑھا جاتا نہیں ہرگز تری تحریر کا کاغذ

شرارت کا سبب تہا یا مری قسمت کا باعث تھا
کیا ہے چاک کیوں اسنے مری تحریر کا کاغذ

مرقع کھینچکر اس میں تری صورت کا رکھا ہے
بنایا دل کو ہم نے ہے تیری تصویر کا کاغذ

مرے قاتل کا غصہ بڑھ گیا مظلوم پر ناحق
لکھا تھا خونِ قاتل سے مری تعزیر کا کاغذ

تجھے اے شیخ میں خطِ غلامی آج ہی لکھدوں
جو تو لادے شرابِ ناب کی تطہیر کا کاغذ

وہ میرا خط پڑھیں اور لکھیں بھی دیں فوراً جواب اسکا
نہ اس تقدیر کا میں ہوں نہ اس تدبیر کا کاغذ

فلک پر دیکھے نقطے رات کو پیدا کئے انجم
بنایا آہ نے یوں آسمانِ پیر کا کاغذ

قیامت سے بھی پہلے دھو دیا کیا شانِ رحمت ہے
مرے اشکِ ندامت نے مری تقصیر کا کاغذ

یہ کہہ کر اُسنے اے قرباں مرا خط کردیا واپس
پڑھا جاتا نہیں ہم سے تری تحریر کا کاغذ

کھال کا میری بنا لو یہ ہے سستا کاغذ
نامہ لکھنے کو نہیں گر نہیں ملتا کاغذ

میں تو سمجھا تھا لکھا اُس نے ہے کیا کیا اسمیں
خط جو کھولا تو لفافہ میں تھا سادا کاغذ

ایک بھی بات نہیں اپنے موافق نہ ملی
ہر طرف کو ترا لکھا ہوا اُلٹا کاغذ

کاتبِ بخت کی تحریر پڑھی ہی نہ گئی
کس زباں میں مری تقدیر کا لکھا کاغذ

ہو بہو جیسے ہو تقدیر کا میری لکھا
اُلٹا سیدھا تھا لکھا یار نے ایسا کاغذ

دھوئے گی دفترِ تقصیر خدا کی رحمت
کیوں فرشتے یہ مرا کرتے ہیں میلا کاغذ

صاف انکار میں گو کرتا رہا حشر کے روز
کانپ اُٹھا آگے جب اعمال کا آیا کاغذ

تو نے کیوں کاتبِ تقدیر نہ کی مجھ پہ نظر
جبکہ لکھنے کو ترے سامنے آیا کاغذ

خوب دیکھا کہیں باقی نہ تھی گنجائشِ عذر
اپنے اعمال کا قرباں جو دیکھا کاغذ

ردیف ۔ ر

رہو آنکھوں میں پتلی بنکے پتلی میں نظر ہو کر
سما جاؤ مرے پہلو میں دل بنکر جگر ہو کر

ہنر کو عیب تم کہنے لگے اہلِ نظر ہو کر
ہنر اب کیا جچیگا ان نگاہوں میں ہنر ہو کر

ہوس ہے خوابِ عشرت کی کئے رہتا ہوں بند آنکھیں
نظر آجائے کوئی کاش رؤیائے سحر ہو کر

فلک نے بھی ترے عکسِ رخِ روشن کی چوری کی
چمکتا رہتا ہے عالم میں گنجورِ قمر ہو کر

وہ اب چھپنا بھی گر چاہیں تو ہم سے چھپ نہیں سکتی
رہیں گی تیلیاں چلمن میں بھی تارِ نظر ہو کر

شبِ فرقت کو کیا سمجھے ہو تم ہے اک بلا یہ بھی
نگاہِ شوق کا بار اُن کو کھلنے کھیلنے کیا دے
ہے دلمیں داستانِ عشق اور ایکدل قیامت کا
بطِ مے بزمِ دشمن میں اگر ہو گی تو بو دے گی
بلائے ٹھوکریں کھائیں عدو کی آبرو جائے
تری پیکر کو قدرت نے بنایا ایسی ساعت میں
ہزاروں آرزوئیں حسرتیں ارمان مدفوں ہیں
سبھے تارِ نظر آئے لحد کی تیرگی میں بھی
ہوائیں جیتے جی باندھیں بہت بیدادمیثوں نے
ضیائے حسنِ یوسف تھی کہ حسرت تھی زلیخا کی

قیامت ڈھائیگی یہ رات ہی اکدن سحر ہو کر
غضب میں آئے وہ غنچہ دہن نازک کمر ہو کر
بہت بے لطف ہو جائے گا قصہ مختصر ہو کر
کباب دل کی صورت سیخ پر یہ سیخ پر ہو کر
پڑے ہیں رہگذر میں خشت و سنگ رہگذر ہو کر
رہا مقبول دنیا میں تو منظورِ نظر ہو کر
بنایا مقبرہ دل کو کسی نے فتنہ گر ہو کر
جو آیا شمع رو تربت پہ کوئی نوحہ گر ہو کر
مگر دنیا سے وہ گذرے تو محروم اثر ہو کر
رہی جو دیدۂ یعقوب میں نورِ نظر ہو کر

غزل قربان[1] و احمد[2] کی بہت چمکی نمائش میں
قربان[1] و احمد[2] سہارنپوری
بھلے دنیا میں شاگردِ عزیز نامور ہو کر

کر کے بیداد نہ کہہ شکوۂ بیداد نہ کر
شکوۂ جور و جفا اے دلِ ناشاد نہ کر
صبر کر صبر ذرا دیکھ لوں صورت تیری
ہو گیا اُنس اسے اپنے قفس سے صیاد
نہ چھڑا فصلِ بہاری میں گلستاں اُس نے
اے صبا بہرِ خدا خاکِ لحد کو نہ اڑا
تو گرفتار ہیں آجائیں گے آداب قفس
سامنے اُس کے بھلا تیری حقیقت کیا ہے
آشیانے کو مرے اُس نے کیا ہے برباد
اے صبا بوئے چمن آپ ہی اُڑ جائیگی
ہجر میں موت کی ہچکی بھی نہ آئی مجھکو

تو ہی یہ ظلم و ستم اے ستم ایجاد نہ کر
دیکھ بے رحم کو آمادۂ بیداد نہ کر
سر جدا کرنے میں جلدی ستم ایجاد نہ کر
روح کو قیدِ بدن سے مری آزاد نہ کر
بلبلوں پر ستم و جور یہ صیاد نہ کر
رحم کر رحم تو مٹی مری برباد نہ کر
ظلم مرغانِ چمن پر ابھی صیاد نہ کر
سرکشی قامتِ دلدار سے شمشاد نہ کر
اے خدا خانۂ صیاد کو آباد نہ کر
صفت الزام نہ دے تو اسے برباد نہ کر
کہہ دیا موت سے بھی اُسنے اسے یاد نہ کر

کفر ہے مذہبِ الفت میں شکایت قربان
گلۂ جور نہ کر شکوۂ بیداد نہ کر

رہیں گے آج سے ہم بھی کسی کے آشنا ہو کر
اگر ملتے ہو غیروں سے ملو تم بے وفا ہو کر

نگاہیں اس نے پھیریں بے مروت بیوفا ہو کر
ہوا نا آشنا ہم سے وہ عالم آشنا ہو کر

دکھایا دل مرا بیداد گر نے بے وفا ہو کر
ڈبایا کشتیِ راحت کو میری ناخدا ہو کر

میری شامت کہ میں نے غیر کا شکوہ کیا اُن سے
بگڑ بیٹھے چڑھائے تیور اٹھ بیٹھے خفا ہو کر

ستانا ہر گھڑی اچھا نہیں ہے اپنے عاشق کا
دُعا لگ جائیگی آخر کسی کی بد دعا ہو کر

خبر دیتی ہے گویا کوچ کی جسدم نکلتی ہے
نفس سے آمد و شد کی صدا بانگِ درا ہو کر

پھرے ہے گونجتا صحرا میں ہر سو نالۂ موزوں
صدائے قیس ہو کر نغمۂ بانگِ درا ہو کر

مسل کر دل تمناؤں کا میری خون کرتے ہو
لپٹ جائے نہ حسرت دستِ نازک سے حنا ہو کر

کوئی دانا بچے کیا گردشِ گردونِ گرداں سے
یہ ظالم پیستا ہے سبکو سنگ آسیا ہو کر

نظر اٹھتی نہیں آگے کسی کے اہلِ عصمت کی
کہ اُن کی آنکھ میں شوخی بھی آتی ہے حیا ہو کر

فنا ہو کر ہوا حاصل بقا باللہ کا رتبہ
اُٹھایا زندگی کا لطف قرباں نے فنا ہو کر

سدھارا قافلہ گل کا خزاں آئی ہے گلشن پر
ہیں نالاں بلبلیں بیٹھی ہوئی شاخِ نشیمن پر

اثر کچھ ان کے دل میں کر دیا دردِ محبت نے
کہ آئے وہ پریشاں اشک ریزاں میرے مدفن پر

کیا ہے قتل کس بیکس کو ظالم آج مقتل میں
پڑی ہیں خون کی چھینٹیں ہزاروں تیرے دامن پر

اگر پردہ اٹھا دو تم لبِ بام آ کے چہرے سے
گماں ہو ماہِ تاباں کا تمہارے روئے روشن پر

میری ہستی کو اے دستِ فلک محفوظ کر لینا
گرانی بجلیاں منظور تھیں گر میرے خرمن پر

اگرچہ یہ بتانِ سنگدل پتھر کے ٹکڑے ہیں
گرا دیتے ہیں آنسو آنکھ سے عاشق کے شیون پر

کریگا ٹکڑے ٹکڑے دیکھئے جھٹکا ہاتھ وحشت کا
بھروسہ چارہ گر رکھتا ہے کیا زنجیرِ آہن پر

کہیں خونِ وفا کے داغ بھی دُھلنے سے دُھلتے ہیں
یہ دھبے حشر تک قاتل رہینگے تیرے دامن پر

ہے اب حد سے سوا شوقِ شہادت مرنے والوں کو
خدا کے واسطے قاتل چلا دے تیغ گردن پر

پسِ مُردن بھی دونوں نے نہ چھوڑا ساتھ دونوں کا
ہماری قبر پر حسرت ہے ارماں دل کے مدفن پر

اجازت بلبلوں کو باغباں اتنی نہیں دیتا
نظارہ گل کا کرلیں بیٹھکر دیوارِ گلشن پر

نہ پایا چین ہم نے جیتے جی ایذا دہندوں سے
مرے تو دو فرشتے ادر بیٹھے موجود مدفن پر

خفا کیوں ہو پسِ مُردن گنہگارِ محبت سے
کبھی آتے نہیں تم فاتحہ پڑھنے بھی مدفن پر

نگاہِ ناز نے قاتل کی قرباں ذبح کر ڈالا
چلادی جب چھری اللہ اکبر کہہ کے گردن پر

حاضر ہوا ہوں صابری دیکھ کر کر — مجھ پر نگاہِ لطف ہو سرکار دیکھکر
کعبہ سے کیوں پھرا درد دیوار دیکھکر — جاتا تھا شیخ جلوۂ دیدار دیکھکر
اس نے اٹھائی تیغ جو مجھ بے قصور پر — آئی صدائے غیب جفا کار دیکھ کر
کھائی ہیں سالکانِ طریقت نے ٹھوکریں — زاہد پھسل پڑے تری رفتار دیکھکر
بلبل خزاں میں رنگ اُڑیگا بہار کا — کیا شاد ہے تو باغ کو گلزار دیکھکر
بے وجہ ناچتے نہیں طاؤس باغ میں — آئے ہیں رقص میں تری رفتار دیکھکر
اے چارہ گر سمجھ کے ذرا لیجئے علاج — ہنستے ہیں زخم مرہم زنگار دیکھکر
کیا لطف ہے یہاں سر سودا نہیں رہا — اور دل پہ ٹوٹتے ہیں خریدار دیکھکر
عاشق ہزاروں مر گئے سر پھوڑ پھوڑ کر — ثابت ہے حالت در و دیوار دیکھکر
کس منہ سے اُنکے جور و جفا کا گلہ کروں — بیداد اس نے کی ہے وفادار دیکھکر
موسیٰ کی طرح ہم بھی جو بیہوش ہوگئے — نکلے گی خاک حسرت دیدار دیکھکر
کھوٹے کھرے سخن کو پرکھتے ہیں ذی ہنر — لیتے ہیں لعل و دُر کو خریدار دیکھکر
زلفوں کو اُس کی دیکھ کے رُخسار دیکھئے — سیر حلب بھی کیجئے تاتار دیکھکر
دیکھے کوئی جو دیدۂ وحدت سے باغ دہر — حاصل ہو۔ ایک کیف گل و خار دیکھکر

قرباں حسن بھی ہے عجب جنس دلفریب
کب چھوڑتا ہے اُس کو خریدار دیکھ کر

نظروں میں مری کوئی سماتا ہی نہیں اور — دیکھا نہ زمانے میں کہیں تجھسا حسیں اور
دیکھوں ہیں شب وصل نہیں پہلو میں اپنے — کچھ اس کے سوا دل کی تمنا ہی نہیں اور
تم سے ہی تو اُمید تھی دنیا میں کرم کی — دُکھ دینے لگے دلکو مرے ہائے تمہیں اور
اللہ رے اُس جلوہ گہِ ناز کے اعجاز — آنکھیں تھیں کہیں اور مرا دل تھا کہیں اور
تیار ہزاروں ہیں ابھی بننے کو موسے — ہاں ایک جھلک پردے سے اُو پردہ نشین اور
یہ کیف۔ یہ مستی۔ یہ چھلکتی ہوئی نظریں — کچھ اور ہیں آنکھیں تری ہیں آہوئے چیں اور
جانے کیلئے بیٹھے تھے ہم اور کہیں کو — لے جاتا ہے رہوارِ قضا ہم کو کہیں اور

مردود ہو سجدہ جو کرے جز ترے در کے
ہرگز نہ جھکے گی یہ کہیں میری جبیں اور

راحت میں بھی تکلیف میں بھی تجھ پہ نظر ہے
ملجا و ماوا کہیں جز تیری نہیں اور

سمجھے ہوئے تھے ہم تو درِ دوست کو جنت
زاہد نے کہا ہم سے کہ ہے خلد بریں اور

کہتے نہ تھے قربان نہ کر اُن کی تمنا
کرتا ہے کوئی عجز تو کھنچتے ہیں حسیں اور

پھاہا مرے زخموں پہ نہ رکھ غنچہ دہن اور
بڑھ جائیگی اس سے تو مرے دل کی جلن اور

ہے دفن مرے ساتھ میں اک لاشۂ دل بھی
رکھدیجئے ہمراہ مرے ایک کفن اور

پہلے ہی کسی شوخ سے لوں حشر کا وعدہ
دلکو ہے مرے آج نئی ایک لگن اور

پھیلے ہوئے پھولوں سے دہن مانگ کے لا آ
منظور ہے لڑنا جو تجھے غنچہ دہن اور

تقلیدِ فلک کرتے ہیں بیداد میں ہر روز
وہ سیکھ کے آئے ہیں نیا ایک چلن اور

ہوتا ہے نمک پاش جو زخموں پہ وہ ہنس کر
خوش ہوتا ہے اُس سے یہ مرا داغ کہن اور

بدلے تری محفل میں تمناؤں نے پہلو
میں کہہ گیا کچھ اور تھا۔ کچھ روئے سخن اور

گل داغِ محبت کے ہوئے سینہ میں شاداب
یہ باغ میں الفت کے کھلا ایک چمن اور

قربان نے کیا خوب عناصر میں اضافہ
اک عنصرِ الفت کو کیا جزوِ بدن اور

گرتا ہے جیسے شمع پہ پروانہ ٹوٹ کر
بنتِ عنب پہ یوں گرا مستانہ ٹوٹ کر

ساقی نے عذرِ جام کیا میکدہ میں جب
پیمانہ بن گیا دلِ مستانہ ٹوٹ کر

خرمن پہ گل کے برقِ خزاں ٹوٹکر گری
بلبل گرا نہ کیوں ترا کاشانہ ٹوٹ کر

نکلی ہیں میرے قصہ سے شاخیں ہزارہا
افسانے سو ہوئے مرا افسانہ ٹوٹ کر

سوزِ غمِ فراق کی جب بجلیاں گریں
مسمار ہو گیا دلِ دیوانہ ٹوٹ کر

قایم اسی طرح جو رہی نوک جھونک روزنے
رہجائیگا مرا دلِ دیوانہ ٹوٹ کر

تسبیحِ شیخ چلتی ہے میخانے میں مدام
کعبہ بنے گا کیا کوئی بتخانہ ٹوٹ کر

جبتک ہو مجاز حقیقت ہے بے حصول
کعبہ بنا ہے دہر میں بتخانہ ٹوٹ کر

قربان پوچھ ساقی سے کیوں اتنی مست ہے
کیا مل گیا ہے آنکھ میں میخانہ ٹوٹ کر

زباں پہ لا تو نہ اپنے شکوہ خدا خدا کر خدا خدا کر
کہ عاشقوں کا نہیں یہ شیوہ خدا خدا کر خدا خدا کر

خدا جو دل میں تری بسا ہے زباں سے بھی اپنی تو خدا کہہ
اگر تجھے عشق کا ہے دعویٰ خدا خدا کر خدا خدا کر

کوئی جو تکلیف تجھ پہ آئے کوئی جو آفت تجھے ستائے
تو یاد کر لے یہ ہی وظیفہ خدا خدا کر خدا خدا کر

خدا کا بندہ تو دل سے ہو جا۔ تو چھوڑ دنیا کا جھوٹا دھندہ
بتوں کی الفت کا کر نہ دعویٰ خدا خدا کر خدا خدا کر

تو چاہے غم سے جو چھوٹ جانا۔ نجات رنج و الم سے پانا
تو بندگی کو بنا لے پیشہ خدا خدا کر خدا خدا کر

تو دیکھ تجکو ہے کیا وہ دیتا۔ تو دیکھ پھر تجکو کیا ہے ملتا
خدا کا بن جا۔ خدا کا ہو جا۔ خدا خدا کر خدا خدا کر

تو صاف کر دل جو دل کا شیشہ جو دور اسکا تو زنگ کر لے
تو دل میں روشن ہو تیرے جلوہ خدا خدا کر خدا خدا کر

تو کر نہ ہونے کا اتنا دعویٰ کہ وہ تو پیغمبر خدا تھے
کہاں ہے تو اور کہاں ہے موسیٰ خدا خدا کر خدا خدا کر

تو نام لے جو زباں سے نکلا نہیں تو قرباں تو نکا بندہ
خدا کا بندہ۔ خدا کا بندہ۔ خدا خدا کر خدا خدا کر

چل دیئے سب رفتہ رفتہ خوش نوایانِ بہار
اب کہاں بزم چمن میں رازدارانِ بہار

بلبلیں مر کر ہوئیں رشکِ شہیدانِ بہار
مقتلِ گلشن بنی ہے عید قربانِ بہار

داغ بن بن کر شگفتہ ہے ہر ارمانِ بہار
دیکھ لو دل میں مرے آ کر خیابانِ بہار

ہے یہ تاکیدِ خزاں برہم ہو سامانِ بہار
میرے ہوتے اور دنیا میں بڑھی شانِ بہار

چونچ میں اپنی لئے پھرتی ہے سامانِ بہار
اے زہے منقارِ بلبل اور دامانِ بہار

میں ہی وجہ تازگی ہوں میں ہی ہوں وجہ شگفت
باغ ہستی میں مرے دم سے ہے سامانِ بہار

جسطرح ممکن ہو آزادی کی سب کوشش کریں
اے اسیرانِ قفس ہے آج فرمانِ بہار

گلشنِ الفت میں مل جلکر کریں گے روشنی
داغ دل میرے بنیں گے سب چراغانِ بہار

دستِ گلچیں و خزاں سے جب بچا سکتا نہیں
باغباں پھر کیوں بنا ہے تو نگہبانِ بہار

کیوں تو اتراتی ہے بلبل چند روزہ عیش پہ
چاک کر دیگی خزاں اک دن گریبانِ بہار

غنچہ و گل سنبل و لالہ سمن اور نسترن
سب فنا ہونے کو ہیں جتنے ہیں سامانِ بہار

ہو گیا قرباںؔ ہر دیوانۂ گلشن اسیر
رنگ اب کس کو دکھائیں نو عروسانِ بہار

دل پہ ہوئی ہے کیسی یہ بیداد بے خبر
سر پہ پڑی ہے عشق کی افتاد بے خبر

جنت بنائی اور نہ راس آئی اس کی سیر
تھا اپنی موت و زلیست سے شداد بے خبر

سب اپنی زندگی کے مزے بھول جائیگا
جس دن اجل نے تجھ کو کیا یاد بے خبر

اے دل یقیں تجھ پہ ستم پھر نہ وہ کریں
سن لیں جو وہ کبھی تری رُوداد بے خبر

انجام کار اس کو اٹھانا پڑا ملال
تھا رسم عشق سے دل ناشاد بے خبر

آئی خزاں بہار گئی چپ ہیں بلبلیں
اب ہے ہر ایک طائر برباد بے خبر

دی اپنی جان الفت شیریں میں کوہ پر
انجام عشق سے رہا فرہاد بے خبر

کرتا ہے بے گناہ جو اہل وفا کو قتل
شاید ہے روز حشر سے جلاد بے خبر

ہشیار ہے کہ کھل نہ گیا ہو در قفس
رہتا نہیں اسیر سے صیاد بے خبر

قرباں بتوں کو چھوڑ کے نام خدا بھی لے
کیوں اپنی زیست کرتا ہے برباد بے خبر

چل گیا حلق پہ میرے بھی تمہارا خنجر
خون کا پیاسا تھا مدت سے ادا کا خنجر

ہم سمجھتے ہیں یہ خنجر ہے انوکھا خنجر
آپ رو کے ہی رہیں اپنی ادا کا خنجر

رحم کرتا ہی نہیں جان پہ عاشق کے کبھی
کس بلا کا ہے ترا خون کا پیاسا خنجر

دست نازک میں نہیں قتل کی طاقت شاید
کیوں پڑا آ کے مری حلق پہ ہلکا خنجر

بیکسی گو کہ مری کر لی رہی منع اسے
بے دھڑک ہو کے مگر اس نے چلایا خنجر

کاٹ کر میرا گلا رنج سے دی مجھکو نجات
کر گیا میرے غم دل کا صفایا خنجر

اُف رے یہ مشق ستم اُف رے یہ انداز جفا
حلق سے تا بہ جگر اس نے اُتارا خنجر

نیم جاں چھوڑ گیا جان ابھی باقی ہے
چل دیا چھوڑ کے کیوں مجھکو تڑپتا خنجر

دیکھتے دیکھتے نہلا دیا خوں میں مجھکو
لاؤ آنکھوں سے لگا لوں میں تمہارا خنجر

ایک ہی وار میں سر تن سے کیا میرا الگ
تیز لایا تھا وہ قرباں بلا کا خنجر

چلاؤ چلاؤ اداؤں کے تیر
لگاؤ لگاؤ جفاؤں کے تیر

کسی نے لگائے جفاؤں کے تیر
کسی نے لگائے اداؤں کے تیر

کرینگے اسے غیر برداشت کیا
لگاؤ ذرا آشناؤں کے تیر

فقط ہیں یہ مخصوص میرے لئے
تری شوخیوں اور جفاؤں کے تیر

ادا اور عشوہ جفا اور ناز
یہی ہوتے ہیں دلرباؤں کے تیر

مجھے آہ کرتے جو دیکھا کہا / چلاتے ہو کیوں تم ہواؤں کے تیر
ہدف تو نے عشاق کو کیوں کیا / لگے دل میں کیوں بچھتاؤں کے تیر

خدا اب ہے حافظ دلِ زار کا
کہ لگتے ہیں قرباںؔ جفاؤں کے تیر

مٹا دے جب مجھے چاہے زمانہ آسماں ہوکر / کبھی نالہ نہ میرے دل سے نکلے گا دھواں ہوکر
میں شرمندہ ہوا جاتا ہوں اُسنے ناتواں ہوکر / بہت پیچھے رہا جاتا ہوں گردِ کارواں ہوکر
تمہارے وصل کی حسرت جو آئے مہماں ہوکر / تو دل کا غم کرے کچھ روز خدمت میزباں ہوکر
عبث بلبل تو گلشن میں یہ تنکے چنتی پھرتی ہے / رہیگا بجلیوں کی نذر اک دن آشیاں ہوکر
اشارہ پاتے ہی عاشق تمہاری سر کے بل آئیں / بلا کے تم انہیں دیکھو کسی دن مہرباں ہوکر
ابھی سے ہے یہ فتنہ کل قیامت کیا یہ ڈھائیگا / لڑکپن جن کا ایسا ہے وہ کیا ہونگے جواں ہوکر
دیا ہے نطق جب حق نے تو پھر خاموش رہنا کیوں / سب اُسنے حالِ دل کہدے نہ رہ تو بیزباں ہوکر
مرے دل میں سما جاؤ مری آنکھوں میں آجاؤ / نہیں ہر شان کچھ اچھی پھرو تم بے مکاں ہوکر
یہی ہے انقلاب۔ اسکا ہی گردش نام ہے شاید / نشیمن کے رہے تنکے قفس کی تیلیاں ہوکر
ڈبویا نام اُس نے اور بھی اہلِ محبت کا / کیا منصور نے یہ کام کیسا رازداں ہوکر
یہ ہر صورت ہر انساں کو رہا دکھ بزمِ ہستی میں / رہا دنیا میں کوئی بھی کسی دن شادماں ہوکر

نہ کر اولاد کا کچھ غم کہ یہ تو ہوتی آئی ہے
گئے قرباںؔ اس دنیا سے لاکھوں بے نشاں ہوکر

توڑے ستم ہزارہا تم نے ہماری جان پر / آیا مگر کبھی گلا اسکا کوئی زبان پر
اُن کو دکھا کے آئینہ محوِ غرور تو نہ کر / رہنے دے آئینہ کو تو آئینہ گر دوکان پر
فصلِ خزاں کی ہے نمود۔ موسمِ گل ہوا وداع / بیٹھا ہوا ہے باغباں چمن سے کس گمان پر
آپ وفا کا امتحاں شوق سے لیں ضرور لیں / اُتریںگے پورے ہم ضرور آپکے امتحان پر
دیکھا ہے ہمنے پہلے بھی بھولے نہیں ہیں راہ کو / خون بہا ہے بارہا پانوں کے ہر نشان پر
اتنا غرور کر نہ تو حسن ہے تیرا عارضی / ہنسنا پڑے گا ایکدن ہمکو ترے گمان پر
آج تو میری داستاں سن لے مری زبان سے / دار و مدارِ لطف ہے صرف مرے بیان پر
قرباںؔ خموش ہم رہے کھائیں نظر کی چٹکیاں / عشق کا رازِ عاقبت کھل گیا سب جہان پر

زلف کے مارے ہوئے حسن کے حیرانوں پر
رحم کیوں کرتے نہیں اپنے پریشانوں پر

عفو منظور ہے تجھ کو تو فرشتے ہر دم
میرے اعمال لکھا کرتے ہیں کیوں شانوں پر

رنج دیتی ہے یہاں کیوں یہ بلا کر دنیا
کوئی کرتا نہیں سختی کبھی مہمانوں پر

شمع رو کرتا نہیں فخر تو ہم پر اتنا
جسقدر ناز ہے اس شمع کو پروانوں پر

گرم ہوتی رہی بزم فسانوں سے میرے
اوس پڑتی ہی رہی قیس کے افسانوں پر

غیر کی روک نہیں اور یگانوں پہ ہے قید
ہم کو آتی ہے ہنسی تیرے نگہبانوں پر

جو حوادث سے زمانہ کے نہ ڈرتے تھے کبھی
بجلی اک روز گری اُنکے ہی کاشانوں پر

انکی باتیں بھی نئی اور ہے وحشت بھی نئی
ہو نہ مستوں کا گماں آپکے دیوانوں پر

مغفرت کا ہی قربانؔ ہنیں گے ساماں
ظلم ہوتے ہیں بتوں کے جو مسلمانوں پر

رہنے کو ملی ہائے نہ دنیا کوئی دن اور
حسرت تھی کہ دیکھیں یہ تماشا کوئی دن اور

میں نے جو کہا آج کرو وصل کا وعدہ
کہتے ہیں کہ اس کام سے ملنا کوئی دن اور

وعدے میں صداقت جو ذرا بھی ترے ہوتی
ملنے کے ترے کرتے تمنا کوئی دن اور

ممکن تھا کہ وعدہ کو وہ ایفا کبھی کرتے
ہمنے نہ کیا ان سے تقاضا کوئی دن اور

معلوم جو ہوتا کہ ترا وصل ہے ممکن
دنیا میں ترے واسطے رہتا کوئی دن اور

اغیار کی ہمراہ مناسب نہ تھا ملنا
ملنے کو مرے واسطے ہوتا کوئی دن اور

پھر نوح کا طوفان بپا ہوتا جہاں میں
آنسو جو میں آنکھوں سے بہاتا کوئی دن اور

ہے زندگی دو دن کی تو کس طرح یقین ہو
اس عالم فانی میں ہے رہنا کوئی دن اور

دنیا سے اگر جاکے وہ پہلے کبھی آتا
تو دیکھتے قربانؔ کا رستہ کوئی دن اور

سر پہ آتی ہے شب غم مری قاتل ہوکر
یہ بلا ٹل نہیں سکتی کبھی نازل ہوکر

میں تو مقتل ہی میں مرنے کیلئے آیا تھا
یہ خبر کیا تھی کہ رہ جائے گا بسمل ہوکر

قیس سمجھا مری امیدوں کا کعبہ ہے یہی
گذرا جس سمت کو لیلئے ترا محمل ہوکر

تم کو زیبا نہیں بچپن میں یہ ایذا ز جفا
ظلم کر لینا کسی پر کسی قابل ہوکر

سخت جانی کے سبب کر نہ سکا قتل کوئی
رہگئی تیغ بھی جزو تن بسمل ہوکر

جب محبت کی نظر پڑ گئی تیری مجھ پر　　سختیاں عشق کی آساں ہوئیں مشکل ہو کر
جب نہ انجام کوئی ہم نے طلب کا دیکھا　　آہ واپس ہوئے آزردۂ منزل ہو کر
آنسو نکلے وہ سمندر جو تھے موج اندر موج　　میری آنکھوں میں رہے ضبط کا ساحل ہو کر
آئے اور دیکھ کے واپس گئے آئے و لے
قرباں سوتے ہی رہے نیند سے غافل ہو کر

رہ گیا سارا جہاں عرصۂ محشر ہو کر　　کیا ملا قلب کو آخر مرے مضطر ہو کر
فاتحہ خوانی کو آئے ہو ندامت یہ ہے　　دیکھ لیں کیسے تمہیں قبر سے باہر ہو کر
دیکھ اک قطرۂ ناچیز گرا تھا جو کبھی　　آج نکلا ہے صدف سے وہی گوہر ہو کر
اب کلیجہ کی طرف عزم سفر کرتا ہے　　دل سے مایوس مرے یار کا خنجر ہو کر
کیا دکھاتا ہے زمانہ کو ادائیں اپنی　　یہ ہی انداز غضب ڈھائیں گے محشر ہو کر
لاکھ تعویذ بنائے کوئی تربت پہ مری　　میری گردش سے رہے گا یہ برابر ہو کر
قیس و فرہاد ہمیں دیکھ چکے ہیں پہلے　　راہ دکھلاتے تھے ہم عشق کی رہبر ہو کر
حسن کا کوئی بھی محفوظ ٹھکانا نہ رہا　　رل گیا کیا مرے دل سے سبھی باہر ہو کر
ہمنے قرباں کبھی شان کو جانے نہ دیا
ہم جہاں بیٹھے جہاں میں وہیں افسر ہو کر

رنج وہ نالۂ دلدار کی پائی تحریر　　سامنے میرے جو قسمت کی تھی آئی تحریر
نور آنکھوں کا بڑھا اور ہوا دل مسرور　　لا کے قاصد نے مجھے اس کی دکھائی تحریر
تو جو کہتا ہے نہیں غیر کو لکھا کبھی خط　　دیکھ اس خط میں ہے تیری کہ پرائی تحریر
مجھکو افسوس ہے کیوں روح نے تردید نہ کی　　کاتب بخت نے جب پڑھ کے سنائی تحریر
غیر کے خط سے بہت کم ہیں مضامیں اسمیں　　کیوں نہ میں دل سے کروں تیری بڑائی تحریر
خط کی صورت میں جو قاصد نے ہمیں دی لاکر　　اپنے سینے سے تری ہم نے لگائی تحریر
قاسم بخت سے کچھ روز ازل کہہ لیتا　　کاتب بخت نے کیوں مجھ سے چھپائی تحریر
اس کا انجام بھی قرباں تھا ملتا جلتا
اپنی قسمت سے عدو کی جو ملائی تحریر

کون ایسا ہے کہ بگڑی میں بنائے تقدیر　　دیکھنا وہ ہی پڑے گا جو دکھائے تقدیر

ایسی ضد مجھسے ہوئی ایسی عداوت مجھسے
جو میں تدبیر کروں اس کو مٹائے تقدیر

تیری تحریر وہ ہے جو کہ مٹائے نہ مٹے
لاکھ آب اشک ندامت کے بہائے تقدیر

کوئی بھی ہم سا زمانے میں دل افگار نہیں
ہم زمانے سے الگ اپنی ہیں لائے تقدیر

آج آمادہ ہے وہ وصل کے وعدہ کیلئے
کاش یہ مژدہ کبھی ہم کو سنائے تقدیر

اسکو ڈر ہے نہ معشوق کی قسمت بھی خراب
کیوں نہ پھر روٹھنے والوں کو منائے تقدیر

ہوں وہ بدبخت کہ غیروں کا اگر کچھ ہو قصور
الٹا الزام مرے سر پہ لگائے تقدیر

میری تقدیر پہ روتا ہے مقدر بھی مرا
کیوں نہ آنسو مری حالت پہ بہائے تقدیر

ہم نے بنیاد جو رکھی وہ ہلائے نہ ہلی
یعنی قربان نہ تھی خام بنائے تقدیر

رات دن کرتی رہی ساری خدائی تدبیر
میرے بچنے کی کوئی راس نہ آئی تدبیر

اور باتیں تو بہت تو نے بتائیں ناصح
ان کے ملنے کی مگر کچھ نہ بتائی تدبیر

کوششیں کیں تو نصیبے کے جگانے کیلئے
خفتہ بختی سے کوئی کام نہ آئی تدبیر

کام جب ہونے لگا میرے مقدر کے خلاف
وہ ہی الٹی ہوئی جو سامنے آئی تدبیر

کام ہوتا نہیں دنیا میں مشیت کے خلاف
کر نہیں سکتی خدائی میں خدائی تدبیر

جسکے دروازہ پہ ہوں قفل مقدر کے پڑے
کر نہیں سکتی وہاں اپنی رسائی تدبیر

جب تو ناکام ہوئی اور چلی سر تا پا
آگ تقدیر میں پھر کیوں نہ لگائی تدبیر

وہی آخر کو ہوا جو تجھے منظور ہوا
ہم نے انسان کی ناکام ہی پائی تدبیر

ہو گئے شاکر تقدیر بہ ہر صورت ہم
جب سمجھ میں کوئی قربان نہ آئی تقدیر

مرے دل میں رہا غم عمر بھر دل کا مکیں بنکر
مجھے ڈستا رہا کمبخت مار آستیں بنکر

رہو تم دل کے اندر آج سے دل کے مکیں بنکر
رہا کرتا ہے موتی جیسے خاتم میں نگیں بنکر

تمہاری بات الٹی تھی کیا الٹا یقیں میں نے
تمہارے منہ سے نکلی ہاں مگر گویا نہیں بنکر

اگر آنسو کوئی نکلا وفور جوش گریہ سے
تو نکلا درج چشم یاس سے در ثمیں بنکر

یہاں عشاق کرتے ہیں جبیں سائی جو آ آکر
تمہارا سنگ در رہ جائیگا اک دن جبیں بنکر

تعجب ہے تعجب ہے تعجب ہے تعجب ہے
کرو تم قتل اتنے ایسے نازک نازنیں بنکر

تمہاری پردہ داری کا اسے ہے پاس کس درجہ
کہ رہتی ہے تمہاری یاد بھی پردہ نشیں بنکر

بہت نازک ہے دل اُنکا وہ ایذا غمکو کیا جانیں
نہ جانا سامنے اُنکے کبھی اندوہگیں بنکر

ذرا تم امتحاں کا نام تو لو بھاگ جائیگا
عدو جو بزم میں بیٹھا ہوا ہے ہمنشیں بنکر

بگولے خاکِ عاشق کے اگر اُڑتے رہے یونہی
فلک رہ جائیگا اک روز پیوند زمیں بنکر

نکالو اس کو دل سے دلمیں رہنے کے نہیں قابل
عدو کا خوف رہتا ہے عبث دلمیں مکیں بنکر

یہ اُسکے حُسن کی قربان ضیا باری کا صدقہ تھا
ہمارا داغ چمکا چرخ پر ماہِ مبیں بنکر

نقل کرکے بھی اُسے غیر بنا ہیں کیونکر
تیرے ناشاد کیا کرتے ہیں آہیں کیونکر

جسکو پامال کیا تم نے ستایا جس کو
پھر عجب ہے دلمیں ایسی نگاہیں کیونکر

چاہنے والو نکو انجام ہے معلوم مگر
دل سی مجبور ہیں وہ تمکو نہ چاہیں کیونکر

رہروانِ رہِ اُلفت میں بہت آبلہ پا
طے کریں عشق کی دشوار وہ راہیں کیونکر

درد اُٹھتا ہے تو خاموش ہی رہ لیتے ہیں
پھر بر لب ہیں شب ہجر کراہیں کیونکر

نہ بتاؤں تو ستم اور بتاؤں تو غضب
پوچھتے ہیں وہ بتا تجھ سے نباہیں کیونکر

خلوتِ وصل میں قربان نہ پوچھو مجھسے
ڈالتے ہیں وہ گلے میں مرے باہیں کیونکر

تمہیں دشمن ہو تو ہو اور بھروسا کس پر
نہ سنو تم تو کروں عرض تمنا کس پر

تیرے تیر دل پہ کرے یا ترے پیکاں یہ کرے
خون کا دعویٰ کرے میرا کلیجہ کس پر

گور میں رکھ کے یہاں چلدئے احبابِ عزیز
چھوڑ کر مجھ کو یہاں جاتے ہیں تنہا کس پر

حاکمِ وقت بھی ہے جس کے طرفداروں میں
حشر میں اے دلِ بیتاب ہو دعویٰ کس پر

ضبط پر بس نہیں اب درد سوا رہتا ہے
ہمنشیں چھوڑ چلا مجھ کو تڑپتا کس پر

بیکسی تو ہی ذرا ہاتھ لگا دے آکر
دوشِ نازک ہو بھلا جائے جنازہ کس پر

اشک آنکھوں نے بھرے گھر سی نکلتا ہوں میں
دیکھئے ٹوٹ پڑے جوش کا دریا کس پر

لن ترانی کے سوا کچھ نہیں آتا جسکو
آپ شیدا ہوئے اے حضرتِ موسیٰ کس پر

قیس رخصت ہوا اور میں بھی ہوں جانیوالا
دیکھئے ختم ہو یہ وحشتِ صحرا کس پر

میں بھی ناکام رہا خضر بھی ناکام رہے
کوئی بتلائے کھلا عشق کا رستہ کس پر

دل ہے ویران مرا طور بھی خاکستر ہے
دیکھئے اب وہ کریں عزم تجلی کس پر

بازی گر آتے ہیں قرباں چلے جاتے ہیں
دیکھیے ختم ہو دنیا کا تماشا کس پر

میرے بھی گلشن میں یارب ایکدن آئی بہار | عیش کی گھڑیاں مجھے بھی کچھ تو دکھلائے بہار
تیرے ہی دم سے فقط یہ رونق گلزار تھی | تیرے جانے سے چمن کے پھول مرجھائے بہار
باغباں سے کہہ رہی ہے عندلیب خستہ جاں | اب کے گلشن میں دعا ہے لے خزاں آئے بہار
مانگ لے اے باغباں تو بھی دعا میں کیساتھ | اب کے گلشن میں جو آئے تو نہ پھر جائے بہار
آنیسے گلشن میں اسکے رک نہیں سکتی خزاں | باغباں تجھسے نہ کیونکر آج شرمائے بہار
جب یہ آتی ہے تو دیوانہ بناتی ہے ہمیں | ایسے آنیسے تو بہتر ہے نہ گر آئے بہار
ہم تو محبوس قفس ہیں ظلم سے صیاد کے | ہمکو کیا گلشن میں تیرے باغباں آئے بہار
اس کے جانے کا الم ہے سبکے دل پر ایکسا | اشک شبنم کیوں نہ پھر پھولوں پہ برسائے بہار
سیر کو وہ آئے ہیں ہمراہ لے کر ہار پھول | اب خزاں گلشن میں آجائے تو بجائے بہار
پھول کلیوں سے بنینگے اور پھر پھولونکے ہار | کون اتنی دیر تک دیکھے تماشائے بہار
انکی آنکھیں غنچہ ساماں انکے لب گلہائے تر | جب وہ آئیں کیوں نہ انکے ساتھ بھی آئے بہار

ہم نہیں گلشن میں اے قرباں تو پھر کچھ نہیں
اب خزاں آئے سر گلزار یا آئے بہار

کیوں ہو ناراض بے سبب آخر | کس لئے ہے ترا غضب آخر
گر قیامت میں بھی نہیں ملتے | مجھ سے صاحب ملوگے کب آخر
کیا خطا تھی دل پریشان کی | اس پہ ٹوٹا ہے کیوں غضب آخر
کچھ خدا سے نہ میں نے مانگا تھا | دے دیا اس نے بے طلب آخر
تاج و دیہیم کا جو تھا مالک | خاک میں وہ گیا ہے دب آخر
قصۂ غم کو ختم کیوں کر دوں | مجھ کو کہنا ہے حال سب آخر
بے طلب ہی نہ کیوں چلے جائیں | ہم کو جانا وہاں ہے جب آخر
مات اغیار کی ہے کیوں مرغوب | کچھ تو لکھو تو سہی سبب آخر

کوئی دیگا نہ تیرا ساتھ افسوس
ہوگا قربان تیرا جب آخر

زمانے میں ہوئے بدنام وہ آخر حسیں ہوکر
بجا ہے گر رہیں دنیا میں سب سے خوشگیں ہوکر

خدا جانے مسیحا نے کہا کیا کان میں اسکے
سرہانے جو بیٹھا چارہ گر اندوہگیں ہوکر

مسافر ہے عدم کی راہ دنیا جسکو سب کہتے ہیں
جو آتے ہیں وہ جاتے ہیں ہمیشہ سے مکیں ہوکر

جنہیں حرمان و حسرت یاس و ارماں لوگ کہتے ہیں
یہی پہلو میں اب رہتے ہیں دل کے جانشیں ہوکر

ہوا وہ شاد تیرے وصل سے جسکے یہ معنی ہیں
عدو نے ڈس لیا آخر کو مار آستیں ہوکر

دکھائیں کیوں نہ ثبت قدرت ہمیں جب اسکی قدرت سے
یہ آئے ہیں یہاں تصویر صنعت آفریں ہوکر

حسینوں کے ہیں جتنے کام سب میں حسن ہوتا ہے
ذرا سوچو تو کوئی ظلم کرتا ہے حسیں ہوکر

اٹھائیگی قیامت کیا جفا کے پائمالوں کو
پڑے رہجائینگے ہم تیرے کوچہ کی زمیں ہوکر

نشانی عشق کی قربان گویا مل گئی تجھ کو
ترے دل میں لگے رہنے وہ بالا خر نگیں ہوکر

ستم کرنے لگے دل پر وہ الٹے مہرباں ہوکر
ہوئے نااہل ثابت آخر آخر قدرداں ہوکر

عدم سے آئے تھے ہم پھر عدم کو چلدئے آخر
کسی کے واقف اسرار ہوکر رازداں ہوکر

تری صیاد سے اے باغباں سازش ہو کوئی
نگہبانی نہیں کرتا چمن کی باغباں ہوکر

یہ اک قانون فطرت سے چلا جاتا ہے دنیا سے
کوئی دل شاد ہوکر اور کوئی ناشادماں ہوکر

نرالا حکم ظالم نے دیا ہے درد والوں کو
اگر دنیا میں رہنا ہے رہیں سب بے زباں ہوکر

زمانہ بھر کی بدنامی بھی سر لی اپنے سر تو نے
نہ کی منصور تو نے رازداری رازداں ہوکر

نہ مرجھائے کبھی پیدا ہوئے تھے داغ جو دلمیں
مرا سینہ بھبک اٹھا بہار بے خزاں ہوکر

ہمارے سوز غم نے بھی ہمیشہ رنج پہنچایا
کبھی ان پر عیاں ہوکر کبھی ان سے نہاں ہوکر

دبے کو سب دباتے ہیں یہ اے قربان مسلم ہے
زمیں بھی پیستی ہے عاجزوں کو آسماں ہوکر

دل کو برباد کیا دونوں نے ایکدل ہوکر
درد بھی رہنے لگا غم ہی کا شامل ہوکر

موت نے آنکھ جو کی بند ہماری آکر
غمسے دنیا کے چلے جائینگے غافل ہوکر

ہوتی بے پردہ تو مجنوں کی نظر میں رہتی
لطف لیلیٰ نہ ملا صاحب محمل ہوکر

منفعل ہو گیا آنکھوں میں جو دیکھے آنسو
رحم کیوں آگیا دلمیں ترے قاتل ہوکر

دیکھ کیا حال ہے آج انکا ہوا زیر لحد
وہ جو دنیا میں رہے رونق محفل ہوکر

کام کرتی نہیں ہرگز یہ زبانی باتیں
پھر بھی پی لیتے ہیں ہم شیخ سے قائل ہوکر

آنکھوں آنکھوں میں پلا ہی وہ گئے آپ تھا
جی اُٹھے ہم نگہِ یار سے بسمل ہوکر

رنج و غم سہنے لگا آٹھ پہر اسے قربان
کیا ملا دل کو کسی شوخ پہ مائل ہوکر

گھر سے نکلا نہ مریض آپ کا اچھا ہوکر
کیا مداوا یہ کیا آپ نے عیسیٰ ہوکر

لختِ دل لختِ جگر میرا بہانے کے لئے
آنکھ سے نکلے مرے اشک بھی دریا ہوکر

سخت جانی کے سبب انکی نزاکت کے سبب
خنجرِ یار رہا حلق پہ ہلکا ہوکر

پھر تمنا سے جو گھبراؤں تو میں مجرم ہوں
دل میں تم رہنے لگو میری تمنا ہوکر

ہے یہ رندوں کی دعا منہ سے کبھی لگ جائے
آسماں بادۂ گل رنگ کا شیشا ہوکر

ہوں وہ وحشی کہ کبھی جاؤں جو صحرا کی طرف
دشتِ غربت میں اُڑوں خاک بگولا ہوکر

آہ قربان تماشائی تجھے بننا تھا
تو تو دنیا میں رہا خود ہی تماشا ہوکر

ہم ابھی آئے ہیں بلبل تیرا گلشن دیکھکر
جی بہت اپنا کڑھا خالی نشیمن دیکھ کر

چھپ گئے وہ زیرِ تعویذ لحد گھبرا گئے
دشت میں اجڑا ہوا سا میرا مدفن دیکھ کر

آشیاں اونچا نہ ہوتا تو نہ لگتی آگ یوں
بجلیاں ٹوٹیں مری شاخِ نشیمن دیکھ کر

آنکھ سے آنسو نہ نکلے کیوں ذرا تو ہی بتا
میں نے دیکھا ہے قفس صیاد گلشن دیکھ کر

دخترِ رز نے ہاتھ پھیلا کر مبارک باد دی
معصیت سے شیخ کا رنگین دامن دیکھ کر

کارگر ہوتا ہے نسخہ یہ بہت ہی اے ندیم
مسکرا دیتے ہیں ہم تو سوئے دشمن دیکھ کر

مجکو مجنوں کا دیا کرتے ہیں وہ اکثر خطاب
میری آہیں، میرا نالہ، میرا شیون دیکھ کر

میری ہستی انکے گلشن میں تھی رونق کا سبب
رو دیا کل باغباں خالی نشیمن دیکھ کر

رو رہی تھی بیکسی غربت کا تھا ماتم بپا
آئے ہیں قربان کا ہم آج مدفن دیکھ کر

آئے تھے تم طور سے موسیٰ وہ جلوہ دیکھ کر
کچھ نہ بتلایا نہیں حسن تجلی دیکھ کر

پھر عدم کی سیر کا دل میں ارادہ کر لیا
ہو گئے جب سیر دنیا کا تماشا دیکھ کر

چارہ گر کیا واقعی اچھا نہیں ہونیکا میں
ہو گیا خاموش کیوں تو حال میرا دیکھ کر

اُٹھ نہیں سکتا تھا مجھ سے آرزو کا بوجھ بھی — دل ملا تقدیر سے بارِ تمنا دیکھ کر
آئینہ ہے آسماں کا جسکو کہتے ہیں زمیں — یاد آئی بات ہم کو آج دریا دیکھ کر
میں نے ساری عمر کاٹی ہے تڑپتے لوٹتے — آج کیوں گھبرائے تم مجھ کو تڑپتا دیکھ کر
دستِ قدرت نے ہمیں پیدا کیا تھا باوفا — رنگ بدلا ہم نے اپنا طرزِ دنیا دیکھ کر
محملِ لیلےٰ یہاں ٹھہرا نہیں ہو گا ندیم — یادِ مجنوں کی مجھے آتی ہے صحرا دیکھ کر

جام بھی شیشہ بھی ہے قرباںؔ مے و پیمانہ بھی
دیدیا ساقی نے سب کچھ ظرف میرا دیکھ کر

لکھی ہوئی کاتب جو ہے لایا مری تقصیر — سب سچ ہے معاف اک مری مولا مری تقصیر
شرمندہ گناہوں سے میں ہوں اپنے بہت ہی — تو عفو کریگا مرے مولا میری تقصیر
بخشا مجھے مولا نے مرے اپنے کرم سے — ورنہ تھی توقع سے زیادہ مری تقصیر
دنیا میں تو بدنام کیا میری خطا نے — عقبیٰ میں نہ کردے مجھے رسوا مری تقصیر
سب کاتبِ اعمال نے پڑھ پڑھ کے سنا دیں — لکھنے میں کوئی بھی تو نہ بھولا مری تقصیر
بھولے سے لیا نام بتوں کا تھا نکیرین — تم بخشدو اس وقت خدارا مری تقصیر
اب عذرِ گنہ پر نہ سزا دو تو کرم ہے — تسلیم میں کرتا ہوں ہے اچھا مری تقصیر

قرباںؔ یہ رحمت کی قسم دیکھئے کہوں گا
تعزیر کے قابل نہیں مولا مری تقصیر

کرتی ہے سدا کارِ مسیحا تری تقریر — بیمار کو کر دیتی ہے اچھا تری تقریر
خوش آتی ہیں دلکو مرے اکثر تری باتیں — بن جاتی ہے تسکینِ تمنا تری تقریر
افسوس یہ زباں میں تری مولا نے دیا ہے — دل دیتی ہے کچھ دیر کو ٹھہرا تری تقریر
ہر چند وہ سوچے ہے سمجھتا نہیں مطلب — عاشق کو بنی ایک معما تری تقریر
سنتے ہیں سبھی عرض وفا کا ملکہ ہے — کس طرح سنیں بیٹھ کے موسیٰ تری تقریر
معمورِ صداقت سے جو ہوتی ہے کبھی بات — کرتی ہے مرے دل میں اجالا تری تقریر
ہوتا ہے بہت روح فضا تیرا تکلم — کرتی ہے مرے درد کو ہلکا تری تقریر
جب بولتا ہے منہ سے ترے پھول ہیں جھڑتے — گویا کہ فصاحت کا ہے دریا تری تقریر
قرباںؔ تجھے حق نے دیا نطق بلا کا — کرتی ہے اثر قلب میں پیدا تری تقریر

کافی ہے اُسے گر مئے تقریر کی تعزیر
عاشق کو عبث دیتے ہو شمشیر کی تعزیر

چپ بیٹھی ہے منہ سے بھی نہیں بولتی مجھسے
ہے تجھسے زیادہ تری تصویر کی تعزیر

دوزخ ملے کے عوض حکم دیا حق نے جناں کا
ملتی ہے مجھے کیا مری تقصیر کی تعزیر

شاگرد تمہارا ہے مگر ظلم میں اُستاد
دیکھو تو ذرا تم فلک پیر کی تعزیر

چاہا تھا عدو سے نہ ملیں اور ملے وہ
یہ مجھ کو ملی ہے مری تدبیر کی تعزیر

دشمن کی طرف سے کہ ترے ہاتھ سے ظالم
ملنی تھی جو مجھ کو مل گئی تقدیر کی تعزیر

گردن نے مری دینے مرے خوب اُٹھائی
شمشیر کی تعزیر تھی سے تیر کی تعزیر

کچھ اور بڑھا سوز بھڑک اُٹھی زیادہ
کافی نہ ہوئی شمع کو گل گیر کی تعزیر

محشر میں نہ پرسش ہوئی کچھ مل جو گئی تھی
دُنیا ہی میں قربانؔ کو تقصیر کی تعزیر

پھر بھلا کیسے مری بات میں آئے تاثیر
میں اگر آہ کروں چرخ مٹائے تاثیر

جب زباں ہی میں نہیں میرے اثر کے آثار
پھر بھلا خاک مری آہ دکھائے تاثیر

جسطرف آنکھ اُٹھے سبزہ ہی سبزہ دیکھیں
فصلِ گل باغ میں یوں اپنی دکھائے تاثیر

پینے سے پہلے ہی تو اسکو بُرا کہتا ہے
کیسے بیمار دوا اپنی دکھائے تاثیر

اے زباں تجکو جو دعویٰ ہے اثر کا اپنے
میں تو جب جانوں مری آہ میں آئے تاثیر

شب فرقت کے تڑپنے کا یہ انجام ہوا
آہ خود لوٹ پڑی مجھ پہ بجائے تاثیر

اُنکے کانوں تک اگر آہ کا ہو جائے گذر
میری بگڑی ہوئی ہر بات بنائے تاثیر

کس طرح جا کے دُعا اپنا دکھائے جلوہ
جب نہ قربانؔ زباں ہی تری پائے تاثیر

پھر دلِ مایوس بیٹھا چارہ گر
کر دے اسکا کچھ مداوا چارہ گر

ہے یہی بہتر مداوا چارہ گر
کوئی جس سے ہو نہ اچھا چارہ گر

میری بالیں سے کنارہ کر گیا
جان کر بیمار اپنا چارہ گر

سچ بتا دے تو نے ابتک ہے کیا
کونسا بیمار اچھا چارہ گر

دیکھ کر بیمار کی حالت خراب
آج رنجیدہ ہی بیٹھا چارہ گر

ہو سکا اچھا نہ بیمارِ فراق
ہو گیا دنیا میں رسوا چارہ گر

توڑتا ہے تو ہی جب قلب مریض
کیسے ہو بیمار اچھا چارہ گر

گر مریض عشق کو آئی قضا
کیا کہے گی تجھکو دنیا چارہ گر

نبض ہم کو بھی دکھانی ہے ضرور
کون ہے قربان دلکا چارہ گر

تم نے کیا دیکھا نہیں میرا جگر
ہے مرے پہلو میں پتھر کا جگر

خیر گذری دل ہمارا بچ گیا
تیر چشم یار نے چھیدا جگر

ایک سے بڑھ کر ہے ضابط دوسرا
دل ہے پتھر کا تو لوہے کا جگر

چارہ گر کس کی کرے گا تو دوا
دل ہے اچھا اور نہ ہے اچھا جگر

اتنا ہی رسوا مجھے کرتی ہے آنکھ
جتنا کرتا ضبط ہے میرا جگر

اس میں ہیں پائے تخیل پھیلتے
بن گیا الفت کا اک صحرا جگر

اس سے بڑھ کر رنج و غم مجھ میں نہیں
کر نہ بڑھ کر دلسے تو دعوئے جگر

دشت میں بیٹھا ہے تنہا وہ نڈر
دیکھ تو لیلے تو مجنوں کا جگر

چھاتی پھٹ جائے شب فرقت کی بھی
دیکھ لے قربان اگر میرا جگر

دیکھا ہے پتہ پتہ میں ہم نے ترا ظہور
ہے شاخ شاخ پر ترے انعام کا ظہور

ہم دیکھتے ہیں دل میں سوا تیرے نور کے
موسیٰ نے کوہ طور پہ دیکھا ترا ظہور

بخشش سے تیری سارا زمانہ ہے فیضیاب
ہر برگ ہر شجر میں ہے تو نے کیا ظہور

منکر رہا وہ لاکھ مگر تو رہا ہے پاس
کافر کے دل میں ہمنے ہے دیکھا ترا ظہور

قہار بھی ہے گرچہ مگر ہم نے اے کریم
رحمت کا تیری دیکھا ہے ہر دم نیا ظہور

وہ کور قلب اور ہے دنیا میں بدنصیب
جس قلب میں نہیں ترا جلوہ ترا ظہور

ظلمت جہاں سے نور نے تیرے مٹائی ہے
کرتا ہے چشم کور کو بینا ترا ظہور

ہستی پہ اپنی کر نہ ذرا تو کبھی نظر
قربان دیکھ اس کا تو ہر ایک جا ظہور

ممکن نہیں ہے شکوہ جو آئے زبان پر
لیں آپ امتحان مرے امتحان پر

سو سو طرح کے غم ہیں مری ایک جان پر
اسپر بھی آہ و نالہ نہیں ہے زبان پر

کیا دے گا مجھکو چھوڑ وہ میرے بیان پر　　صیاد رو دیا ہے مری داستان پر

مٹی نے کر دیا ہے فلک کو بھی اب زمیں　　میرا غبار اُڑ کے گیا آسمان پر

الفت کی مہر اُسنے لگادی ہے دیکے داغ　　یہ اک نشان اور ہے دل کے نشان پر

اب یہ کھلا کہ بانئے بیداد ہو تمہیں　　پہلے گماں ہوا تھا مجھے آسمان پر

تم لاکھ بھی چھپاؤ مرے قتل کو تو کیا　　ظاہر ضرور ہو کے رہے گا جہان پر

ثابت وہ ایک ایک دل زار پہ ہوئے　　جتنے گمان بدھتے گئے بدگمان پر

کیا یہ شریک چاہنے والوں میں ہو گیا　　کیوں بدگمان آپ ہوئے پاسبان پر

اللہ رے خوف داور محشر کا روز حشر　　سارے قصور آگئے آخر زبان پر

اے برق آشیاں سے رہیں میرے کاوشیں　　اک روز تو نہ جاکے گری باغبان پہ

گو لاکھ ہم نے ضبط سے اپنے لیا تھا کام
قرباں نالہ آہی گیا کچھ زبان پر

سامنے آئے کبھی آپ تو قاتل ہو کر　　کیوں نہ رہجاؤں میں حسرت زدہ بسمل ہو کر

غیر کے پاس ہمیشہ وہ رہے دل ہو کر　　میرے پہلو میں رہے غم کی مگر سل ہو کر

دیکھ سکتا نہیں زنداں سے تجھے تیرا اسیر　　کیا مجبور رہے پابند سلاسل ہو کر

باغ ہستی میں رہا گاہ خزاں کی صورت　　گاہ چہکا ہوں میں گلشن میں عنادل ہو کر

بعد مرنے کے بھی لیلےٰ کو رہا اس کا خیال　　نعش مجنوں کی اُٹھی دشت میں محمل ہو کر

چھوڑے جاتے ہو مجھے راہ عدم میں پیچھے　　اے رفیقو مرے ہم جادۂ منزل ہو کر

شمع رو تیرے جو عشاق تھے پروانے تھے　　چل بسے آہ وہ سب زینت محفل ہو کر

آہ تو کی تھی کچھ ایسی کہ پہنچتی سر عرش　　رہ گیا ہائے فلک بیچ میں حائل ہو کر

خود ہی ہمت تری آسان اُسے کر دیگی　　کام درپیش اگر کوئی بھی مشکل ہو کر

تیر کے ٹکڑے جو پھینکے تھے نگاہوں نے تری　　میرے پہلو میں رہے وہ جگر و دل ہو کر

شوق سے سر ہے جھکائے ہوئے اپنا قرباں
سرخرو کاش یہ ہو فدیۂ قاتل ہو کر

کبھی نہ منہ سے لگے پھر شراب کا ساغر　　مجھے تو بادۂ الفت کا یوں پلا ساغر

ہزاروں رند ہیں اور چند جام ساقی کے　　الٰہی آج تو گردوں کو دے بنا ساغر

سمجھ کے آب بقا پی لیا وہ عاشق نے
جو تم نے زہر کا ہاتھوں سے دیدیا ساغر

ہمارے ہاتھ کی لغزش تھی ضعف کا باعث
گرا ہے چھوٹ کے ہاتھوں سے یہ ملا ساغر

کوئی حسین جو پینے کو جام مے مانگے
ہماری خاک سے ساقی تو دے بنا ساغر

سمجھ کے لے لیا رندوں نے اسکو ساغر جم
تمہارے ہاتھ سے محفل میں جب ملا ساغر

بغیر بادہ کیا مست ساری محفل کو
غضب تھا اُونکی وہ قربان آنکھ کا ساغر

ردیف ز

نہیں باز آتے ستمگار ہرگز
نہیں رحم کرتے جفا کار ہرگز

بُت مجھ سے بچنے کے ہیں یاد پہلو
نہیں آتا پہلو میں وہ یار ہرگز

عدو کی تو باتیں وہ سنتا ہے ہردم
نہیں میرا سنتا وہ غمخوار ہرگز

گلا کاٹ دیتی ہے عاشق کا فوراً
نہیں رحم کرتی وہ تلوار ہرگز

پر کاہ ہے کوہ ہمت کے آگے
نہیں کام کوئی بھی دشوار ہرگز

محبت کا آزار ہوتا ہے جنکو
نہیں اچھے ہوتے وہ بیمار ہرگز

انا الحق کا مطلب سمجھتا جو کوئی
نہ منصور چڑھتا کبھی دار ہرگز

نگاہیں ہیں اُن کی کہ تیغ اجل ہیں
نہیں جاتا خالی کوئی وار ہرگز

سدا بار قربان اٹھاتے ہیں اپنا
کسی پہ نہیں ہوتے ہم بار ہرگز

تن کے اندر تیری جاں ہی چند روز
جان لے یہ مہماں ہے چند روز

روح اکدن چھوڑ دے گی جسم کو
یہ مکیں زیب مکاں ہے چند روز

مے کے دینے میں نہ کر خست ذرا
میکدہ پیر مغاں ہی چند روز

خاک کا بھی پھر نشاں ملنا نہیں
دہر میں نام و نشاں ہی چند روز

دیکھ کے اُس کو تو اترا تا نہ پھر
رونق گل باغباں ہی چند روز

حکم ویدیں گے زباں کو بند کر
لب پہ یہ آہ و فغاں ہے چند روز

کرلے جتنی ہو عبادت اے بشر
تو جہاں میں مہماں ہے چند روز

کون ویرانہ میں رہتا ہے سدا
غم بھی دل میں مہماں ہے چند روز

سیر کو تو بھی وہاں قربان چل
یہ بہار گلستاں ہے چند روز

ہو گئے دنیا میں مہماں چند روز
کر چلے سیر گلستاں چند روز

گر پڑیں گے ایکدن مرجھا کے سب
باغباں ہیں پھول مہماں چند روز

پھر چلے جائیں گے ہم اپنے وطن
اور ہیں دنیا میں مہماں چند روز

آخرت کے واسطے کر جمع کچھ
زندگی ہے تیری ناداں چند روز

باغباں فانی ہے دنیا کی بہار
باغ پر ہو لے تو نازاں چند روز

کرتا ہے سامانِ دنیا جمع کیوں
زندگی ہے تیری انساں چند روز

دائمی راحت ملے گی بعد مرگ
ہو لے دنیا میں پریشاں چند روز

ایک دن قربان راحت کا بھی ہے
ہے فقط خواب پریشاں چند روز

دھوکا دینے کو عدو کی جو بنائی آواز
کیا نہیں جانتے وہ اپنی پرائی آواز

پیدا ہوتے ہی مرے غم نے کہا میں آیا
کان میں میرے غم اندوز یہ آئی آواز

جانب میکدہ جب اٹھنے لگے میرے قدم
کہاں جاتا ہے ٹھہر غیب سے آئی آواز

لاکھ پردوں میں چھپایا میں نے اسے دیکھ لیا
گو کہ اس نے تھی بہت مجھ سے چھپائی آواز

آپ ہی آپ جو برہم سے ہوئے بیٹھے ہو
کان میں کوئی پڑی بادِ ہوائی آواز

کان ہم بند کئے گھر میں پڑے رہتے ہیں
جب سے تیری نہیں دیتی ہے سنائی آواز

تیری باتوں کے سوا کچھ بھی سنائی نہ دیا
میرے کانوں میں فقط تیری سمائی آواز

ہم عدم والوں کی باتوں کو ترستے ہی رہے
کان میں اپنے کبھی ان کے نہ آئی آواز

ہے یقیں دامنِ سائل پہ جھکے دستِ کرم
آپ سن لیں جو کبھی ایک گدائی آواز

جانے والے ہے یہاں خواب میں اک تیرا جلیس
ہم کو قربان کی یہ گور سے آئی آواز

رکھتا ہے یادگار مری باغباں ہنوز
رکھی ہیں آشیانے میں کچھ تیلیاں ہنوز

مر کر بھی ہم تو جانِ جہاں قیدی رہے
الفت کی تیرے پاؤں میں ہیں بیڑیاں ہنوز

بیٹھا ہے قیس لیلیٰ سے ملنے کو راہ میں
پہنچا نہ دشتِ نجد میں کیوں کارواں ہنوز

ناداں نہ حق کا حال ہوا تجھ پہ منکشف
پردہ بنی ہوئی ہے دوئی درمیاں ہنوز

ہم نے گذاری عمر اسی انتظار میں
ظالم کبھی نہ ہم پہ ہوا مہرباں ہنوز

ڈرتا ہے ترکِ عشق نہ کر دوں کسی طرح
گویا ہے مجھ سے عشق ترا بدگماں ہنوز

عاشق کے قتل سے جو ندامت ہوئی اسے
دیکھو ہے سر جھکائے ہوئے آسماں ہنوز

کر لی نہیں ہے یاد مجھے موت حیف مری
جاری ہیں کیسے پھر یہ مری ہچکیاں ہنوز

قربان کیسے کہہ دوں کہ شاعر جناب ہیں
واقف نہیں ہے نام سے ہندوستاں ہنوز

مجھ پہ پڑتی ہی رہی یار کی افتاد ہنوز
دور ہے مجھ سے خوشی لے دلِ ناشاد ہنوز

کیا نہیں اُسنے سُنا حال ترا اے بلبل
تیرے گلشن میں جو آیا نہیں صیاد ہنوز

اہلِ عالم میں بتاؤں گا نہ ہرگز تم کو
داستاں گو کہ ازل کی ہے مجھے یاد ہنوز

قیس و فرہاد کے عشاق مقلد ہیں تمام
ہو سکی کوئی نئی بات نہ ایجاد ہنوز

اور بھی کوئی ہے دُنیا میں جوانِ رعنا
واقف اس بات سے شاید نہیں شمشاد ہنوز

جانِ شیریں تری گو نذر ہوئی تیشے کے
نام زندہ ترا دنیا میں ہے فرہاد ہنوز

ناتواں میں ہوں تو اسکی مجھے پروا کیا ہے
تجھ میں باقی ہے اثر قوتِ فرہاد ہنوز

یا الٰہی مجھے دے جان کہ پھر دوں میں جان
نہیں آسودہ مرے قتل سے جلاد ہنوز

گو کہ قربان بہت ڈالے ہیں صیاد نے دام
مرغِ دل پھرتا ہے تیرا ابھی آزاد ہنوز

اُن سے رہتی ہے اسی بات پہ تکرار ہنوز
کہ بدستور ہیں ہم تشنۂ دیدار ہنوز

شور ہے چار طرف آئی قیامت سر پر
اور دل میرا نہیں خواب سے بیدار ہنوز

میں گرفتار ہوں احساس ہے آزاد مرا
رُوح میری نہیں صیاد گرفتار ہنوز

چہچہے طوطی و بلبل کے سُنے گلشن میں
ہم نے اسکی سی سنی ایک نہ گفتار ہنوز

چاند اتراتا ہے کیوں حسن پہ ہر دم اپنے
اس نے دیکھے نہیں کیا آپکے رخسار ہنوز

مشتری کوئی بھی تیرا نہ ہوا میرے سوا
تو نے پیدا نہ کیا اور خریدار ہنوز

جان دی خاک ہوا اور مٹا دی ہستی
حال سنتے میرے ہوئے وہ نہ خبردار ہنوز

تونے اے بلبلِ ناشاد عبث دیدی جاں
گل تو واقف نہ ہوا حال سے زنہار ہنوز

کبھی سن لیجیے قرباں کا بھی قصۂ غم
کہ ہے مصروف فغاں وہ پس دیوار ہنوز

صدقہ جاؤں میں ترے کیسے ہیں دلبر انداز
فتنہ انگیز دل آویز ستمگر انداز

جسکو دیکھا اُسے تسخیر اشاروں میں کیا
ساحری فن ہیں ترے اور ستمگر انداز

یوں تو ہیں جتنے حسیں سب ہیں پر عشوے لیکن
جانتا کوئی نہیں آپ سے بڑھکر انداز

دعوی حسن کو ہو حسیں ہو نیکا کہدو اُس سے
کہ دکھائے وہ کبھی تم سے برابر انداز

تو نہیں جانتا گو اسکو سمجھتے ہم ہیں
ہیں زمانے میں ترے فتنۂ محشر انداز

قتل عاشق کیلئے پاس ہیں کیا کیا ساماں
تیر عشوے ہیں ترے اور ہیں خنجر انداز

اُن کو تسخیر کے ہیں یاد طریقے لاکھوں
دل پھنسا لیتے ہیں گیسو کے دکھا کر انداز

کیا انھیں دیکھتا ہے شوق سے اے قلب حزیں
تجھ کو دنیا سے رہیں گے یہ مٹا کر انداز

کیوں ہے قرباں تو خاموش بتا دے للہ
کھو گیا کون سے تجھے اپنے دکھا کر انداز

ردیف ڑ

جس طرح تجھ سے بنے زنہار تو گلشن نہ چھوڑ
اپنی امید دل کا بلبل تو کبھی دامن نہ چھوڑ

گر رمق باقی رہی تو آرزو رہ جائیگی
خنجر قاتل تو باقی اک رگ گردن نہ چھوڑ

اے نگاہ یار صبر بے بہا ہے دل مرا
گو وبال جان بھی ہو اسکو اے رہزن نہ چھوڑ

غیر کی مرقد پہ آیا ہے جو پڑھنے فاتحہ
میرے مدفن پر بھی ہو جا تا مرا مدفن نہ چھوڑ

ناامیدی سے جو ہو پوری وہی امید ہے
ناامیدی میں بھی ہرگز آس کا دامن نہ چھوڑ

دیکھ لینے دے مجھے جلوہ رخ پرنور کا
دیکھتے ہی میری صورت اپنی تو چلمن نہ چھوڑ

پھونک دے ہستی کو ایسا حشر تک جلتا رہوں
برق حسن یار تو باقی مرا خرمن نہ چھوڑ

کر لیا تسخیر دل کو اب جگر پر کر نگاہ
کوئی افسوں اپنا تو باقی بت پرفن نہ چھوڑ

وضعداری ہی محبت میں بڑی کی چیز ہے
ہاتھ سے قرباں اپنی وضع کا دامن نہ چھوڑ

توڑا ہے گھر وفا کا خلش کے بھی گھر کو توڑ
تو میرے دل کو توڑ چکا اب جگر کو توڑ

اے آسماں تو نے کیا ہے مجھے فنا
ظالم دیا ہے تو نے دعا کے اثر کو توڑ

رہتا ہوں اب میں مثل کماں کے جھکا ہوا
تیرے غموں نے آہ دیا ہے کمر کو توڑ

سمجھا نہ اس کے پیالہ میں شیریں کا عشق ہے
تیشہ نے کوہکن کے دیا اپنے سر کو توڑ

کیسا نگاہِ ناز کا پھینکا یہ تم نے تیر
اس نے تو ہائے میرے دیا دل جگر کو توڑ

قدرت نے ایک کو ہے دیا ایک پر کمال
دیتی ہے اک نگاہ پرائی نظر کو توڑ

ٹوٹا ہوا ہے دل نہ اڑونگا قفس سے میں
بازو کو میرے توڑ نہ صیاد پر کو توڑ

قرباں چمن وصال کا قابو میں ہے ترا
اس باغ سے تو پھول کو چن یا ثمر کو توڑ

ردیف ژ

کرتا ہوں تو ہو جاتی ہے تدبیر مری ژاژ
ہوتی ہے مجھے بن کے یہ تقدیر مری ژاژ

کس طرح مرا قصۂ غم آئے سمجھ میں
تحریر مری ژاژ ہے تقریر مری ژاژ

جو دوسری دشواریاں تھیں ہو گئیں سب حل
اک تیرے لئے ہو گئی تدبیر مری ژاژ

یہ تجھ سے نہیں بولتی رہتی ہے سدا چپ
کہتے ہیں کہ تو رکھتا ہے تصویر مری ژاژ

گھلجاتی ہے مٹی کی طرح اشک رواں سے
ناقص مری تخلیق ہے تعمیر مری ژاژ

جو دیکھتا ہوں اس کا نتیجہ نہیں ملتا
ہوتی ہے سدا خواب کی تعبیر مری ژاژ

تم سامنے غیروں کے برا کہتے ہو مجھ کو
تم بزم میں کر دیتے ہو توقیر مری ژاژ

جب منگیا میں کیا مری تصویر رہے گی
رکھتے ہیں عبث دوست یہ تصویر مری ژاژ

تقصیر نزاکت کی نہیں کہتے ہیں قرباں
گردن نہ کٹی ہو گئی شمشیر مری ژاژ

ردیف س

تھا بہت تسکین کا ساماں مرے قاتل کے پاس
کیوں نہ آئی نوک خنجر کی دل بسمل کے پاس

گھر خلش اور داغ کا ہے جسکو کہتے ہیں جگر
دوسری بستی ابھی آباد ہے اک دل کے پاس

بقدر شوق شہادت دل کے اندر تھا بھرا
خود بخود مقتل میں ہم حاضر ہوئے قاتل کے پاس

جا کے زخمی تیر نے میرے جگر کو بھی کیا
ایک بسمل اور بھی تڑپا دل بسمل کے پاس

نزع میں رخصت ہوئے مجھسے بھی پہلے میرے ہوش
قافلہ واماندہ میرا ہو گیا منزل کے پاس

یاد جب آتی ہے تیری لوٹتے ہیں شام غم
درد اک رہ رہ کے اٹھتا ہے ہمارے دلکے پاس

بھر کے عصیاں کا سفینہ لے گیا جب ناخدا
اسکی صورت دیکھتا میں رہ گیا ساحل کے پاس

کر نہ اس کی فکر ضایع ہو نہیں سکتا کبھی
تیر تیرا ہے امانت با حفاظت دلکے پاس

بیخودی میں تونے مجنوں گفتگو لیلے سے کی
دیکھتا قرباں رہا تجکو کھڑا محمل کے پاس

اک فقط غم ہی رہا جان حزیں کا مونس
غم کا لیکن نہ ہوا کوئی بھی پیدا مونس

پردہ گور سے آتی ہے کسی کی آواز
ہائے اب کوئی نہیں اپنا پرایا مونس

آکے تو دیکھ لے اے غیرت لیلی مجکو
آج مجنوں کی طرح میرا ہے صحرا مونس

میری جانب بھی کبھی ناقہ محمل لے آ
سنکے مجنوں کا ترے بیٹھا ہوں لیلے مونس

کسطرح مانوں ہے انس ترے دلمیں مرا
حال بھی میرا نہ تونے کبھی پوچھا مونس

خواب میں پاس ترے آؤنگا یوسف بنکر
عشق نے مجکو کیا تیرا زلیخا مونس

میں تو جب جانوں کہ ہمدردی تو دلسے مرا
زخم دل کا جو مرے کردے مداوا مونس

آگیا یاد یہ کس کا لب شیریں مجکو
میٹھا میٹھا سا یہ کیا درد ہے اٹھا مونس

اب کوئی بات بنائے بھی نہیں بنتی ہے
حشر میں دیکھ ذرا حال ہمارا مونس

آہ ہمدردی کرے کون تمہاری قرباں
جز خدا کے نہیں اب کوئی تمہارا مونس

جنون عشق سے حالت ہوئی ہے زار افسوس
کیا ہے جیب و گریباں کو تار تار افسوس

اگرچہ کوششیں ناکام دل نے برسوں کی
ہوا نہ صاف ترے دل کا بھی غبار افسوس

اسیر اپنا بنانا ہمیں جو تھا منظور
تمہارا عشق ہوا ہے گلے کا ہار افسوس

خزاں کے جاتے ہی تو نے اسیر ہم کو کیا
نہ پائے دیکھنے صیاد ہم بہار افسوس

کھلی ہیں آنکھیں پس مرگ مرنے والے کی
تمہارے آنیکا اس کو ہے انتظار افسوس

وہاں بھی چین نہ آیا تمہارے عاشق کو
تڑپ رہا ہے لحد میں بھی بیقرار افسوس
اسیر سیکڑوں زنداں سے چھوٹ کر آئے
رہا ہوا نہ گرفتار زلف یار افسوس
زمانہ آیا نہ ہم پر کبھی مسرت کا
پھرا نہ اپنے مقدر کا روزگار افسوس
ملال خیز یہ مجبوریاں ہماری ہیں
چلا نہ آپ کے دل پر بھی اختیار افسوس
کسی کی ہم نے محبت میں کھو دیا سب کچھ
ہم اپنے حال پہ کرتے ہیں بار بار افسوس

ہر انتشار زمانے کا مٹ گیا لیکن
مٹا نہ قلب کا قربانؔ انتشار افسوس

آج کچھ صیاد خالی سا نظر آیا قفس
چھوڑ دی یا مر گئی بلبل جو بستے تھا قفس
ہم صفیران چمن آ آ کے سب ملنے لگے
آ کے جب گلزار میں صیاد نے رکھا قفس
پھر یہاں صیاد سے دو چار نے آ آ کے پھول
اب تو گلشن سے زیادہ ہم کو ہے پیارا قفس
خطرہ آزادی میں ہے جب ہوں حاصل بال و پر
آشیانے سے ہے ایسے حال میں اچھا قفس
جب گیا گلشن میں سے کر ساتھ صد تو دیکھئے
ڈھک دیا صیاد نے اک ڈال کر پردہ قفس
کر گیا پرواز اک نغمہ سنا کر مرغ روح
رہ گیا خالی ہمارے جسم کا رکھا قفس
دل جلانے کیلئے صیاد کہتا ہے مرا
آشیاں کی تیلیوں سے ہے بنا میرا قفس
دیکھ کر بھڑکیں نہ مجھکو ور مرغان چمن
جلد دامن میں چھپا صیاد تو میرا قفس

جس طرف بھی ہم اڑے باہر نہ اس سے جا سکے
کتنا وسعت خیز تھا قربانؔ دنیا کا قفس

اگر تو رندوں کے کرتا ہے حال پر افسوس
تو شیخ ہے ہمیں تیرے خیال پر افسوس
ہمیں ہے آج خود اپنے زوال پر افسوس
کبھی کیا تھا کسی کے کمال پر افسوس
ہمیشہ وصل کی باتوں کو کہہ کے ٹال دیا
دیا جواب نہ تو نے سوال پر افسوس
کبھی کمال تھا اس کو ہوا زوال نصیب
بہت ہی دیکھ کے آیا ہلال پر افسوس
خزاں کے آتے ہی یہ حال عندلیب ہوا
نہ آشیانہ۔ نہ گلشن نہ بال و پر افسوس
مرے نصیب میں تھا اور ہوا عدو کو نصیب
بہت ہی آیا خیال وصال پہ افسوس
غرور سے جو زمیں پر نہ پاؤں رکھتے تھے
وہ آج کرتے ہیں خود پائمال پر افسوس
مرے ملال نے کر دی طبیعت افسردہ
مجھے بھی آپ کے آیا ملال پر افسوس

ہمارا حال سراپا ملال ہے قربانؔ
زوال پر ہیں حسرت کمال پر افسوس

بلبل چمن میں کیوں ہے تو بیٹھی ہوا اُداس
خاموشیٔ چمن ہے ترا بیٹھنا اُداس

پھیلا اثر اسیریٔ بلبل کا اسقدر
گل تو کھلا چمن میں ہے لیکن کھلا اُداس

رندوں نے جبکہ شیخ کی آؤ بھگت نہ کی
بیٹھا بغل میں اپنے لئے بوریا اُداس

بیٹھے ہیں چارہ گر مرے مغموم ہر طرف
افسوس تو نے انکو کیا کیوں قضا اُداس

جنکو ملا ہے چین جہاں میں وہ اور ہیں
رہتے ہیں ہم تو آٹھ پہر غمزدہ اُداس

بیٹھے ہیں میری موت کی پا کر خبر وہ چپ
آنکھوں کے سامنے ہی جہانِ وفا اُداس

جبتک لکھا نہ خط مجھے امید اُسنے تھی
دیکر جواب صاف مجھے کردیا اُداس

میری اُداسیوں کا تصرف تو دیکھنا
شب بھر چراغ قبر بھی جلتا رہا اُداس

دشمن تو اٹھکے آیا بہت شاد با مُراد
قربانؔ تیری بزم سے ہو کر چلا اُداس

ردیف ش

ایسی تری فرقت سے رہی رات میں تشویش
جیسی کہ رہے مرگِ مفاجات میں تشویش

کرتے نہیں اغیار کے ملنے میں یہی فکر
ہوتی ہے انھیں میری ملاقات میں تشویش

دل دیتا ہوں جاں دیتا ہوں آتے ہیں کبھی جب
کرتا نہیں ہرگز میں مدارات میں تشویش

رندوں ہی کے کہنے سے کوئی گھونٹ چڑھا لے
اب شیخ نہ کر دورِ خرابات میں تشویش

آجاتی ہیں میخانے پہ جسوقت گھٹائیں
بڑھ جاتی ہے دلکی مرے برسات میں تشویش

ہے ناز انھیں اپنی جوانی کی اکڑ پر
کرتے نہیں ہرگز وہ کسی بات میں تشویش

سمجھانے سے بھی شیخ کے آتے نہیں تم باز
کیوں کرتے ہو عصیاں کی مکافات میں تشویش

کیوں قتل سے عاشق کے ہوا تم کو تردد
ہوتی ہے سدا مرگ مفاجات میں تشویش

آتا نہیں باہر وہ چھپا رہتا ہے گھر میں
قربانؔ کو ہوتی ہے ملاقات میں تشویش

دل چھید لیا مل گئی جلاد کو شاباش
دیتا نہیں کوئی دلِ ناشاد کو شاباش

کاٹا جو پہاڑ اس نے محبت کے اثر سے
شیریں نے بھی دی نازسی فرہاد کو شاباش

کرتا نہیں سختی وہ اسیرانِ قفس پر
مرغانِ قفس دیتے ہیں صیاد کو شاباش

سن لی مری آواز نکل آئے وہ گھر سے
کیا کام کیا دو مری فریاد کو شاباش

ایجادِ نیا روزِ ستم کرتا ہے ایسا
دیتا ہے فلک بھی ستم ایجاد کو شاباش

کرتا ہوں بیاں بزم میں قصے جو عدم کے
دیتا ہے زمانہ مری اس یاد کو شاباش

بلبل کو کیا قید نہ پروائے فغاں کی
صیاد کو تحسین ہے صیاد کو شاباش

اک رسمِ وفا سارے زمانہ کو سکھا دی
دو دل تجھیں کو شاباش کہ فرہاد کو شاباش

تو نے تو سنا دی ہیں سب خواب کی باتیں
قرباں نہ دیں کیسے تری یاد کو شاباش

چل گئی جس سے دکانِ میفروش
کیسی میٹھی تھی زبانِ میفروش

اپنے مطلب کی نہ صہبا ہے نہ جام
دیکھ آئے ہم دکانِ میفروش

مست باتوں سے کیا ہر رند کو
اللہ اللہ رے زبانِ میفروش

لگ گئی بنتِ عنب کی جسکو چاٹ
بن گئے وہ رازدانِ میفروش

رند لاکھوں ہیں وہاں پرستِ کیف
آشنا کا فی ہے نشانِ میفروش

بے طلب ہی ہم کو مے مل جائیگی
ہو نگے ہم جب میہمانِ میفروش

ایک ہی چلو میں پڑے اُٹھ گئے
ہو گئے ہم رازدانِ میفروش

پوچھئے زاہد سے وہ دیگا پتہ
کسطرف کو ہے دکانِ میفروش

تیرے مرنے پر ہوئی ہڑتال ہے
بند ہے قرباں دکانِ میفروش

مُناجات

تضمین

اے خدائے ذی کرم ذیشان بخش
میں ترے صدقے ترے قربان بخش

بخشنے والا ہے تو ہر آن بخش
میری تقصیریں مرے عصیان بخش

میں ہوں عاصی مجھ کو یا رحمٰن بخش

میں ترا بندہ مرا خالق ہے تو ہاں ثنا و حمد کے لایق ہے تو
ہر طرح سے لایق و فایق ہے تو خالق عالم ہے تو رازق ہے تو

میں ہوں عاصی مجھ کو یا رحمٰن بخش

یا کریم و یا رحیم و یا غفور دافع رنج و بلا ئے نا صبور
تجھ سے چھپ سکتے نہیں میرے قصور ہے خیال پرسش یوم نشور

میں ہوں عاصی مجکو یا رحمٰن بخش

ہیں سراسر سب مرے اعمال بد اور زباں پر رات دن اقوال بد
ہر روش پر ہے مری ہر چال بد الغرض میں ہوں سراپا حال بد

میں ہوں عاصی مجکو یا رحمٰن بخش

تو نے اس دنیا میں مجکو اے خدا اپنی طاعت کے لئے پیدا کیا
اور میں جنجال میں ایسا پھنسا ایکدن در پر نہ تیرے سر جھکا

میں ہوں عاصی مجکو یا رحمٰن بخش

تو نے پیدا کر کے اے عالی جناب اشرف المخلوق کا بخشا خطاب
اس کرم پر بھی نہ آیا کچھ حجاب بے حیا بن کر کئے کار ثواب

میں ہوں عاصی مجکو یا رحمٰن بخش

تو نے اتنے سے مجھے اتنا کیا قطرۂ نا چیز کو دریا کیا
بے سمجھ تھا عاقل و دانا کیا تو ہے واقف کیا کہوں کیسا کیا

میں ہوں عاصی مجکو یا رحمٰن بخش

تو نے بخشی نیک اور بد کی تمیز دی بڑی توقیر و عزت اے عزیز
سب کھلے اسرار باریک و دبیز مجھ سے پوشیدہ نہ رکھی ایک چیز

میں ہوں عاصی مجکو یا رحمٰن بخش

تو نے دنیا میں تو نگر کر دیا مال و دولت سے مرا گھر بھر دیا
اختیار حکم اکثر پر دیا میں نے طاعت میں نہ تیری سر دیا

میں ہوں عاصی مجکو یا رحمٰن بخش

جتنے اعمالِ قبیحہ تھے تمام — جنکو تو نے کر دیا یارب حرام
وہ خطائیں میں نے کیں سب صبح و شام — مرتکب جن کے نہیں ہوتے عوام
میں ہوں عاصی مجکو یا رحمٰن بخش

رحم کرنے کا ترا دستور ہے — بخشدینے کا تجھے مقدور ہے
ہو کرم جس پر ترا مغفور ہے — جنت الفردوس میں مسرور ہے
میں ہوں عاصی مجکو یا رحمٰن بخش

تو ہے رازق اے خدائے دوسرا — پالنے والا نہیں تیرے سوا
ہو کسی دکھ میں جو کوئی مبتلا — چارہ گر تو بنکے دیتا ہے شفا
میں ہوں عاصی مجکو یا رحمٰن بخش

گو خطائیں ہیں سوا حد سے مری — رحمتیں صد چند ہیں اُن سے تری
ہے تجھے عادت الٰہی عفو کی — رحمتوں کی شاخ ہے ہر دم ہری
میں ہوں عاصی مجکو یا رحمٰن بخش

تو بڑا غفار ہے ستار ہے — ڈوبتی کشتی کا کھیون ہار ہے
گرم رحمت کا تری بازار ہے — رحم کی تیرے نظر درکار ہے
میں ہوں عاصی مجکو یا رحمٰن بخش

تو کرم کرتا ہے یارب صبح و شام — دے رہا ہے رات دن آب و طعام
ہے محیطِ دہر تیرا فضل عام — ڈوبتا ہے جب کوئی لیتا ہے تھام
میں ہوں عاصی مجکو یا رحمٰن بخش

اے خدائے دوسرا رب العلا — ہے ترے فضل و کرم کا آسرا
بخشدیگا تو مرے جرم و خطا — یہ ترا قربان کرتا ہے دعا
میں ہوں عاصی مجکو یا رحمٰن بخش

تیر دسنے ہو گیا دل آزردہ جاں خموش — خاطر سے مہماں کی ہوا میزباں خموش
مجنوں کا آ گیا جو نظر آستاں خموش — صحرا میں ہو گیا جرس کارواں خموش
آنکھیں لگائے رہتا ہے ظالم یہ رات بھر — دیکھے ہے آسماں مری بے تابیاں خموش
گلشن کا کچھ خیال ہے کچھ اہلِ باغ کا — دورِ خزاں کو دیکھکے ہے باغباں خموش

پوری سنانے پایا نہ تھا داستاں ابھی
اے مرنے والے کیوں ہوئی تیری زباں خموش

بچپن کے بعد آتا ہے جب عالمِ شباب
کرتی ہے آ کے خوب حیا شوخیاں خموش

تیرا اسیر ہو گیا شاید کوئی وداع
زنداں میں آج ہو گئیں کیوں بیڑیاں خموش

کیا فیصلہ کیا نہ کچھ اظہار رائے بھی
بیٹھے سنا کئے وہ مری داستاں خموش

کیا جانے آج باغ میں کیا سانحہ ہوا
چپ بلبلیں ہیں اور ہیں سب قمریاں خموش

اُچٹے نہ اُسکی نیند بہت اسکا تھا خیال
قرباں نکلی آہ دلِ ناتواں خموش

کیوں لگاتی ہیں اکبار چمن میں آتش
عشقِ گُل کی تو ہے بلبل ترے تن میں آتش

بات کرتا ہوں تو شعلے سے نکل پڑتے ہیں
کس نے بھر دی ہے مرے کام و دہن میں آتش

تیرے الفاظ سے عشاق کے دل خوب جلے
خوب اللہ نے دی تیری سخن میں آتش

ہر روش کھلنے لگے پھول بھبوکا بن کر
موسمِ گل نے لگا دی جو چمن میں آتش

چین مر کر بھی مجھے سوزِ جگر نے نہ دیا
لگ گئی زیرِ لحد میرے کفن میں آتش

ساتھ اُن کے جو عدو کو سرِ محفل دیکھا
لگ گئی دیکھ کے تن اور بدن میں آتش

تو نے اے غنچہ دہن مرہم زنگار سے کیوں
پھونک دی دل کے ہر اک زخم کہن میں آتش

منہ لگائے جو لبِ سرخ کو تیرے کوئی
مثلِ گلگیر وہ لے اپنے دہن میں آتش

ہم تو قرباں وہاں دل کو جلا کر آئے
لگ گئی اپنی طرف سے تو وطن میں آتش

تم سے نہیں بڑھ کر کوئی ایمان فراموش
کل کر دئے تم نے مرے احسان فراموش

کیا اس سے زیادہ کوئی دنیا میں گنہ ہے
احسان کو کر دے کوئی انسان فراموش

ہرگز نہیں مٹتے مرے دل سے نہیں مٹتے
کرتا ہوں بہت دل سے میں ارمان فراموش

اک قطرۂ ناچیز سے تخلیق ہے تیری
کر اپنی حقیقت کو نہ انسان فراموش

ہے بیخودیٔ حسن تو آئینے کو توڑ دو
خود بینی کا پہلے کر دو سامان فراموش

خودداری کو دیتے نہیں ہم ہاتھ سے اپنے
کرتے نہیں اپنی کبھی ہم شان فراموش

غیروں کی طرح جاؤں میں محفل میں تمہاری
اور آن کے ہو جائیں جو اوسان فراموش

مہماں جو کرتا ہے کوئی رہتا ہے ممنوں

احساں کو کرتا نہیں قرباںؔ فراموش

فضول کرتے ہو روز جھگڑا۔ تم اپنے گھر خوش ہم اپنے گھر خوش
نہیں ہے اُلفت کا ہم کو دعویٰ تم اپنے گھر خوش ہم اپنے گھر خوش

کبھی نہ احساں ہم بھی لیں گے۔ نہ حال اپنا بیاں کریں گے
نہیں جو کرتے علاج اچھا تم اپنے گھر خوش ہم اپنے گھر خوش

عدو کے تم ہو عدو ہمارا۔ ہوا یہ راز آشکارا سارا
ہمیں نہیں اب شکایت اصلا تم اپنے گھر خوش ہم اپنے گھر خوش

تمہارا میرا ہے رنج کا جھگڑا۔ بنایا دنیا نے کیوں یہ قصہ
جہاں میں ہوتا ہے روز چرچا تم اپنے گھر خوش ہم اپنے گھر خوش

لو میں نے اُلفت تمہاری چھوڑی۔ تم اب تو چھوڑو گے میرا پیچھا
خطا ہماری جو تم کو چاہا تم اپنے گھر خوش ہم اپنے گھر خوش

نہ ہم کبھی تیرے گھر اب آئیں۔ نہ تجھ کو خط بھیجکر بلائیں
یہ خط میں اُس نے ہے لکھ کے بھیجا تم اپنے گھر خوش ہم اپنے گھر خوش

گذاروں عشرت میں اپنی رہ کر۔ سوالی در پر ہوں نہ تمہارے
کبھی نہ دیکھوں میں تم سے بیجا تم اپنے گھر خوش ہم اپنے گھر خوش

جو تم سے وعدہ نہ ہوگا پورا۔ تو میں بھی کرتا نہیں تقاضا
فضول کرتے ہو مجھ سے وعدہ تم اپنے گھر خوش ہم اپنے گھر خوش

کرے خوشامد تمہاری جا کر۔ عزیز عزت بھی اپنی کھو دے
نہیں ہے قرباں کیسا بندہ تم اپنے گھر خوش ہم اپنے گھر خوش

ردیف ص

دیکھنا تم کو ہے منظور جو اُن کا اخلاص
تو دکھا دیں گے تمہیں اہل تمنا اخلاص

دے جگہ جس میں سما جائے ذرا پائے خیال
تو ہی مجنوں کو دکھا دامن صحرا اخلاص

تو ہمیشہ رہی محمل ہی میں مجبور حجاب
کچھ بھی دیکھا ترا مجنوں نے نہ لیلیٰ اخلاص

تو نہ گھبرا کبھی مل جائیگا یوسف تجھ کو
ہے ترے عشق میں گر کچھ بھی زلیخا اخلاص

غیر کا قول بھی اور فعل بھی جھوٹا نکلا
صرف دنیا میں تمہیں ہم نے دکھایا اخلاص

دل میں دھبہ بھی ہو کوئی تو یہ دھو دیتا ہے
دل میں کر دیتا ہے انساں کی اجالا اخلاص

اپنے محروم رہیں غیر ہوں ممنونِ کرم
ہم نے دیکھا ترا دنیا سے نرالا اخلاص

ساری دنیا ہمیں کہتی ہے بھلا اے قرباں
ان کی بد خلقی سے بہتر ہے ہمارا اخلاص

سنبھل کر پاؤں رکھ اے دل زمانہ ہی بہت ناقص
کسی بیگانہ وش سے دل لگانا ہی بہت ناقص

نہیں بچا لگجائے گی آخر کسی کی بد دعا اک دن
کسی مظلوم بیکس کو ستانا ہے بہت ناقص

مری مٹی سے ضد اچھی نہیں اچھی نہیں سن لے
نشانِ گور کو ظالم مٹانا ہے بہت ناقص

خرام ناز وہ بھی سامنے گورِ غریباں کے
دبے فتنے زمانے میں اٹھانا ہی بہت ناقص

بھلا میں اور کرتا فاش تیرے رازِ الفت کو
کسی مظلوم پر طوفاں اٹھانا ہی بہت ناقص

مزا جب ہے کہ کردوں جاں بخشی اپنے عاشق کی
گلے پر اسکے یوں خنجر چلانا ہی بہت ناقص

لگا لو اپنے سینے سے ذرا تم اپنے عاشق کو
ہنسانا اسکا اچھا ہے رلانا ہے بہت ناقص

خیال اے بے مروت چاہیئے کچھ جگ ہنسائی کا
عدو کیا یوں ہنسا ہنسانا ہے بہت ناقص

نہیں جاتی محبت دخترِ رز کی نہیں جاتی
اسے قرباں منہ سے بھی لگانا ہی بہت ناقص

نہ تو شفقت تری مخصوص نہ نفرت مخصوص
نہ عداوت تری مخصوص نہ الفت مخصوص

ساری دنیا کیلئے حشر کا اک خاص ہے دن
اور مرے واسطے ہے روزِ قیامت مخصوص

اور بندے نہیں اللہ کے کیا اے واعظ
کسطرح ہوگئی تیرے لئے جنت مخصوص

کس ادا سے ہے نمک پاش تبسم ان کا
میرے سینے کیلئے ہے یہ جراحت مخصوص

اے عدو ہم کو خدا حشر میں دیگا راحت
اور ہے تیرے لئے دہر میں عشرت مخصوص

ساتھ کیوں غیر کے ہو یہ دفن کو مٹ جاؤنگا میں
اک مرے واسطے ہی چاہئے تربت مخصوص

غیر کی قبر تو ہے فاتحہ پڑھنے کیلئے
حشر ڈھانے کیلئے ہے مری تربت مخصوص

عشق صادق کا مزہ آئے تم ایک سے ملے
آپکی مجھ سے جو ہو جائے محبت مخصوص

کیوں کبھی غیر کے گھر یہ نہیں جاتی قرباں

ہوگئی میرے لئے کیا شب فرقت مخصوص

رکھتے ہیں وہ ابروئے خمدار خاص
ہے ہمارے قتل کو تلوار خاص
ایک ہے خورشید تو اک ماہ ہے
حق نے بخشے ہیں تمہیں رخسار خاص
کیا یقین آئے ترے اقرار پر
اسمیں ہے اک پہلوئے انکار خاص
برق و محشر سے ہیں یہ دونوں سوا
اُن کی ہے رفتار اور گفتار خاص
دل کے اندر تم پھرو میرے مدام
سیر کرنے کو ہے یہ بازار خاص
غیر کے پہلو میں رہتے ہو سدا
اک کھٹکتا ہے یہ دل میں خار خاص
مجھپہ بھی الطاف کی ہو اک نظر
آپکا خادم ہوں ہیں سرکار خاص
مجھسے تو حیلے بہانے عام ہیں
غیر سے کرتے ہیں وہ اقرار خاص

کیوں تو اے قربان کرتا ہے گلہ
لطف بھی مجھ پر کرے گا یار خاص

اُن کو حق سے ملی حیا ہے خاص
یہ ہمارے لئے ادا ہے خاص
شربت وصل ہی ہے آب حیات
مرض عشق کی دوا ہے خاص
کبھی میری طرف نہیں آتی
کوچہ یار کی ہوا ہے خاص
مارا ابروئے تیغ کے بدلے
تو نے احسان یہ کیا ہے خاص
تو بھی ہوتی نہیں سدا مقبول
وقت تیرا بھی اے دعا ہے خاص
اُن کی مجھ پر عنایتیں مخصوص
میری بھی اُن سے التجا ہے خاص
جو سوائے ترے نہ ہوا اچھا
تیرا دنیا میں مبتلا ہے خاص
بتکدوں میں ہیں رام بت میرے
مجھ پہ یہ رحمت خدا ہے خاص

دیتا قربان ہے وہ بے مانگے
اُس کا یہ شیوۂ عطا ہے خاص

سب نے دیکھا خنجر قاتل کا رقص
اور وہ دیکھا کئے بسمل کا رقص
وجد میں لایا اُسے تیرا خیال
دیکھ مجنوں لیلیٰ محمل کا رقص
ہر تڑپ میں اک ادائے خاص ہے
دیکھتے آ کر کبھی تم دل کا رقص
ڈب ڈباتے ہیں جو آنسو آنکھ میں
موج میں ہیں دیکھتے ساحل کا رقص

جان دے کر لوٹتا ہوں یہ مزے
دیکھتا ہوں خنجر قاتل کا رقص

مے پلا کر شیخ کو تم دیکھ لو
دیکھنا ہو گر کسی قابل کا رقص

چیر کر اک طشت میں رکھ دیجئے
آپکو گر دیکھنا ہے دل کا رقص

مر گیا قرباں مزہ جاتا رہا
اُسکے دم سے تھا فقط محفل کا رقص

ردیف ض

لاکے خبر تری جو دے باد صبا کو کیا غرض
بھیجے مجھے جو موج بو زلف دوتا کو کیا غرض

دل کی ہو جب یہ آرزو روح بدن سے ہو جدا
مجھپہ کوئی اثر کرے ایسی دوا کو کیا غرض

مرنا ہے جبکہ سودمند عشق بتاں میں چارہ گر
خاک شفا کو کیا غرض آب بقا کو کیا غرض

اُسکا گلہ جو میں کروں مجھپہ کرم جو وہ کرے
اُسکی جفا کو کیا غرض میری وفا کو کیا غرض

راہ پہ مجکو لائے کیوں راہ مجھے بتائے کیوں
بانگ جرس کو کیا غرض بانگ درا کو کیا غرض

خون دل حزیں مرا اس کیلئے ہیں رنگ زا
ڈھونڈے کسی کا کیوں لہو دزد حنا کو کیا غرض

اُٹھکے وہ کیوں ہو متصل ہجر کی شب ہو کیوں مخل
جب نہ زباں ہی کام دے دست دعا کو کیا غرض

آنکھیں کھلیں نہ جب تری شور و شغب سے بھی کبھی
کیوں کرے تجکو ہوشیار بانگ درا کو کیا غرض

سجدے میں اپنا سر جھکا کر نہ کبھی کوئی گلا
بتکو خدا سے بے نیاز مجھسے خدا کو کیا غرض

ہوش میں مجکو لائے وہ بنکے طبیب آئے وہ
زلف مجھے سنگھائے وہ اُسکی بلا کو کیا غرض

راضی رضا پہ ہوں ہوں اُسکے ہدف میں سیکڑوں
تیر اگرے وہ پاس کیوں تیر قضا کو کیا غرض

دامن شوق تھام کے سوئے بتاں میں کھینچلے
میرا جو آکے ساتھ دے بخت رسا کو کیا غرض

ناخن شوق جب ترے کند ہوں کوئی کیا کرے
کھولدے اپنی خود گرہ بند قبا کو کیا غرض

مجکو فقط ہدف بنائے اور کہیں نہ جائے آئے
میرے ہی دلمیں بیٹھ جائے تیر ادا کو کیا غرض

قرباں وہ جب نفور ہوں مست ہوں پر غرور ہوں
کیوں شب وصل دور ہوں شرم و حیا کو کیا غرض

پر کترنے کو جو صیاد تو لایا مقراض
ہاتھ افسوس سے ملتی رہی کیا کیا مقراض

اور یہ قوت پرواز مری کھو دے گی
خاک دکھلائے گی صیاد تماشا مقراض

قفس گل میں بھی اسیروں پہ چلا کرتی ہے
کچھ نہیں کرتی مگر خوف خدا کا مقراض

آج مغرور نظر آتی ہے بلبل بے حد
جا کے صیاد ذرا اپنی اٹھا لا مقراض

بلبل و گل پہ تو چلتی ہے سدا وقت بہار
قطع کیوں کرتی نہیں ہاتھ خزاں کا مقراض

کاٹتا ہے تجھے دامان خزاں اے بلبل
اپنی منقار کی اک جلد بنا لا مقراض

خوب بدلا یہ لیا خون کا پروانے کے
شمع کے سر کو سر بزم جو کاٹا مقراض

میں کہاں جاؤں نہیں طاقت پرواز مجھے
تو نے کیوں چھوڑ دیا مجکو تڑپتا مقراض

روح قربان کی پرواز پہ مائل ہی بہت
پر کترنے کو تو اے زیست اٹھا لا مقراض

دیکھ کر ساری خدائی ہوئی شیدا عارض
ہم نے دیکھا نہ کبھی آپ کا پیارا عارض

عید کے چاند کا دنیا کو ہوا دھوکا سا
جب مثال مہ نو آپ کا چمکا عارض

ساری دنیا میں اندھیرا ہوا اک دم طاری
کیوں مرے یار کا آنچل سے چھپایا عارض

طور کی طرح مرا دل ہو ہلاک جلوہ
برق کی طرح چمک جائے تمہارا عارض

بحر الفت میں محبت کے شناور کے لئے
بن گیا گوہر نایاب کا دریا عارض

دیکھنے سے ترے آتی ہے ضیا آنکھوں میں
کور چشموں کو کیا کرتا ہے بینا عارض

یوں چھپایا ہے کہ مطلق نظر آتا ہی نہیں
بن گیا پردۂ گیسو میں معما عارض

دیکھ کر چہرہ کو پاتا ہے شفا عاشق زار
تشنۂ شوق کو گویا ہے مسیحا عارض

عمر بھر آنکھیں رہیں چہرے کی جانب لیکن
تو نے قربان نہ دیکھا کبھی انکا عارض

کیوں ظلم ہیں اور کیا ہیں جفا کار کے اغراض
سمجھے نہیں ہم چرخ ستمگار کے اغراض

اقرار ہیں جھوٹے ترے انکار ہیں سچے
اقرار سے اچھے ترے انکار کے اغراض

لوٹیں گے ترا حسن وہ دھوکا تجھے دے کر
تجکو نہیں معلوم ابھی اغیار کے اغراض

دانستہ وہ کیوں انکی عیادت کیلئے آئیں
وہ جانتے ہیں جو بھی ہیں بیمار کے اغراض

دل لیکے تجھے اپنا بنانا ہوا منظور
دل لینے میں پوشیدہ ہیں دلدار کے اغراض

گلچیں کی جفاؤں سے ہو پھولوں کی حفاظت
بلبل سے کوئی کہدے یہ ہیں خار کے اغراض

تکلیف ہمیں دیتا ہے اغیار کی خاطر
ہم خوب سمجھ لیتے ہیں دلدار کے اغراض

مطلب ہی مسیحائی سے وہ کرتی ہی ہر دم
سب جانتے ہیں آپکی گفتار کے اغراض

اکبار ذرا مڑ کے تری راہ میں دیکھیں
اتنک جو نہ سمجھے تری رفتار کے اغراض

مطلب ہے کہ دل لیکے بنے چلتا یہاں سے
قربانؔ سمجھتا نہیں کیا یار کے اغراض

پوچھے نہ کبھی زیست میں بیزار کے امراض
اب پوچھ لو آ کر دل بیمار کے امراض

مطلق نظر آتے نہیں آثار شفا کے
بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں بیمار کے امراض

اقرار کی خصلت ہی نہیں اہل وفا سے
پھیلے ہیں حسینوں میں یہ انکار کے امراض

کیوں انکو گلستاں میں مہکنے نہیں دیتے
پھولونکے گلے پڑ گئے کیوں خار کے امراض

نفرت نہ دلائے کوئی ٹھٹا نہ اوڑائے
پوشیدہ سدا رکھتے ہیں اغیار کے امراض

بیمار کی بالیں پہ چلا آتا ہے جب تو
ہو جاتے ہیں اچھے ترے بیمار کے امراض

قربانؔ وہ آیا ہے علاج غم دلکو
جو جانتا ہرگز نہیں بیمار کے امراض

ردیف - ط

کام کرتی رہی لیکن نگہ یار غلط
تیر برساتی رہی دل پہ ستمگار غلط

عشق کا تو نے کیا غیر سے اقرار غلط
مستحق اسکا تھا میں اس سے ترا پیار غلط

تیغ ابرو نے اور تیر نگاہیں سب جھوٹ
دل کے ڈسنے کو بنے زلف تری مار غلط

تیرا پامال تری چال کو جو چاہے سو کہے
راہ میں فتنے اٹھاتی ہے یہ رفتار غلط

داخل کعبہ ہوئے چھوڑ کے میخانے کو
مے کے نشہ میں چلے راہ ہیں میخوار غلط

کام مژگاں ہی تری کرتی ہیں بہتر دل پر
قتل کرتی ہے ہمیں ابروئے خمدار غلط

ہی محبت کے مریضوں کو تپ رنج و فراق
چارہ گر سمجھا ہے بیمار کا آزار غلط

پہلی باتیں نہ رہیں پہلی سی الفت نہ رہی
کیا زمانے کی ہوئی ہائے یہ رفتار غلط

میں تعین کیسے کروں وصل کی شب آئینگے آپ
ہمنے پائی ہے سدا آپ کی گفتار غلط

رخ ترا صبح کرے زلف تری شام کرے
تیرے خوش کرنیکو ساری ہی یہ گفتار غلط

جسکو کہتے ہیں عدو وہ تو مجسم ہے فریب
اُسکی ہے چاہ غلط اُسکا ہی سبب پیار غلط

ابر کہتا ہے کوئی ساغر ومینا کوئی
ہے مگر یہ صفت چشم گہربار غلط

تو ہی لکھتا ہے جو بات ہو سچی سیدھی
تیرے قربان کہاں ہوتے ہیں اشعار غلط

اپنی چھاتی سے ہے لگایا خط
جب سے ہمنے ہے تیرا پایا خط

بعد مدت کے آج آیا خط
دیکھئے کیا پیام لایا خط

سادہ کاغذ تھا اک لفافے میں
میرا قاصد عجیب لایا خط

بدگمانی مری بڑھانے کو
غیر سے ہے مجھے لکھایا خط

غیر کو صاف لکھدیا نامہ
میرا لکھکے ہے مٹایا خط

راستہ میں ہوا وہ گم شاید
میرا قاصد نہیں جو لایا خط

اُلٹا سیدھا عدو نے خوب اُنہیں
آج پڑھ کر مرا سنایا خط

عیب اُس کا نہیں ہے پھر چھپتا
دل کے شیشہ میں جسکے آیا خط

اُس نے قربان کو جواب دیا
غیر کا سا مگر بنایا خط

کرلو پہلے ذرا طبیبو شرط
پھر مریضوں سے ہار و جیتو شرط

وعدہ اُلفت کا اُن سے پھر کرنا
دشمنوں پہلے مجھ سے باندھو شرط

ایک ایک کر کے ہو گئی پوری
ہمنے کی اُنکے عشق میں جو شرط

میں کہوں گا فقط وفاداری
تم جو اُلفت کی مجھ سے پوچھو شرط

منع اس کو کیا شریعت نے
لوگ کہتے ہیں جسکو سُن لو شرط

پھر ہی کہنا کہ ہار جاؤگے
پہلے کر کے تو مجھ سے دیکھو شرط

تم نے باندھی ہے جو بلا سوچے
مجھکو ڈر ہے وہ تم نہ ہارو شرط

شرط اس سے لگا لی ہے قربان
کیا مزہ ہو جو تم نہ جیتو شرط

تم نے دشمن سے تو بڑھایا ربط
اور نہ مجھ کو کبھی دکھایا ربط

آج دشمن ہے وہ مرا افسوس
جس نے پہلے بہت دکھایا ربط

تو نے سیکھی کہاں ہے یہ ترکیبیں — رفتہ رفتہ جو ہے گھٹایا ربط
سیکھ لی تم نے غیر کی عادت — رنگ آخر یہ اُس کا لایا ربط
غیر ہرگز نہیں ترا عاشق — اُس نے مطلب سے ہی بڑھایا ربط
اُتنی ہی پائیں ہم نے تکلیفیں — جس قدر آپ سے بڑھایا ربط
ہے وُہ یاروں کا یار محفل میں
خوب قربان نے بڑھایا ربط

آج تک کس نے ایسا پایا ضبط — تم نے دیکھا نہیں ہمارا ضبط
آنسو آنکھوں سے میری بہتے ہیں — اب تو مشکل ہوا ہے غم کا ضبط
کام کرتا ہے یہ بہت مشکل — ہونے دیتا نہیں ہے رسوا ضبط
غم تو دیتے ہو دیکھ لو پہلے — تم نے دیکھا نہیں ہے دل کا ضبط
ہے نتیجہ میں یہ بہت میٹھا — گو بظاہر بہت ہے کڑوا ضبط
یہ دبی آگ ہے محبت کی — اندر اندر ہی ہے جلاتا ضبط
سخت دشوار سخت مشکل ہے — کرکے دیکھا ہے ہم نے غم کا ضبط
کیا آخر میں خوش کیا تم کو
کرکے قربان تم نے دیکھا ضبط

سمجھتا ہے وہ تجھ کو اچھا فقط — ہے عاشق ترا تجھ پہ شیدا فقط
نہ باقی رہا تا قیامت کوئی — رہا نام باقی خدا کا فقط
کسی کا نہیں ہے کسی کا نہیں — مجھے عشق ہے بس تمہارا فقط
فسانہ زمانے میں مقبول عام — رہے گا ہمارا تمہارا فقط
ضیا اور کی مجکو بھاتی نہیں — ہے کافی مجھے تیرا جلوہ فقط
عبث زحمت تیغ لیتے ہیں آپ — بہت مارنے کو ہے غمزہ فقط
خدایا نہیں کوئی تیرے سوا — تری ذات کا ہے سہارا فقط
میسر ہو دیدار مجکو ترا — مجھے اب تو یہ ہے تمنا فقط
ہو قرباں نہ پہلو میں اُن کے عدو
یہی ہے مرے دل میں کھٹکا فقط

ردیف ظ

اپنا جمال سب کو دکھانے میں بد لحاظ
چھپا نہ ہوگا کوئی زمانے میں بد لحاظ

آیا نہ کچھ لحاظ کہ سوتا یہاں ہے کون
ہو قبر کا نشان مٹانے میں بد لحاظ

کرتے نہیں ہیں شرم غضب کی یہ بات ہے
کیسے ہیں بت یہ حسن دکھانے میں بد لحاظ

میں تو یہ جانتا ہوں ترا حرج کچھ نہیں
ارمان میرے دل کا مٹانے میں بد لحاظ

ہر وقت ہر گھڑی ہیں تری شوخیاں وہ ہی
کس درجہ تو ہے آنکھیں دکھانے میں بد لحاظ

کہتے ہیں سنکے میری زباں سے سوال وصل
تجھ سا نہ کوئی دیکھا زمانے میں بد لحاظ

لیتا ہے چٹکیاں تو نکلتے ہیں اشک گرم
ہے انکا درد بھی تو رلانے میں بد لحاظ

ساقی وہ دیکھ سامنے بیٹھا ہے شیخ بھی
اتنا تو ہو نہ مے کے پلانے میں بد لحاظ

قربان یہ کہہ وہ چلے بن بلائے آئے
آنے میں بد لحاظ تھے جانے میں بد لحاظ

کوئی ہرگز نہیں میرا حافظ
ہے اگر تو فقط خدا حافظ

اٹھے یہ کہہ کے میری بالیں سے
تیرا بیمار غم خدا حافظ

اپنا قصہ کہوں گا محشر میں
اس فسانے کا میں ہوا حافظ

بولا تیشہ کو مار کر فرہاد
میری شیریں ترا خدا حافظ

ہم کو کوچہ میں اس کے پہنچا دے
تو تو رستہ کی ہے صبا حافظ

پیچھے میرے پڑو نہ جنازہ گرو
چھوڑ دو چھوڑ دو مرا خدا حافظ

کس طرح بزم میں وہ کھل کھیلیں
ان کی شوخی کی ہے حیا حافظ

نجد میں کس کی آرہی ہے صدا
میرے مجنوں ترا خدا حافظ

اے قربان میں نہ بھولوں گا
درس الفت کا میں ہوا حافظ

تم نہیں کرتے کبھی عاشق کی تربت کا لحاظ
فاتحہ پڑھتے جو ہوتا کچھ بھی الفت کا لحاظ

غیر کے آگے کبھی اٹھتی نہیں اٹھتی نہیں
ہم نے دیکھا ہے تری چشم مروت کا لحاظ

صبح ہوتے آگئے وعدہ کی شب ہنستے ہوئے
واہ کیا ان کو ہوا میری محبت کا لحاظ

جان دیدی کاٹ کر اپنا گلا خود ہاتھ سے
کر گئے آخر کو ہم تیری نزاکت کا لحاظ

آج اُنکی چال سے حشر اُٹھتے اُٹھتے رہ گیا
آگیا کیا آنکھ میں اُن کی قیامت کا لحاظ

بے بہائے چار آنسو لوٹتے ہرگز نہیں
وہ بہت کرتے ہیں ہمدم میری تربت کا لحاظ

آنکھ میں آقا کے وہ ہوتا نہیں ہرگز عزیز
جس ملازم کو نہیں ہوتا اطاعت کا لحاظ

چارہ گر کیا ہو گیا آگاہ میرے حال سے
آج اُسنے دی دوا کر کے طبیعت کا لحاظ

آبرو کا کرتے ہیں قربان دنیا میں خیال
ہم وہ ہیں جو کرتے ہیں دشمن کی عزت کا لحاظ

ردیف - ع

نہ ہے شوخی نہ ہے حیا مانع
اُن کو آنے سے ہے حیا مانع

تم کو آنیسے اب ہے کیا مانع
جب نہ بندہ نہ ہے خدا مانع

کیوں نہ صحت کی ہو دوا مانع
اُسکی رہتی ہے جب قضا مانع

جب وُہ شوخی پہ ہو گئے مائل
آگے ہونے لگی حیا مانع

غیر جاتے ہیں تیری محفل میں
کیوں تو ہوتا ہے پھر مرا مانع

ساتھ آنے کو تھے مرے تیار
ہو لی ظالم مگر حیا مانع

کیوں گنہ کرتے ہو زمانے میں
ارے بندو ہے جب خدا مانع

کام ایسا نہ کیجیے قربان
جس میں ہو دوست کی رضا مانع

کیا جلا کر ہی رہے گی آج ہر پروانہ شمع
بزم میں بیٹھی ہے لیکر ایک آتش خانہ شمع

لینے آیا تھا تجلی تجھ سے اک پروانہ شمع
توڑ ڈالا تو نے اُسکی زیست کا پیمانہ شمع

آج محفل میں دکھا کر حسن دل افروز کو
کر دیا ہے تو نے پروانے کو بھی دیوانہ شمع

اپنا اک آنسو پلا کر جلد کر اُس کو فنا
پینے کو جام شہادت آگیا پروانہ شمع

پھر نہ اترائے کبھی اپنے فروغ حسن پر
دیکھ لے اکبار اگر تو جلوۂ جانانہ شمع

قدر کر تو عاشق جانباز ملتے ہیں کہاں
شوق پروانہ سے اسدرجہ نہو بیگانہ شمع

تو نے پروانے جلائے رات بھر تا وقت صبح
ہو گیا لبریز آخر کو ترا پیمانہ شمع

ہے فدا اک شعر و پر دل یونہی قربان کا
جس طرح ہوتا ہے تجھ پر شیفتہ پروانہ شمع

ہجر کی رات ہوئی تجھ پہ بھی کیا بھاری شمع
رات بھر روتی رہی ہے تو مری پیاری شمع

جان دینے کیلئے اُڑ کے وہاں جاتے ہیں
دُور سے لگتی ہے پروانوں کو کیا پیاری شمع

خون پروانوں کا گویا ہے ترے سر پہ چڑھا
سُرخ سی تو جو لئے سر پہ ہے چنگاری شمع

ہجر کی رات کٹی دونوں کو روتے روتے
ہو گیا صبح کا جب وقت تو پھر ہاری شمع

جبکہ پروانوں کی لاشیں ہیں پڑی چار طرف
اپنے اس جرم سے کس طرح ہو انکاری شمع

پا بہ زنجیر ہے تو اور کھڑی روتی ہے
ہوئی کس جرم میں یہ تیری گرفتاری شمع

سانس کیوں توڑے ہے کیا عمر تری ختم ہوئی
لگ گئی کیسی دم صبح یہ بیماری شمع

سوز سے سیکڑوں پروانوں کو قربان کیا
نور تھی بن گئی کیوں بزم میں تو ناری شمع

ردیف غ

روشن ہمارے دلمیں محبت کا ہے چراغ
دل میں مگر عدو کے رقابت کا ہے چراغ

آئینگے وہ اندھیرے میں وعدہ کیا تھا یہ
خاموش آج یوں مری تربت کا ہی چراغ

تاریکی اُن کی گور میں ہو گی نہ مطلقاً
ضو بار جن کے سینے میں الفت کا ہی چراغ

خورشید روز حشر سے تابش میں ہے سوا
اے بُت یہ تیرا حُسن قیامت کا ہی چراغ

کیوں اے بُتو غرور ہے اس شمع حُسن پہ
روشن فلک پہ دیکھ لو قدرت کا ہی چراغ

رکھتا ہے روشنی یہ مرے دلمیں شام غم
داغ جگر مری شب فرقت کا ہی چراغ

پروانوں سرد شمع مرے آنسوؤں سے نہ کی
طالب تمہاری بزم سے رخصت کا ہی چراغ

کیوں شمع کے جلانے کی تکلیف کیجیئے
کافی حضور آپ کی صورت کا ہی چراغ

کس طرح ہو گی سوزِ محبت کی روشنی
روشن بُتوں کے دلمیں تو نخوت کا ہی چراغ

قربان اُن کو ظلمتِ دُنیا کا غم نہیں
موجود جن کے دلمیں بصیرت کا ہی چراغ

ہاں ہاں سُنا تو ہم کو وہ رنگیں فسانہ باغ
گذرا خزاں بہار میں کیسا زمانہ باغ

بلبل کو جو نکال کے دی ہے جگہ اُسے
کیا بوم کا ہے تجھ کو پسند آشیانہ باغ

بلبل کے باغ کو تو خزاں کر دیا اُجاڑ
تجھ سے ہمارے داغ جگر کا مٹا نہ باغ

بلبل سے گر خفا ہے تو گل پر ہی رحم کر
دستِ خزاں بہار میں اُسکا لٹا نہ باغ

دورِ خزاں سے پہلے گلِ زر تھا ہر طرف
لیکن کہاں وہ آج ہے تیرا خزانہ باغ

جس جا پہ مُت تھے پھول وہاں خار ہیں بہت
دیکھا ہے وہ زمانہ بھی یہ بھی زمانہ باغ

گھائل کیا ہے تیر نگہ نے ہمارا دل
تجھکو کیا خدنگِ خزاں نے نشانہ باغ

الدم کیسا تھا ساتھ خزان و بہار بھی
مرنے کے بعد دشت رہا اور رہا نہ باغ

آئی خزاں بھی اور بہاریں بھی سیکڑوں
قربانؔ تیرے دل کا تو ہرگز مٹا نہ باغ

تیرا دل دنیا میں کیونکر ہو نہ قائل باغ باغ
ہو رہا ہے جان دے کر ای بسمل باغ باغ

تم نہ آئے تھے تو افسردہ سی تھی دل کی کلی
دیکھ لی صورت تمہاری ہو گیا دل باغ باغ

بعد مدت آج گلشن میں پھر آئی فصل گل
ہو رہا ہے باغ میں قلب عنادل باغ باغ

پھیر دی تو نے چھری کر کے جو دلکو اپنے سخت
ہو گیا ہے اس کی گویا قلب بسمل باغ باغ

تم ہی تو نخل تمنا کا ہماری پھول ہو
دلمیں جب رہتے ہو تو پھر کیوں نہ ہو دل باغ باغ

آرہے ہیں جان دینے کو جو پروانہ بہت
دیکھ کے ہوتی ہے انکو شمع محفل باغ باغ

تو نہ تھا ساقی تو سب خاموش تھے بیٹھے ہوئے
دیکھ کر تجھ کو ہوئے یارانِ محفل باغ باغ

آہ کیا پکڑا گیا ہے اُن کا کوئی ہم صفیر
ہو رہا ہے آج کیوں شورِ عنادل باغ باغ

بعد مدت کے ملے ہو جب نہ تھی باقی امید
دیکھکر تمکو ہوا قربانؔ کا دل باغ باغ

بنکر گلے میں کیوں نہ پڑے تیری ہار تیغ
میرے گلے سے ملتی ہے اب بار بار تیغ

کھاتی ہے میرے قتل سے ہی تیری عار تیغ
چلتی نہیں ہے حلق پہ آکر جو یار تیغ

عاشق کا کام کر دے جو اک وار میں تمام
دیکھی کسی نے ایسی کہاں آبدار تیغ

الفت کا نام لیگا تو کر دوں گا سر قلم
کہتے ہیں وہ دکھا کے مجھے بار بار تیغ

ابروئے یار دلمیں ہے عاشق کے جلوہ گر
دکھلا رہی ہے حسن کی اپنی بہار تیغ

کرتی نہیں ہے رحم کسی جاں نثار پر
کرتی ہے قتل سیکڑوں لیل و نہار تیغ

بجلی گرا کے اُس کے تو خرمن کو پھونک دے
اپنی دکھا خزاں کو ذرا اے بہار تیغ

رُک رُک کے چلتی ہے مری گردن پہ آج کیوں
کھو بیٹھی ہو عدو کے گلے پر نہ دھار تیغ

قرباںؔ اُف کریں گے نہ اپنی زبان سے
گردن پہ وہ ستم کی چلائیں ہزار تیغ

زیرِ پردہ بن گیا تیرا رُخِ روشن چراغ
جل رہا ہو جس طرح کوئی پسِ چلمن چراغ

رنگِ حسرت دیکھ کر اور شانِ عبرت دیکھ کر
رو رہا ہے شام سے کیا سرِ مدفن چراغ

اُنہیں تاریکی کبھی آتی نہیں دیکھا بہت
میری ہی کا ہے دل گویا کہ اک روشن چراغ

اُس سے کہدو تجکو بھی مرنا ہے آخر ایک دن
موت پر میری جلائے جب کوئی دشمن چراغ

گورِ عاشق آج قسمت کھل گئی تیری ضرور
آ رہا ہے خود جلانے وہ بُتِ پُرفن چراغ

شب کو بیٹھا پاس پردے کے جو وہ آ کر کبھی
بیٹھتے ہی گُل کیا اُس نے پسِ چلمن چراغ

تجھسا پیدا ابد میں ہونا نہیں ہرگز کوئی
تو بھی اپنے گھر کا ہی قرباںؔ اک روشن چراغ

تجھ سا نہ ہوگا کوئی زمانے میں بد دماغ
آنے میں بد دماغ ہے جانے میں بد دماغ

عاشق کو رنج دے کے ہوا شاد تیرا دل
آتا مزہ ہے تجھکو ستانے میں بد دماغ

سمجھا نہ تیرے اس میں ہیں ارماں بھرے ہوئے
آیا نہ خوف دل کے دُکھانے میں بد دماغ

سیکھا ہے کس سے تو نے مجھے بھی ذرا بتا
حاصل کمال بات بنانے میں بد دماغ

ادنٰی سی یہ تو اک تری ٹھوکر کا کام ہے
کرتا ہے دیر مُردہ جلانے میں بد دماغ

سیکھا کمال تو نے قیامت سے بھی سوا
فتنے اُٹھانے اور دبانے میں بد دماغ

مجھکو دیا ہی کھانے کو تو نے جو زہرِ غم
دیدے عدو کو زہر تو کھانے میں بد دماغ

آخر مجھے بتا کہ تجھے لطف کیا ملا
قرباںؔ کو فضول رُلانے میں بد دماغ

چھُٹ چکا اب دامنِ قاتل کا داغ
داغ ہے خونِ دلِ بسمل کا داغ

آئی تو لیلٰے نہ بے پردہ کبھی
لے گیا مجنوں ترے محمل کا داغ

لوگ یہ سب سمجھے کہ نکلا ماہِ نو
جا کے چمکا چرخ پر جب دل کا داغ

زخم اس کا قتل سے میرے بھرا / مٹ گیا آخر دلِ قاتل کا داغ
ماہ اور خورشید کہتے ہیں جنھیں / اک جگر کا داغ ہے اک دل کا داغ
شمع نے ایسی دکھائیں گرمیاں / جل اٹھا پروانۂ محفل کا داغ
میرے ہوتے آگیا گر وہ کبھی / بن گیا گویا عدو محفل کا داغ
اک نگاہِ پرجفا دو کر گئی / ہو گیا آخر ہمارے دل کا داغ

حشر تک چمکے گا اے قربان یہ
مٹ نہیں سکتا ہمارے دل کا داغ

ردیف ف

آتا ہے جو بھی قہر گنہگار کی طرف / وہ دیکھتا ہے رحمتِ غفار کی طرف
زاہد یہ رنگ دیکھ کے کیوں منفعل ہو / رحمت ہے روزِ حشر سیہ کار کی طرف
وہ تیغ تیز بن کے میرا کام کر گئی / دیکھا جو میں نے ابروئے خمدار کی طرف
زنبور سے کسی کو نہیں ہے یقین عسل / اٹھتی ہے آنکھ شاخِ ثمردار کی طرف
بس اس خطا پہ اس نے مری آنکھیں پھوڑ دیں / دیکھا تھا میں نے روزنِ دیوار کی طرف
کل تک تو ہنس رہے تھے وہ سن کر مرض کا حال / اب رو رہے ہیں دیکھ کے بیمار کی طرف
قاتل صفائی اس میں ہے کیا روئے صاف کی / اٹھتی نہیں نگاہ بھی تلوار کی طرف
بلبل گلوں کا لینا ہے بوسہ تجھے محال / کرتے نہیں یہ رخ تری منقار کی طرف

قربان کس طرح انہیں ہم دیکھیں بے حجاب
اٹھتی نہیں ہے آنکھ بھی رخسار کی طرف

بلبلو دیکھا نہیں جاتا گلستاں کی طرف / آنکھ اب تو لگ گئی اپنی بیاباں کی طرف
تم بھی آجاؤ ذرا بالوں کو اپنے کھول کر / ابر بھی گھنگھور آیا ہے گلستاں کی طرف
میں رہوں کعبہ میں یا بتخانے میں پروا نہیں / دل مرا رہتا ہے ہر دم کوئے جاناں کی طرف
روشنی کرتا نہیں دل میں زلیخا کے کبھی / دیکھتی حسرت سے ہے وہ ماہ کنعاں کی طرف
آج پھر میرے مقدر میں جراحت ہے کوئی / آج پھر رخ ہے جگر کا تیرِ مژگاں کی طرف
دیکھیے آکر شگوفہ کیا کھلاتے ہیں یہاں / سنتے ہیں آتے ہیں وہ گورِ غریباں کی طرف

یہ صدا آئی کہ آنے کا ہے تیرے انتظار
ہم گئے قرباںؔ جب گورِ غریباں کی طرف

وحشیو پھر کوئی لے جائے نہ زنداں کی طرف
پھاڑ کر کپڑے نکل بھاگو بیاباں کی طرف

اک نظر جو دیکھ لے رخسارِ جاناں کی طرف
آنکھ اٹھا کر وہ نہ دیکھے ماہِ تاباں کی طرف

ہیں نگاہیں میکشوں کی ابرِ باراں کی طرف
کیا برستا آرہا ہے بزمِ رنداں کی طرف

فاش پردہ اے زلیخا تو نے اپنا کر لیا
ہاتھ لیجانا نہ تھا یوسف کے داماں کی طرف

کیا کنوئیں میں گر پڑیگا یہ بھی یوسف کی طرح
جھانکتا ہے دل مرا چاہِ زنخداں کی طرف

خار لاکھوں رہگئے تلووں میں میرے ٹوٹ کر
لے گیا تھا جوشِ وحشت کا بیاباں کی طرف

ظلم سے گلچیں کے باہم کہہ رہی ہیں بلبلیں
اب تو دیکھا بھی نہیں جاتا گلستاں کی طرف

دل کو لیکر بے وفا مجھ سے نگاہیں پھیر لیں
دیکھنا تھا تجھ کو اپنے عہد و پیماں کی طرف

شکل مایوسی کی آتی ہے نظر کے سامنے
دیکھتے ہیں جب کبھی ہم اپنے عصیاں کی طرف

آرہا ہے میرے سینے کی طرف تیرِ نگاہ
دل و فورِ شوق سے جاتا ہے پیکاں کی طرف

شان آتی ہے نظر تشدید کی اللہ کے
دیکھتے ہیں جب تو نکے سلکِ دندانکی طرف

سوزِ فرقت نے جلا کر۔ کر دیا خاکِ سیاہ
سنتے ہیں سب دیکھکر مجھ سوختہ جانکی طرف

آئے گی سر پر بلا پھنس جائیگا پھنس جائیگا
مرغِ دل جاتا ہے دامِ زلفِ پیچاں کی طرف

یہ نمک پاشی میں قاتل چشم پوشی تا بکے
زخمِ دل کھولے ہوئے ہیں منہ زنخدانکی طرف

جو قفس میں پر نکل کر ٹوٹ جاتا ہے مرا
اڑ کے جاتا ہے ہوا میں وہ گلستاں کی طرف

چاندنی راتوں میں آتا ہے اگر تیرا خیال
ہم سحر تک دیکھتے ہیں ماہِ تاباں کی طرف

آئی جاں آنکھوں میں اسکا کرتے کرتے انتظار
کیجئے چشمِ عنایت اب تو قرباںؔ کی طرف

کیسے کریں اب یار کی تلوار کی تعریف
جب کر چکے ہم ابروئے خمدار کی تعریف

دنیا میں نہیں کرتا کوئی خار کی تعریف
کرتے ہیں سب ہی شاخِ ثمردار کی تعریف

پڑھتا ہے وہ والفجر کی تفسیر یقیناً
کرتا ہے جو کوئی ترے رخسار کی تعریف

مارا ہے مجھے اس نے مگر اف ری محبت
پھر منہ سے نکلتی ہے ستمگار کی تعریف

رہتا ہے بہت دور مگر خوگرِ بیداد
دیکھو تو ذرا چرخِ ستمگار کی تعریف

وہ دیکھ لے اُس کو جو کبھی صحن چمن میں | شمشاد کرے قامت دلدار کی تعریف
تربت پہ مری جب نہ پڑا تیرا کبھی پاؤں | کیونکر میں کروں شوخیٔ رفتار کی تعریف
کرتا ہے گنہ گر کرے جو عاصی کوئی تو یہ | کرتا ہے گنہ بھی تو گنہگار کی تعریف

سنتا ہے بڑے شوق سے ہر اہل دل اسکو
قربان میں کرتا ہوں اگر یار کی تعریف

وہ اپنی زباں کو کبھی اصرار کی تکلیف | کانوں سے اب اٹھتی نہیں انکار کی تکلیف
تو دیکھ لے آکے کبھی بیمار کی تکلیف | کس رنگ پہ ہے خوگر آزار کی تکلیف
آنکھوں سے کیا کرتے ہیں مطلب کا وہ اظہار | کرتے نہیں ہرگز کبھی گفتار کی تکلیف
کٹ جاتا ہے دن باتوں میں اے رشک مسیحا | بڑھ جاتی ہے پھر رات کو بیمار کی تکلیف
دشوار ہوئی رفتار سے چلتی ہے گلے پر | دیکھی نہیں جاتی تری تلوار کی تکلیف
ممکن نہیں آزار یہ آنکھوں کا کبھی جائے | ہے سخت بہت نرگس بیمار کی تکلیف
زنہار نہ پھر سوئے وہ آرام سے شب کو | دیکھے جو مرے دیدۂ بیدار کی تکلیف

بڑھتی ہی چلی جاتی ہے دو جتنی دوائیں
گھٹتی نہیں قربان کے آزار کی تکلیف

اچھا نہیں ہوتا ہے یہ ہر بار تکلف | جب آتے ہو کرتے ہو بہت یار تکلف
سر کاٹنے میں وہ نہیں کرتی ہے توقف | سیکھی نہیں ہرگز تری تلوار تکلف
پہلو میں ترے بیٹھ گئے ہیں سر محفل | دہقاں ہیں نہیں جانتے اغیار تکلف
پیتا ہے دوا۔ اور نہ رہتا ہے سکوں سے | جینے میں بہت کرتا ہے بیمار تکلف
آنے نہیں دیتی شب وعدہ مری گھر تک | سیکھی ہے انوکھا تری رفتار تکلف
رہ جاتی ہے ہر بات لبوں تک ترے آکر | دکھلاتی ہے ہمکو تری گفتار تکلف
تکلیف تکلف سے اُنہیں کچھ نہیں ہوتی | جن لوگوں کے دُنیا میں ہیں اطوار تکلف

قربان نہیں جاتا مرض عشق کا تیرے
کرتا ہے بہت ہی ترا آزار تکلف

تو رونق غم خانۂ یعقوب ہے یوسف | اور قلب زلیخا کا تو محبوب ہے یوسف
کس طرح پسند آئے اُسے شان عزیزی | دلکو تو زلیخا کے تو مطلوب ہے یوسف

زنداں میں بھلا کس لئے تو نے اُسے ڈالا
دل چھین لیا تو نے زلیخا کا ادا سے
دُنیا میں حسیں اور بھی لاکھوں ہیں زلیخا
اے عشق ہوا چاک تو دامن مگر افسوس
دل توڑنا اچھا نہیں اربابِ وفا کا
شکل اپنی دکھا اور دے تسکینِ پدر کو

مطلوب بھی ہوتا کہیں معتوب ہے یوسف
دُنیا میں ترا حسن بہت خوب ہے یوسف
کس واسطے اتنا تجھے مرغوب ہے یوسف
محبوبِ زلیخا ہے کہ محجوب ہے یوسف
آئینِ محبت میں یہ معیوب ہے یوسف
بیچین ترے واسطے یعقوب ہے یوسف

قربان کو اک ایسا ہی محبوب ہے درکار
جیسے کہ زلیخا تجھے مطلوب ہے یوسف

ردیف ۔ ق

دیکھ کر تجھ کو ہوئی چہرے پہ دلبر رونق
یاس ۔ اندوہ ۔ الم رہتے ہیں اسمیں شب و روز
جب سے جلوے کا ترے نور سمایا اُس میں
کیا مرا رشکِ قمر بام پہ آیا اپنے
مرگِ دشمن کی خبر کس نے سنا دی تجھکو
جب کبھی خواب میں آجائینگے وہ قسمت سے
ان حسینوں کا نہیں ظاہر و باطن یکساں
دیکھ لینے دے سماں بزم کا اپنی ہمکو
ایک میلا سا حسینوں کا لگا رہتا ہے
تیری آنکھوں نے پیا کیا کسی مظلوم کا خون

یہ غلط ہے کہ ہے بیمار کے مُنہ پر رونق
دل میں رہتی ہے ترے عشق کی اکثر رونق
دیکھ تو کیسی مرے دل کے ہے اندر رونق
آج دُنیا میں نظر آتی ہے گھر گھر رونق
تیرے چہرے پہ نہیں آج جو دلبر رونق
تو بڑھا جائینگے تیری دلِ مضطر رونق
جیسی باہر سے نہیں قلب کے اندر رونق
تیری محفل کی چلے آئے ہیں سُنکر رونق
گو نہیں گور میں ہے گور کے باہر رونق
آج چہرے پہ ہے کیوں تیرے ستمگر رونق

آج تو خوب غزل تم نے پڑھی اے قربان
اس سے محفل میں نہ دیکھی کبھی بڑھکر رونق

تمہارے پاس نہیں تھی اگر دوائے فراق
عدو تو وصل سے سب بامُراد ہیں اُس کے

تو کیوں کیا تھا مجھے تمنے مُبتلائے فراق
ہمی ہے ایک مگر جان ہی بلائے فراق

تو کیا علاج کرے گا مریض فرقت کا
نہیں ہے پاس ترے چارہ گر دوائے فراق

نصیب ملنے کی تیرے نہیں خوشی ہم کو
ہمارے دل پہ ہی شام و سحر بلائے فراق

کبھی نہ چین سے بیٹھے ترے ستائے ہوئے
ہزار صدمہ ترے ہاتھ سے اُٹھائے فراق

مرے سکون سے کچھ لاگ ہے مقدر کو
جو ہو نصیب میں سونا تو کیوں جگائے فراق

وصال میں بھی تری لذتیں تھیں ہائے وصال
فراق میں بھی ترے اک مزہ تھا ہائے فراق

بلا ہے اور جو تکلیف ہو وہ دے دینا
الٰہی کرنا کسی کو نہ مبتلائے فراق

کبھی اُٹھائے نہ تمنے جدائی کے صدمے
ہمارے پاس ہی قربان کیا دوائے فراق

تیرا پتھر کا ہے جگر عاشق
تو محبت میں ہے نڈر عاشق

وہ جو پکڑے کلیجہ آتے ہیں
تیری آہوں کا ہے اثر عاشق

تجھ کو غم نے گھلا دیا کیسا
اپنی حالت پہ کر نظر عاشق

بارِ اُلفت اُٹھا لیا تو نے
تیرا دل ہے ترا جگر عاشق

اپنے عاشق سے وہ نہیں واقف
اُن کی حالت سے بے خبر عاشق

عشق تیرا اگر ہے سچا سُن
اُن کے دل میں کرے گا گھر عاشق

ایکدن بھی ملا نہ راحت کا
رہا مغموم عمر بھر عاشق

جان قربان تو نے گر کر دی
تیرے غم کی ہوئی سحر عاشق

میری حالت پہ کر نظر معشوق
میرے دل میں بھی کرے گھر معشوق

میرا مرنا تجھے مبارک ہو
ہوں جو لاشہ پہ نوحہ گر معشوق

غم میں نالہ زباں سے جو نکلے
تیرے دل پر کرے اثر معشوق

ہم نے دنیا میں گو بہت ڈھونڈا
تجھ سا آیا نہیں نظر معشوق

آنکھوں آنکھوں لے گیا دل کو
کیسا ظالم ہے باہنر معشوق

جاگتے ہجر میں رہے شب بھر
آنکھ جھپکی نہ تا سحر معشوق

آہ لب پر کبھی نہ لاؤں گا
ظلم جتنا ہو دل پہ کر معشوق

تیرا عاشق ہے با خبر تجھ سے
ہے تو عاشق سے بے خبر معشوق

رحم کر حالِ زار پر اُس کے
لے لے قرباںؔ کی خبر معشوق

واہ کیا خوب رنگ لایا عشق
تو نے اپنا ہمیں بنایا عشق

ہم کو اس کا صلا بھی کچھ تو ملے
بار تیرا جو ہے اُٹھایا عشق

عمر گذری تڑپ تڑپ کے تمام
تو نے کیسا ہمیں ستایا عشق

مجکو وحشی بنا دیا تو نے
راز پھر بھی ترا نہ پایا عشق

بُت کا فر ہوا نہ رام کبھی
ہم نے سو سو طرح دکھایا عشق

مجھ کو دُنیا میں کر دیا رُسوا
دربدر رات دن پھرایا عشق

داغ حسرت سے ہو گئی رونق
خوب یہ تو نے گل کھلایا عشق

ہڈیاں رہ گئیں فقط باقی
تو نے مجنوں صفت بنایا عشق

گھل گیا شمع کی طرح قرباںؔ
روگ کیا جان کو لگایا عشق

ردیف ک

مہرباں ہو گا تو مجھ پر مرے قاتل کب تک
نیم جاں بیٹھے رہو میں ترا بسمل کب تک

دیر سے قتل کھڑا دیکھتا رستہ ہے ترا
دیکھیے آتا ہے لیلےٰ ترا محمل کب تک

حکم دے جلد چلے دورِ مے و جام و سبو
یار سُونی یہ رہے گی تری محفل کب تک

اے بشر ہوش میں آحشر ہی نزدیک بہت
یونہی گمراہ رہے گا ارے غافل کب تک

اس کا انجام بھی ہے یاکہ نہیں یہ تو بتا
طے کئے جائیں تری عشق کی منزل کب تک

جان تو اپنی بچا یہ تو ہے خوگر غم کا
اے جگر دل کا رہیگا مرے شامل کب تک

ایکدن آئے گا ہو جائیگا یہ نذرِ خزاں
خیر گلشن کی منائیگی عنادل کب تک

مجھ سے ملتے ہیں کبھی یا نہیں ملتے بالکل
دیکھئے ہوتی ہے یہ حل مری مشکل کب تک

باغِ عالم کو بہت شوق سے ہم دیکھتے ہیں
رہتی ہے دیکھئے قرباںؔ یہ محفل کب تک

کیا رسا ہو آہ یا نالہ فلک / تو تو سنتا ہے بہت اونچا فلک
روز کرتا ہے ستم ہم پر نئے / تو بھی ساتھی بن گیا اُن کا فلک
کھینچکر نالہ کوئی شام فراق / تجھ کو ہم دکھلائیں گے نیچا فلک
میرے ہی معشوق کا غازہ ہے یہ / ہے منور چاند جو تیرا فلک
ہر ستم میں تجھ سے جو بڑھ جائینگے / کر لے اُن سے چاہے تو دعوی فلک
ہم نے تیرا کیا بگاڑا تھا بھلا / بن گیا دشمن تو کیوں اپنا فلک
رات دن چکر میں رہتا ہے مدام / ہو گیا ہے تجھ کو کیا سودا فلک
تو نہیں جو ٹوٹ کر اب تک گرا / کیا مرا۔ نالہ نہیں پہونچا فلک
ابر کے پنبے ہیں کانوں میں بھرے
سنتا ہے قربان کچھ اونچا فلک

ہستی کے ساتھ ساتھ رہا اُن کا غم شریک / رہتا ہے جیسے جان کے ہمراہ دم شریک
زنداں زندگی سے جو جاتا ہے چھوٹ کر / اپنے میں اس کو کرتے ہیں اہل عدم شریک
واحد ہے تیری ذات خداوند کائنات / تیرا نہیں ہے کوئی خدا کی قسم شریک
روتے ہی روتے کٹتی ہے آخر تمام رات / فرقت کی رات ہوتا ہے آپ کے غم شریک
ہم بھی جہاں کے نقشۂ عبرت کو دیکھ لیں / ہمکو بھی اپنے جام میں کر لے جو جم شریک
کس طرح اس سے حمد لکھوں لاشریک کی / تعریف میں تو نہی رہا ہے قلم شریک
بزدل ہیں جو کہ دیکھ کے غم کو ہیں بھاگتے / دنیا کے غم میں ہوتے ہیں ثابت قدم شریک
غمخوار اور کون ہے رہتے ہیں رات دن
قربان میرے درد میں رنج و الم شریک

خزاں سے تو بچا رکھیگا اسے اے باغباں کبتک / رہینگی تیری گلشن میں یہ رنگ آمیزیاں کبتک
مجھے بیتاب رکھیں گی مری بیتابیاں کبتک / کسی کی یاد میں آنکھیں رہینگی خونفشاں کبتک
رہینگی اے دل ناداں تری بیتابیاں کبتک / بڑھاتا تو رہیگا عشق میں حیرانیاں کبتک
اٹھاتے تم رہوگے ٹھوکروں سے تابہ کے فتنے / زمانہ میں رہیں گی یہ قیامت خیزیاں کبتک
بہار آئے بہار آئے خزاں جائے خزاں جائے / تو اس امید پر بیٹھا رہے گا باغباں کبتک
مزا تجکو تو آتا ہے مگر دل میرا دکھتا ہے / سناؤں میں تجھے صیاد اپنی داستاں کبتک

شکایت کرنی ہی آخر پڑے گی مجکو اے ظالم
مروت میں تری میں بند رکھونگا زباں کبتک

تپ غم سے نکل جائیگا یہ آخر دھواں بن کر
چھپائے دل میں رکھونگا بھلا سوز نہاں کبتک

گرے گی ایکدن برقِ خزاں ہر غنچہ دگل پر
منائیگا چمن کی خیر آخر باغباں کبتک

تمہیں سُننا پڑیگا قصۂ غم اپنے کانوں سے
نہیں سُنتے نہیں سنتے ہماری داستاں کبتک

وہ آئیں یا کہ موت آئے یہ قصہ ختم ہوجائے
مجھے آتی رہینگی نزع میں یہ ہچکیاں کبتک

قیامت آنیوالی ہے کہاں پھر زندگی ہوگی
رہیگی اے خضر تیری حیاتِ جاوداں کبتک

نگاہیں تیری انکا چھوڑ کیوں دیتی نہیں پیچھا
گریں گی خرمنِ دل پر یہ میرے بجلیاں کبتک

خدا جانے ملے کب قید سے ہستی کے آزادی
رہینگی زیست کی پیروں میں اپنے بیڑیاں کبتک

چلو قرباںؔ کھا کر زہر قصہ ختم کر ڈالیں
ہم اُنکی یاد میں لیتے رہینگے ہچکیاں کبتک

فلک نے جو نہیں بلبل گرائیں بجلیاں ابتک
غنیمت جان ہے باقی ہے تیرا آشیاں ابتک

جو مے پی تھی ازل کے میکدے میں تیرے ہاتھوں سے
مزے لیتی رہی ساقی اُسی کے یہ زباں ابتک

لگی ہے آگ جو دل میں سُلگتے ہی وہ سُلگے گی
اثر ہے سوز کا اُٹھتا ہے جو منہ سے دھواں ابتک

مری قسمت نے انکو مجھسے خوش رکھا زمانہ میں
خدا کا شکر ہے دشمن نہیں ہے آسماں ابتک

میں ہوں اپنے نشیمن میں بہاریں صحنِ گلشن میں
اسی دھوکے میں کیا بیٹھا ہوا ہے باغباں ابتک

کہا صیاد سے بہرِ رہائی تو وہ یہ بولا
بہار آئیگی جب کہنا ہے گلشن میں خزاں ابتک

تمہارے غم نے اُن کو کردیا ظاہر زمانے میں
مری آنکھوں کے اندر تھے مرے آنسو نہاں ابتک

ہمیں پیمانہ دینے میں تکلف روز کرتا ہے
نہیں واقف ہوا رندوں سے کیا پیرِ مغاں ابتک

تجھے قرباںؔ سخنور اپنی آنکھوں میں جگہ دیتے
نہیں پایا سخن کا کوئی تو نے قدرداں ابتک

مرکے بھی جاری رہے یہ دیدۂ تر زیرِ خاک
رہگیا میر افگن بھی ہائے گھُل کر زیرِ خاک

فرشِ مخمل پر بھی جن کو نیند آسکتی نہ تھی
خاک کا اُن کو ملا ہے مرکے بستر زیرِ خاک

کیونکر اُن مسند نشینوں کو وہاں چین آئے گا
سو گئے جاکر کے دارا۔ اور سکندر زیرِ خاک

شکر ہے دیکھا نہ میرا جسم عُریاں گور نے
کام آئی یہ کفن کی مجکو چادر زیرِ خاک

آخری تھا کام جو احباب نے تیرے کیا
اب نہ آئینگے یہ ہرگز تجکو رکھ کر زیرِ خاک

کس طرح سے چین تربت میں مجھے اب آئیگا | دفن ہیں ارمان وحسرت بھی برابر زیر خاک
کس طرح آخر کٹیگا وقت اپنا بے پیئے | کاش ہوتا انتظام جام وساغر زیر خاک

جسنے بھیجا ہے ہمیں قربان اُسی کا بندہ ہے
لیگا چھٹکارا فرشتوں سے یہ کہکر زیر خاک

بہت دشوار ہے آنسو نہ آئینگے گریباں تک | کہ اب تو ہاتھ بھی مشکل سے جاسکتے ہیں داماں تک
رہا صیاد نے گو کر دیا بیکار ہیں بازو | ہمیں دشوار آخر ہوگیا جانا گلستاں تک
اگرچہ قیس تیرے آستاں تک جا نہیں سکتا | بہت آسان ہے آنا ترا لیلےٰ بیاباں تک
لہو ہوتا ہے جب دل یاس کے خونریز ہاتھوں سے | تو اک رنگین آنسو کھنچ کے آجاتا ہے مژگاں تک
جنوں میں خار صحرا نے یہ رکھی بات پھر اُسکی | تمہارے آبلہ پا کو کیا اپنا نہ یہاں تک
جھکاتا کیوں سا پھرے ہے چاہ الفت مجکو تو ہر سو | مجھے لیچل تو اے جوش جنوں چاہ زنخداں تک
جفا بھی ہے سلیقہ سے ستم بھی ہے طریقے سے | طبیعت سے مری واقف ہوا ہے چرخ جاناں تک
تماشا دیکھنا صیاد گر ہے اہل گلشن کا | کبھی لیچل قفس کو تو مرے صحن گلستاں تک

وہ قرباں داور محشر نے کھینچا اپنی جانب کو
ہمارا ہاتھ جانے کو ہی تھا محشر کے داماں تک

اسیران قفس اب آہ کیا پہونچے گلستاں تک | نظر بھی اُٹھ کے رہجاتی ہے اب دیوار زنداں تک
بہائے میری آنکھوں نے وہ آنسو تیری فرقت میں | گریباں تو گریباں تر ہوئی ہیں جیب و داماں تک
قفس میں دیکھ کر مجکو نہ تا مرغ چمن بھڑکیں | کبھی صیاد لیجاتا نہیں صحن گلستاں تک
خدا کیواسطے دامن سے اپنے پوچھ دو آکر | اب آنسو آستیں سے بہہ کر آپہنچے ہیں داماں تک
تعجب ہے اگر اے قیس لیلےٰ کو نہ ہو صدمہ | ترے ماتم میں گرد آلود ہے سطح بیاباں تک
پڑھایا ضبط کا پہلے ہی الفت نے سبق ہم کو | کبھی آنے نہیں دیتے ہم آنسو اپنی مژگاں تک
بہار آنے دو باز دیں نئی کلیاں نکلنے دو | اڑا لیجائیگی بلبل قفس اپنا گلستاں تک
ہوا دہو کا کہ تارے چشمۂ کوثر میں ڈوبے ہیں | پسینہ بہکے جب آیا کبھی اُنکے زنخداں تک

سہارا ہیں وہی قرباں طوفان قیامت میں
وہ کیوں ڈوبے گا جسکا ہاتھ پہونچا انکے داماں تک

لخت دل ہمراہ لایا میرا اشک | صاحب دل بن کے آیا میرا اشک

بن گیا گویا سمندر گرتے ہی — آنکھ نے کیسا بہایا میرا اشک

یہ سمجھ کر ہے یہ موتی کی صفت — اُس نے دامن سے اُٹھایا میرا اشک

اللہ اللہ ضبطِ اُلفت کا اثر — میرے دامن نے سُکھایا میرا اشک

کر گیا بدنام دُنیا میں مجھے — کیوں نہ آنکھوں نے چھپایا میرا اشک

ضبط کی اُس سے ہوئی جب شرط تھی — آنکھ میں پھر کیوں یہ آیا میرا اشک

آنکھ کے پردے سے پھر باہر ہوا — خون میں پہلے نہایا میرا اشک

دیکھ اے ظالم نگاہِ رحم سے — بن کے فریادی ہے آیا میرا اشک

بن گیا قربانؔ طوفانِ نوح کا
رنگ دُنیا میں یہ لایا میرا اشک

صورتِ شمع جھُلوں گا میں سحر ہونے تک — ہو گا کیا سال مرا تم کو خبر ہونے تک

آنکھ جھپکی نہ ذرا در پہ نگاہیں رکھیں — منتظر تیرے رہے ہم تو سحر ہونے تک

تیری اُمید نے تھا اُس کو جلائے رکھا — گو بجھی کتنی ہی رہی شمع سحر ہونے تک

غیر کو پیچھے مرے رُوز لگا دیتے ہیں — خبر دیتے نہیں وہ مجھے سر ہونے تک

ایک اک لمحۂ فرقت ہے گراں تر از مرگ — اور کیا جیجئے نالوں میں اثر ہونے تک

جوشِ وحشت کا تقاضا ہے بنا لوں جنگل — گھر مجھے باعثِ تکلیف ہے گھر ہونے تک

نخلِ اُمید کو گو دُنیا میں بویا ہمدم — کون جیتا ہے نمو دار ثمر ہونے تک

دیر سامانئ تقدیر کا شکوہ کس سے — دفن بھی ہو چکے ہم اُن کو خبر ہونے تک

کہہ دے قربانؔ یہ بلبل سے کہ ہو گی آزاد
صبر سے بیٹھ تو پیدا ابھی پر ہونے تک

ردیف گ

گلوں کی بُو کی طرح اُڑ گیا شباب کا رنگ — جما ہے چہرہ پہ اب تو مرے خضاب کا رنگ

فضول کرتی ہے بلبل چمن پر اپنے ناز — گلوں نے چھین لیا ہے ترے شباب کا رنگ

حجاب اپنوں سے بے پردگی ہے غیروں سے — نیا یہ دیکھا ہے ہم نے ترے حجاب کا رنگ

ترے ہی چہرے کی سُرخی نے کردیا رنگیں
سفید تھا ترے رُخسار پر نقاب کا رنگ
قبول کرتا ہے دل یا اسے نہیں کرتا
ہیں ہے دیکھنا خط کی ترے جواب کا رنگ
سرُور عشق کا ملتا ہے آنکھ کو ساقی
ہے ترے عارض گلفام پر شباب کا رنگ
تھے لال ڈورے بھی آنکھوں میں تیری ایظالم
پسند آیا مجھے اس لئے شراب کا رنگ

یہاں جو حال ہو قرباںؔ وہ غنیمت ہے
وہاں نہ ہمکو دکھائے خدا عذاب کا رنگ

موت کو بھی جب کہ ہے ارمان مرگ
کیوں ہو دنیا میں دل خواہان مرگ
عیش دنیا میں اٹھاتا ہے بہت
میرے بدلے ہے عدو شایان مرگ
چارہ گر بیمار رنج عشق سے
سیکھ لے تھوڑے سے تو اوسان مرگ
دیکھ لی چارہ گری عیسیٰ کی خوب
جانتا وہ کچھ نہیں درمان مرگ
رنج و غم سے مل گئی مجھکو نجات
میری گردن پر ہے یہ احسان مرگ
کیوں نہ جاؤں جب بڑی سرکار سے
بے طلب آیا مجھے فرمان مرگ
زندگی کے تیر سے پھر کیوں ڈرے
دیکھ لے کوئی اگر مژگان مرگ
زندگی کی اُن کو نعمت ہیچ ہے
ہو گئے ہیں جا کے جو مہمان مرگ

مر کے اے قرباںؔ سب محتاج ہیں
دوسروں کے ہاتھ ہیں سامان مرگ

رنگ غصہ کا الگ اور الگ پیار کا رنگ
کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے مرے یار کا رنگ
جس نے دیکھا ترے آئینہ رُخسار کا رنگ
نہ پسند اُس کو پھر آیا گل گلزار کا رنگ
دوست سے بڑھکے تو اصنع ہے وہاں دشمن کی
ہمنے دیکھا ہے عجب محفل دلدار کا رنگ
صاف ہو صاف ابھی خون میں تو اسکو نہ بھر
قتل سے میرے بدلجائیگا تلوار کا رنگ
مٹتی جاتی ہیں زمانے کی پرانی باتیں
اور ہی اور ہوا ہے در و دیوار کا رنگ
ہم نہ کہتے تھے گلستاں میں نہ جا بے پردہ
دیکھ پھولوں نے اُڑایا ترے رُخسار کا رنگ
چھوڑ دو اس کو خدا پر نہ کرو فکر دوا
چارہ گر کہنے لگا دیکھ کے بیمار کا رنگ
رنگ چڑھ جائے نہ تجھ پہ کہیں واعظ اسکا
دیکھنے آیا ہے کیا خانۂ خمار کا رنگ
گاہ دشمن سے سوا گاہ ہے وہ دوست مرا
کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے مرے یار کا رنگ

جسکو قرباں حقیقت کی ملی آنکھ اُس سے
صاف آتا ہے نظر کافر و دیندار کا رنگ

پھونکدی میرے دلِ مضطر میں آگ
سوزِ الفت نے لگادی گھر میں آگ

میرے ہوتے غیر کا چھیدے جگر
کیوں نہ لگجائے ترے خنجر میں آگ

خرمنِ اعدا کو جس سے پھونکدوں
بھر دو تم ایسی دلِ مضطر میں آگ

بلبلیں کرتی ہیں آہیں باغ میں
کیا لگا دینگی گلوں کے سر میں آگ

دیکھنا بھڑکے گی روزِ حشر یہ
دھیمی دھیمی ہے جو خاکستر میں آگ

سوختہ ہے طورِ برقِ حسن سے
لگ گئی ہے دیکھ لو پتھر میں آگ

اللہ اللہ رے تصور کی تپش
جا لگی تصویر کے پیکر میں آگ

ہاتھ سے اپنے دے ساقی غیر کو
آتشِ صہبا لگا ساغر میں آگ

میں نے اے قرباں جو کھینچی آہِ سرد
معصیت کے لگ گئی دفتر میں آگ

ہوگیا ہے جب سے تن سے دم الگ
ہوگیا ہے اپنے دل سے غم الگ

کیوں نہیں ہوتا مرے غم میں شریک
مجھسے کیوں رہتا ہے تو ہمدم الگ

گر مرا جامِ سفالی دیکھ لے
جام کو رکھدے تو اپنے جم الگ

ہجر میں دل ہے الگ برہم مرا
جوش پر ہیں دیدۂ پُرنم الگ

اب نہیں اُٹھتے ہیں دُنیا غم ترے
بیٹھ جائیں جا کے کس جا ہم الگ

قبر میں آئے الگ مُنکر نکیر
گھٹ رہا ہے زیرِ مدفن دم الگ

چین سے آرام سے ہم سو گئے
رکھدیا جب دل سے تیرا غم الگ

لُطف جینے کا کہاں باقی رہا
ہوگیا مجھ سے مرا ہمدم الگ

ہچکیاں آئی تھیں تجھکو موت کی
کر گئیں قرباں ترا دم الگ

ردیف ل

بنالوں دلکو اپنے پہلے تیر کے قابل
یہ بے تقصیر ہوگا کس طرح تعزیر کے قابل

علاوہ مجکو جتنا تھا مری تقدیر کے قابل
لکھا تقدیر میں جتنا کہ تھا تحریر کے قابل

خطاوارِ محبت یہ نہیں ابتک ہوئے دونوں
جگر ہے تیر کے قابل نہ دل ہے تیر کے قابل

بنا لو چیر کر دل کو۔ اگر تم کو ضرورت ہو
بنے گا ایک اچھا چوکھٹا تصویر کے قابل

سپئے مشقِ ستم اب اور کوئی دوسرا ڈھونڈے
رہے ہیں اب کہاں ہم آسمانِ پیر کے قابل

بنایا میکدہ ساقی نے اچھا میری مٹی سے
مری مٹی تھی خمخانے ہی کی تعمیر کے قابل

نہ ہوگا کچھ مآلِ شورشِ ہنگامۂ محشر
یہ دن کا خواب ہو سکتا نہیں تعبیر کے قابل

خطا ہے تو نظر کی ہے سزا دو اس کو جو چاہو
جگر تعزیر کے قابل نہ دل تعزیر کے قابل

تری چتون کے قابل ہے تری ابرو کے قابل ہے
جگر تلوار کے قابل نہ دل ہے تیر کے قابل

مناسب ہے رہے سینہ کی اندر ہی یہ پوشیدہ
نہیں افسانہ میرا دہر میں تشہیر کے قابل

مسیحا کہہ گیا ہے آکے یہ تیمار دار دل سے
نہیں بیمارِ الفت اب کسی تدبیر کے قابل

خدا نے دیدیا تجھ کو ادا کر شکر تو اسکا
جو تھا قرباںؔ دنیا میں تری تقدیر کے قابل

تیرا بیمار ہوا آج قضا کے قابل
اب اسے کون سمجھتا ہے شفا کے قابل

پھر ہی اے دل تو مسیحا کی تجسس کرنا
درد تو پہلے بنا اپنا دوا کے قابل

جان جو تجھ پہ دے کیوں زندۂ جاوید نہ ہو
اس کو مل جائے بقا ہو جو فنا کے قابل

شورِ محشر کا کچھ اُن پر بھی اثر ہو شاید
ہاں نہیں کان مرے بانگ درا کے قابل

ضعف سے ابتو دعا کو بھی نہیں اٹھتے ہیں
اب کہاں ہاتھ ترے بندِ قبا کے قابل

دلِ پُرداغ کبھی باغ میں تجھ تک پہونچے
کاش یہ پھول بھی ہو دوشِ صبا کے قابل

درد بھی عشق نے تیرے وہ دیا ہے ہم کو
جو نہ قابل ہے دعا کے نہ دوا کے قابل

چارہ گر سیکڑوں بالیں پہ ہوئے آکے جمع
جب رہا درد نہ قرباںؔ دوا کے قابل

لیلیٰ ہے فقط شرم کی چادر ترا محمل
مجنوں کے کہاں دل سے ہے بڑھکر ترا محمل

جب اسمیں تو ہوتی ہے تو پھر قیسِ حزیں کو
آتا ہے نظر کعبہ سے بڑھکر ترا محمل

لے شکل دکھائے گی جب قیس کو لیلےٰ
کر دے گا بیاباں کو مکدر ترا محمل

حد ہی نہ تھی کیا اُس کی کوئی حد نظر کی
دیکھا ہی کیا قیس برابر ترا محمل

ہر وقت رہا قیس کی آنکھوں میں یہ حائل
لیلےٰ ہے تری طرح ستمگر ترا محمل

لیلےٰ نہ کہیں کعبہ اُسے عشق سمجھ لے
اوڑھے ہوئے کالی جو ہے چادر ترا محمل

پھرتا ہے اسے ناقہ لئے دشت میں ہر سُو
مجنوں کی ہے تقدیر کا چکر ترا محمل

ہر وقت صدا اس میں مکیں رہتا ہے لیلیٰ
قربان کے دل سے نہیں بہتر ترا محمل

کرتی نہیں اثر نگۂ یار آج کل
بیکار کیوں ہوئی ہے یہ تلوار آج کل

پیدا نہیں ہے کوئی خریدار آج کل
خالی ہے تیرے حسن کا بازار آج کل

اے عندلیب گل کا نہ کر رنج دل میں کچھ
ہے تو بھی ہونے والی گرفتار آج کل

اک حسن ہے وہ کسکو ندیں اور دیں کسے
ہیں سیکڑوں ہی اُن کے طلبگار آج کل

پھرتے ہیں مثل یوسف بے کارواں حسیں
ملتا نہیں ہے کوئی خریدار آج کل

وہ جانتے ہیں وعدہ نہ ہوگا کبھی وفا
اُن کی زباں پہ رُوز ہے اقرار آج کل

ہے احتیاج مجھ کو بہت التفات کی
کیونکر ہو مہربان ستمگار آج کل

قربان کیوں نہ عام ہوں افسانے عشق کے
رہتا ہے سب کے ہاتھ میں اخبار آج کل

دل سے دعا ہے اپنی کسی پر نہ آئے دل
دھوکے ہیں آکے کوئی نہ ہو مبتلائے دل

پھر ہی رکھدو سینہ میں میرے بجائے دل
نازک بہت ہے ظلم کہاں تک اُٹھائے دل

عیسیٰ کو اختیار نہیں دل پہ اپنے خود
کیا دیں کسی مریض کو پھر وہ دوائے دل

پھولو پھلو گے باغ تمنا میں رات دن
لے لو کبھی تو آکے ہماری دعائے دل

برداشت جب نہ ہجر کے افکار ہو سکیں
پھر کیوں کسی حسین سے کوئی لگائے دل

نالوں سے میرے چین کبھی تم نہ پاؤ گے
بیدار تم کو کرکے رہے گی نوائے دل

اوروں کی تو نے خوب مٹائی ہیں حسرتیں
ایسا ہے کون جو تری حسرت مٹائے دل

کہتے ہیں وہ کہ پھر ہمیں کہنا برا بھلا
اظہار پہلے کیجئے کچھ مدعائے دل

مرنے سے اس کے آئے گا کچھ لطف زندگی
قربان تم نہ مانگو دعائے بقائے دل

خود ہی یہ زباں جب نہیں فریاد کے قابل
کیونکر مرا افسانہ ہو بیداد کے قابل

پتھر یہ نہیں خشت نہیں ڈھونڈو کوئی اور
دل میرا نہیں روز کی افتاد کے قابل

کافی ہے اسے ایک ہی ابرو کا اشارہ
گردن یہ نہیں خنجر فولاد کے قابل

قاصد کی زباں کاٹ کے بھیجی ہے مرے پاس
تحفہ یہ سمجھ کر دل ناشاد کے قابل

انداز و ادا ناز سے مارا نہ اسے کیوں
تیشہ نہ تھا شیریں ترے فرہاد کے قابل

ہوتا ہے جو دنیا میں فلک کا ہے تتبع
نقشہ ہے یہی عالم ایجاد کے قابل

توبہ یہ کہاں کہاں یار کا جلوہ
دل میرا نہیں حسن خداداد کے قابل

برگشتہ نصیبی مری پہونچی ہے مجھے لے کر
گو میں تو نہ تھا خانۂ صیاد کے قابل

بھولے سے بھی جو نام زباں پر نہیں آتا
قرباں نہیں آپ کی کیا یاد کے قابل

لے آئے انھیں گردش تقدیر ہے مشکل
اس عشق کے بیمار کی تدبیر ہے مشکل

جانے نہیں دیتا ہے فلک راہ میں حائل
نالوں کو مرے حاصل تاثیر ہے مشکل

کچھ پڑھنے سے محروم ہے انساں کی بصیرت
کچھ کاتب تقدیر کی تحریر ہے مشکل

ہاں اس کے بگڑنے میں تو لگتی نہیں کچھ دیر
بنجائے جو بگڑی ہوئی تدبیر ہے مشکل

تو ہاتھ میں ہے غیر کے کیوں رحم کرے گا
کاٹے نہ گلے کو تری شمشیر ہے مشکل

اک میرا نہیں قیس کا حصہ بھی ہے شامل
تقسیم جو صحرا کی ہو جاگیر ہے مشکل

مصنوعی نہ ہو اور جو ہو مظہر قدرت
بہزاد بنانی وہی تصویر ہے مشکل

جب پیرہن تن میں نہ باقی رہا اک تار
رہ جائے مرے پاؤں میں زنجیر ہے مشکل

مستوں کی جو باتیں ہیں اسے مست ہی سمجھیں
سمجھے کوئی مجذوب کی تقریر ہے مشکل

لے دل کی خبر تیر نظر یا کہ جگر کی
دو کام کرے کیسے یہ اک تیر ہے مشکل

قرباں نے کہا تھا کہ قدم اس میں نہ رکھنا
یہ وادیٔ الفت دل رہگیر ہے مشکل

رکھ دے حلقوم پہ اک دوسرا خنجر قاتل
سخت جانی سے مری تو نہ ہو ششدر قاتل

دھار موٹی ہوئی کیا غیر کا سر کاٹا تھا
آج چلتا نہیں کیوں حلق پہ خنجر قاتل

تیغ کے ٹکڑے کئے جور سے توبہ کر لی
قتل کر کے مجھے آخر ہوا مضطر قاتل

قتل سے پہلے اسے آ کے بجھا دے یا اللہ ۔۔۔ دل میں ہے آگ مرے صورتِ اخگر قاتل
نام تیرا میں وہاں بھی نہ بتاؤں گا کبھی ۔۔۔ مجھ سے پوچھے گا اگر داورِ محشر قاتل
ذبح کرتا ہے تو رکھ لیتا ہے دلبر مرے ہاتھ ۔۔۔ ساری دنیا سے نرالا ہے وہ دلبر قاتل
ہے یقیں پھر وہ پئے قتل دوبارہ اٹھے ۔۔۔ اپنے کشتہ کو لگا دے جو تو ٹھوکر قاتل
حشر تک جاری رہے خون کبھی رک نہ سکے ۔۔۔ دل پہ اک ایسا لگا تو مرے نشتر قاتل
قتل کیا تجھ کو کیا۔ ہو گیا ہر سو مشہور ۔۔۔ ظلم کے تیرے فسانے ہوئے گھر گھر قاتل
کیجیے اس کو نہ کیوں ساقیِ مقتل تسلیم ۔۔۔ موت کا سب کو پلا دیتا ہے ساغر قاتل
نام رکھے ہیں ترے ہم نے بھی کیا کیا ظالم ۔۔۔ بے وفا۔ شوخ۔ فسوں ساز۔ ستمگر قاتل
رحم آتا نہیں مقتول کی حالت پہ تجھے ۔۔۔ دل پہ رکھ لیتا ہے کیا اپنے تو پتھر قاتل

نہ ذبیحہ کبھی قربان کا جائز ہوگا
نہ کہا منہ سے اگر اللہ اکبر قاتل

پہلے ہی قتل سے مر جائے گا ڈر کر بسمل ۔۔۔ دیکھ کر شکل تری اب تک ہے ششدر بسمل
دستِ قاتل کی نزاکت کو نہ ہو بار کہیں ۔۔۔ اپنی گردن پہ تو خود پھیر لے خنجر بسمل
جو ہے قاتل ترا ہے وہ ہی ترا دلبر بھی ۔۔۔ دیکھ کر اس کو ذرا بھی نہ ہو مضطر بسمل
وہ ہی ٹھنڈا بھی کرے گا کبھی مرہم رکھ کر ۔۔۔ جس نے رکھا ہے جگر پر ترے اخگر بسمل
ظلمِ قاتل کی خبر پہلے ہی سن رکھی ہے ۔۔۔ کیوں نہ فریاد سنے داورِ محشر بسمل
روح پھر تن میں کرے آ کے ابھی تیرے حلول ۔۔۔ تیرے لاشہ پہ لگا دے جو وہ ٹھوکر بسمل
یہ ہی قاتل کی جفائیں سرِ حشر اگلے گا ۔۔۔ خون بہتا ہے ترے دل کا جو نشتر بسمل
آبِ خنجر جو پیا زندۂ جاوید ہوا ۔۔۔ قتل کے بعد ترا ذکر ہے گھر گھر بسمل
اس میں بھر لائے ہیں وہ آبِ بقا کا پانی ۔۔۔ پی بھی لے شوق سے تو موت کا ساغر بسمل
ہم تو کہتے ہیں مگر باز وہ آتا ہی نہیں ۔۔۔ رحم کرتا ہی نہیں تجھ پہ ستمگر بسمل
ابھی مشکل تری آساں ہوئی جاتی ہے ۔۔۔ دل پہ رکھ لے تو ذرا صبر کا پتھر بسمل

مرے پہلو ہی میں ہے قاتل دلِ بسمل قرباں
پاس قاتل ہے تو میرا دلِ مضطر بسمل

خزاں سے ہو گئی برباد بلبل ۔۔۔ چمن میں پھرتی ہے ناشاد بلبل

خزاں نے ایک بھی پتہ نہ چھوڑا — تو کس کس کو کرے گی یاد بلبل
یہ نغمے اور وہ بھی شاخ گل پر — پکڑ لے گا ابھی صیاد بلبل
بچاتا ہے تجھے غم سے خزاں کے — ترا غمخوار ہے صیاد بلبل
گلوں کو کردیا گلشن سے نابود — خزاں نے کی بڑی بیداد بلبل
کیا صیاد کا اپنے نہ شکوہ — ہمیشہ ہم رہے ناشاد بلبل
گلوں کو لے گیا گلچیں چمن سے — پکڑ کر لے گیا صیاد بلبل
لٹی ہے کائنات باغباں بھی — تجھی پر اک نہیں بیداد بلبل
خدا کا شکر کر رہ کر قفس میں — غم دنیا سے ہے آزاد بلبل
بس اب کنج قفس ہے تاقیامت — اسیری کی نہیں میعاد بلبل

ادھر قرباںؔ ہے جنگل میں برباد
ادھر ہے باغ میں ناشاد بلبل

ہے بڑی بیداد بلبل کو اگر ترسائے گل — چند روزہ حسن پر غم سے نہ جو دکھلائے گل
لیگیا کیا توڑ کر گلچیں چمن سے کوئی پھول — شور کر رکھا ہے اور کہتی ہے بلبل ہائے گل
دیدۂ بد سے انہیں محفوظ رکھنا اے خدا — رنگ گلشن میں بلا کا آجکل ہیں لائے گل
وہ شب وعدہ مرے گھر پر جو آ پہونچے کبھی — فرش پر آنکھیں بچھائی میں نے اپنی جائے گل
اے خزاں دست کرم کو توڑ کر رکھدوں ترے — کیا غضب توڑا۔ کہ جو بے وقت یہ کملائے گل
باغباں بلبل چمن سب ملکے روتے ہیں تجھے — یاد تیری کیسے بسکے دل کو ہے تڑپائے گل
باغ سے چھٹنے کا اے بلبل تجھے ناحق ہے رنج — باغ میں کچھ خار ہیں اب اور کچھ مرجھائے گل
رنگ چھینا ہے مرے گلرو کے رخسار نکا سب — دل میں بلبل کے نہ پھر اپنی جگہ کیوں پائے گل
سیر گلشن کو جو وہ پھولے سے جا پہونچے کبھی — چھپ گئے بلبل کی آنکھوں میں بہت شرمائے گل
کیا عروسی کا ہے ساماں تیرا اے فصل بہار — باغ میں کیوں اسقدر ہیں آج یہ لہرائے گل

باغ میں تیرے تو قرباںؔ ایک بھی آیا نہ پھول
کیا خوشی گلشن میں غیرونکے جو لاکھوں آئے گل

گر دیکھنے ہیں تم کو ملال و محن کے پھول — پہلو میں آکے دیکھ لو دل کے چمن کے پھول
آنکھیں چڑھائی دیکھ کے اسنے لحد مری — تربت پہ چشم آہو بنے ہیں ختن کے پھول

یہ بھی تو دیکھ بوئے محبت ہے یا نہیں
ڈالے ہیں غیر کے جو گلے میں ثمن کے پھول

مرنے کے بعد آئی یہ کیسی بہارِ نو
داغِ جگر بنے ہیں لحد میں چمن کے پھول

کانٹے کیطرح بزم میں کھٹکیں نہ کیوں رقیب
رکھتے نہیں ہیں بو۔ یہ تری انجمن کے پھول

رغبت نہیں ہے غیر جگہ کے گلوں سے کچھ
آتے ہیں یاد ہم کو تو اپنے وطن کے پھول

دستِ جنوں نے اس کی اڑا دی ہیں دھجیاں
بکھرے پڑے ہوئے ہیں سراسر پیرہن کے پھول

قرباںؔ دیکھی تیری فصاحت بلاغت آج
محفل میں تو نے خوب کھلائے سخن کے پھول

پہلو میں اب کہاں ہے مرے غمگسار دل
اک آگیا ہے اس کی جگہ داغدار دل

اک دل کے بن گئے ہیں یہاں سو ہزار دل
تم نے کیا ہے جب سے مرا تار تار دل

دورِ خزاں دوام ہے ہم کو نہیں ہے آس
امید تجھ سے ہے کہ دیکھے بہار دل

اے حسنِ یار تیری خوشامد کے واسطے
ہوں لاکھ بھی تو کر دوں میں تجھ پر نثار دل

یہ وہ چراغ ہے کہ نہ صرصر سے بھی ہو گل
کیا بنا ہے دیکھ لو شمعِ مزار دل

اک روز تنگ آ کے تجھے چھوڑ دوں گا میں
پہلو سے کہہ رہا ہے مرا بار بار دل

فریاد ان بتوں سے نہ کر فائدہ نہیں
پیدا کیا ہے جس نے اسی کو پکار دل

پوچھا جو میں نے آتے نہیں میرے دل میں آپ؟
بولے ہمیں پسند نہیں داغدار دل

ناپائدار حسن خدا نے تجھے دیا
پہلو میں میرے رکھدیا ناپائدار دل

ٹکڑا ہر ایک دل کا ہے قرباںؔ بیقرار
پہلے تھا ایک دل مگر اب ہیں ہزار دل

پامال کر دیا ہے خزاں نے یہ باغِ دل
جھونکوں سے غم کے جلد بجھیگا چراغِ دل

کلفت اٹھائی تھی جو خزاں میں وہ مٹ گئی
کیا کھلا ہے فصلِ بہاری میں داغِ دل

آنکھوں نے اسکی مے کو دیا ہے فروغِ شمع
ساقی بنا ہے بزم میں کیفِ ایاغِ دل

الفت کے ساتھ جا چکے ہوش و قرار بھی
کرتا نہیں ہے کام ہمارا ایاغِ دل

پہلو میں اس لئے یہ ہمارے مقیم ہے
خورشیدِ صبحِ حشر بنے گا یہ داغِ دل

حرمان و یاس حسرت و ارماں سے ہے بہار
لہرا رہا ہے دیکھ لو کیسا یہ باغِ دل

ظلمت سے مجھکو خوف نہیں خوف کیا کروں
ہستی کو میری رکھتا ہے روشن چراغِ دل

جب سے مرض ہوا ہے محبت کا آپ کی | ماؤف ہو گیا ہے ہمارا دماغِ دل

قربان داغِ عشق و وفا ہیں سدا بہار
ہے بے نیاز خوفِ خزاں میرا باغِ دل

سن لو سن لو داستانِ دردِ دل | ہے مرے کا یہ بیانِ دردِ دل
دیکھ لو آکر کبھی خود آنکھ سے | پوچھتے ہو کیا نشانِ دردِ دل
دل سے آگے بڑھ کے جا سکتا نہیں | رک گیا ہے کاروانِ دردِ دل
کچھ اسی کو حالِ دل معلوم ہے | ہے جگر بھی رازدانِ دردِ دل
دل ہی مٹ جائے تو مٹ جائے مگر | مٹ نہیں سکتا نشانِ دردِ دل
ہاں تمہارا ذکر دل کی روح ہے | ہے تمہاری یاد جانِ دردِ دل
دیکھئے رکتا ہے اس سے یا نہیں | ضبط نے پکڑی عنانِ دردِ دل

تیرا اے قرباں حصہ ہو گیا
خوب ہی لکھا بیانِ دردِ دل

کتنی ہے بدنصیب تو بلبل | نکلی تیری نہ آرزو بلبل
گل میں تجھ میں جو رازداری ہے | ہم بھی سنتے وہ گفتگو بلبل
پھر جو چاہے گلوں پہ مرتا | ڈھونڈ پہلے وفا کی بو بلبل
ہم سفارش گلوں سے کر دینگے | ہم سے کہہ اپنی آرزو بلبل
اب کہاں وہ گلِ چمن تیرا | جس کو کرتی ہے یاد تو بلبل
سو بہانوں سے پھول توڑیگا | تیرا گلچیں ہے حیلہ جو بلبل
ہم نے جانچا ہے خوب پھولوں کو | کچھ وفا کی نہیں ہے بو بلبل

ظرف اس کا ہے مختصر قرباں
کرتی پھرتی ہے ہائے ہو بلبل

میرے آقا مرے مولا مرے سردار رسول | میرے حامی مرے مالک مرے مختار رسول
تو وہ لاثانی ہے جسکا نہیں ثانی کوئی | تیرا دربار ہی دنیا میں ہے دربار رسول
سوزِ حیرت سے جہاں جلتے ہیں جبریل کے پر | اس جگہ جا کے رکا آپ کا رہوار رسول
حشر میں پیشِ خدا جائینگے اس شوکت سے | پیچھے سب امتی اور آگے وہ سردار رسول

آرزو خاطر محزوں کی یہ ہے صبح و مسا | سامنے آنکھوں کے ہو آپکا دربار رسول

تیرے قربان مجھے دوزخ سے بچانیوالے
میرے پیارے مرے آقا مرے غمخوار رسول

ردیف م

ہو نہیں سکتا کبھی عالم عبرت معدوم | آپ سو بار کریں شوق سے تربت معدوم
دوستوں کی کبھی ہوئی جاتی ہے الفت معدوم | ساری دنیا سے ہوئی ہائے محبت معدوم
حشر رفتار سے گر دیکھ نہ لیتے اٹھتے | ہم سمجھ بیٹھتے بیشک ہے قیامت معدوم
ہائے زخموں پہ کسی نے بھی نہ پھاہا رکھا | کیا ہوا دہر سے درمان جراحت معدوم
اپنی ہستی پہ جسے تخت ذرا ہوتا ہے | ایکدم میں اسے کر دیتی ہے قدرت معدوم
صبح امید دکھا دل کی یہ حسرت ہے مرے | روز کی کردے تو مولا شب فرقت معدوم
چشم بلبل میں سمائی مگر آنسو بن کر | آج ہے ساری گلستاں کی طراوت معدوم
کردو پھر آکے ذرا اس پہ نمک پاشی تم | زخم کی دلکے ہوئی جاتی ہے لذت معدوم
ساقیا میکدہ جب سے ترا نظروں میں کھپا | ہو گئی ہے نگہ رند سے جنت معدوم
غیر کو بھی وہی بیداد کا شاکی پایا | آج میری بھی ہوئی تم سے شکایت معدوم

جس پہ مغرور ہیں سب اہل جہاں اے قربان
جلد ہو جائیگی دنیا سے یہ دولت معدوم

میں سدا کرتا رہا تیری عداوت تسلیم | ایک دن تو نے نہ کی میری محبت تسلیم
جب سے دیکھا ہے اٹھاتے ہوئے اک حشر تمہیں | کرلی آخر کو بڑی ہم نے قیامت تسلیم
دل سے مجبور ہیں ہم اور وہ ضدی ٹھہرا | کرنی پڑتی ہے ہمیں یار کی حجت تسلیم
میری تربت پہ جب آتے ہیں وہ فرماتے ہیں | لیجئے میری بھی اے صاحب تربت تسلیم
تو تبسم سے نمک پاش نہ جب تک ہو جائے | زخم دل کرتے نہیں لطف جراحت تسلیم
ہم تو سمجھے تھے کہ حوروں کا نہیں کوئی وجود | کرلیا دیکھ کے اب یار کی صورت تسلیم
بیڑیوں سے بھی تو آواز جنوں آتی ہے | تیرے مجنوں کی ہے زنداں کو بھی وحشت تسلیم

ہم نہ کہتے تھے یہ گل رنگ اُڑا لیں گے ترا — سیرِ گلشن کو نہ چل چھن گئی رنگت تسلیم
جب مجھے دیکھ کے محفل میں کیا تجھ کو سلام — غیر کی آج ہوئی مجھکو شرارت تسلیم
چھپ گئے دیکھ کے تم مجھکو عدو کے پیچھے — ہو نہیں سکتی بنائی ہوئی عزت تسلیم
دیکھ کر آپ کو سب شکوے گلے بھول گیا — حشر میں کرلی پڑی آپ کی منت تسلیم
یہ سمجھ کر کہ نہیں زیست کی اُمید کوئی — آج آپ آئے یہاں بہرِ عیادت تسلیم

ہاتھ میں حشر کے دِن اُنکا ہی دامن قرباں
اب بھی کیا وہ نکریں گے مری جُرأت تسلیم

کیا بتاؤں کہ ہے کیا اُن کی نظر کا عالم — ہم نشیں دیکھ لے خود میرے جگر کا عالم
لے کے مٹھی میں ذرا۔ اپنی نظر کو دیکھو — دیکھنا ہے جو تمہیں اُن کی کمر کا عالم
اہل محروم ہیں۔ نا اہل ہیں دلشاد یہاں — آج دنیا میں ہے یہ علم و ہنر کا عالم
اپنی نظروں میں برابر ہیں عدم اور وجود — کہ ہے معلوم اُدھر کا نہ اِدھر کا عالم
یہ چمکتا ہے کہ خورشید چمکتا ہے بہت — کوئی دیکھے تو مرے داغِ جگر کا عالم
جب سے میں نے یہ سُنا آپ یہاں آتے ہیں — اور ہی آج ہوا ہے مرے گھر کا عالم
آبرو نوح کے طوفان کی باقی نہ رہی — کوئی دیکھے تو مرے دیدۂ تر کا عالم
قابلِ دید ہے یہ عالمِ ناکام مرا — کہ نہ دیکھا مری آنکھوں نے اثر کا عالم

وہ مرے شوق کی بیباک نگاہیں قرباں
اور وہ حسن کی دلدوز نظر کا عالم

نہ کروں گا عیاں کبھی راز ترا۔ مجھے تیری ہی پردہ دری کی قسم
مری آنکھ میں آکے سما تو ذرا۔ تجھے اپنی ہی جلوہ گری کی قسم
مری زیست کا جلتا ہے جو کہ دِیا۔ نہیں فرق ہے اس میں ذرا بخدا
اسے چاہے جلا اسے چاہے بجھا۔ ترے ہاتھ ہی جلوہ گری کی قسم
کیا جلوؤں نے تیرے جو مجھ پہ کرم۔ مرے ہوش و حواس تھے حسن سے گم
نہیں ہوش تھا مجھکو ذرا بھی صنم۔ مجھے اپنی ہی بے خبری کی قسم
لیا شب کو جو میں نے تھا نامِ خدا۔ دمِ صبح صلہ مجھے اُس کا ملا
مرا سانس بنا تھا نسیمِ سحر۔ مجھے جلوہ گہ سحری کی قسم

مرے دل سے جو آہ کا شعلہ اُٹھا۔ مجھے ضبط پہ قابو نہ اپنے رہا
مجھے تیرے ستانے کا شوق نہ تھا۔ مجھے آہ کی بے اثری کی قسم

کہاں سنے کہ نرگسِ زارِ حزیں۔ کہیں دیکھا ہے اُنسا بھی کوئی حسیں
نہ ہے دیکھا کہیں نہ سُنا ہے کہیں۔ لگی کھانے وہ دیدہ دری کی قسم

مجھے تیر لگانے اگر ہیں لگا۔ یہ ہے دل یہ جگر ہے بنام خدا
کبھی اُف نہ کرونگا زباں سے ذرا۔ مجھے اپنی ہی بے جگری کی قسم

ہوا دیکھ کے دلکو جو رنج و تعب۔ لگے قرباںؔ سے کہنے طبیب یہ سب
ترا زخم نہیں کوئی بخیہ طلب۔ ہمیں اُن کی ہی بخیہ گری کی قسم

نہ ابتدا ہے مجھے اُس کی نہ انتہا معلوم
وسیع کتنی شبِ ہجر ہے خدا معلوم

جھائیں کرکے مرے دلپہ دیکھ لینا تم
تمہیں جو کرلی ہو میری کبھی وفا معلوم

شبِ فراق میں مر کر کھلا ہے رازِ حیات
فنا کو دیکھ کے مجھکو ہوئی بقا معلوم

نگاہیں ترچھی ہیں ابرو پہ بل ہیں چہرہ سُرخ
مجھے تو ہوتے ہو تم آج کچھ خفا معلوم

میں جانِ شوق سے دیدوں کبھی گلہ نکروں
مجھے جو اپنی کسی طرح ہو خطا معلوم

تمہیں خبر نہ ہو لیکن مجھے ہے تیری خبر
تجھے جفا نہ ہو لیکن مجھے وفا معلوم

علاج جا کے تو کر خود ہی چارہ گر اپنا
مریضِ عشق کی تجھکو نہیں دوا معلوم

امید ہے کہ کبھی رنج پھر نہ دیں ہرگز
کبھی جو کرلیں وہ قرباںؔ کی وفا معلوم

ٹھہرے تمام عمر بیابانیوں میں ہم
کہلائے ایکدن نہ گلستانیوں میں ہم

تربت میں خاکِ گور کفن اپنا کھاگئی
اُٹھینگے ہائے حشر کو عریانیوں میں ہم

اُلفت کا ہائے ہمنے نہ سودا کبھی کیا
کیا بے خبر تھے حسن کی ارزانیوں میں ہم

کیسے پھنسے ہیں آکے جہانِ خراب میں
ہیں روز و شب گھرے ہوئے حیرانیوں میں ہم

پرلوٹتے اپنے پاس ہیں جھمکٹ لگے ہوئے
کیا ہو گئے ہیں آج سلیمانیوں میں ہم

دیکھیں گے ہم بھی غیر یہاں کیونکر آئیگا
ہونگے شریک آج سے دربانیوں میں ہم

اے ناخدا ہمارا اُبھرنا محال ہے
ڈوبے ہوئے ہیں عشق کی طغیانیوں میں ہم

قرباںؔ حسن و عشق نے چھینا ترا دو توف

اب تیرے ساتھ ساتھ ہیں نادانیوں میں ہم

کرتے ہیں پی پی کے بادہ نعرۂ مستانہ ہم
یادِ ساقی میں لگاتے منہ سے ہیں پیمانہ ہم

ٹھاٹھ ساقی رکھتے ہیں عزت میں ہی شاہانہ ہم
لے کے آئے ہیں سرِ جمشید کا پیمانہ ہم

جان دیدیں تو اگر اپنی تجلی دے دکھا
تو بنے گر شمع تو تیرے بنیں پروانہ ہم

بن تجھے دیکھے ترا حسن تجلی ڈھونڈتے
پھرتے ہیں الفت میں گویا صورتِ پروانہ ہم

اپنے مسکن کو عدم میں ہو گئے واپس ندیم
دیکھنے آئے تھے دنیا کا مسافر خانہ ہم

کشتۂ مایوسی دل ہو گئیں سب حسرتیں
دیکھتے ہیں آج گل اپنا چراغِ خانہ ہم

وزن تیں ہیں کرتے ہیں ساقی کی ہم دریا دلی
آنکھ کی پتلی کے اندر رکھتے ہیں پیمانہ ہم

حشر کے دن کو بڑھایا اور قدرت کو پڑھتے
جو سنانے بیٹھ جائیں تیرا کچھ افسانہ ہم

ہے تصورِ غیب یہ بھی گر بنے بیباک ہم
دیکھ کر محفل کا تیری رنگ بیباکانہ ہم

جان کر فرزانہ ہم کو دے نہ کچھ تکلیف یہ
اس لئے دنیا کے اندر بن گئے دیوانہ ہم

سنتے ہو گیا قصۂ فرسودہ ماضی میں
اس سے بھی دلچسپ ہے اب حال کا افسانہ ہم

اسکی دیوار دل کے اندر غم بھر گیا راستے
کیوں سرائے دہر کو سمجھیں نہ ماتم خانہ ہم

ہو جو ممکن زیست اپنی ہیں سب تجھے بیمارِ غم
آہ کیونکر دیکھتے ہیں جب تجھ کو مایوسانہ ہم

دوستی کا تیری اے دنیا ہوا ہے یہ مآل
بنکے آئے تھے یگانہ جاتے ہیں بیگانہ ہم

یہ فلک سنتا ہے اونچا اور ہے پنبہ بگوش
کس طرح قربان سنائیں پھر اسے افسانہ ہم

فرصت ہیں دلکو بردیں کہ اپنے جگر کو ہم
روئیں فلک کو یا ترے تیرِ نظر کو ہم

دیں گے نہ دیکھنے کسی رشکِ قمر کو ہم
رکھیں گے اپنے قابو میں اپنی نظر کو ہم

دیکھیں وہ کب نکلتا ہے اپنے حریم سے
تکتے ہیں اشتیاق سے ظالم کے در کو ہم

نالہ ہمارے لب پہ یونہی آئے جائے گا
کرتے خبر ہیں کے کسی بے خبر کو ہم

مدفن کے واسطے ہر زمیں کی ہمیں تلاش
پیری میں پھر رہے ہیں جھکائے کمر کو ہم

سنتے ہیں وہ بھی چرخ سا پنبہ بگوش ہے
کیونکر سنائیں حال کسی بے خبر کو ہم

اے چرخ تیری طرح سے انکا بھی ستے گلہ
روتے ہیں ساتھ ساتھ دعا کے اثر کو ہم

محشر ہیں اس سے آگ لگائینگے اے ندیم
رکھتے ہیں اب بجھا کے جو دل کے شرر کو ہم

ویرانیوں سے کچھ ہمیں اس درجہ ربط ہے
برباد کر رہے ہیں خود آباد گھر کو ہم

پھر تو ضرور ہم کو خدا جائے مل کہیں
قرباں کردیں دور بتوں کے جو ڈر کو ہم

بے حد رہے ملول فراقِ وطن میں ہم
مہمان بنکے آئے تھے اس انجمن میں ہم

ویدینگے آگ اپنے ہی داغِ کہن میں ہم
گرنی جو کچھ بھی پائینگے تیرے چمن میں ہم

صیاد تو نے دام میں ہم کو پھنسا لیا
کیا رہ گئے تھے مفت کو صرف اس چمن میں ہم

تربت میں جبکہ یاروں نے رکھا ہمیں ندیم
غنچہ کی طرح لپٹے ہوئے تھے کفن میں ہم

کرتے نہ اہتمام بگولوں میں بستر کا
یہ کیا خبر تھی جا کے مرینگے وطن میں ہم

آئیگا کون وقت خوشی کا جہان میں
ہیں ابتدائے عمر سے رنج و محن میں ہم

مرنے کے بعد بھی تو نہ چہرہ کے بل گئے
مرنیکے بعد بھی تو رہے بانکپن میں ہم

لوگوں نے ہمکو سر پہ بٹھایا ہے بزم میں
قرباں جب گئے ہیں کسی انجمن میں ہم

سر کے بل شوقِ زیارت میں وہاں جائینگے ہم
زائران کے روضۂ اقدس کے کہلائینگے ہم

جتنی طاقت دی ہمیں ہے اتنا ہی غم کھائینگے ہم
تاب تیرے ہجر کے صدمہ کی کب لائینگے ہم

تیرے در کے ماسوا۔ اب کون در پائینگے ہم
بیٹھ کر در پر ترے صلِ علیٰ گائیں گے ہم

جا کے قسمت سے اگر طیبا میں مر جائینگے ہم
یہ یقین ہے قدسیوں کا مرتبہ پائیں گے ہم

سامنے اعمال نامہ جب ہمارے آئیگا
دیکھ کر اعمال اپنے آپ شرمائیں گے ہم

جائیں گے اس دم ملی ہم کو حیاتِ جاوداں
جب ترے قدموں پہ اپنی جان دے آئینگے ہم

باندھ لیں قرباں بستر ہند سے جلدی چلیں
جو مرادیں دل کی ہیں طیبہ میں سب پائینگے ہم

اعمال سے اب اپنے سیہ کار ہے نادم
کر عفو وہ خود رحمتِ غفار ہے نادم

مجبور ہوا جاتا ہوں گردن نہیں کٹتی
اے سختیِ جاں یار کی تلوار ہے نادم

پہلو میں جو ڈھونڈے سے ہی اب دل نہیں ملتا
سینہ میں بہت ناوکِ دلدار ہے نادم

ناخواستہ تا زیست رہا اس کا مکلف
بیمار سے یوں عشق کا آزار ہے نادم

تم اس کی علالت سے بہت تنگ ہوئی ہو
اے چارہ گر عشق کا بیمار ہے نادم

مہنگا ہے ہر اک شئے سے ترے حسن کا سودا
بازار میں ہر تیرا خریدار ہے نادم

پامال مجھے کرکے مرا نقش مٹا کر
فتنے ہیں پشیماں تری رفتار ہے نادم

ہے حالتِ ہجور غم وصل سے بدتر
صد شکر کہ اب کرکے وہ انکار ہے نادم

جو آبلے تھے ٹوٹ گئے اُن کے سبب سے
قربان کے تلووں میں ہر اک خار ہے نادم

جب سے دل کو لگا ہے تیرا غم
پھر کبھی کم ہوا نہ اپنا غم

دوست جن کو بھی ہم سمجھتے تھے
اُن کے ہاتھوں سے ہم نے پایا غم

چین سے اب تو تو رہنے دے
جیتے جی ہے بہت اُٹھایا غم

نہ اُٹھایا کسی نے دنیا میں
تیری اُلفت میں جو اُٹھایا غم

ہم نے اس کو نہیں لگایا منہ
اس لئے کر رہی ہے دُنیا غم

غیر سے اس کا بار کیوں اُٹھتا
صرف میرے لئے بنا تھا غم

تیری اُلفت نے کر دیا وحشی
مجھ کو کر دے کہیں نہ رُسوا غم

تو ہے قربان رنج میں بھی خوش
ہے نرالا جہاں سے تیرا غم

اے صنم ہم نے ترا دیکھا ستم
ہے زمانے سے نیا تیرا ستم

ربط دشمن سے بڑھانے کے لئے
دل پہ تو نے کیوں مرے توڑا ستم

کوئی دنیا میں نہیں تھا جانتا
تجھ سے معشوقوں نے ہے سیکھا ستم

کچھ نہیں اُن کے ستم کی نقل ہے
آسماں دیکھا بہت تیرا ستم

زخم دیگر کرتے ہیں مرہم کی فکر
کیا ستم ہے اور ہے کیسا ستم

تجھکو کل جائے گا ظالم کا خطاب
تجھکو کر دے گا بہت رسوا ستم

ہے دو چند اس سے وفا کا بیر دزن
میں نے دیکھا ہے بہت تیرا ستم

حسن ہے اس کے ارادے میں شریک
وہ نہیں قربان خود کرتا ستم

ہے تیر بھی ظالم تیری تلوار بھی ظالم
رفتار بھی ظالم تیری گفتار بھی ظالم

دلدار ہے اغیار میں رہتا ہے شب و روز
ہم کو تو دکھاتا نہیں دیدار بھی ظالم

کر دیتے ہیں وہ کاٹ میں کرتا ہوں جو تدبیر
آفت کے ہیں پرزے ترے اغیار بھی ظالم
جاں دیتے ہیں ہوتے نہیں مرہونِ مسیحا
کیا شان ہیں رکھتے ترے بیمار بھی ظالم
جب سے ہوا ظاہر مرا سودائے محبت
جاتا نہیں گھر سے کبھی بازار بھی ظالم
کھلتے نہیں زنہار طلبگار کے دل پر
ہے ایک معمّا ترے اسرار بھی ظالم
مرنے کے لئے ہو گئے آخر کو وہ تیار
عاجز ہوئے جاں سے ترے بیمار بھی ظالم

ڈسنے میں ہے سانپن تو سنورنے میں پری ہے
قرباںؔ ہے وہ زلفِ طرحدار بھی ظالم

دنیا میں ترا عاشقِ ناشاد ہے مظلوم
ہاتھوں سے ہوا تیرے وہ برباد ہے مظلوم
دیکھا نہیں بلبل نے ابھی روئے چمن بھی
کر اس پہ نہ بیداد یہ صیاد ہے مظلوم
مر جائے نہ اک روز کہیں مار کے تیشہ
کر رحم تو شیریں ترا فرہاد ہے مظلوم
بھولا نہیں تو بیکسیٔ حالتِ عاشق
یہ بھی نہیں کچھ کم کہ تجھے یاد ہے مظلوم
سننے کو اتر آتے ہیں گردوں سے فرشتے
کرتا جو زباں سے کبھی فریاد ہے مظلوم
فریاد کبھی وہ نہیں لاتا ہے زباں پر
کس شوق سے سہتا تری بیداد ہے مظلوم

آفت کا وہ پرکالا ہے ظالم ہے ستمگر
قرباںؔ تو سمجھا ستم ایجاد ہے مظلوم

الفت میں تری ہوگا نہ مجھ سا کوئی ناکام
ایسا کبھی تو نے کہیں دیکھا کوئی ناکام
سنتے نہیں ہرگز وہ کبھی ظلم تو دیکھو
کرتا ہے جو اظہارِ تمنا کوئی ناکام
مایوس ہوا وصل سے ہے اسلئے خاموش
کرتا نہیں اب اُن سے تقاضا کوئی ناکام
منہ چوم لیا بیکسی و یاس نے اُسکا
پھر کر تری محفل سے جو آیا کوئی ناکام
دیکھا ہے بہشت ہم نے یہ ہرگز نہیں ممکن
وعدے کرے تسلیم مسیحا کوئی ناکام
رونق نہیں کچھ آج جو محفل میں تمہاری
شاید ہے پریشان تمہارا کوئی ناکام

وہ نام سے عشرت کے نہیں دہر میں واقف
قرباںؔ سا دنیا میں نہ ہوگا کوئی مظلوم

نگاہِ یار تری شوخیاں نہیں معلوم
کدھر گرائیں گی یہ بجلیاں نہیں معلوم
کدھر تلاش کریں ہے کہاں نہیں معلوم
کدھر گئی مری عمرِ رواں نہیں معلوم

ہر ایک گوشہ گلستاں کا ہمنے چھان لیا
گیا چمن سے کہاں آشیاں نہیں معلوم

کبھی جو آنکھوں میں رہتے تھے راتدن اپنی
وہ ہائے جا کے چھپے ہیں کہاں نہیں معلوم

الٰہی دل میں لگی یا جگر میں آگ لگی
یہ آرہا ہے کہاں سے دھواں نہیں معلوم

ہمارے دم ہی سے زینت ہو اسکے گلشن کی
بنا حریف ہے کیوں باغباں نہیں معلوم

بہار جا کے تو آتی نہیں کبھی واپس
چمن سے کیوں نہیں جاتی خزاں نہیں معلوم

اٹھا کے آنکھ بھی دیکھا نہیں کبھی اس کو
مرا حریف ہے کیوں آسماں نہیں معلوم

یہ اضطراب یہ شام فراق اے قربان
اٹک رہی ہے کہاں تیری جاں نہیں معلوم

تیری الفت نے کیا ہے مجھے کیسا بدنام
اب مرا نام ہے ہر بزم میں رسوا بدنام

اپنی بدنامی کو عزت میں سمجھتا ہوں بڑی
تیری الفت میں کرے لاکھ بھی دنیا بدنام

کچھ نہ رسوائی کا اسکی مجھے احساس ہوا
آہ دنیا میں ہوا عاشق شیدا بدنام

مجھے آخر یہ ملا۔ تیری طلب کا حاصل
حسرت آوارہ ہے اب اور تمنا بدنام

تیری الفت نے مٹا دی ہے یہ عزت دلسے
اپنی بدنامی کو عزت ہے سمجھتا بدنام

میں تو عزت کا تری رہتا ہوں خواہاں ہر دم
اور تو کرتا ہے ظالم مجھے کیا کیا بدنام

ہو کے ناراض وہ کل مجھ سے یہ فرماتے تھے
آپ نے خوب کیا ہے مجھے ہر جا بدنام

ہوں وہ بیمار دوا جس کے لئے زہر بنے
کرکے تدبیر مری ہوگا مسیحا بدنام

عشق نے تجکو دئے کیسے نرالے یہ خطاب
نام قربان ہوا ہے ترا رسوا بدنام

اے عشق سمجھتا جو ترے درد کا انجام
پہلے ہی سے کچھ سوچ میں لیتا ترا انجام

تو وہ ہی مسیحا بھی کرے جس کی نہ تدبیر
اچھا نہیں بیمار محبت ترا انجام

ناکام ہی رکھا اسے ناشاد ہی رکھا
عاشق کا ترے ہاتھ سے اچھا ہوا انجام

دنیا میں بسر عیش سے ہوتی رہی تیری
اب دیکھئے آخر میں ہو کیسا ترا انجام

میں جان دوں زانو پہ ترے ہے یہ تمنا
کیا بات جو نظروں میں ترے ہو مرا انجام

لیتا نہ کبھی نام بھی سیرادہ محبت
فرہاد کو معلوم جو ہوتا ترا انجام

مصروف ہیں سب تیری ہوا خیزی میں دشمن

قربانؔ تو کچھ سوچ لے اپنا ذرا انجام

لیتی کہیں بہار کے خرمن سے انتقام ۔ بجلی نے کیوں لیا ہے نشیمن سے انتقام

بعدِ فنا وہ لیتے ہیں مدفن سے انتقام ۔ ٹھکرا کے جیسے لے کوئی دشمن سے انتقام

ہم تو خدا پہ چھوڑتے ہیں ہر معاملہ ۔ لیتے نہیں ہیں بھول کے دشمن سے انتقام

اے عندلیب آج مٹا کر بہار کو ۔ دورِ خزاں نے لے لیا گلشن سے انتقام

کیوں اپنے خونِ عنبر کا دھبہ لگا لیا ۔ میں لونگا حشر میں ترے دامن سے انتقام

روزن کرے گی پردۂ حائل میں ایکدن ۔ آنکھوں کو میری لینا ہے چلمن سے انتقام

چلنا ٹھہر ٹھہر کے یہ رُک رُک کے کاٹنا ۔ لب کا لیا ہے تیغ نے گردن سے انتقام

قتل حسینوں کا لیتی عوض یا عنان سے ۔ کیوں تو نے اے خزاں لیا گلشن سے انتقام

قربانؔ اُن کا شیوہ زمانہ میں عفو ہے
لیتے نہیں شریف تو دشمن سے انتقام

ردیف ن

مُستزاد

کوئی دل کا مرے دُنیا میں طلب گار نہیں ۔ کوئی غم خوار نہیں
جنسِ ناقص کا کوئی آہ خریدار نہیں ۔ کوئی تیار نہیں
غیر جھوٹوں کو کہے ہوتے ہیں فوز اً ستار ۔ نہیں کرتے تکرار
وصل کا مجھ سے وُہ کرتے مگر اقرار نہیں ۔ کیا ستمگار نہیں
کام وُہ ابرو و مژگاں سے ہیں لیتے اکثر ۔ یوں دکھاتے ہیں ہنر
تیر ترکش میں نہیں ہاتھ میں تلوار نہیں ۔ کیا وہ ہشیار نہیں
سرفروشی کے لئے ہم ہی ہوئے تھے پیدا ۔ جھوٹ سمجھو نہ ذرا
جان دینے کو کوئی غیر تو تیار نہیں ۔ کہ وفادار نہیں
پھر رہے گا نہ کوئی یاد کا تیرے محرم ۔ ہے فقط اتنا ہی غم
جان دینی تو ہمیں ہجر میں دُشوار نہیں ۔ جھوٹ دلدار نہیں

آپ کی دید کا پھولوں کو نہیں کیا ارماں۔ غنچے بھی ہیں حیراں
منتظر آپ کی کیا نرگس بیمار نہیں۔ یا طلبگار نہیں
آج فتنے جو ہوئے قبر پہ میری برپا۔ آج یہ راز کھلا
حشر ہے اور کوئی شے تری رفتار نہیں۔ اس میں اسرار نہیں
آپ پہ ہونے کو قربان ہیں کافی ہیں۔ ہم نشیں کافی ہیں
حلق پر غیر کے اور آپ کی تلوار نہیں۔ نہیں سر کار نہیں
ایک قرباں ہی نہیں جس کے زباں منہ میں نہیں۔ یا بیاں منہ میں نہیں
کوئی دنیا میں ترا محرم اسرار نہیں۔ واقف کار نہیں

شکوے کا پہلو بھی نکلا درد کے اظہار میں
خاطر اغیار فرصت دے تو اتنا پوچھ لوں
بادہ و ساغر تو کیا ساقی کو وجد آنے لگا
ضبط دل نے اور راز عشق افشاں کر دیا
تھا خیال وصل شاید وجہ تسکیں شام غم
ہم سے آشفتہ سروں کو کام آبادی سے کیا
آبلوں نے پاؤں کے محروم گل رکھا مجھے
ہمنے رکھا ہے چھپا کر دل میں جلووں کو ترے
زندگی بھی ہمنے دیکھی موت بھی آئی نظر
وعدۂ فردا سے میرے دل کی تسکیں ہو چکی
غیر پر چھوٹی ہوئی کیوں چلتے چلتے رک گئی
باغباں گلچیں کو یہ آزادیاں یہ جرأتیں
مجھ سے اور واعظ سے چھٹے میخانۂ جنت نشاں
کس قیامت کا اثر کیا سحر کی تاثیر ہے
دامن گلچیں میں گل کو کس طرح دیکھا گیا
وجہ بربادی نہ ہو بلبل یہ فکر آشیاں
ہجر میں جینا پڑا۔ اس کی حقیقت کھل گئی

واہ یہ عاشق نے پائی حسن کی سرکار میں
قدر عاشق کیوں نہیں ہے آپکی سرکار میں
دید نی تھا رقص میرا خانۂ خمار میں
رنگ لائے اشک رک کر چشم دریا بار میں
ورنہ کس کو تھی امید زندگی افکار میں
قیس بھی جنگل میں خوش ہے کوہکن کہسار میں
رہگئی حسرت لپٹ کر آہ نوک خار میں
حسن ورنہ بک چکا تھا حسن کے بازار میں
اک ترے اقرار میں اور اک ترے انکار میں
واہ کیا انکار کے انداز ہیں اقرار میں
اب روانی کیوں نہیں وہ آپ کی تلوار میں
اور بلبل گل سے یوں محروم ہو گلزار میں
توبہ توبہ۔ توبہ کی خواہش دل میخوار میں
آپ کی رفتار میں اور آپ کی گفتار میں
لیکے اڑ جانا تھا اے بلبل اسے منقار میں
برق ساماں ہے ہر اک تنکا تری منقار میں
ورنہ تھا پہلے شمار برگ بھی اسرار میں

جائزہ قرباں نے بے دفتر اعمال کا
ایک دن جانا ہے اے غافل بڑی سرکار میں

غیر کو قتل نہ کر سامنے قاتل میں ہوں / اُس سے کیا واسطہ تجکو ترا بسمل میں ہوں
ساربان جب بھی چلا باندھنے محمل کو کبھی / قیس کے دل نے کہا شوق سے محمل میں ہوں
بیخودی میری رہی آہ زمانے سے نئی / اپنی ہستی سے جو غافل ہو وہ غافل میں ہوں
کیا ستم ہے کہ نہیں راستہ اُس کا مجھے یاد / بارہا دیکھ چکا عشق کی منزل میں ہوں
شیخ قدرت ہے خدا کی میرے ایسی واللہ / کہ تو دوزخ میں گئے خلد میں داخل میں ہوں
میرے ہی دم سے ہوئی بزم تمہاری مشہور / غیر ہرگز بھی نہیں لائق محفل میں ہوں
ہول پکارا کوئی کشتی جو بھنور میں دیکھی / خشک اُمید دنکا اس دہر میں ساحل میں ہوں

حشر میں خون مرا چھپ نہ سکا اے قرباں
خنجر یار پکارا ترا قاتل میں ہوں

معجزات احمد مرسل کا جو قائل نہیں / اُس کی جانب قادر مطلق کبھی مائل نہیں
کشتی عمر خضر بھی جائے مدح میں گذر / بحر مدحت کا زمانہ میں کہیں ساحل نہیں
فرش پر جن و بشر اور عرش پر حور و ملک / کون ہے جو اُسکے نام پاک کا شاغل نہیں
وہ ہوا مردود جس کو شک نبوت میں ہوا / اُسکو بخشش رحمت حق سے کبھی حاصل نہیں
کور باطن ہو وہ اور سمجھو کہ محروم البصر / چشم دل سے جو محمد کی طرف مائل نہیں
ہر گھڑی ہر وقت تیرا نام ہے ورد زباں / میں کسی دم یاد ذات پاک سے غافل نہیں
اُس بہار آفرینش کا ہوں دل سے شیفتہ / میں ترے ابلیس باغ سبز کا قائل نہیں
منبع لطف و عطا ہو مخزن جود و سخا / کوئی بھی محروم در سے آپکے سائل نہیں

کیوں نہیں طیبہ میں قرباں کو بلاتے ہیں حضور
آب و دانہ اس کا کیا اس شہر میں داخل نہیں

یہ رنگ پھول میں نہ چمک آفتاب میں / ایسا جمال ہوش میں دیکھا نہ خواب میں
اللہ رے مرتبہ ترا محبوب کبریا / جبریل دوڑتا تھا پیادہ رکاب میں
اس واسطے نہ جسم مبارک کا سایہ تھا / در پردہ تھا جمال الٰہی نقاب میں
آدم سے پہلے حق نے ملائک کو بالخصوص / دکھلایا تیری شکل کو طشت پر آب میں

کب مجکو حکم حاضری ہوگا حضور سے
میں خاک پا ہوں آپکے آل کرام کا
بلوائیے مدینہ میں جلدی سے مجھے شہا
راحت سے ایکدم بھی گذرتا نہیں مرا
ہر دن گذر رہا ہے اسی اضطراب میں
پھر کیوں بروز حشر پڑونگا عذاب میں
کبتک رہوں میں ہند کی ملکِ خراب میں
بیڈھب پھنسا ہوں چرخ کی میں انقلاب میں

قربان جو تجسے ہو سکے کر فکر آخرت
گذری ہے تیری عمر رہِ ناصواب میں

نہ کی کچھ قدر تونے ہمت فرہاد کی شیریں
ترا فرہاد روتا ہے کھڑا ہے کوہ کے اوپر
بھلا عاشق سے بھی اپنے کوئی پتھر ہی تڑواتا
لیا ہے مار تیشہ سر میں خود فرہاد نے اپنے
بدل ڈالا امیدوں کو سب اسکی نا امیدی سے
وہ کوہ بے ستوں کیا ساری دنیا پاتی لرزش
نہیں جاتی اگر تو بھیجدے اپنے تصور کو
تری الفت میں اسنے جان تک یاد کی شیریں
خبر لیلے ذرا۔ آ کر تو اس ناشاد کی شیریں
یہ تونے کوہکن کی جان پر بیداد کی شیریں
تری الفت میں اسنے روح ہی آزاد کی شیریں
وہ محنت کوہکن کی ایک دم برباد کی شیریں
جو تیری یاد میں فرہاد نے فریاد کی شیریں
کہ تسکین کوہکن کو ہو مبارکباد کی شیریں

یونہی سارے حسیں قربان پر بیداد کرتے ہیں
کہ جیسے کوہکن پر تونے ہی بیداد کی شیریں

رہا الفت کے مکتب میں تہا لیلی ہم سبق مجنوں
اثر ہے آہ کا تیری فلک پر ہم نے ہی دیکھا
ہیں جتنے عاشق صادق بنا ہے پیر تو ان کا
جو چشم شوق کو تونے ذرا بھی اپنے جنبش دی
اثر کرتا ہے قصہ دلپہ سبکے تیری الفت کا
نہیں تونے بھلائی یاد لیلی سب پہ روشن ہے
جو سچے ہوتے ہیں عاشق وہی ناکام رہتے ہیں
تری ہمت ہے بیٹھا ہے اکیلا ہائے صحرا میں
اسی باعث تو کرتا پھرتا ہے سینہ کو شق مجنوں
کہ جسکا خون حسرت تیرا مانند شفق مجنوں
ہزاروں نے لیا الفت میں ہے تجسے سبق مجنوں
نگہ کردیگی پردیکو ترے محمل کے شق مجنوں
فسانہ یہ سنا جس نے ہوا اسکو قلق مجنوں
رہی جبتک کہ تیرے سانس کی باقی رمق مجنوں
نہ کر اس بات کا ہرگز تو کچھ دلمیں قلق مجنوں
کوئی دیکھے جو وحشت نجد کو ہو رنگ فق مجنوں

اسے قربان بھی اب دیکھتا ہے سامنے تیرے
نظر نے دیکھ تیری کردیا محمل کو شق مجنوں

کہتے ہیں کر کوئی سکتا ہے مجھے مجبور نہیں
لے کے دل پھیرنا یہ حسن کا دستور نہیں

مجھ سے ملنا ہی اگر آپ کو منظور نہیں
غیر کیوں سطے بھی کیوں یہی دستور نہیں

اس پہ چلتا ہی رہا۔ ناخن وحشت ہر دم
زخم دل پر مرے آیا کبھی انگور نہیں

کیوں نہیں خلد میں جانے مجھے دیتا رضواں
ہوں گنہگار خدا۔ تیرا تو مقہور نہیں

کیا محبت ہے یہی کیا ہے یہی شان وفا
کچھ بھی تم کو تو خیال دل رنجور نہیں

زخم دل کو وہ مرے رکھتے ہیں ہر دم تازہ
بند ہوتا نظر آتا مجھے ناسور نہیں

کس طرح زخم کو دیں میرے وہ تسکیں آ کر
کیا کریں پاس ہی جب مرہم کافور نہیں

کس لئے شیخ کے کہنے سے بتوں کو چھوڑیں
کہ ہمیں اس کی طرح کچھ طلب حور نہیں

وہ نہیں آتے تو چل تو ہی مکاں پر ان کے
پاؤں سے اپنے تو قرباںؔ تو معذور نہیں

جواب غیر کے خط کا شتاب دیتے ہیں
وہ میرے خط کا یہ مشکل جواب دیتے ہیں

لکھا ہے آخری اک ہم نے اسکو نامۂ شوق
یہ دیکھنا ہے وہ اب کیا جواب دیتے ہیں

نہ جانے حسن پرستوں کو کیا ہوا ہے یہ
عذاب لینے ہیں اپنا شباب دیتے ہیں

لحد میں ہم کو نکیرین دم تو لینے دو
ٹھہر تو جاؤ ابھی ہم جواب دیتے ہیں

چلے جو آتے ہیں زاہد میکدہ میں کبھی
نہیں یہ چین سے پینے شراب دیتے ہیں

نہ جانے کس کا فرشتوں کو ہو گیا دھوکا
مجھے ثواب کے بدلے عذاب دیتے ہیں

جنہیں شناور دریائے عشق کرتے ہیں
انہیں وہ زیست ہی مثل حباب دیتے ہیں

جو اور لوگوں کو تکلیف دیکے آتے ہیں
فرشتے گور میں اس کو عذاب دیتے ہیں

چھپائے رہتے ہیں دل کی لگی کو یوں قرباںؔ
کہ جب یہ آگ بھڑکتی ہے داب دیتے ہیں

چھڑکے یہ چڑکے مجھے آپ دئے جاتے ہیں
ظلم کیوں روز نئے دل پہ کئے جاتے ہیں

سوزن غم سے مرے لطف کے پردے ہیں یہاں
زخم دل زخم جگر روز سئے جاتے ہیں

جان دیں جس پہ وہ آرام سے گھر بیٹھے ہیں
غیر کاندھے پہ مری لاش لئے جاتے ہیں

آئیں گے ہر عیادت وہ کبھی بالیں پر
اسی امید پر اب تک تو جئے جاتے ہیں

کوئی یہ تو نہ کہے گا کہ گئے خالی ہاتھ
ساتھ ہیں بار گنہ اپنے لئے جاتے ہیں

موت آتی نہیں کیوں ہجر میں اُن کے ہمدم
موت کیا بھول گئی ہم جو مرے جاتے ہیں

رُخ سے پردے کو اٹھا کر وہ گرا دیتے ہیں
ظلم کیسا تھا وہ اک لطف کئے جاتے ہیں

اس ستم سے ہے خدا جانے اُنہیں کیا منظور
داغ پر داغ مرے دل کو دئے جاتے ہیں

جن کا احسان نہ تا عمر اُٹھایا قرباں
وہی دشمن ترے لاشے کو لئے جاتے ہیں

کھٹکتا رہتا ہے ہر وقت خار پہلو میں
کسی طرح نہیں آتا وہ یار پہلو میں

مزہ ہمیں نہیں آتا ہے زیست کا مطلق
نہیں ہے جب سے دلِ غمگسار پہلو میں

کھلے ہیں داغِ محبت کے پھول دل میں بہت
انھیں سے رہتی ہے ہر دم بہار پہلو میں

سمجھ کے آئے تھے اُس کو کنارِ مادر ہم
لحد بھی کرنے لگی ہے فشار پہلو میں

رہے نصیب یوں ہی ہم کو بار بار خلش
تمہارا تیر لگے بار بار پہلو میں

خیالِ زلف جو رہتا ہے دل میں آٹھ پہر
دبائے رہتے ہیں مشکِ تتار پہلو میں

کھلا فریب ہے یہ حسنِ التفات اُن کا
لبوں پہ اُن کے تبسم غبار پہلو میں

ہزار دل حسرت و ارماں کی یہ نشانی ہے
بنائے بیٹھے ہیں دل کا مزار پہلو میں

خدا کے واسطے اُن کو بلائیے قرباں
تڑپ رہا ہے دلِ بے قرار پہلو میں

کس طرح چمن سے میں دورِ خزاں کو دیکھوں
باغِ ہستی کا بگڑتے ہوئے نقشہ دیکھوں

عمر گذری ہے مری اُس کی طلب میں ساری
راستہ اُس کا کہاں تک دلِ شیدا دیکھوں

مجھ کو امید دلا دے کہ شفا ہوگی تجھے
خیر ہے تیرا ابھی مسیحا میں مداوا دیکھوں

بزمِ جاناں میں ٹھہرنے دے ذرا اے حیرت
اور کچھ دیر ذرا یار کا جلوہ دیکھوں

ہائے قسمت نہ ہو مقدور حسرتِ دیداری کا
یکتا آنکھوں سے ترے حسن کا جلوہ دیکھوں

قابلِ جلوہ مرے دل کی بصیرت ہی نہیں
ہوں جو آنکھیں تو ترے حسن کا جلوہ دیکھوں

اور کچھ روز کی مہلت جو مجھے دیدے اے موت
کچھ دنوں اور یہاں رہ کے تماشا دیکھوں

جلوۂ طور جو پہلو میں عیاں ہو جائے
دل کی محفل میں چراغِ یدِ بیضا دیکھوں

اُن کے جلوؤں تو ہر اک شے سے ہیں پیدا قرباں
جب ہو قوتِ نظارہ تو پھر کیا دیکھوں

وہ اکثر اُن پہ عیاں اپنا راز کرتے ہیں
جو اپنے سر کو خرابِ نیاز کرتے ہیں

کرے نہ رشک کہیں ہم پہ فطرتِ محمود
رقم فسانہ ترا ہم ایاز کرتے ہیں

نسیمِ صبح ابھی ہم کو اور سونے دے
کسی سے خواب میں راز و نیاز کرتے ہیں

انہیں کے دم سے یہ سامانِ خودنمائی ہے
ستم زمانے میں آئینہ ساز کرتے ہیں

کسی کو اُن کی خبر مطلقاً نہیں ہوتی
کرم جو بندہ دل پہ بندہ نواز کرتے ہیں

انھیں کو ہوتی ہے یکسوئی قلب کی حاصل
سکونِ دل سے ادا جو نماز کرتے ہیں

سمجھتے اس کو ہیں زینہ خدا سے ملنے کا
ہم اس خیال سے عشقِ مجاز کرتے ہیں

وہ خود ہی دیتے ہیں سجدوں کا حکم بندوں کو
وہ خود ہی قدر جبینِ نیاز کرتے ہیں

وہ بال کھول کے کیوں آ رہے ہیں اے قرباں
فضول قصۂ وحشت دراز کرتے ہیں

آسماں کے پار جاتے کیوں نہیں
میرے نالے رنگ لاتے کیوں نہیں

آپ کا ہے راستہ دیکھا ہوا
میرے گھر پر آپ آتے کیوں نہیں

کھل گیا جب راز جھوٹے عشق کا
غیر اب آنکھیں جھکاتے کیوں نہیں

داد گر ہو تم تو پھر ہے دادخواہ
دادِ الفت مجھ سے پاتے کیوں نہیں

جانے والے عرصۂ گاہِ حشر میں
لیکے ایماں ساتھ جاتے کیوں نہیں

ہو گئے بدنام دنیا میں بہت
تم ستم سے باز آتے کیوں نہیں

لوگ جو دنیا میں کرتے ہیں گناہ
چھوڑ دنیا میں ہی جاتے کیوں نہیں

کیا مزہ آتا ہے آخر چھیڑ میں
بن رُلائے آپ جاتے کیوں نہیں

جب تری قرباں قسمت ہے رسا
نالے پھر تا چرخ جاتے کیوں نہیں

سوزاں نہیں زمین جلا آسماں نہیں
ظاہر ہوا ابھی میرا سوزِ نہاں نہیں

احسان تیرا یا کہ خزان و بہار کا
گردن پہ عندلیب کے اے باغباں نہیں

میں روزِ حشر اپنے خدا کو سناؤں گا
تیرے سنانے کی یہ مری داستاں نہیں

آتی ہے موت یا مجھے کرتی ہے کوئی یاد
کیوں رکتی آج بارِ خدا ہچکیاں نہیں

ہے غم سے خستہ جاں تو نکل اس جہاں سے
پاؤں میں کوئی تیرے پڑی بیڑیاں نہیں

بلبل تو دیکھ شوق سے رنگِ بہار کو | حائل ترے قفس کی تو کچھ تیلیاں نہیں
جو میرے آشیاں سے تھا گلزار ہم نشیں | کیوں اُس چمن میں آج مرا آشیاں نہیں
ہے دل کے بعد مجمع ارمان و یاس و غم | مہمان سیکڑوں ہیں کوئی میزباں نہیں

قرباںؔ داستاں تری معمورِ درد ہے
سُننے مگر وہ ہائے تری داستاں نہیں

ہے میرے خدا کی مجھ پہ نظر۔ تو میں بھی خدا کو دیکھتا ہوں
وہ میری خطا کو دیکھتا ہے۔ میں اُس کی عطا کو دیکھتا ہوں

اے خضر یہاں تجھ میں مجھ میں ہے فرق اگر تو اتنا ہے
تو آبِ بقا کو ڈھونڈتا ہے میں آبِ فنا کو دیکھتا ہوں

سوتا میں نہیں ہوں ہجر کی شب۔ رہتی ہے مجھے بس یہ ہی طلب
کرتی ہے یہ کیا گردوں پہ اثر۔ میں آہِ رسا کو دیکھتا ہوں

دھوکا ہوتا ہے یہ شب کو۔ اک سورج گھر میں اُترا ہے
جب خواب میں اپنی آنکھوں سے اُس ماہ لقا کو دیکھتا ہوں

پیدا نہ خوشی سے اپنی ہوا۔ تو رنج ہو پھر کیا مرنے کا
کرتا نہیں میں کچھ موت کا غم اور تیری رضا کو دیکھتا ہوں

ہے اپنا اپنا ذوقِ نظر۔ جو جسے کہ آجائے پسند
تو میری وفا کو دیکھتا ہے۔ میں تیری جفا کو دیکھتا ہوں

دونوں ہیں ستم دونوں ہیں غضب۔ یہ اِس سے سوا وہ اُس سے سوا
گہ ناز کو تیرے دیکھتا ہوں۔ گہ تیری ادا کو دیکھتا ہوں

کیوں قید کیا کیوں رنج دیا۔ میں نے تو نہیں تھا کچھ بھی کیا
تقصیر کو اپنی پوچھتا ہوں۔ اور اپنی سزا کو دیکھتا ہوں

قرباںؔ خطا جو ہے یہ بشر۔ اور میری کرم پر اُس کے نظر
سب میری خطا کو دیکھتے ہیں۔ میں اپنے خدا کو دیکھتا ہوں



دُنیا میں مرا اے میرے خدا۔ اب تیرے سوا کوئی بھی نہیں
کلفت کو مٹا دینے والا۔ اب تیرے سوا کوئی بھی نہیں
چارہ جو کرے اس دل کا کوئی۔ زخموں پہ رکھے پھاہا جو کوئی
ڈھونڈا تھا مگر کوئی نہ ملا۔ اب تیرے سوا کوئی بھی نہیں
سب روتے ہیں حالت پہ مری۔ ہمدرد ہے دُنیا بھر میری
مجھ سے آزردہ اور خفا۔ اب تیرے سوا کوئی بھی نہیں
میں بندہ ترا تو میرا خدا۔ کچھ جھوٹ نہیں ہے اس میں ذرا
میں شکر کرونگا کس کا ادا۔ اب تیرے سوا کوئی بھی نہیں
لاکھوں ہیں وفا کرنے والے۔ اور دل کا کہا کرنے والے
ہاں مجھ پہ جفا کرنے والے۔ اب تیرے سوا کوئی بھی نہیں
سب رکھتے ہیں خوش عاشق کو سدا ناکام مگر ہے تونے کیا
اُلفت کا جو دے ناکام صلا۔ اب تیرے سوا کوئی بھی نہیں
کرتا ہے مدد تو سب کی خدا۔ دشمن ہو کوئی یا دوست تیرا
کشتی کو مری بھی پار لگا۔ اب تیرے سوا کوئی بھی نہیں
تم پر ہی نظر پڑ لی ہے مری۔ مشکل میں بڑی ہے جان پڑی
حل کرنے والا مشکل کا۔ اب تیرے سوا کوئی بھی نہیں
محکوم بھی ہوں محروم بھی ہوں۔ اور ساتھ میں میں مظلوم بھی ہوں
فریاد مری سننے والا۔ اب تیرے سوا کوئی بھی نہیں
سُنتا ہوں یہی اے جانِ جہاں۔ ہے یاد تجھے دلکا درماں
دینے والا اس غم کی دوا۔ اب تیرے سوا کوئی بھی نہیں
معشوق تو لاکھوں دیکھے ہیں۔ تو سب سے لیکن بڑھ کر ہے
جس نے کیا ہو وعدہ وفا۔ اب تیرے سوا کوئی بھی نہیں
قرباں کی نظر اُٹھتی ہے جدھر۔ آتا ہے فقط تو اُس کو نظر
سچ یہ ہے کہ دلمیں جلوہ نما۔ اب تیرے سوا کوئی بھی نہیں
اِس حسن کی دولت کے طلبگار ہمیں ہیں دُنیا میں ترے ایک خریدار ہمیں ہیں

کہتا ہے بصد ناز وہ سفاک ستمگر
دل لیکے کرے جو کوئی انکار ہمیں ہیں

کام آ گئے آخر کو گنہ روز قیامت
اب مستحق رحمت غفار ہمیں ہیں

اغیار کبھی وقت پہ کام آ نہیں سکتے
جاں دینے کو سرکار پہ تیار ہمیں ہیں

واقف نہیں دنیا میں عدو رنج سے ہرگز
سہنے کو ترے عشق کے آزار ہمیں ہیں

ہو جاتی ہے دنیا کو شفا چارہ گروں سے
ہیں جسکی دوا۔ آپ وہ بیمار ہمیں ہیں

ہر وقت رقیبوں کی کھٹکتے ہیں نظر میں
کیا آپ کی محفل میں فقط خار ہمیں ہیں

آ کر مری تربت پہ کہا کرتے ہیں جگنو
اس تربت برباد کے زوار ہمیں ہیں

معلوم نہیں غیر کو باتیں تیری ہرگز
محفل کے تری جانتے اسرار ہمیں ہیں

کرتا ہے بسر کون یہاں آ کے خزاں میں
اس وقت بھی آوارہ گلزار ہمیں ہیں

دے بیٹھے ہیں اک دل نگہ یار کو قربان
اور اس پہ بھی نازاں ہیں کہ ہشیار ہمیں ہیں

یہ مار بن کر نقاب سے جو تمہارے گیسو نکل رہے ہیں
سمجھ رہا ہوں یہ دل سے ڈسنے کے خوف پہلو نکل رہے ہیں

کسی کو زندہ کیا ہے تم نے کسی کو مردہ کیا ہے تم نے
تمہارے منہ سے تمہارے فقرے بھی بن کے جادو نکل رہے ہیں

ہزاروں دریا بنے ہیں ان سے۔ ہزاروں قلزم بنے ہیں ان سے
تمہاری فرقت میں آنکھ سے جو ہمارے آنسو نکل رہے ہیں

سمجھ کے ان کی نظر کا کشتہ۔ سمجھ کے آنکھوں کا ان کی عاشق
چڑھانے تربت پہ اپنی آنکھیں ختن سے آہو نکل رہے ہیں

سمجھتی ہے ماہ عید دنیا۔ مگر ہے یہ راز مجھپہ روشن
ہلال بن بن کے یہ فلک پر تمہارے ابرو نکل رہے ہیں

پھر آئی سوز دروں کی باری۔ ہوا شراروں کا دور جاری
پھر آج بعد فنا ہماری۔ لحد سے جگنو نکل رہے ہیں

جتائے دیتا ہوں ضبط الفت سے آبرو معرض خطر میں
خفیف کرنے کو چشم تر سے یہ میرے آنسو نکل رہے ہیں

کسی کی ہے جان جانے والی۔ کسی میں ہے جان آنے والی
کہ آج وہ اپنے گھر سے قرباں جگانے جادو نکل رہے ہیں

دل خوگشتہ کی رنگینیوں سے جذب خوں کرلوں
کسی یاد میں آنکھوں کو اپنی لالہ گوں کرلوں

تری آنکھوں سے کچھ تسخیر کا حاصل فسوں کرلوں
تو شاید دور الفت کا تری ظالم جنوں کرلوں

مجھے فرہاد تم سمجھے۔ کہ ناحق اپنا خوں کرلوں
تمہارے سنگ در کو کس لئے میں بے ستوں کرلوں

اگر چاہوں تماشہ یہ بھی ہنگام جنوں کرلوں
میں ہر ذرہ کو کوہستاں کے اک بے ستوں کرلوں

مجھے اے ہم نشیں تقسیم وحشت میں مہارت ہے
جو چاہوں اک جنوں سے سیکڑوں پیدا جنوں کرلوں

جو ہو۔ امید مجھ کو بعد صحت اُن سے ملنے کی
تو اپنے آپ ہی میں چارۂ سوز دروں کرلوں

ٹھہر وہ پاس بیٹھے ہیں نہ کر اے موت یوں جلدی
بیاں اپنا میں اُنکے سامنے سوز دروں کرلوں

مجھے ڈر ہے مصیبت کچھ اثر پھر نہ کھو جائے
بیاں تجھسے میں ہمدم کس لئے حال زبوں کرلوں

میں خود صیاد تجھکو حال گلشن کا بتادوں گا
بس اتنا صبر کر پیدا ذرا دل میں سکوں کرلوں

فرشتوں نے کیا سجدہ بشر کو حکم خالق سے
میں اپنا سر نہ پھر کیوں سامنے اسکے نگوں کرلوں

محبت بھی کرونگا صاف تو ہو جائے دل میرا
مناسب ہے یہ قرباں پہلے اصلاح دروں کرلوں

تجھے آج دیکھتے ہیں پڑا جو بلا کے سوز و گداز میں
نہ پھنسا ہو جا کے دل حزیں تو کسی کی زلف دراز میں

مری عمر تھوڑی اگر رہے تو نہیں ہے اسکا مجھے قلق
یہ بتائیں خضر ہے کیا بھلا انہیں لطف عمر دراز میں

ہوئی جب سے ہمکو تمیز ہے کہ حرام کیا ہے حلال کیا
تو حقیقتوں میں جو بات تھی وہ نظر نہ آئی مجاز میں

یہ حجاب تار نفس ہی کیوں اسے ری خیال اُٹھا ہی دے
اُسے دیکھتا ہے جو بولتا ہے ہمیشہ پردۂ ساز میں

مری یاد پھر تجھے آئے کیوں مرے دل کو تو نہ جلائے کیوں
کہ اثر نہیں نام کو مرے دل کے سوز و گداز میں

ہے عجیب قسمت غزنوی ہے نصیب خوبیٔ بت دل لگی
کہ بنا کے شانہ نگاہ کا وہ کریگا زلف ایاز میں

نہ وہ دلبری نہ نظر کشی نہ وہ شوخیاں نہ وہ سرخوشی
جو ادا تھی پہلے کہاں رہی وہ بتان عشوہ طراز میں

جو ہے فکر تجھ کو نماز کی تو ہے شرط شیوہ بیخودی
رہی جس میں ہوش نیاز کا وہ نماز کیا ہے نماز میں

میں رکھونگا سجدہ میں سر یونہی نہ اٹھاؤنگا در سے ترے کبھی
کہ ملی ہے لذت زندگی۔ مجھے آج عجز و نیاز میں

تجھے ڈھونڈتا ہے تو ہر جگہ وہ عیاں ہے دیکھ لے سامنے
ہے اسی کا جلوہ تو جلوہ گر یہ تری جبین نیاز میں

کوئی دل جو عشق میں ہو جلا۔ کوئی سر جو خاک پہ ہو پڑا
تو ہے ہم کو آفتاب سے بھی سوا۔ وہ نگاہ ذرہ نواز میں

مری ہو زمانے میں آبرو رہی پھر نہ خلد کی جستجو | مری اک یہی ہے آرزو مجھے موت آئی حجاز میں
جو جلو تو قرباںؔ جلا کرو۔ جو ہنسو تو صرف ہنسا کرو
کوئی یہ بھی سوز ہی سوز میں کوئی یہ بھی ساز ہی ساز میں

اب تک یہ دل سے درد ہمارا جدا نہیں | تم نے کیا ہے فرضِ محبت ادا نہیں
بعدِ فنا بھی دل میں ہے روشن چراغِ عشق | پھر غم ہو کیا مجھے جو لحد پر دیا نہیں
پیتے ہیں خون اپنا ملا کر شراب میں | بے غم کئے کچھ سُرور میں ہم کو مزا نہیں
جا کر کبھی سنائیں انہیں داستانِ غم | کیا کیجئے کہ اتنا ہمیں حوصلہ نہیں
جنکا ہوا وصال ہوا وصل انہیں نصیب | جبتک فنا نہ ہو کوئی حاصل بقا نہیں
عاشق کے دل کے حال کو صورت سے جان لو | شکوہ نہیں ہے اسکی زباں پر گلا نہیں
بیمارِ غم کی چارہ گری تو ذرا کرو | ایسا ہے مرض کونسا جس کی دوا نہیں
خاتونِ عشق کا ہے مگر ضابطہ غلط | معشوق کے لئے کوئی رکھی سزا نہیں
اے شمع سوزِ حسن وہ گرمی کدھر گئی | پروانہ آکے آج جو کوئی جلا نہیں
الفت ہے مجھسے درد کو اور درد سے مجھے | وہ ہے مرا شریک تو میں بھی جدا نہیں
میں نے جو بیکسی سے نظر اسپہ ڈالدی | قاتل کا ہاتھ قتل کو میرے اٹھا نہیں

قرباںؔ ہم کا نام اگرچہ زمانے سے مٹ گیا
لکھا ہتا جو کچھ اُس نے وہ اب تک مٹا نہیں

داغ فرقت کے تری سینہ پہ ہم کھائے ہوئے ہیں
دردِ الفت کا مزہ یار بہت پائے ہوئے ہیں
کیا ترے ہاتھوں میں عاشق کا لہو آج لگا ہے
کہ یہ مرجاں کی طرح رنگ نیا لائے ہوئے ہیں
مانگتا ہوں یہ دعا عمرِ شبِ ہجر ہو افزوں
جب سے آنکھوں میں مری خواب میں وہ آئے ہوئے ہیں
بلبلو تم پہ ہی کیا دستِ خزاں کی ہے عنایت
پھول گلشن میں سبھی آج تو کملائے ہوئے ہیں
نیند کیا آئے گی تربت میں ہمیں بعدِ فنا بھی

ہم تو اے دوست ترے ہجر کے تڑپائے ہوئے ہیں
دیر اتنی ہے وہ آئیں گے تو لاشہ بھی اُٹھے گا
کیونکہ ہم کشتے اُسی یار کے کہلائے ہوئے ہیں
غسل دینے کی ضرورت اُنہیں کیا ہے پسِ مُردن
کہ شہید آپ کے تو خون سے نہلائے ہوئے ہیں
وہ تو معصوم ہیں کیا جانیں کہ ہوتی ہیں جفائیں کیا شے
دل یہ کہتا ہے مرا غیر کے بہکائے ہوئے ہیں
وصل کے بعد ہوئی کیسی ندامت اُنہیں حاصل
نیچی نظریں ہیں کیے بیٹھے ہیں شرمائے ہوئے ہیں
اے خوشی تیرے لئے آج جگہ دل میں نہیں ہے
یاس و حرمان و الم دل میں مرے آئے ہوئے ہیں
غیر کی موت کا کس درجہ خیال اُن کو ہے ہمدم
آج رنجیدہ سے ہیں اور وہ گھبرائے ہوئے ہیں
یہ سمجھ کر کسی کم سن کی محبت کا اثر ہے
ہم بھی بچوں کی طرح درد کو بہلائے ہوئے ہیں
یہ اگر سچ ہے تو سمجھانہ کہ اب کھل گئی قسمت
کوئی کہتا تھا کہ قربان یہاں آئے ہوئے ہیں

میں تمہیں پہ دل سے نثار ہوں۔ میں تمہارا سینہ فگار ہوں
کہ تمہارا عاشق شیفتہ۔ کبھی خوار ہوں کبھی زار ہوں
ہے ترے لئے بھی ضرور اجل۔ نہ ہو زندگی پہ عدو تو خوش
کبھی میں بھی زندہ و شاد تھا۔ اگر آج زیر مزار ہوں
مرا دل ہے تجھ پہ فریفتہ۔ مری جان تیری ہے مبتلا
مری جان تجھ پہ ہوں شیفتہ۔ مری جان تجھ پہ نثار ہوں
مجھے سب سمجھتے ذلیل ہیں۔ مجھے سب سمجھتے حقیر ہیں
جو لگائے مجھ کو تو منہ صنم۔ نہ حقیر ہوں نہ میں خوار ہوں

نہیں ہوش اپنا اب مجھے ذرا۔ کہ کچھ اور مانگوں میں ساقیا
وہ جو مے پلائی ازل میں تھی۔ میں اُسی میں محوِ خمار ہوں

یہ ہی میری شانِ نمود ہے۔ یہ ہی میری طرزِ وجود ہے
کبھی خاک بن کے ہوں بیٹھتا۔ کبھی اُڑتا مثلِ غبار ہوں

ہوئی عندلیب جو نغمہ زا۔ تو بہار نے یہ ادب کہا
نہ ہو مجھ پہ نازاں کوئی ذرا۔ کہ میں چند روزہ بہار ہوں

نہ قدم کے بوسے نصیب ہیں۔ نہ نصیب ہیں سب مجھے ٹھوکریں
نہ کسی حریم کا آستاں۔ نہ کسی کا سنگِ مزار ہوں

پھرے قرباںؔ مانگتا ہر کہیں۔ کبھی مجھ سے ہونے کا یہ نہیں
مجھے واسطہ ہے کسی سے کیا۔ کئے اُس پہ دار و مدار ہوں

نکل کر قبر سے پہونچیں سب اپنے سوگواروں میں — اگر آجاؤ تم تو جان پڑ جائے مزاروں میں
پڑیں دشمن تری تیغ نگہ کے انتظاروں میں — ہمارا کام تو ہو جائے گا دو چار واروں میں
بُری صورت کو بھی بہتر بنا کر یہ دکھاتا ہے — رکھا تھا دل کو ہمنے اپنے کیوں آئینہ داروں میں
تکلف برطرف زاہد لگائے مُنہ سے پیمانہ — کبھی مشہور ہم بھی تھے یوں ہی پرہیزگاروں میں
زمانہ ہم نے دیکھا ہے بُت معشوق بنتے ہیں — سمجھتے کیوں ہو اپنے کو زیادہ ہوشیاروں میں
تجھے دیکھا تھا ہمنے خواب میں اک دن شبِ فرقت — اُسی تاریخ سے آنکھیں ہیں اپنی رازداروں میں
لڑکپن اور جوانی سے ضعیفی نے لئے بدلے — مزے لوٹے تھے دل نے عیش کے اگلی بہاروں میں
پسِ مُردن مری تربت پہ ناحق روشنی کی ہے — یہاں تو روشنی رہتی ہے خود دل کے شراروں میں
خیالِ یار کہتا ہے جگر اور قلب سے اکثر — ہمیں شرمندگی ہوتی ہے رہکر داغداروں میں
مرتب آپنے فہرست کی ہے بیقراروں کی — ہمارا نام بھی لکھ لیجئے گا بے قراروں میں
الم۔ اندوہ۔ غم۔ حرمان و حسرت یاس و ناکامی — یہی بس رہ گئے ہیں اپنے دل کی یادگاروں میں
نگاہِ فتنہ زا کی یہ قیامت خیزیاں دیکھو — زمانے کو تہ و بالا کیا۔ اک دو اشاروں میں
بہار آئی۔ بہار آئی۔ مٹی کلفت مٹی کلفت — یہ چرچے ہو رہے ہیں آج ہر سُو بادہ خواروں میں
جو مرنے کی دُعائیں مانگتے تھے ہاتھ پھیلا کر — خدا کی شان وہ بھی ہیں ہمارے سوگواروں میں

اُٹھے گا بارِ احساں سے ہمارا سر نہ اے قرباںؔ

کہ ہم بھی ہیں کسی کافرِ نظر کے زیرِ باروں میں

کن اُمنگوں سے اُبھرتا ہے تمہارا جوبن | خوب دُنیا کو دکھاتا ہے تماشا جوبن
سب ہیں حیران ترا دیکھ کے اُٹھتا جوبن | حشر دُنیا میں کرے گا کبھی برپا جوبن
بُت بنیں مانی و بہزاد مثالِ تصویر | دیکھ لیں وہ جو کبھی آکے تمہارا جوبن
اپنی صورت پہ ہوئے آج وہ عاشق خود ہی | دیکھ کر آپ ہی آئینہ میں اپنا جوبن
یوں تو ہونے کو حسیں اور بھی ہیں دنیا میں | تم نے پایا ہے زمانے سے نرالا جوبن
ہوش باقی نہیں بے ہوش پڑا رہتا ہوں | جب سے دیکھا ہے کسی ہوش رُبا کا جوبن
خرمنِ دل کو بنایا ہے ہیولا اُس نے | بن کے اٹھا ہے تیرا آج بھبوکا جوبن
وہ یہ کہتے ہیں کہ آنکھیں تری پھوڑینگے مردود | تو نے بے ساختہ دیکھا ہے ہمارا جوبن

آج بن ٹھن کے سرِ بام وہ آ بیٹھے ہیں
تو بھی قرباںؔ ذرا دیکھ لے اُن کا جوبن

کرتا میں تم سے دوستو راز خود اپنا فاش ہوں | عشقِ صنم کی آج کل دل میں لئے خراش ہوں
سُن لیں جو میری داستاں رنج ہو سبکو بیگماں | اپنی زبان پر لئے قصّہ دلخراش ہوں
جس نے دیا ہے دردِ دل اُسکا کہاں ہے آستاں | کرتا اُسی کو آج کل چار طرف تلاش ہوں
سچ تو کہا حضور نے مجھ سے کوئی بُرا نہیں | ایسا ہی بدنصیب ہوں ایسا ہی بدقماش ہوں
ہیں جو حسین بیگماں سب ہیں وہ مجھ پہ مہرباں | اُنہیں ہی رکھتا آجکل اپنے میں بود و باش ہوں
دیکھا نہیں جسے کبھی اُس سے لگا لیا ہے دل | کم بختی کو اپنی آج کرتا میں خود ہی فاش ہوں
مجھکو ملے جو نوکری۔ دل سے دعا ہے بس یہی | کرلوں نہ تو نکمی چاکری ڈھونڈتا یہ معاش ہوں

قرباںؔ جو تیر لے کے وہ آئے ہدف بنانے کو
دل نے کہا میں پہلے ہی پہلو میں پاش پاش ہوں

نکالے تم نے نہ دل سے صد ہا ہمارے ارماں ہمارے ارماں
تو ان سے مطلب ہے تم کو اب کیا۔ ہمارے ارماں ہمارے ارماں
نہیں ہے جب تابِ آشنائی۔ نہیں وہاں تک اگر رسائی
تو دل سے کرتے ہیں کیوں تقاضا۔ ہمارے ارماں ہمارے ارماں
فضول ناراض ان سے تم ہو۔ یہ تم سے کچھ بھی نہیں ہیں کہتے

ہیں سے رُوتے ہیں اپنا رونا۔ ہمارے ارماں ہمارے ارماں
ہیں تو بس اب یہی ہے صدمہ۔ نہ ہو کے اپنے رہے یہ ظالم
خیال اپنا دھیان اپنا۔ ہمارے ارماں ہمارے ارماں
لگا کے جھمگٹ ہیں شور کرتے۔ یہ دیکھو لیں وہ نہ ا رکیسے
ہجوم رکھتے ہیں دل میں کیسا۔ ہمارے ارماں ہمارے ارماں
یہاں پڑے ہیں فسردہ لیکن۔ وہاں بہت رنگ لائیں گے یہ
کریں گے محشر میں اپنا دعوی۔ ہمارے ارماں ہمارے ارماں
کہیں نہ محفل میں اُس صنم کی۔ یہ جا کے بدنام ہمکو کر دیں
لگا ہے دل کو ہمارے کھٹکا۔ ہمارے ارماں ہمارے ارماں
لڑے جو آکر وہ آج بے حد۔ تو اُسنے قرباںؔ نے کہہ دیا ہے
تمہارا چاہا تمہارا چاہا۔ ہمارے ارماں ہمارے ارماں

عدو فضول محبت کا بار رکھتے ہیں
فریب جھوٹ کا جسے وہ پیار رکھتے ہیں
سمجھتے جنکو ہیں قابل جہاں میں یہ حسیں
اُسی کے سر پہ محبت کا بار رکھتے ہیں
جہاں میں آئیگا ہرگز نہ ہوش مستوں کو
یہ سر میں عشق کا تیرے خمار رکھتے ہیں
ہزار زخموں کی داغوں کی اے صنم اپنے
خزاں نصیب دلوں میں بہار رکھتے ہیں
ہمارے دلکو وہ کس کس طرح ہیں للچاتے
جگر کو تیروں سے کر کے شکار رکھتے ہیں
کب آؤگے شب وعدہ نہ آؤگے کب تک
نفس کے تار سے ہم سب شمار رکھتے ہیں
جو تیرے حسن طلب سے ہیں آشنا ظالم
وہ ایکدل نہیں رکھتے ہزار رکھتے ہیں
حساب دیتے ہیں ہو جائے گی کچھ آسانی
فرشتے میرے گنہ کا شمار رکھتے ہیں
ہزار زندگیاں صدقے تجھ پر اے قرباںؔ
وہ اپنے ہاتھوں سے زیر مزار رکھتے ہیں

پھول بلبل کو جو تھا پیارا۔ وہ توڑا گل چیں
ہائے افسوس ترا ہاتھ نہ ٹوٹا گل چیں
تونے بے وقت جو گلشن کو لٹا یا گل چیں
درد آیا نہ تجھے کچھ بھی حسن کا گل چیں
ایک بھی گل نہ رہا۔ کس پہ یہ بلبل چہکے
تو نے کیسا یہ ستم آج ہے توڑا گل چیں
ساتھ کے پھول جو تھے توڑ لئے سب تونے
رہگیا باغ میں اک میں تن تنہا گل چیں

سامنے تیرے رہیں بلبلیں روتی ظالم
تجھ کو کچھ خوف خدا کا بھی نہ آیا گل چیں

بلبلوں نے تھا چمن رو کے اٹھایا سر پر
ہاتھ جب گل پہ پڑا۔ تیری جفا کا گل چیں

تو نہ آتا تو بہاروں کے مزے کچھ ملتے
مٹ گئی ہائے ہماری وہ تمنا گل چیں

گل کو توڑا ہے۔ اگر قتل اسے بھی کر دے
کیسے بلبل کا بیاں ہو گا گذارا گل چیں

ہے دعا۔ اب تو کہ صیاد بھی جلدی آئے
گل کی فرقت تجھے کب ہو گی گوارا گل چیں

خون ارمانوں کا بلبل کے ہوا جاتا ہے
تیرا ہر روز کا اچھا نہیں آنا گل چیں

فرقت گل میں ہوئی جاتی ہے کیسی حالت
آ کے بلبل کا ذرا دیکھ تڑپنا گل چیں

ڈالدے پھولوں پہ جلد آنکھ کا پردہ ظالم
دیکھ آتا ہے ادھر خون کا پیاسا گل چیں

کھینچتا ہے کوئی طائر۔ تو تڑپتا ہے کوئی
آتے ہی خوب دکھاتا ہے تماشا گل چیں

بڑھ کے دشمن ہے خزاں سے بھی مرے گلشن کا
تو نے اک پھول بھی افسوس نہ چھوڑا گل چیں

تو بھی دنیا میں یونہی چین نہ پائے ظالم
جس طرح مجکو ہے بے چین بنایا گل چیں

گل نے حسرت کا تری خون کیا تھا بلبل
اسلئے باغ میں قدرت نے ہے بھیجا گل چیں

تو جو جاتا ہے لئے ہاتھ میں اپنے گل تر
روح بلبل کی کھنچی آتی ہے گویا گل چیں

تھے جو پژمردہ چھوا بھی نہیں ان کو تو نے
ہاتھ اس گل پہ پڑا۔ تھا جو مہکتا گل چیں

تو نے بے جرم کیا بلبل ناشاد کا خون
تیرے دامن سے چھٹے گا نہ یہ دھبا گل چیں

موت پژمردہ اسے بھی تو کرے گی قرباں
کرلے دو روز کو دل اپنا شگفتہ گل چیں

دل پر پڑیں جو روز مصائب تو کیا کریں
سامان عیش روز ہوں غائب تو کیا کریں

پیتا نہیں ہے ساتھ ہمارے وہ بیٹھ کر
مے سے اگر نہ آج ہوں تائب تو کیا کریں

کہتے ہیں ہم عدو سے کریں کس طرح حجاب
جب ہو نہ تیری رائے ہی صائب تو کیا کریں

قسمت کا اپنی چمکا ستارہ نہ ایک دن
روشن فلک پہ گرہوں کواکب تو کیا کریں

جب وہ زبان کاٹ لیں پہلے سوال سے
مفقود ہوں نہ دل سے مطالب تو کیا کریں

ادنی سی ٹھیس پاکے گیا ٹوٹ میرا دل
مٹی ہی سے بنا ہو جو قالب تو کیا کریں

قرباں رُو دیا جاتا نہیں غیر کی طرح
جھیلیں خوشی سے ہم نہ مصائب تو کیا کریں

ترا حسن سب میں عیاں دیکھتا ہوں — یہاں دیکھتا ہوں وہاں دیکھتا ہوں
گلی میں بھی تو ہے ہے گل میں بھی تو ہی — تجھے نزہت گلستاں دیکھتا ہوں
میں سمجھا تھا سستا رہے گا یہ سودا — مگر جنس الفت گراں دیکھتا ہوں
میں جنس وفا کو ٹھکانے لگا کر — زمانے کا سود و زیاں دیکھتا ہوں
پس مرگ بھی ان میں ہے تیرا نقشہ — میں آنکھوں کی جب پتلیاں دیکھتا ہوں
حسینوں کو شاید ہی ہوں گی میسر — میں اس بت میں جو شوخیاں دیکھتا ہوں
نظر لاغری اپنی آتی ہے مجھکو — قفس کی جو ہیں تیلیاں دیکھتا ہوں
تمہارے اشارے کنارے ہیں اس میں — عدو کی جو ہیں پھبتیاں دیکھتا ہوں

محبت جو قربان کرلی تھی تم سے
وہ معدوم اب ہستیاں دیکھتا ہوں

خدا ہی بولتا ہے میں نہیں ہوں — وہ باتیں کر رہا ہے میں نہیں ہوں
ہر اک بت کہہ رہا ہے میرے اندر — وہ ہی جلوہ نما ہے میں نہیں ہوں
خطا وار محبت اے حسینو — یہ قلب شیفتہ ہے میں نہیں ہوں
عدو کی خوش نصیبی میں ہے کیا شک — وہ تجھ کو دیکھتا ہے میں نہیں ہوں
خطا اسکی ہے کہتی ہے وہ ہی دیکھ — تقاضا آنکھ کا ہے میں نہیں ہوں
غلط دعوی کیا جس نے وفا کا — کوئی وہ دوسرا ہے میں نہیں ہوں
مری قسمت کی کوتاہی کو دیکھو — وہاں خلق خدا ہے میں نہیں ہوں
ہیولہ میرا ہے ہستی کا دھوکا — خدا جانے یہ کیا ہے میں نہیں ہوں

وہ ہیں۔ دشمن ہیں۔ اور گلشن ہے قرباں
بہاریں ہیں گھٹا ہے میں نہیں ہوں

ہجر کی شب وہ بیوفا خواب میں آخر آئے کیوں — ہم تو خوش ہیں پڑے کوئی ہمیں جگائے کیوں
طور پہ کوئی آئے کیوں طور پہ کوئی جائے کیوں — کیوں کوئی اپنے ہوش دے جلوہ کوئی دکھائے کیوں
قصہ عشق چھیڑ کر آہ کوئی ستائے کیوں — بیٹھے ہوئے ہیں ہم تو چپ کوئی ہمیں رلائے کیوں
مجھسے نظر ملائے کیوں غمزے مجھے دکھائے کیوں — گر نہیں شوق دلبری دل کو وہ پھر لبھائے کیوں
شمع وصال پر نہ کیوں اپنی کرے نثار جان — آپ کی بزم ناز میں آئے کوئی تو جائے کیوں

یہ مری آہ یہ فغاں۔ ہے اثرِ غمِ نہاں
دل ہی میں جب نہ درد ہو آئے زباں پہ ہائے کیوں

دشمنِ عندلیب کے پہلو میں دل جو دے خدا
ہاتھ سے عندلیب کے دامنِ گل چھڑائے کیوں

آتشِ اشتیاق سے سوزِ تپِ فراق سے
ہم تو ہیں خود جلے ہوئے ہمکو ہی وہ جلائے کیوں

قرباں نہیں جو حشر ابھی اپنے خرام ناز سے
مُردے کوئی جلائے کیوں فتنہ کوئی اٹھائے کیوں

ساری حیات گذری اس تیری دل لگی میں
آیا نہ کام ہرگز تو میری بیکلی میں

ہم نے جدھر نظر کی پایا جمال تیرا
جلوہ فروز دیکھا تجھکو گلی گلی میں

جب جیتے جی دیا ہے مرکر بھی ساتھ دینگے
مدفن بنے ہمارا اُس یار کی گلی میں

رو رو کے جب کہا ہے اُس سے فسانہ دل کا
اُس نے اُڑا دیا ہے ہم کو ہنسی ہنسی میں

معشوق ہو تو تجھ سا۔ محبوب ہو تو تجھ سا
چرچے یہ ہو رہے ہیں ہر شہر ہر گلی میں

کیا ہے بساطِ عالم۔ کب ہے ثباتِ عالم
رہتی ہے راہِ دنیا ہر دم چلا چلی میں

کملا کے وہ گری ہے مُرجھا کے وہ گری ہے
ارمان اور حسرت تھے بند جس کلی میں

بدنام ہم ہوئے ہیں ناکام ہم ہوئے ہیں
انعام یہ ملا ہے اس بُت کی دوستی میں

آنکھوں میں اُس کی جیسی دلچسپ موہنی ہے
ایسا اثر نہیں ہے جادوئے سامری میں

جلدی نہ کر تو ہرگز۔ جلدی ہے کارِ شیطاں
نکلے گا کام تیرا قرباںؔ راستی میں

بہت مچلے ہیں دلکے دیکھنے کو تن کے بیٹھے ہیں
دکھانے آج پھر انداز وہ بچپن کے بیٹھے ہیں

سُناتے ہیں سبھی اب سورہ اخلاص پڑھ پڑھ
لئے قرآں سرھانے وہ مرے مدفن کے بیٹھے ہیں

یہ حسرت ہے کہ دیکھیں نجد میں بیخوف لیلیٰ کو
نگاہوں میں کے ارمان آہوئے بن کے بیٹھے ہیں

زباں خنجر کی بھی کیا اس طرح خاموش کر دینگے
مٹانے حشر میں دھبے جو وہ دامن کے بیٹھے ہیں

جگر کو تھام لے صیاد۔ اور مضبوط دل کر لے
سُنانے آج ہم نقشے تجھے گلشن کے بیٹھے ہیں

جلانے کو دلِ مظلوم کے وہ کیا نہیں کرتے
جو بن کر شمع پہلو میں مرے دشمن کے بیٹھے ہیں

مداوا کیجئے آکر لگا بھی دیجئے ٹانکے
مرے زخمِ جگر سب منتظر سوزن کے بیٹھے ہیں

کسی صورت اُٹھے پردہ تو دیکھیں ہم ترا جلوہ
سحر سے منتظر ہم سامنے چلمن کے بیٹھے ہیں

جگر چھلنی ہے دل زخمی کلیجہ منہ کو آتا ہے
کہ ہم مجروح ہو کر ایک سیئیں تن کے بیٹھے ہیں

وہ کیونکر راہ گیروں کے دلوں کو لوٹ دیتا ہے
ابھی ارماں میں رستے میں ہم رہزن کے بیٹھے ہیں

ہمارے وہ رہیں ہو کر۔ کہ دشمن کے رہیں ہو کر
فقط ہم آج سلجھانے کو اس الجھن کے بیٹھے ہیں

یقیناً آج قرباں پھر کوئی صیاد آتا ہے
کہ ہو کر جمع طائر آج سب گلشن کے بیٹھے ہیں

نہ جانے لطف انہیں آتا ہے کیا ستانے میں
تمام رات بسر ہو گئی منانے میں

میں کیا کہ میرا نشانِ مزار تک نہ رہا
کوئی کسر ہی نہ رکھی مرے مٹانے میں

فلک نے اُن کی جفاؤں کی ہے شاگردی
ستم نہ اُنکے ہوں مشہور کیوں زمانے میں

حیات و موت ابھی درمیاں میں حائل ہے
یہاں کے آنے میں ہمدم وہاں کے جانے میں

شباب آیا تو اُن کو حجاب بھی آیا
کہ شرم آتی ہے صورت اُنہیں دکھانے میں

کسی کی شوخ طبیعت دمشق کی ہی بہت
مرے رُلانے میں اور غیر کے ہنسانے میں

وہ کمسنی میں تو اتنے حیا پرست نہ تھے
جمال اپنا جھجکتے ہیں اب دکھانے میں

قفس کے پاس ہی سویا ہے رات بھر صیاد
عجیب لطف اُسے آیا مرے منانے میں

رکھا ہے جب سے کہ قرباں عاشقی میں قدم
مرے فنا نے کا چرچا ہے کُل زمانے میں

تربت کے رہنے والو کیسی خموشیاں ہیں
اپنے پرائے سب سے جو پردہ پوشیاں ہیں

دیکھو جسے ہے گاہک تخصیص کچھ نہیں ہے
کیسی یہ حسن تیری ارزاں فروشیاں ہیں

غیروں کو دے رہا ہے للچا رہا ہے ہم کو
ساقی عجیب تیری یہ مے فروشیاں ہیں

بلبل کی حسرتوں کا اب خون یہ کریں گے
خوں ریزیاں گلوں کی یہ سُرخ پوشیاں ہیں

گلچیں کے دور دورے خالی نہیں ہیں شہ سی
یہ باغباں تیری سب گل فروشیاں ہیں

لینا ہے آج لے لو ہے مفت منہ یہ سودا
منظور اں کو موسیٰ جلوہ فروشیاں ہیں

لکھتے ہیں کیوں فرشتے اعمال تیرے ہر دم
منظور تجھ کو مولا جب عیب پوشیاں ہیں

شاید کہ شاید شاق گذرا محفل میں انکو آنا
معنی لئے ہوئے کچھ اُنکی خموشیاں ہیں

دلمیں خیالِ جنت حوروں کی آرزو بھی
چھپ چھپکے اُس پہ زاہد یہ بادہ نوشیاں ہیں

ظاہر میں سیدھی سادی باطن میں ہیں وہ پُرفن
گندم نمایاں ہیں یہ جو فروشیاں ہیں

مشہوراں کی قرباں دُنیا میں آج ہر سو ـ مصرعہ طرح

جلوہ نمایاں ہیں جلوہ فروشیاں ہیں

جاتی ہمارے تن سے نکل جان کیوں نہیں
مشکل ہماری ہوتی یہ آسان کیوں نہیں

کرتے کسی پہ آپ ہیں احسان کیوں نہیں
پورے یہ ہوتے آپ کے پیمان کیوں نہیں

کیا ان پہ ان کے حسن کا جادو نہیں چلا
آئینے کو وہ دیکھ کے حیران کیوں نہیں

کیا گلستاں سے ہوگئی رخصت بہارِ باغ
ہاتھوں میں آج میرے گریبان کیوں نہیں

وعدہ کیا تھا اور قسم کھائی تھی مری
پورا کیا پھر آپ نے پیمان کیوں نہیں

دل ہے کہ پہلوؤں میں سمندر ہے اشک کا
رکتا یہ میری آنکھوں کا طوفان کیوں نہیں

پھیلائے زخم بیٹھے ہیں دامن ہے دیر کا
تم کرتے صرف ان پہ نمکدان کیوں نہیں

جانِ تصورات ہے روحِ خیال ہے
تصویر ہیں تمہاری مگر جان کیوں نہیں

دیتے ہو سبکے دکھ کی دوا۔ از رہِ کرم
کرتے ہمارے درد کا ارمان کیوں نہیں

مرنیکے بعد پوچھتے ہیں وہ رقیب سے
محفل میں آج حضرتِ قربان کیوں نہیں

رسوا ہوں ترا۔ اور کا رسوا تو نہیں ہیں
شیدا ہوں ترا غیر کا شیدا تو نہیں میں

نظارگی ہوں تیرے رخِ روح فزا کا
کیوں دیکھتے ہیں لوگ تماشا تو نہیں میں

کیوں دیکھ کے مجھ کو نہ ہوا افسردہ زمانہ
بیمار ہوں تیرا کوئی اچھا تو نہیں میں

اے مدعی کس طرح کروں تیری خوشامد
شیدا ہوں کسی شوخ کا تیرا تو نہیں میں

میں نے جو کہا کیجئے درماں تو وہ بولے
کیوں مجھسے شکایت ہے مسیحا تو نہیں میں

آنکھوں نے پلادے مجھے اک جام تو ساقی
میکش ہوں مگر تشنۂ مینا تو نہیں میں

مجنوں کیطرح دشت کی کیوں خاک اڑاؤں
دیوانہ سہی ساکنِ صحرا تو نہیں میں

ہیں زندگی کے سیکڑوں ارمان مرے ساتھ
اے گور تیری گود میں تنہا تو نہیں میں

اے بادِ مخالف تو اڑاتی ہے مجھے کیوں
انساں ہوں کوئی خاک بگولا تو نہیں میں

تعلیم ازل میں جو ملی تھی وہ ہے ازبر
الفت کا سبق آپ کی بھولا تو نہیں میں

قربان بہے جاتے ہیں آنکھوں سے سمندر
پہلو میں دبائے کوئی دریا تو نہیں ہیں

فسانہ اپنا بہت دلخراش رکھتے ہیں
کہ دل کو پہلو میں ہم پاش پاش رکھتے ہیں

تمہارے حسن کا ثانی نظر نہیں آتا
زمیں سے تا بہ فلک ہم تلاش رکھتے ہیں

نہ ہم کو کعبہ سے مطلب نہ بتکدے سے غرض
جہاں سے اپنی نرالی قماش رکھتے ہیں

کچھ انہیں داغ ہیں کچھ تیر ہیں کچھ ارماں ہیں
ہمارے دل میں یہ ہی بود و باش رکھتے ہیں

طلب میں اُن کی کسی فکر سے ہم نہیں غافل
بہانے لیکے عدم تک تلاش رکھتے ہیں

حسین وضع میں دُنیا سے کچھ نرالے ہیں
غضب کے طور غضب کی تراش رکھتے ہیں

ثبوت غم کے اُنھیں روز حشر دینے ہیں
ہم اپنے پاس دل پاش پاش رکھتے ہیں

ہمیشہ رہتے ہیں خدمت میں حسن والوں کی
ہم ایسے اک ہی قرباںؔ معاش رکھتے ہیں

خدا کے واسطے آجا کہ بے قرار ہوں میں
لگا کے تجھسے دل اے دوست شرمسار ہوں میں

نگاہِ لطف کا ہر دم امیدوار ہوں میں
تمہارے حسن پہ سو جان سے نثار ہوں میں

مرے نصیب میں نظارۂ بہار کہاں
اگرچہ اب بھی بہت شایقِ بہار ہوں میں

مری حیات پہ بھی مُردنی ہے چھائی ہوئی
کہ ایک برق زدہ سبزۂ مزار ہوں میں

زباں کو میری نہ کھلواؤ ہے یہی بہتر
تمہارے رازِ محبت کا راز دار ہوں میں

خیال تھا کوئی تربت میں غم گسار نہیں
کہا چراغ نے باہر سے اشکبار ہوں میں

عجیب چیز ہے یہ محویت تصور کی
سحر کے بعد بھی مصروفِ انتظار ہوں میں

پلائی روزِ ازل ایسی مے مجھے ساقی
کہ آجتک وہی سرگشتۂ خمار ہوں میں

منانے آتی ہے اکثر مجھے نسیم صبا
کسی کے باغ کی روٹھی ہوئی بہار ہوں میں

غلط ہے مجھ کو جو شاعر کوئی سمجھتا ہے
فقط تمہاری محبت کا غم نگار ہوں میں

ہے میری وضع میں اسلاف کی جھلک قرباںؔ
پرانے لوگوں کی دنیا میں یادگار ہوں میں

قتل کے بعد مرا خون چڑھا آنکھوں میں
آج میں دیکھتا ہوں رنگِ حنا آنکھوں میں

مجھ کو پامال کیا اُن کو بچایا شر سے
ساتھ شوخی کے چلی آئی حیا آنکھوں میں

قتل کا میرے ہے کیا نام خدا اُن کو سرور
لال ڈورے نہیں چھایا ہے نشا آنکھوں میں

روشنی چاہتا ہے آنکھوں میں اپنی تو اگر
تو لگا دوست کی خاکِ کفِ پا آنکھوں میں

کام رہزن کا تری شوخ نگاہوں نے کیا
دل کو میرے سے لیا تو نے اُڑا آنکھوں میں

سر جھکائے رہے دنکو بھی تصور میں ترے
دیکھتے ہیں جیسے وحشی وہ بنا دیتے ہیں
وہ اشاروں سے سمجھ ہی گئے حالت دل کی

خواب کا خوب لیا ہم نے مزا آنکھوں میں
کیف مستی ہے کہ جادو ہے بھرا آنکھوں میں
ہیں نے مطلب کو کیا خوب ادا آنکھوں میں

کہد و قربان ندے ہم کو وہ اپنی تصویر
نقشۂ دوست ہے ہر وقت بھرا آنکھوں میں

وہاں بھی یاد میں وہ بے قرار ہوتے ہیں
خدا سے جو کہ نذر تیرہ کار ہوتے ہیں
وہ پیار اور کسی کو کبھی نہیں کرتے
وہ نیچی کرتے ہیں نظریں۔ جو دیکھ کر ہمکو
نہیں جو ہوتا کوئی غم گناہگاروں کو
جب انکے وعدوں سے واقف ہیں چاہنے والے
حیات و موت کی جنکو تمیز ہوتی ہے
کھٹکتے ہیں یہ نظریں جو تم نہیں ہوتے
سلام آخری اے باغبان اے صیاد

تمہارے کشتہ جو زیر مزار ہوتے ہیں
بعید رحمت پروردگار ہوتے ہیں
جو حسن دوست پہ دل سے نثار ہوتے ہیں
تو اُن کی بزم میں ہم شرمسار ہوتے ہیں
کسی کے فضل کے امیدوار ہوتے ہیں
فضول صرف غم انتظار ہوتے ہیں
وہ مٹ کے خاک سر رہگذار ہوتے ہیں
ہمارے واسطے گل بھی تو خار ہوتے ہیں
کہ ہم فدائے عروس بہار ہوتے ہیں

وہ بے نیازی سے کہتے ہیں مرگ قرباں پر
جہاں میں واقعے ایسے ہزار روتے ہیں

ہم بھی نالوں میں بہت اپنے اثر رکھتے ہیں
کس بلا کا یہ حسین یا دہن سر رکھتے ہیں
تیری فرقت میں سدا دیدۂ تر رکھتے ہیں
دے نہ بہزاد بنا کر تری ہمکو تصویر
قلب پتھر سے زیادہ ہے ترا تو ہیں کیا
تو جہاں جاتا ہے۔ ہو جاتا ہے معلوم ہمیں
عشق نے کوہ کی اور دشت کی دی ہی جاگیر
کیا خبر حسن سے کس وقت تصادم ہو جائے

کیا کریں تیری نزاکت پہ نظر رکھتے ہیں
دل عشاق پہ دزدیدہ نظر رکھتے ہیں
یاد تازہ تری ہم آٹھ پہر رکھتے ہیں
ہم تصور میں تجھے پیش نظر رکھتے ہیں
ہم بھی فولاد کا دل اور جگر رکھتے ہیں
بے خبر ہم ہیں مگر۔ تیری خبر رکھتے ہیں
ورنہ گھر رکھتے ہیں عشاق نہ در رکھتے ہیں
حضرت عشق ہمیں سینہ سپر رکھتے ہیں

غیر کا ہم کو نہیں کچھ بھی بھروسا قرباں

ہم تو اللہ پہ بس اپنی نظر رکھتے ہیں

مل ہی جاتا ہے ترے دل کا پتہ باتوں میں
مجھ پہ کھل جاتا ہے انداز جفا باتوں میں

وہ مکرتا ہی رہا ہم نے بھی کھیلا وہ ہنر
حال دل چھپ نہ سکا صاف کھلا باتوں میں

سعی بچنے کی بہت کی تھی ۔ مگر بچ نہ سکے
اُس جفا کار نے دل چھین لیا باتوں میں

کتنے نادان ہو تم بات سمجھتے ہی نہیں
بات یہ کیا ہے کہ ہوتے ہو خفا باتوں میں

لفظ ہی لفظ ہیں ۔ یا کچھ ہے عمل بھی واعظ
یا کچھ کر کے دکھایا ہے رکھا باتوں میں

کس طرح تم سے بھلا حال کوئی دل کا کہے
جبکہ ہو جاتے ہو فی الفور خفا باتوں میں

بات کہنے نہیں دیتے کبھی اُن سے دل کی
اہل محفل مجھے لیتے ہیں لگا باتوں میں

بار بار اُس نے جو دشنام سر محفل دیں
آ گیا قند مکرر کا مزا باتوں میں

ہم نے تاثیر زبان دیکھ لی قربان تری
آج آیا نہ انہیں کچھ بھی مزا باتوں میں

دل میرا جل رہا ہے ہستی کی انجمن میں
سوز دروں کے باعث تنویر سی ہے تن میں

جو شمع جل رہی ہے آج اُن کی انجمن میں
بھڑکائے گی وہ شعلے پروانوں کے بدن میں

آئی ہے جب سے گرمی ظالم ترے سخن میں
اک آگ لگ رہی ہے عاشق کے تن بدن میں

مادر کا وہ شکم ہو ۔ یا ہو لحد ہے یکساں
لپٹا ہوا اٹھا آیا لپٹا گیا کفن میں

ہچکی زباں پہ آئی آنکھوں سے اشک ٹپکے
کیسا یاد کر رہا ہے کوئی ہمیں وطن میں

دیوانہ ہو گیا ہے ۔ پہلو میں دل ہمارا
باندھو اب اسکو اپنی زلفوں کی تم رسن میں

ہم ساکن عدم ہیں جائیں گے پھر عدم کو
آئے تھے بن کے مہماں دنیا کی انجمن میں

بھڑکا رہے ہیں میرے سوز دروں کو آنسو
کیوں ڈالتے ہیں پانی یہ آتش کہن میں

گر آب غسل تیرا مل جائے اے سمن رُو
خوشبو بسائیں اُس کی ہم اپنے پیرہن میں

اے شمع سوز اُلفت خاموش کیوں ہوئی تو
پھرنے لگے بھٹکتے پروانے انجمن میں

بلبل کی آہ نے یہ گرمی دکھا دی کیسی
بھر دی ہے آگ جا کر ہر پھول کے دہن میں

کچھ مرگ ناگہاں کی محشر میں ہو گواہی
رکھ دینا آخری خط اُن کا مرے کفن میں

کچھ کھا چکی ہے مٹی ۔ کچھ کھا رہے ہیں کیڑے
باقی نہیں رہا ہے اک تار بھی کفن میں

ٹوٹا نہ ہوگا ظالم کیا اس سے دل کسی کا
گل چیں وہ پھول توڑا یکتا جو تھا چمن میں

سیر بہار کرتا۔ پھولوں کو پیار کرتا | صیاد خوب ہوتا۔ ہوتا جو میں چمن میں
قمرؔ بتاں کی یاد کس کو میخانے میں نہیں ہے
لیتا ہے آج ہچکی مینا بھی انجمن میں

بعد ضبط ہم تو ظلم تیرے سہنے والے ہیں | وہ آنسو بھی رُکے ہیں آنکھ میں جو بہنے والے ہیں
ہمیں سمجھا ہے کیا منصور جو بدظن ہوئے آخر | تمہارے راز الفت کو بھلا ہم کہنے والے ہیں
خدارا۔ آیئے اور رو کیجئے میری تباہی کو | مرے لخت جگر آنکھوں کی ہمراہ بہنے والے ہیں
قیام اس دار فانی میں فقط ہے عارضی اپنا | وہیں جانا ہے ہمکو ہم جہاں کے رہنے والے ہیں
بناتے تم عبث ہو قبر پختہ مرنے والے کی | یہ بنیاد لحد کے سارے تختے ڈہنے والے ہیں
زمین و آسماں اپنی طنابیں خوب کس رکھیں | اب اپنی داستان غم ہم اُنسے کہنے والے ہیں
بہار اُن کے غموں کی کیوں نہو ہم کو غربت میں
کہ اے قمرؔ بتاں سہارنپور کے ہم رہنے والے ہیں

اپنی خود بینی کا وہ آپ ہی ساماں کریں | آئینہ رکھ کے وہ خوب اپنے کو حیراں کریں
نالۂ دل کو نوا سنج گلستاں کریں | آج بلبل کو بھی اس چھیڑ سے حیراں کریں
بلبلو رنج گلوں کو بھی بہت ہوتا ہے | چاک کیوں غم میں تمہارا نہ گریباں کریں
بوجھ کیوں باندھ کے لیجائیں مرے قتل کے بعد | خالی زخموں پہ مرے اپنا نمکداں کریں
شوق دل کو یہ ہوا ہے کہ شہادت پائیں | آج وہ خنجر بیداد کو عریاں کریں
ساری دُنیا میں ابھی ظلمت شب کا ہو ظہور | زلف کو اپنی جو وہ آج پریشاں کریں
ہیں تصور میں خلش ریزہ ہزاروں کانٹے | جب ہو منظور ہمیں سیر بیاباں کریں
خون حسرت کا مری رنگ حنا بن جائے | چاہے جب ہاتھ کو وہ پنجۂ مرجاں کریں
عید کا دن ہے ضرورت بھی ہے قربانی کی
شوق سے اب ہمیں قمرؔ بتاں وہ قرباں کریں

مانا کہ بعد ترک وفا کوئی غم نہیں | ہم تارک وفا ہیں یہ غم بھی تو کم نہیں
شک ہے فضول غیر سے مجکو نہیں ہے عشق | کھاتا ہوں میں قسم کہ خدا کی قسم نہیں
دم بھر بھی اپنی زیست کا کس کو ہے اعتبار | موت آگئی اگر تو کوئی دم میں دم نہیں
دیتا ہے جام مجھ کو یہ وحدت سے دمبدم | پیر مغاں سے کم مجھے شیخ حرم نہیں

ہستی ہے جس کا نام وہ خوابِ طویل ہے — اپنے لئے عدم کا تخیّل بھی کم نہیں
جتنی دوا پلائی مرض اور بڑھ گیا — ہوتا ہمارا درد دواؤں سے کم نہیں
پاؤں لگی ہے ایسی یہ بُت خانے کی زمین — اُٹھتا ہمارا کعبے کی جانب قدم نہیں
زاہد شراب ملتی ہے کوثر یہاں کہاں — میخانہ اِس کو کہتے ہیں باغِ ارم نہیں

قرباںؔ تیرے شعر ہیں جتنے ہیں صاف صاف
مضمون ہیں بلا کے مگر پیچ و خم نہیں

وہ سُن کے آہ کلیجے کو تھام لیتے ہیں — ہم اپنے دل سے شبِ غم یہ کام لیتے ہیں
معاملہ ہے بہت صاف بادہ خواروں کا — کہ وام دیتے ہیں ساقی کو جام لیتے ہیں
کبھی جو آتا ہے میخانے میں وہ بھولے سے — تو شیخ ہی کو بنا ہم امام لیتے ہیں
سمجھتے ہیں کہ تکبر میں فرق آتا ہے — وہ عاجزوں کا بھلا کب سلام لیتے ہیں
کسی کے نام سے کیا کام ان غریبوں کو — تمہارا نام تمہارے غلام لیتے ہیں
شراب پیتے ہیں جب فتح ہوتی ہے بطِ مے — حلال کرکے یہ جنسِ حرام لیتے ہیں
تم اپنے کوچہ میں اعلانِ حشر کا کر دو — ہم اپنے ذمہ تمام اہتمام لیتے ہیں
گلو کے باغ میں کانٹے ہی کچھ نگہباں ہیں — کہ آستین کو گلچیں کی تھام لیتے ہیں

سمجھ گئے ہیں وہ قرباںؔ کے ہیں کیا معنی
یہ بدگماں ہیں کہ اب نصف نام لیتے ہیں

تصویرِ جفا تو ہے تو میں نقشِ وفا ہوں — مٹتا ہوں تو تیرا ہی نشانِ کفِ پا ہوں
سہ سہ کے ترے جور و ستم عشق میں ظالم — میں خود ہی سکھاتا تجھے اندازِ جفا ہوں
سُنتے ہیں کھڑے شوق سے آکر پسِ دیوار — کرتا جو شبِ غم میں کبھی آہ و بُکا ہوں
ملتا ہے مرا خون جو قاتل تو سمجھ لے — جس کا نہ کبھی رنگ چھٹیگا وہ حنا ہوں
ساقی تری خیر آج تو دو گھونٹ پلا دے — میں طالبِ جرعاتِ مئے ہوش رُبا ہوں
کیوں ناخنِ تقدیر پہ اپنے نہ کروں ناز — میں کھولتا تیری گرہِ بندِ قبا ہوں

قرباںؔ کہو اپنا خدا کس کو بنائیں
ہر بُت کو یہ دعویٰ ہے جہاں میں کہ خدا ہوں

عاشقوں کی بھی تمہیں اپنے خبر ہے کہ نہیں — اُن کی الفت کا بھی کچھ دل میں اثر ہے کہ نہیں

نظرِ لطف نہ کر یہ تو بتا دے ظالم
میرے نالوں کا ترے دل پہ اثر ہے کہ نہیں

عمر بھر دیکھی نہیں میں نے خوشی کی صورت
شامِ غم کی مری دنیا میں سحر ہے کہ نہیں

جستجو حق کی نہیں صرف ہے باطل کی تلاش
خوف کچھ تجھ کو خدا کا بھی بشر ہے کہ نہیں

ظلم یوں کرتا ہے جیسے کہ خدا کوئی نہیں
حشر کا دل میں ترے خوف و خطر ہے کہ نہیں

غیر کے سامنے اس بزم میں اشک افشانی
پاس کچھ آبرو کا دیدۂ تر ہے کہ نہیں

کردے صیاد تو آزاد اُڑوں یا نہ اُڑوں
مجھے پروا نہیں اس کی کوئی پر ہے کہ نہیں

کیا سے کیا عشق میں تیرے وہ ہوا جاتا ہے
تجھ کو قربانؔ کی حالت پہ نظر ہے کہ نہیں

کہتے ہیں مارتا تربت پہ جو ٹھوکر میں ہوں
تیری خاطر سے بپا کرنے کو محشر میں ہوں

دیکھنا ہے یہ مجھے جا کے وہ چھپتے ہیں کہاں
اپنی آنکھوں میں لیے حشر کا منظر میں ہوں

رات آئے نہ کبھی ہے وہی تدبیر مری
جو بگڑ کر نہ بنے ایسا مقدر میں ہوں

کچھ مری قبر کو احباب کشادہ رکھیں
کہ لئے ساتھ گناہوں کا بھی دفتر میں ہوں

ایسی باتیں تو کبھی خواب میں دیکھی نہ سنیں
باغِ دنیا کو بہت دیکھ کے ششدر میں ہوں

ساقیا تو نے پلائی تھی جو مے روزِ ازل
آجتک اسکے ہی نشے سے گراں سر میں ہوں

مجھسے بچھڑی ہوئی تھی مری مدت میں ملی
خوش ہوا آج بہت گور سے ملکر میں ہوں

تیرے باعث ہی پسند آئی ہے مجکو جنت
تو نہو خلد میں تو خلد سے باہر میں ہوں

اُس نے پھینکا بھی اگر تیرِ نظر اور نہیں
قلبِ قربانؔ پکارا تیرا خوگر میں ہوں

جاتا ہے کوئی جان سے تجھ کو خبر نہیں
یہ بے حسی کہ قلب پر اب بھی اثر نہیں

ہے تو ضرور ہاتھ میں آتی نہیں مگر
کہتے غلط ہیں لوگ کہ اُن کی کمر نہیں

سچ امیدِ غیر کو آئے نظر تو آئے
میں نے تو شامِ ہجر کی دیکھی سحر نہیں

چاہیں تو ہم رقیب کو کردیں ہلاک ابھی
خاطر سے تیری کرتے کبھی یہ مگر نہیں

آتے ہیں ساتھ ساتھ جنازے سے دور دور
یہ ہے حیا اُٹھاتے مجھے دوش پر نہیں

صیاد اب رہائی ہے مہلک مرے لئے
چھوڑا ہے اب قفس سے کہ جب بال و پر نہیں

اے دل کسی کی آنکھ نے بیہوش کردیا
تیری خبر ہو کیا مجھے اپنی خبر نہیں

وہ آنکھ کیا ہے جس میں کہ تیرا نہ نور ہو
وہ دل نہیں ہے جس میں کہ تو جلوہ گر نہیں

رکھتے خبر ہو غیر کی تو نفع ہم کو کیا
قرباںؔ کے تو حال پہ تم کو نظر نہیں

ہوئی ہیں لال غصہ سے تری اے نازنیں آنکھیں
مجھے زندہ نہ چھوڑیں گی یہ تیری خشمگیں آنکھیں

کسی کی آنکھ نے دیکھی نہیں ایسی کہیں آنکھیں
تمہیں وہ صانع عالم نے بخشی ہیں حسیں آنکھیں

ہیں بہتر نرگس شہلا سے تیری سُرمگیں آنکھیں
ملا سکتے نہیں تجھ سے کبھی آہوئے چیں آنکھیں

میں کہتا ہوں رو رو کر سُجا لیں مرگِ دشمن پر
اُٹھا کر آئینہ دیکھو ذرا اپنی تمہیں آنکھیں

بھری محفل میں اپنے دیکھنے والوں سے لڑتی ہیں
حسینوں کی نہایت شوخ دیدہ ہو گئیں آنکھیں

مجھے سمجھا جو تیرے دیدۂ خوں ریز کا کشتہ
چڑھانے آئے تربت پر مری آہوئے چیں آنکھیں

نہ دیکھا کیجئے اہلِ نظر کو ترچھی نظروں سے
کسی کا خون کر دیں گی کسی دن یہ کہیں آنکھیں

مجھے اب مونس و غمخوار بھی آنکھیں دکھاتے ہیں
زمانہ پھر گیا جبدن سے تیری پھر گئیں آنکھیں

کیا ہے انتظار یار برسوں صورتِ نرگس
کھلی اتنی رہی آخر مری پتھرا گئیں آنکھیں

رہیگا فاش ہو کر پردہ در پردہ نگاہوں کا
محبت کی بھی چھپتی ہیں چھپائے سے کہیں آنکھیں

بھرے ہیں کان غیروں نے کچھ ایسے میری جانب سے
مجھے جب دیکھتے ہیں پھیر لیتے ہیں حسیں آنکھیں

رقیبِ رو سیہ کے گھر رہے ہو میہماں شاید
پتہ دیتی ہیں بیداریٔ شب کا شرمگیں آنکھیں

مرے گھر پر جو وہ تشریف لاتے ہیں شبِ وعدہ
بچھاتا ہوں بجائے فرش بالائے زمیں آنکھیں

مری آنکھوں نے اک بیدرد کا شیدا کیا مجکو
خبر کیا تھی کریں گی کار مارِ آستیں آنکھیں

رسائی کی نہ بختِ نارسا نے اپنی اے قرباںؔ
زیارت کو محمدؐ کی ترستی رہ گئیں آنکھیں

ساقی ہوں مست حبِّ شہِ بو تراب میں
آلودہ مجھ کو کرتا ہے تو کیوں شراب میں

اے دل تجھے ضرور تھا انجام کا خیال
کیوں کر کے عشق جان کو ڈالا عذاب میں

تیری حیا بھی کاشفِ رازِ نہاں ہوئی
یعنی دلیلِ حسن ہے رہنا حجاب میں

کرتے ہیں ضبط کا وہ مرے آج امتحاں
لب پر فغاں نہ آئے کہیں اضطراب میں

بے غم کے کچھ سرور ہیں کیفیتیں نہیں
پیتا ہوں خونِ دل کو ملا کر عذاب میں

پیری نے آ کے سب کا عوض ہم سے لے لیا
جتنے مزے اٹھائے تھے عہدِ شباب میں

لگ جاتی ہے جو آنکھ کوئی دم شب فراق — لیتا ہے درد چٹکیاں اُٹھ اُٹھ کے خواب میں
باقی ہیں میرے ہجر کے ایام کس قدر — بتلا دے دیکھ کر یہ منجّم کتاب میں
فرمایئے تو کونسی سرزد خطا ہوئی — کس واسطے پڑا ہوں عتاب و خطاب میں
شعلے بھڑکتے ہیں مرے سینہ میں رات دن — میں پھنس گیا ہوں دلکو لگا کر عذاب میں
جو آج داغ دل میں حرارت ہے عشق کی — ایسی نہ ہو گی حشر کے دن آفتاب میں
بجلی کا کوندنا مری آنکھوں میں بھر گیا — چمکا جو اُن کا عارض تاباں نقاب میں

قربانؔ میکدہ سے نہیں اجتناب تھا
ڈوبا ہے کیسے آج یہ جبہ شراب میں

بے سبب میری زباں پر تری فریاد نہیں — مائل رحم ترا دل ستم ایجاد نہیں
کارنامہ ہیں زمانے کی زباں پر اُن کے — زندہ مجنوں نہیں وامق نہیں فرہاد نہیں
ہم ہیں اے عشق جفا کار رضا کے بندے — شاکی جور نہیں شکوۂ بیداد نہیں
قمریاں سرو کی کھا کھا کے قسم کہتی ہیں — قد موزوں کی برابر ترے شمشاد نہیں
شکوہ کرتا ہوں جو میں وعدہ فراموشی کا — ہنس کے انجان یہ کہتے ہیں ہمیں یاد نہیں
پی لیا عشق نے رگ رگ میں لہو تھا جتنا — تیرے دیوانہ کو اب حاجت فصاد نہیں
دل مظلوم کرے سامنے کس سے فریاد — تیری بیداد کی دنیا میں کوئی داد نہیں
فرق اپنا ہی تو ہے مجھ میں عدو میں اے دوست — میں کبھی شاد نہیں وہ کبھی ناشاد نہیں

عندلیبان چمن خوش ہیں بہت اے قرباںؔ
آج کل باغ میں گلچیں نہیں صیاد نہیں

تیرے بیمار جو ہوں فکر مداوا نہ کریں — مر بھی جائیں تو کبھی منت عیسیٰ نہ کریں
نام ہو جن کا مسیحا وہ مداوا نہ کریں — اپنے بیمار کو افسوس وہ اچھا نہ کریں
تیرے ارمان مچلتے ہیں بہت اب دل میں — راز الفت کو مرے یہ کہیں افشا نہ کریں
سن کے وہ حال مرا کہنے لگے قاصد سے — عشق کرنا ہے کریں مجھ کو تو رسوا نہ کریں
جان دیتی ہے جنہیں تیری محبت سے عزیز — بھول کر بھی وہ ترے عشق کا چرچا نہ کریں
جب خدا نے ہے دیا حسن جمال و صورت — کس طرح اہل نظر تیری تمنا نہ کریں
مجھے رسوائی کبھی حسن کی منظور نہیں — میرے احباب مرے عشق کا چرچا نہ کریں

تو زباں دے کے بہر حال مکر جاتا ہے
کس طرح اپنی زباں سے ترا شکوہ نہ کریں

یہ تو واعظ ہی ہمیں یاد دلا دیتا ہے
ہم تو دنیا میں کبھی بھی غم عقبا نہ کریں

خوب ہی پھر رخ زیبا کی بہاریں لوٹیں
اپنے عاشق سے جو معشوق پہ پروا نہ کریں

کہتے ہیں عجز سے وہ دیکھ کے محبوب حسین
عشق کے پردے میں کہدو کہ تماشا نہ کریں

ہر کہ دمے ہو خریدار یہ کہدو قربان
حسن سی جنس کو اتنا تو وہ سستا نہ کریں

ہمیں ناشاد کرتے ہیں ہمیں برباد کرتے ہیں
تعجب ہے کہ وقت امتحاں پھر یاد کرتے ہیں

ہمیشہ دل کسی کا رنج سہکر شاد کرتے ہیں
کہ ہم بیداد پر شور مبارک باد کرتے ہیں

زمانے سے نرالا کچھ ستم صیاد کرتے ہیں
نہ جب قوت پرواز تب آزاد کرتے ہیں

نجانے کونسا انداز آیا ہے پسند اُن کو
فسانہ آج وہ الفت کا میری یاد کرتے ہیں

خزاں آئے تو پھر تیرا قفس آباد کریں گے
ابھی تو فصل گل کی سیر اے صیاد کرتے ہیں

ستم کی انتہا ہی حد ہے کوئی ظلم بے جا کی
پس مُردن بھی وہ مٹی مری برباد کرتے ہیں

یہ مرنے والے دل کس قسم کا پہلو میں رکھتے ہیں
جہاں ویران کرتے ہیں عدم آباد کرتے ہیں

سمجھتے ہیں اسے عادت نہ ہو جائے کہیں اسکی
نیا وہ جور کرتے ہیں نئی بیداد کرتے ہیں

جو ہے قربان احمد پر وہی قربان ہے تجھ پر
تجسس پر ترے اے عشق ہم بھی صاد کرتے ہیں

شکوہ کچھ مجھ کو ترا گردش ایام نہیں
عشق کے ہاتھ سے خود ٹھیک مرا کام نہیں

یوں تو میں تیرا گنہگار ہوں اور مجرم ہوں
بے وفائی کا تو مجھ پر کوئی الزام نہیں

ہے خطرناک بت اُن کی جوانی کا مآل
جو کہ آغاز میں ہی واقف انجام نہیں

کیسے قاتل ہو کہ قبضے میں نہیں ہے کوئی چیز
تیر پہلو میں نہیں ہاتھ میں صمصام نہیں

دل بھی آیا ہے تو آیا ہے الٰہی کس پر
آج تک جس کو کہ معلوم مرا نام نہیں

ہم بھی ساقی تری محفل سے چلے خیر تری
خیر قسمت میں ہماری جو کوئی جام نہیں

دلفروشی کا ملا ہم کو زمانے میں خطاب
دل کے دینے کے سوا۔ اور کوئی کام نہیں

جتنا جی چاہے ستالے نہ کرونگا شکوہ
عشق پختہ ہے مرا جان جہاں خام نہیں

درد قربان مرا بڑھتا ہی چلا جاتا ہے

اور معلوم مرض کا مجھے انجام نہیں

کہیں اُجڑا گلستاں ہوں کہیں میں برق ساماں ہوں
کہیں گلدستۂ آئین کہیں خارِ مغیلاں ہوں
قیامت میں اگر مانگا۔ تو کیا دونگا شہادت میں
اسی مقصد سے میں محفوظ رکھتا دل میں پیکاں ہوں
بتا اے کاتبِ تقدیر کیا دوں اب جواب اسکو
کہ میری روح کہتی ہے میں کیوں محبوسِ زنداں ہوں
مزا آئے کہ تو دامن چھڑانا چاہے محشر میں
ترا مضبوط میں پکڑے ہوئے ہاتھوں سے داماں ہوں
اگرچہ شیخ کی خاطر سے کی تھی توبہ اے ساقی
مگر میں آج اُسسے کرتا سپردِ طاقِ نسیاں ہوں
رعایت تم ہو گر کرتے روا۔ رکھتا ہوں کب اسکو
عدو کیواسطے میں تیغ ہوں برچھی ہوں پیکاں ہوں
بڑھے ہیں ناخنِ وحشت نہ لوں پھر کام کیوں اپنے
ملاتا تارِ دامن سے میں اب تارِ گریباں ہوں
کھلیں ہیں مرکے بھی آنکھیں نہیں مٹتی مری حسرت
تماشا گاہِ عالم دیکھ کر اب تک میں حیراں ہوں
وہ اے قرباں کہتے ہیں بہت صدقہ ہوئے پہلے
نہیں ہے قدر کچھ انکو اگر میں لاکھ قرباں ہوں

کوئی کیوں ساتھ رکھے کارواں میں
کہاں قوت ہے جسمِ ناتواں میں
نشاں ملتا نہیں ہے جانے والو
نہیں ہمنے بہت ڈھونڈا جہاں میں
بتا تو دے ہمارے بعد صیاد
بسا ہے کون جاکر بوستاں میں
بس اب اے چارہ گر اللہ حافظ
کہ لکنت آچکی میری زباں میں
مرے ہوتے اُٹھاتے بارِ اُلفت
کہاں تھی تاب و طاقت آسماں میں
بہت ناراض ہے قفس بہاری
نہیں ہے قدر چشمِ باغباں میں
وہ لذت عیش ظاہر میں نہیں ہے
مزہ ہے جو مرے سوزِ نہاں میں
قفس سے آگیا طلبی کا پیغام
رہے قرباں بجلی آشیاں میں

دو دل بنا دئے ہیں ظالم نے اک نظر میں
قوت تھی آہ کتنی ایک تیر فتنہ گر میں
بیمار کو دوا دے بس یہ ہے کام اُس کا
ہو لی شفا نہیں ہے کچھ دستِ چارہ گر میں
دنیا سے ہم بیک سر سوئے عدم سدھارے
توشہ لیا نہ ہم نے کچھ ساتھ اس سفر میں
تاثیر کچھ نہ اُس نے اے چارہ گر دکھائی
تو نے ندی ڈبو کر ہمکو دوا۔ اثر میں
پھر دیکھتے کہ کتنے دیتے ہیں جان تجھ پر
گر زندگی کو رکھتی قدرت کفِ بشر میں

آتی ہے یاد تیری رہ جاتا ہوں تڑپ کر
اک ٹیس سی ہے اُٹھتی میرے دل و جگر میں

آوارہ حسنِ جاناں کیوں تو یہاں وہاں ہے
دل میں تو میرے بس جا رہ جا مری نظر میں

خطروں نے اب جو ہر دم اب ہے نہیں شکایت
رکھا ہی کیوں قدم تھا دنیائے پُرخطر میں

قربانؔ مر گیا ہے تنگ آ کے سوزِ دل سے
اب تو چراغ گھی کے دشمن جلائیں گھر میں

موت آ جاتی ہے جنکو وہی جی جاتے ہیں
چھوڑ کر ہر غمِ دنیا سوئے دُنی جاتے ہیں

آمد و رفت تھی اپنی تیری مرضی پہ فقط
آئے راضی سے نہ ہم اپنی خوشی جاتے ہیں

میں یہ کہتا ہوں ابھی رات ہے باقی ٹھہرو
وہ یہ کہتے ہیں نہیں ہم تو ابھی جاتے ہیں

ناخنِ غم مرا۔ فوراً انھیں دیتا ہے اُدھیڑ
بخیہ گر ٹانکے مرے دل کے جو سی جاتے ہیں

کچھ نہیں کہتے تجھے دیکھ کے ہم غیر کے ساتھ
خون کے گھونٹ مگر دل میں تو پی جاتے ہیں

ہاتھ میں ہاتھ دئے کل جو مرے پھرتے تھے
آج منہ پھیرے ہوئے مجھ سے وہی جاتے ہیں

وہ یہ کہتے ہیں غلط کہتے ہو قاتل مجھکو
ٹھوکروں سے مری مُردے بھی تو جی جاتے ہیں

باغِ فردوس میں اب جا کے کھلائینگے اسے
بے کھلی ساتھ لئے دل کی کلی جاتے ہیں

ہم اگر جاتے ہیں قربانؔ تو لطف آتا ہے
یوں تو اس بزم میں جانے کو سبھی جاتے ہیں

شام ہوتی ہے کہیں۔ صبح کا آغاز کہیں
چین سے بیٹھتے ہیں عاشقِ جانباز کہیں

مجھ سے اب آنکھ چراتا ہے دکھا کر چہرہ
مار ڈالے نہ یہی ظالم تیرا انداز کہیں

یہ بھی کہدینگے کہاں جائیں گے اُڑ کر صیاد
پہلے حاصل ہو نہیں قوتِ پرواز کہیں

آکے تو سی دے ذرا سوزنِ اُلفت سے اسے
منہ سے ہو جائے نہ ظاہر یہ ترا راز کہیں

گو زمانے میں بہت ہم نے حسیں دیکھے ہیں
تیرے انداز سے دیکھے نہیں انداز کہیں

سن کے وہ آرزوئے وصل جو گھبرائے ہیں
اب خیال اُن کا کہیں ہے نگہِ ناز کہیں

کہیں اک حال پہ رہتا ہے زمانہ۔ توبہ
رنگِ عالم ہے یہی سوز کہیں ساز کہیں

اُن کے درماں سے مسیحا بھی ہوا ہے عاجز
اچھے ہوتے ہیں ترے عاشقِ جانباز کہیں

کیوں رکھا آپ نے اس راہ میں قربانؔ قدم
جس کا انجام کہیں اور نہ آغاز کہیں

نظر سے دیکھ لے کس کس طرح بسمل تڑپتے ہیں
ترے کوچہ میں کچھ اور کچھ سر محفل تڑپتے ہیں

تڑپنا صحن مقتل میں نہ دیکھا جائیگا تجھ سے
کلیجہ تھام لے اپنا کہ ہم قاتل تڑپتے ہیں

اثر مجنوں تڑپنے کا ترے خالی نہیں جاتا
کہ تیرے ساتھ پردے بھی سر محمل تڑپتے ہیں

نگاہ غور سے دیکھ انکو اے غارت گر محفل
یہ پروانے نہیں عاشق سر محفل تڑپتے ہیں

نہ جانے کس یم خوبی سے دل ہم نے لگایا ہے
کہ ہم بے آب ماہی سے لب ساحل تڑپتے ہیں

نتیجہ کچھ نہیں ملتا۔ اثر تجھ پر نہیں ہوتا
بہت نادان ہیں عاشق جو لاحاصل تڑپتے ہیں

ادائیں تیری اے ظالم زمانے بھر کی ہیں قاتل
جگر لاکھوں تڑپتے ہیں ہزاروں دل تڑپتے ہیں

چلاتا ہے چھری اپنی جو تو رک رک کے گردن پر
مزہ لینے کے اے قاتل ترے بسمل تڑپتے ہیں

عدو کو دیکھ کر قربان کر لو ضبط تم دل میں
کہ بیگانو نکلے آگے بھی کہیں عاقل تڑپتے ہیں

کر گئے خالی چمن کو۔ ہائے مرغان چمن
کر دیا برہم خزاں نے ساز و سامان چمن

سامنے آنکھوں کے تیری لٹ گئی شان چمن
باغباں کیسا بنا تھا تو نگہبان چمن

گل کھلے ہیں یا کہ انگارے دہکتے ہیں یہاں
بلبلو اچھا ہوا۔ اب کے چراغان چمن

خیریت کیا پوچھتا ہے پوچھ میری آرزو
زیست سے بڑھکر ہے اے صیاد ارمان چمن

سیر کو آئے تھے لیکن داغ دل پر لے چلے
ایک بھی دیکھا نہیں ہم نے غزلخوان چمن

اب کہاں نغمے ہیں ماتم کی صدائیں جا بجا
میرے غم میں رو رہے ہیں ہم صفیران چمن

اے خزاں پھولوں بھرا۔ سارا گلستاں لٹ گیا
دور میں تیرے کہاں باقی رہی شان چمن

باد صرصر کے اڑا کر لے گئے جھونکے انھیں
بن گئے مرغ ہوا جتنے تھے مرغان چمن

حسن کے گلزار میں کیسے کھلے قربان پھول
میری آنکھیں ہو رہی ہیں آج قربان چمن

کبھی وہ سیر کی خاطر جو بن ٹھن کے نکلتے ہیں
تو ہم بھی دیکھنے کو اٹھتے جوبن کے نکلتے ہیں

لحد کا ذرہ ذرہ دیدۂ پر شوق بنتا ہے
اگر وہ سامنے سے میرے مدفن کے نکلتے ہیں

فلک پر خندہ زن ہوتی ہے بجلی دیکھ کر اُن کو
جو لینے کیلئے تنکے نشیمن سے نکلتے ہیں

ہماری حسرتیں بھی ایک دن یونہی نکل جائیں
یہ ارماں تیرے ہاتھوں جیسے دشمن کے نکلتے ہیں

ہدف بنکر مرا دل خیر مقدم اُن کا کرتا ہے
نشانے کیلئے جو تیر۔ چتون کے نکلتے ہیں

کریگی کام کس کس جا۔ رفوگر۔ یہ تری سُوزن
گریباں کی طرح اب تارِ دامن کے نکلتے ہیں

ہمارے دیدۂ گریاں جھڑی ایسی لگاتے ہیں
برستے جس طرح بادل یہ ساون کے نکلتے ہیں

سنبھالو اپنے جوبن کو۔ ہوس ہے تاک میں اسکی
خرابی کیلئے اب ہاتھ رہزن کے نکلتے ہیں

نظر اُنکے سوا۔ اپنی نہیں پڑتی کسی پر بھی
ہزاروں گو حسیں قربانؔ بن ٹھن کے نکلتے ہیں

دیکھا ہے جب سے ہمنے کہ اک سیمبر کہیں
اُس دن سے دل کہیں ہے ہمارا نظر کہیں

ملتے نہیں رفیق جو ہم سے بچھڑ گئے
ڈھونڈا کئے ہیں ہم اُنھیں جا جا کے ہر کہیں

خط سے زیادہ اپنے مجھے اُسکا ہے خیال
گم ہوگیا ہے راہ سے پیغامبر کہیں

گردش رہی ہمارے نصیبوں کے ساتھ ساتھ
بیٹھے نہ ہائے چین سے ہم عمر بھر کہیں

پھر دیکھیو صبح عید ہے اور شب برات
ہو جائے جو دُعا کا ہماری اثر کہیں

کچھ ہو تمہیں خبر تو بتادو تم ہمیں
پہلو سے گر گیا ہے دلِ بے خبر کہیں

آئی جب اُن کی یاد تو آنسو نکل پڑے
تو آبرو۔ ڈبوئے نہ اے چشمِ تر کہیں

کب ہم ہوائے دہر میں رہتے تھے ایک جا
کرتے بسر ہیں شام کہیں۔ اور سحر کہیں

قربانؔ اُس کو دیکھ کے حیران ہم ہوئے
دیکھا نہیں تھا آنکھوں نے ایسا بشر کہیں

یہ رکھتے ہیں جو آہیں بھی تو بے تاثیر رکھتے ہیں
ترے عاشق بہت بگڑی ہوئی تقدیر رکھتے ہیں

ترازو جیسے وہ فتراک میں نخچیر رکھتے ہیں
کلیجے میں یونہی نخچیر اپنے تیر رکھتے ہیں

یہاں صنوریز کوئی اور جلوہ ہو نہیں سکتا
مرے دل میں ہمیشہ اپنی وہ تنویر رکھتے ہیں

امیدیں اُنسے دلجوئی کی رہتی ہیں سدا اُن کو
ستم ہے عاشقوں کو اپنے وہ دلگیر رکھتے ہیں

نہیں ممکن جدا ہو ایک لحظہ کو تری صورت
لگائے اپنی آنکھوں سے تری تصویر رکھتے ہیں

نہ آجائے تکبر عاشقوں کو وہ سمجھتے ہیں
دکھانے کے لئے دُنیا کو بے توقیر رکھتے ہیں

ہمیں معلوم ہے اُن کی نگاہیں کام کرتی ہیں
نہ کوئی تیر۔ رکھتے ہیں نہ وہ شمشیر رکھتے ہیں

ہمیں یہ دیکھنا ہے کس طرح اُن کو بچا لینگے
مریضوں کے لئے کیا چارہ گر تدبیر رکھتے ہیں

اکیلا ہو نہیں اے قربانؔ اُنکے جاں نثاروں میں
گلے پر میرے کیوں خنجر وہ بے تقصیر رکھتے ہیں

کیا کہا تو نے خدا ملتا نہیں
خود ہی اس سے دل ترا ملتا نہیں

دل فریب و دل نواز و دل فروز
تجھ سا کوئی دوسرا ملتا نہیں

ڈھونڈنے میں ہے فقط تیرا قصور
ورنہ کیا حاجت روا ملتا نہیں

آرزو کی دیر سے مانی نہ پوچھ
مدعی کو مدعا ملتا نہیں

دلدہی میں تو نہ کی میں نے کمی
کیا کروں دل ہی ترا ملتا نہیں

ہے نتیجہ یوں تو ہر ایک کام کا
تیری الفت کا صلا ملتا نہیں

آپ ہوں جس کا علاج آخری
درد ایسا لا دوا ملتا نہیں

جانے اسکے دل میں ہے کیا کیا گماں
مجھ سے وہ نازک ادا ملتا نہیں

رہتا ہے قربان کیا جانے کہاں
ہم کو وہ مرد خدا ملتا نہیں

جھکا کے تیری گردن اپنی صورت دیکھ لیتے ہیں
تجھے ہم دل میں اپنے بے مروت دیکھ لیتے ہیں

ہزاروں فتنے دبتے ہیں ہزاروں فتنے اٹھتے ہیں
تری جو چال میں رنگ قیامت دیکھ لیتے ہیں

جھکا لیتے ہیں جب سر کو بصیرت جاگ اٹھتی ہے
مجازی آنکھ سے روئے حقیقت دیکھ لیتے ہیں

جنوں تشخیص کرتے ہیں بجائے درد الفت کے
ہماری آ کے چارہ گر جو الفت دیکھ لیتے ہیں

کوئی جو چال چلتا ہے سمجھ لیتے ہیں ہم فوراً
فقط اک بات میں رنگ طبیعت دیکھ لیتے ہیں

وہ وعدہ وصل کا کرتے ہیں لیکن پہلے عاشق کی
مروت دیکھ لیتے ہیں محبت دیکھ لیتے ہیں

پس مردن شکایت کیوں عزیزوں کی تو کرتا ہے
یہ تھوڑا ہے کہ تیری آ کے تربت دیکھ لیتے ہیں

عیادت کو نہیں آتے علالت میں وہ عاشق کی
فقط آ کر جنازے پر ہی صورت دیکھ لیتے ہیں

خدا کا مظہر اے قرباں سمجھتے ہیں بتوں کو ہم
نظر آتا نہیں وہ اسکی قدرت دیکھ لیتے ہیں

قفس سے جب اسیران قفس آزاد ہوتے ہیں
تو مصروف طواف خانۂ صیاد ہوتے ہیں

عجب دنیا کی حالت ہے کہیں کچھ ہے کہیں کچھ ہے
کہیں آباد ہوتے ہیں کہیں برباد ہوتے ہیں

تمہاری دیکھکر صورت وہ سب ہم بھولجاتے ہیں
گلے شکوے تمہارے جتنے ہم کو یاد ہوتے ہیں

یہاں ہے آج رونق تو وہاں ہوتی ہے کل زینت
اگر گلشن اجڑتا ہے تو بن آباد ہوتے ہیں

عدم کی رونقیں بڑھتی ہیں کیا کیا مرنے والوں سے
جنھیں برباد کرتے ہو وہ ہی آباد ہوتے ہیں

مجھے خوگردہ اک غم کا کبھی ہونے نہیں دیتے
وہاں تو روز ہی تازہ ستم ایجاد ہوتے ہیں

وہی کچھ سیکھتا ہے جس کو مل جاتا ہے اک رہبر
وہی گمراہ ہوتے ہیں جو بے اُستاد ہوتے ہیں

جو آتے ہیں تمہاری بزم میں نظّارہ کرنے کو
دبائے اپنے پہلو میں دلِ ناشاد ہوتے ہیں

قضا ہوتی ہے جن پر مہرباں کنجِ مصیبت میں
غمِ دُنیا سے وہ قرباںؔ سب آزاد ہوتے ہیں

رہ گئی ہو کے فنا میری تمنّا دل میں
تو تو کیا تیرا تصوّر بھی نہ ٹھہرا دل میں

بیٹھا بیٹھا سا عجب درد ہے رہتا دل میں
جب سے اک تیر لگا تیری ادا کا دل میں

اُن کو ارمان کی حسرت کی لڑائی ہے پسند
دیکھتے رُوز ہیں وہ آکے تماشا دل میں

بد دُعا غیر کو بھی تیرے سبب دیتے ہیں
تیری مرضی کا ہمیں پاس ہے کتنا دل میں

تو نے عشاق سے وعدہ جو قیامت کا کیا
رہ گئی دید کی آخر وہ تمنّا دل میں

وصل سے اُس کے جو یوسف نے کیا ہوگا گریز
کیسی شرمندہ ہوئی ہوگی زلیخا دل میں

آگیا تیرا تصوّر جو شبِ غم اے دوست
کھنچ گیا عالمِ تصویر کا نقشہ دل میں

طُور پر حضرتِ موسیٰ تھی تمہیں جس کی تلاش
دیکھتا ہوں میں ہمیشہ وہی جلوہ دل میں

یاد پھر اُن کی ستانے مجھے آئی شاید
آج قرباںؔ جو اک درد سا اُٹھا دل میں

مٹیں گی اُن کی دُنیا سے قیامت خیزیاں کس دن
کسی کے حال پہ آخر وہ ہونگے مہرباں کس دن

تمہیں بیتاب کردینگی مری بے تابیاں کس دن
تمہیں مجبور کردیں گی مری آہ وفغاں کس دن

عدو کی جان پر ٹوٹے گا آخر آسماں کس دن
اُٹھائیگا وہ میری طرح اسکی سختیاں کس دن

نشاطِ زندگی لوٹیگی جانِ ناتواں کس دن
مرے پہلو میں ہونگے آپ آکر مہماں کس دن

ہزاروں چاہنے والے اُٹھے جاتے ہیں دُنیا سے
اُٹھیگا اُن کے دروازے سے آخر پاسباں کس دن

جلایا دل کو میرے یار کی برقِ تبسّم نے
جلائیں گی عدو کی جان کو یہ بجلیاں کس دن

الٰہی قید سے صیاد کے چھوٹیں گے کب آخر
میسّر ہوگا ہم کو دیکھنا پھر آشیاں کس دن

مرے نالوں سے جب صیاد کے ہی آگ لگتی ہے
جلیں گی میری آہوں سے قفس کی تیلیاں کس دن

یہ اب الزام کیوں ہے رازِ اُلفت فاش ہونیکا
بنایا آپ نے تھا مجھکو اپنا رازداں کس دن

اگر یہ داورِ محشر کے آگے بھی نہیں کھلتی
تو آخر کام آئیگی ہمارے پھر زباں کس دن

بھلائی کی تری قرباںؔ جب دُنیا نہیں قائل
پھر آخر کام آئیں گی یہ تیری نیکیاں کس دن

شیخ اُس نے تجھکو مسجد دی تو بُت خانہ نہیں
تجھ کو کعبہ دے دیا اور کوئے جانانہ نہیں

میکدہ میں تو نہیں ساقی بلُاتا اس لئے
ہچکیاں لے کرہے کرتا یادِ پیمانہ نہیں

ہاں محبت سے محبت اور وہ بھی آپ سے
چاہے سودائی کہیں یا آپ دیوانہ نہیں

بس سمجھ لو باغِ جنت میں تباہی آگئی
یاد جس دن آگیا دُنیا کا افسانہ نہیں

دل نہیں لگتا کہیں وحشت میں اسکا کیا علاج
اب نہ بستی راس آتی ہے نہ ویرانہ نہیں

روز اُن کی بزم میں اسواسطے جاتے ہیں ہم
تاکہ جلنے کا سبق دے آکے پروانہ نہیں

شاید اس ترکیب سے ملجائے کچھ دل کا پتہ
ہم سنواریں آج گیسو دیجئے شانہ نہیں

ہم وہ میکش ہیں کہ پھر بھی تشنگی باقی رہے
تو اگر ساقی پلادے سارا خمخانہ نہیں

وہ اُڑاتا ہے جو اے قرباںؔ ہمارا مضحکہ
کیا سمجھ رکھا ہے اُس نے کوئی دیوانہ نہیں

یاد آتی ہے جو صیاد کی بیداد نہیں
خوں رُلاتی ہے بہت فطرت آزاد نہیں

جب خزاں آئیگی آجائینگے پھر سوئے قفس
چھوڑ دے فصلِ بہاری میں تو صیاد نہیں

اور تو یاد نہیں ہم کو عدم کی باتیں
ہے وطن کوئی ہمارا ابھی یہ ہے یاد نہیں

شکوہ کرتے ہیں تو اظہارِ محبت کی طرح
یعنی آتا ہی نہیں شکوۂ بیداد نہیں

دیکھ لیں ہم رُخِ رنگیں کی بہار آخر
قتل سے پہلے اگر اذن دے جلاد نہیں

اب تو اُن کی ہمیں تصویر بنا بیٹھے ہیں
اے تصور نہیں اب حاجتِ بہزاد نہیں

پھل نہ محنت کا ملا۔ تو گیا حسرت لے کر
رنج آتا ہے ترے حال پہ شداد نہیں

شوق سے نذر کریں ہم اُنھیں جانِ شیریں
کاش مل جائے کہیں تیشۂ فرہاد نہیں

وہ تو کیا یاد بھلا ہم کو کریں گے قرباںؔ
موت نے بھی نہ کیا ہائے کبھی یاد نہیں

تیری اُلفت کا نتیجہ کچھ نہیں
کچھ نہیں اے جان لیوا کچھ نہیں

چارہ گر بیمارِ غم کا تیرے پاس
ہم سمجھتے ہیں دوا کچھ نہیں

چار دن کے سب یہ جھوٹے کھیل ہیں
عیش دُنیا رنج دُنیا کچھ نہیں

اپنے مجنوں کا نہیں رکھنی خیال
بوئے الفت تجھ میں لیلیٰ کچھ نہیں
خواب کے آگے مرے سب ہیچ ہیں
سن لیا خواب زلیخا کچھ نہیں
دینے کو تیار ہر دم ہے خدا
تجھ میں جذبہ ہی طلب کا کچھ نہیں
آپسے ہیں مجکو شکوے سیکڑوں
آپ کہتے ہیں تو اچھا کچھ نہیں
ہے نقطہ یہ اک طلسم دلفریب
یہ جہاں اس سے زیادہ کچھ نہیں
ان بتوں کی کرکے اے قرباںؔ چاہ
کھویا ہے کھویا ہے پایا کچھ نہیں

ہو نہ حسرت جسمیں بیشک وہ نظر اچھی نہیں
جو نہ روئے عشق میں وہ چشم تر اچھی نہیں
غیرت الفت کو جوش آجائے ایسا بھی نہ ہو
ہر گھڑی کی چھیڑ تیری فتنہ گر اچھی نہیں
خواب میں ہیں وہ۔ مگر تو کھیلتی ہے زلف سے
تیری یہ بے باکیاں باد سحر اچھی نہیں
دلمیں آکے رک گیا پہنچا جگر تک بھی نہیں
دیکھ لی تیزی تری تیر نظر اچھی نہیں
بالکل ایسا ہی ہے پیری میں ہمارا رنگ سوز
شمع کی ضو جس طرح وقت سحر اچھی نہیں
تیرے خوش کرنیکو کہدوں میری حالت ٹھیک ہے
ورنہ ویسے تو طبیعت چارہ گر اچھی نہیں
جو بھی لاتا ہے وہی لاتا ہے غم کی داستان
کان میں پڑتی کوئی اپنے خبر اچھی نہیں
بات تو جب ہے فلک بھی ٹوٹ کر نیچے گرے
جائے گردوں پر جو آہ بے اثر اچھی نہیں
کوچۂ قاتل میں جاکر اپنے ڈیرے ڈالدے
تیری صحت آجکل قرباںؔ اگر اچھی نہیں

ہم اپنے ہاتھ سے وا عقدۂ تقدیر کرتے ہیں
خدا سے التجائے بخشش تقصیر کرتے ہیں
عدو کا قتل ان کو جب کبھی منظور ہوتا ہے
گلے پر پہلے میرے تیز وہ شمشیر کرتے ہیں
خبر لیتے نہیں بیمار غم کی چارہ گر پہلے
یہ جب مرنے کو ہوتا ہے تو کچھ تدبیر کرتے ہیں
سمجھتے ہیں نہ پہنچے انکو کچھ تکلیف کچھ صدمہ
شب غم ہم تو خود ہی آہ بے تاثیر کرتے ہیں
تصور بے ثباتی کا اُسے ڈھاتا ہے فوراً ہی
عمارت جب خیالی ہم کوئی تعمیر کرتے ہیں
جنہیں حیرت کدے میں عشق کے رہنا نہیں آتا
تصور کو وہ کیوں دیوانہ تصویر کرتے ہیں
دل موسیٰ سے کہتی تھی تجلی برق سینا کی
جلاتے ہم نہیں تجھ کو مگر اکسیر کرتے ہیں
احبا سے کوئی کہدے وہ مرنے میں نہ آئینگے
ہمارے دفن کرنے میں عبث تاخیر کرتے ہیں

وہ چھوتے ہو نہیں سکتے تو جھٹلا بھی نہیں سکتے
دہ براں عمل قربان جو تحریر کرتے ہیں

آیا نہ مسیحا ہم بیمار رہے برسوں
پینے کو دوا اُسکی تیار رہے برسوں

گو آنیکا وعدہ تھا۔ لیکن وہ نہیں آئے
امید میں ہم اُن کی بیدار رہے برسوں

وعدہ نہ کیا پورا۔ ایکدن بھی کبھی آکر
ہوتے ہی ترے مجھسے اقرار رہے برسوں

دشمن کا کبھی اس سے تم نے نہ گلا کاٹا
ہاتھوں میں لئے اپنے تلوار رہے برسوں

الفت میں کبھی تیری عزت نہ ملی ہم کو
بدنام رہے برسوں ہم خوار رہے برسوں

کچھ بھی نہ صلا ہم کو افسوس دیا تم نے
خدمتیں تمہاری ہم سرکار رہے برسوں

گو روح سدا اُنکی پیاسی ہی رہی پھر بھی
بھٹی پہ تری ساقی میخوار رہے برسوں

فرقت میں اجل نے دی آکر نہ کبھی تسکیں
مرنیکے لئے گرچہ تیار رہے برسوں

ہے شکر خدا آئے وہ نزع میں ملنے کو
قربان کی جو صورت سے بیزار رہے برسوں

دردِ دل کی بھی ہمارے کچھ خبر اُن کو نہیں
ہے قلق سارے زمانے کو مگر اُن کو نہیں

کور باطن جو ہیں کیا دیکھیں گے وہ جلوہ ترا
تو نظر کے پاس ہے حاصل نظر اُن کو نہیں

کس طرح وہ آئیں قبضہ میں کسی کے اے ندیم
قدرِ دل اُن کو نہیں قدرِ جگر اُن کو نہیں

اپنے جانے کی پڑی ہے اور ہے فکرِ عدو
فکر مرنے کی مرے وقتِ سحر اُن کو نہیں

عیش سے اور دل کی جو دنیا میں جلتے ہی رہے
چین سے دیکھا کسی نے عمر بھر اُن کو نہیں

سُن لیا ہے تیرہ کاروں نے کہ تو رحمن ہے
معصیت سے کوئی اب دنیا میں ڈر اُن کو نہیں

کیا مریضانِ محبت کی نہیں آتی دوا
دیکھنے آتا کبھی تو چارہ گر اُن کو نہیں

جو ہنر کو بے ہنر دنیا میں کہتے عیب ہیں
آج اے قربان حاصل کچھ ہنر اُن کو نہیں

رہا وہ عمر بھر محبوس ہو کر غم کے زنداں میں
پھنسا جب کوئی دل آکر تری زلفِ پریشاں میں

اُنہیں مہمان کر لیتے ہیں کچھ کانٹے بیاباں میں
اُدھر کو پاؤں بہکا تا ہے جو خارِ مغیلاں میں

ہمارے شورِ الفت سے تو لیلے قرض اے قاتل
اگر باقی نہیں ہے کچھ نمک تیرے نمکداں میں

عدو کو ہے اگر اب بھی گھمنڈ اپنی شجاعت پر
تو بدو دو ہاتھ ہو جائیں ہیں محشر کے میداں میں

سیہ بختی کو تنہا چھوڑ دینا کیا ضرورت ہے
اسے بھی تا بکے دو لاکر مرے داماں ہجراں میں

ارے ناداں وہ تو دل کے اندر تیرے رہتی ہے
تو مجنوں ڈھونڈتا پھرتا ہے لیلیٰ کو بیاباں میں

رفوگر بھی ہوا حیران۔ کرتا پاس کس کس کا
رہا جھگڑا ہمیشہ جیب و داماں اور گریباں میں

میں اپنی سانس میں بھی اک تپش محسوس کرتا ہوں
کسی نے بھر دیئے ہیں اسقدر شعلے رگِ جاں میں

بتوں سے تیری یاد اللہ ہردم بڑھتی جاتی ہے
نہ آجائے کہیں قربان کوئی نقص ایماں میں

کچھ نہ آیا مزہ محبت میں
عمر کھوئی تمام غفلت میں

مجھ سے ملنے کو وہ چلے آئے
جب کبھی آگیا طبیعت میں

ایک دن بھی نہ آنکھ اپنی کھلی
کٹ گئی عمر خوابِ غفلت میں

آبرو رہ گئی گناہوں کی
مل گیا امن ابرِ رحمت میں

تیرے وحشی کو کیا چمن بھائے
دل بہلتا ہے دشتِ وحشت میں

واں بھی تیرا ہمیں خیال رہا
چین پایا نہ ہم نے تربت میں

منّ و عن پیش وہ مرے آیا
جو کہ لکھا تھا میری قسمت میں

نزع کا وقت ہے خدا حافظ
پھر ملیں گے کبھی قیامت میں

ہنس نہ صورت پہ غیر کی قربان
دخل کیا ہے خدا کی قدرت میں

وہ پتھر دل پہ ہمارے لگا کے بیٹھے ہیں
عدو کے کہنے سے بسمل بنا کے بیٹھے ہیں

وہ اپنی بزم میں فتنے اٹھا کے بیٹھے ہیں
رلا کے اٹھے ہیں مجھ کو ہنسا کے بیٹھے ہیں

ہمارے ضبط کا حال اپنی انجمن میں نہ پوچھ
کہ جب بھی بیٹھے ہیں دل کو دبا کے بیٹھے ہیں

وہ برقِ حسن گرائیں گے میری خرمن پر
جو آج پردے کو رخ سے اٹھا کے بیٹھے ہیں

رکا ہے کام جو اغیار کا مرے باعث
تو انتظار میں میری قضا کے بیٹھے ہیں

ہیں جام مے کے مقدر پہ کیوں نہ رشک کروں
کہ آج پہلو میں اک پارسا کے بیٹھے ہیں

وہ مجھ سے کہتے ہیں اب حشر اٹھ نہیں سکتا
ہم اپنی چال کے فتنے دبا کے بیٹھے ہیں

اٹھا نہ در سے تو اپنے کہ ناتواں ہیں ہم
پناہ لینے یہاں تھک تھکا کے بیٹھے ہیں

یہ کہنا اس سے تو قربان گر مسیح ملے

مریض سیکڑوں طالب شفا کے بیٹھے ہیں

رہونگا حشر کے دن بھی حسینوں کے مقدر میں | کہ ہے سب سے یہی وعدہ ملینگے تجھ سے محشر میں
کوئی رویا کرے یا التجا اُن سے کرے ہمدم | اثر ہوتا نہیں ہرگز مگر قلب ستمگر میں
خزاں کے حکم سے مرغ ہوا ہونگے یہ سب جا کر | لپٹ کے چلدئے مُرغ چمن دامانِ صرصر میں
عدم سے آئے دُنیا میں عدم کو ہم چلے واپس | ہمارا پاؤں القصہ رہا ہر وقت چکر میں
سُنے جو داستاں دل کی وہی بیتاب ہوجائے | الٰہی ورد دے تو اس طرح کا قلب مضطر میں
یہ کچھ تو مشق کا ہے نقص اور کچھ سخت جانی کا | روانی جو نہیں باقی رہی ہے تیرے خنجر میں
ہماری ناتوانی تکیے پہلو سمجھتی ہے | کبھی سلوٹ جو رہجاتی ہے کوئی اپنے بستر میں
جو افسانہ سُنا کرتے تھے اب اُس پر یقیں آیا | تماشا نوح کے طوفاں کا دیکھا دیدۂ تر میں

یہ دُشواری رہِ الفت کی اے قرباںؔ معاذاللہ
سُنا ہے ہم نے جھٹکا آگیا ہے پائے رہبر میں

سزائیں دل کو میرے آپ بے تقصیر دیتے ہیں | سزا کوئی نہیں ہوتی مگر تعذیر دیتے ہیں
ہیں جو وعدہ کروں اُلٹا سمجھنا چاہیے اُسکو | وہ اپنے قول کی خود ہی بتا تفسیر دیتے ہیں
ندامت پہلے گو ہوگی مگر انجام اچھا ہے | زلیخا خواب کی یہ ہم ترے تعبیر دیتے ہیں
ہماری بددعا سے بھی بگڑتا کچھ نہیں تیرا | ہمیشہ کوسنے ہم تجھ کو چرخ پیر دیتے ہیں
نہ کر غصہ تجھے اب شوق کے نامے نہ لکھیں گے | زباں سے گر نہیں کہہ سکیں تو لے تحریر دیتے ہیں
تصور بھی نہ تھا ان شوخیوں کا خواب میں مجھ کو | وہ اپنی کہہ کے مجھکو غیر کی تصویر دیتے ہیں
دکھا کر آئینہ اُس کو ملا کر آئینہ اُس سے | ملا تصویر سے ہم اُس کی اک تصویر دیتے ہیں
ستمگر تیرے ہاتھوں میں وہ آکر پھول بنتی ہے | دمِ کشتن چھری کی داد سب تکبیر دیتے ہیں

نہیں قرباںؔ دیکھا ہے فقط ثابت قدم ہم نے
بالآخر ڈال کاندھا عشق کے رہگیر دیتے ہیں

کاہل بنا دیا ہے مستوں کو اک نظر میں | کیا میکدے سے بھرے تھے اُس چشم فتنہ گر میں
عبرت ہو اس سے حاصل کہتے ہیں وہ عدو سے | لاشے کو دفن کرنا تو اُس کے رہ گذر میں
میری تباہ حالی تڑپا رہی تھی اُسکو | لیکن نہ کوئی آنسو تھا چشم نوحہ گر میں
تکلیف اے عزیزو دینگے نہ ہم نہیں کچھ | گھبراؤ تم نہ دل میں مرجائیں گے سفر میں

ہم نے جہاں بھی دیکھا موجود محبت کو پایا — ظاہر ہے حسن تیرا ہر برگ ہر شجر میں
کوچہ سے اُن کے واپس آیا نہ خط ہی لایا — اب میں پڑا ہوا ہوں تشویش نامہ بر میں
فرہاد کی طرح کیوں تیشے سے سر کو پھوڑوں — دیوانہ ہوں میں لیکن سودا نہیں ہے سر میں
بیمار دیکھتا ہے حسرت سے اس کو ناحق — رکھی ہوئی شفا ہے کیا دست چارہ گر میں
ہم زندگی کا حاصل سمجھیں گے اسکو اپنی — مل جاؤ ہم سے آکر اکبار عمر بھر میں
کہتے ہیں جسکو دنیا، سمجھی حقیقت اس کی
تھی خواب ایک وہ بھی قربان کی نظر میں

اُن کی ناراضی قضا سے کم نہیں — خشمگیں نظریں بلا سے کم نہیں
چھوڑ دے اے چارہ گر میرا علاج — درد۔ ذرہ بھر دوا سے کم نہیں
دیکھئے تو مل کے دست ناز میں — خون میرا کچھ حنا سے کم نہیں
کیا پڑے پتھر ہیں اُن کی عقل پر — کہتے ہیں بت ہم خدا سے کم نہیں
آرہے ہیں وہ عیادت کے لئے — اُن کا آنا بھی دوا سے کم نہیں
ہے اندھیرا شام غم چھایا ہوا — آہ بھی کالی گھٹا سے کم نہیں
مٹ گئے پھر بھی ہمارا فخر دیکھ — اب بھی تیری خاک پا سے کم نہیں
اس کی بھی قربان ہے رسی دراز
شام غم زلف رسا سے کم نہیں

مرے آنسو بھلا کب آنکھ سے باہر نکلتے ہیں — نکلتے ہیں تو کچھ مجبور ہی ہو کر نکلتے ہیں
انھیں جب دیکھ کر آنسو کبھی باہر نکلتے ہیں — وہ کہتے ہیں تری آنکھوں سے کیا گوہر نکلتے ہیں
بھنور میں سیکڑوں ہیں مبتلا بحر محبت کے — جو اس میں ڈوبتے ہیں وہ کہیں باہر نکلتے ہیں
قفس میں رنگ پھر لانے کو ہے نشو و نما انکی — اسیروں کے پھر اے صیاد بال و پر نکلتے ہیں
میں جانوں کچھ اثر ہونے لگا میری محبت کا — کہ وہ رکھے ہوئے ہاتھوں کو اب دل پر نکلتے ہیں
وطن کی چھوڑنے کی کیا نہیں معلوم تکلیفیں — صدف سے کس لئے باہر دُر و گوہر نکلتے ہیں
وہ کہتے ہیں لگا کر ایک ٹھوکر میری تربت پر — کہ یوں محشر میں مُردے قبر سے باہر نکلتے ہیں
جلاتے ہیں جو اوروں کو انہیں راحت نہیں ملتی — چراغ بزم وقت صبح گل ہو کر نکلتے ہیں
فرشتوں سے کہو کچھ انتظام حشر کر رکھیں — کہ ہم فریاد کرنے کو سر محشر نکلتے ہیں

قیامت میں کہاں ہے آج تیری شانِ ستاری
گُناہوں کے ہمارے سامنے دفتر نکلتے ہیں

وہ ہرگز بھی نہیں ڈرتے کسی سے راہِ اُلفت میں
کہ عاشق لے کے سر اپنا ہتیلی پر نکلتے ہیں

بیاباں کا جو وحشت جائزہ لیتی ہے غُربت میں
ہر اک ذرے میں میرے پاؤں کے چکر نکلتے ہیں

نتیجہ شادمانی کا ہوا کرتا ہے غم اکثر
جو خوش آتے ہیں محفل میں وہی مضطر نکلتے ہیں

تمنائے شہادت کیا مری بر آئے گی ہمدم
وہ لیکر آج گھر سے ہاتھ میں خنجر نکلتے ہیں

بتانِ سنگدل قرباںؔ پتھر کے کھلونے ہیں
سمجھتا موم ہوں جنکو وہی پتھر نکلتے ہیں

حاصلِ فُرقت بجُز دردِ نہاں کچھ بھی نہیں
اب لبِ خاموش پر آہ و فغاں کچھ بھی نہیں

فصلِ گُل کا کیف یار رنجِ خزاں کچھ بھی نہیں
تجھکو تو رنج و خوشی اے باغباں کچھ بھی نہیں

یہ بھی مٹجاتا ہے آخر ایک دن مثلِ بہار
ہم نے دیکھا غور سے دورِ خزاں کچھ بھی نہیں

اُنکے عارض سے زیادہ اُمیں کب ہے رنگ و رُوپ
دیکھے دیکھے پھول تیرے باغباں کچھ بھی نہیں

اسمیں لاکھوں داغ ہیں جنکو نہیں خود ڈرِ خزاں
گلشنِ دل کے مقابل بوستاں کچھ بھی نہیں

مُسکراتے ہو مگر چہرہ ہے مجسمہ حجاب
اس حیا کے سامنے یہ شوخیاں کچھ بھی نہیں

ہم ازل میں حسن کے متانے تھے اُسکے سامنے
یہ شرابِ ناب اے پیرِ مُغاں کچھ بھی نہیں

جیسی جیسی ہم کو تکلیفیں کسی ظالم نے دیں
اُن کے آگے چرخ تیری سختیاں کچھ بھی نہیں

کچھ نہیں سطحِ زمیں سے ہے خاکِ دل کی منجمد
صرف دودِ آہ ہے اور آسماں کچھ بھی نہیں

داد کیا ناوک کو دُوں تحسین کہتا ہوں نہیں
ہاتھ ہوں کمزور تو زورِ کماں کچھ بھی نہیں

ہو گیا واپس سکندر بے پیئے آبِ حیات
ہائے دیکھا لطفِ عُمرِ جاوداں کچھ بھی نہیں

گھل گئے ہم خاک میں سب ملتے ہی سوزِ ہجر سے
دیکھ لو آکر سوائے اُستخواں کچھ بھی نہیں

عیب اے قرباںؔ اپنے خود نہیں آتے نظر
ہے تکبر جن کو اُن میں خوبیاں کچھ بھی نہیں

اثر اب جو آہ و فغاں میں نہیں
تو یارا دلِ ناتواں میں نہیں

ہمیں ساتھ کیوں کوئی لیتا نہیں
جگہ کیا کسی کارواں میں نہیں

نہیں آتی نغموں کی کوئی صدا
تو کیا عندلیب آشیاں میں نہیں

دعا یوں ہے ناکام شامِ فراق
کہ تاثیر باقی زباں میں نہیں

جو چکر مرے پائے وحشت میں ہے
وہ گردش کبھی آسماں میں نہیں

ستائے نہ للہ کوئی اسے
کہ طاقت دلِ ناتواں میں نہیں

خدا کے لئے کر دعا برہمن
مجھے چین عشقِ بتاں میں نہیں

کوئی پھول بلبل ترے دل سے کم
مرے گلشنِ بے خزاں میں نہیں

کرو تم نہ قرباں دل کی تلاش
وفا کا نشاں ہی جہاں میں نہیں

سوزِ دل جو کبھی بزم میں آ جاتا ہوں
آگ پروانوں کے پیکر میں لگا جاتا ہوں

سوزِ الفت سے ترے اب تو جلا جاتا ہوں
بے خبر جلد مری غم سے گھلا جاتا ہوں

شمع محفل ہوں مرے سوز سے دل کو نہ جلا
صبح ہوتی ہے گھڑی بھر میں بجھا جاتا ہوں

جسنے یہ درد دیا ہے اسی بیدرد کے پاس
درد کی اپنے میں لینے کو دوا جاتا ہوں

بوجھ سے مجکو تو اے رحمتِ حق کر دے سبک
بارِ عصیاں کا ہے اتنا کہ دبا جاتا ہوں

جب میں جانوں تو یونہی آئے جفائیں کر کے
جس طرح کر کے جہاں سے میں وفا جاتا ہوں

ٹھہرو اے راہ روو ساتھ نبھاؤ میرا
ٹھہرو ٹھہرو میں بہت دور رہا جاتا ہوں

مجھسے وہ کہتے ہیں کیا اور کرو دل تیرا خیال
آکے تربت پہ تری اشک بہا جاتا ہوں

روز دیتا ہوں حسینوں کو جہاں میں اک دل
اس سخاوت سے میں قرباں لٹا جاتا ہوں

تم کرو گے جو ناز کی باتیں
ہم کریں گے نیاز کی باتیں

روحِ محمود کہتی پھرتی ہے
کچھ سنا دو ایاز کی باتیں

توبہ کر جلد تو یہ کر واعظ
میکدے میں نماز کی باتیں

سن کے آخر کرے گا کیا ہمدم
تو مرے دل نواز کی باتیں

مختصر ایک لمحہ فرصت
اور عمرِ دراز کی باتیں

مجکو چھیڑا جو تو نے اے زاہد
کھول دوں گا میں راز کی باتیں

ایک پل میں وہ بخش دیتا ہے
واہ عاجز نواز کی باتیں

دل کو چھوڑا نہ اس نے کرکے اسیر
دیکھو زلفِ دراز کی باتیں

آج قرباں ہیں وہ مائل رحم

کر لو راز و نیاز کی باتیں

کون ہے آکے جو دُنیا میں پریشان نہیں
ہے پریشانی کا مجموعہ یہ انسان نہیں

حیف ہے آپ کو پھر بھی مری پہچان نہیں
آپ انجان نہیں میں کوئی انجان نہیں

سُن لیا ہم نے کہ ملنا نہیں تو غیر سے بھی
تیرے ملنے کا نہیں اب کوئی ارمان نہیں

مذہبِ عشق سے جس کو نہیں اُلفت زاہد
ہم سمجھتے ہیں کہ حاصل اُسے ایمان نہیں

مر کے بھی تیرے ہی کوچہ میں پڑے رہتے ہیں
جان دے دیتے ہیں عشاق مگر آن نہیں

ہم نے خود غیر کے پہلو میں تجھے دیکھا ہے
افترا یہ نہیں تہمت نہیں بُہتان نہیں

کوئی پہچان بھی سکتا نہیں اب عاشق کو
کیا ترے عشق کی کافی یہ ہی پہچان نہیں

غیر سے کہتے ہیں محفل میں نہیں لگتا دل
آج محفل میں جو آیا مری قربان نہیں

خود اپنی زیست کی ہم قطع راہ کرتے ہیں
مُراد والوں سے کہہ دو جوان مرتے ہیں

جو کرنا ہوتا ہے ہمکو وہ کر گذرتے ہیں
بتوں سے خوف نہیں ہاں خدا سے ڈرتے ہیں

کوئی جو آتا ہے دُنیا میں لوٹ جاتا ہے
یہ ساکنانِ عدم کب یہاں ٹھہرتے ہیں

خود اپنی موت سے رہتے ہیں بے خبر شاید
جب ان اسیروں کے صیاد پر کترتے ہیں

نگاہِ یار کے جو تیر آتے ہیں ہمدم
وہ دل سے ہو کے کلیجے میں جا اُترتے ہیں

مٹائے سے نہیں مٹتے مثالِ حسرتِ دل
ہمارے داغِ محبت سدا ابھرتے ہیں

بھٹکنے دیتے نہیں غیر کے خیال کو بھی
جو پاسباں سے نہ ہو کام ہم وہ کرتے ہیں

سُوئے حرم نہیں جاتے ہیں بُتکدے سے کبھی
خدا معاف کرے ہم بتوں سے ڈرتے ہیں

ہم اُن سے دل کبھی اپنا طلب نہیں کرتے
تو دل کو لیکے وہ قربان کیوں مکرتے ہیں

ستم سہ کے ہم چرخِ کہن کو آزماتے ہیں
کمالِ ضبط سے رنج و محن کو آزماتے ہیں

کسے ہے فکرِ آزادی ہمیں معلوم کرنا ہے
چمن میں ہم ہر اک مرغِ چمن کو آزماتے ہیں

ہماری سخت جانی سے وہ برہم تو نہیں ہوتا
سرِ مقتل مزاجِ تیغ زن کو آزماتے ہیں

دلِ پُر داغ سے بوئے وفا آتی ہے کیا اُسکو
شب وعدہ دماغِ گلبدن کو آزماتے ہیں

چلے جائیں گے جب موج آئیگی سوئے وطن واپس
ابھی ہم الفتِ اہلِ وطن کو آزما۔

وہ کہتے ہیں کہ دیتا کون ہے جاں مثلِ پروانہ
جلا کر شمع اہلِ انجمن کو آزماتے ہیں

کبھی کعبے میں جا کر اور کبھی بتخانے میں جا کر
ہم اکثر وضعِ شیخ و برہمن کو آزماتے ہیں

اندھیرا۔ اِس طرح شاید ہو کم ظلماتِ ہستی کا
جلا کر شمعِ ہستی تن بدن کو آزماتے ہیں

خدا بھی عیب جب قرباںؔ چھپا لیتا ہے بندوں کے
تو پھر کیوں عیب جو اہلِ سخن کو آزماتے ہیں

تری اُلفت میں جتنے ولولے بھی دل سے اُٹھتے ہیں
اسی منزل میں رہتے ہیں اسی منزل سے اُٹھتے ہیں

نقاہت ہو گئی ایسی مریضانِ محبت کو
بمشکل بیٹھتے ہیں اور بڑی مشکل سے اُٹھتے ہیں

ستارے آسماں پہ جا کے بنجاتے ہیں وہ اکثر
شبِ فرقت میں جو شعلے ہمارے دل سے اُٹھتے ہیں

جو آتے ہیں تمنا دل میں لے کر تیرے جلوؤں کی
بہت مایوس ہو کے وہ تری محفل سے اُٹھتے ہیں

نہیں وہ قتل میں بے وجہ کرتا سختیاں مجھ پر
کہیں یہ بارِ نازک خنجرِ قاتل سے اُٹھتے ہیں

خطا صحرا میں کچھ لیلیٰ نہیں مجنوں کی وحشت کی
بگولے جتنے اُٹھتے ہیں تری محمل سے اُٹھتے ہیں

اندھیرے میں خدا جانے کدھر ہوتے ہیں وہ غائب
شبِ فرقت ہمارے ولولے جو دل سے اُٹھتے ہیں

خراب آبادِ عالم میں ترے دم سے خرابی ہے
یہ جتنے فتنے اٹھتے ہیں اسی محفل سے اُٹھتے ہیں

کبھی قرباںؔ وہ قسمت سے پورے ہی نہیں ہوتے
بہت سے ولولے دن رات میرے دل سے اُٹھتے ہیں

جان لینے کے لئے یہ آفتِ جاں ہو گئیں
اُن کی مژگاں تیز چھریاں ہو گئیں

لوگ یہ سمجھے گہن میں آ گیا ہے ماہتاب
اُن کے چہرے پر اگر زلفیں پریشاں ہو گئیں

بادہ خواروں نے جو ساقی سے کہا دیدے کباب
شیخ پر فوراً الطافِ بادہ بریاں ہو گئیں

کیا کروں زاہد کہ اک اندازِ ساقی دیکھکر
نیتیں۔ توبہ کی ساری عذرِ نسیاں ہو گئیں

تم نے وعدہ کر لیا۔ اور اُس کو پورا کر دیا
سب شگفتہ میری امیدوں کی کلیاں ہو گئیں

آبرو یہ دیدۂ تر۔ کی بدولت ہو گئی
آنکھ کی بوندیں مری مشہورِ طوفاں ہو گئیں

کس قدر بازیچۂ دُنیا بنایا دل فریب
اس تماشے گاہ میں آنکھیں بھی حیراں ہو گئیں

جس کو سمجھی تھی نشیمن عندلیب تفتہ دل
تیلیاں سب اُسکی خاطر برقِ ساماں ہو گئیں

جب نگاہِ التفات انکی ہوئی پرسانِ حال
مشکلیں قرباںؔ جتنی تھیں سب آساں ہو گئیں

نہیں پھولوں کا خیال اور چمن یاد نہیں
ہم ہیں مجبورِ قفس ہم کو وطن یاد نہیں

آج خاموش ہو کیوں دورِ خزاں آتے ہی
کیا چہکنا تمہیں مرغانِ چمن یاد نہیں

آ گئے آپ تو سب بھول گئے تکلیفیں
شاد یوں ہیں کہ ہمیں رنج و محن یاد نہیں

آج میخانے میں پھر ہے وہی شغلِ مے و جام
توبہ کی تھی کبھی اے توبہ شکن یاد نہیں

جیتے جی بار تھی سب پر مری بے سامانی
بعد مرنے کے ملا ہوگا کفن یاد نہیں

جو تجھے سارے زمانے میں لئے پھرتا تھا
تجھے اے روح وہ کیا محملِ تن یاد نہیں

یہ قفس کیا ہے چمن لیکے تو اڑ سکتا ہے
طرزِ پرواز ہی اے مرغِ چمن یاد نہیں

اے مسافر اسے کہتے ہیں فریبِ ہستی
اپنا اصلی ہے مجھے افسوس وطن یاد نہیں

دیکھئے کیسے ہو قربان بسر عمرِ عزیز
کہ بجز عشق ہمیں کوئی بھی فن یاد نہیں

اے صبا تو بوئے گل مجھ تک کبھی لاتی نہیں
ایک مجبورِ قفس پر رحم فرماتی نہیں

یاد ان کو میری تنہائی کبھی آتی نہیں
میری حسرت بھی انہیں کچھ جا کے سمجھاتی نہیں

ننگِ ہستی تھا تو اب ہیں خاک کو بھی حسرتیں
گور کی مٹی کفن کو بھی مرے کھاتی نہیں

دل شگفتہ ہو تو ہوں پھر پُر آثارِ خوشی
جو کلی کھلتی نہیں وہ بو کبھی پاتی نہیں

بال کھولے تم نے چھوڑا جب سے آنا بام پر
آسماں پر اب کبھی کالی گھٹا چھاتی نہیں

یہ تری دیدہ دلیری۔ یہ تری بے باکیاں
دیکھ کر کیوں ان کو اے نرگس تو شرماتی نہیں

ضبط کی عادت جو مجھکو پڑ گئی ہے ہم نفس
میرے لاشے پر مری حسرت بھی چلاتی نہیں

دیکھ کر بلبل کا گل سے اختلاطِ باہمی
آنکھ نرگس کی کبھی گلشن میں شرماتی نہیں

تیرا دیوانہ ہے اے لیلیٰ بہت وحشت پسند
زلف کی زنجیر کیوں تو اس کو پہناتی نہیں

ہو گئے دیوانے شاید قیدِ ہستی سے رہا
آج زنداں سے صدا زنجیر کی آتی نہیں

دیکھ اے قربان اپنی زندگی کی قدر کر
جو گذرتی ہے گھڑی وہ ہاتھ پھر آتی نہیں

درد کا اپنے یہ سوچا ہے مداوا نکریں
چاہے مر جائیں مگر منتِ عیسیٰ نہ کریں

نکلے پڑتے ہیں مرے اشک مری آنکھوں سے
ڈر ہے محفل میں تری یہ مجھے رسوا نہ کریں

جن کو بیمارِ محبت کا نہ ہو یادِ علاج
وہ مسیحائی کا ہرگز کبھی دعوےٰ نہ کریں

وہ یہ کہتے ہیں تڑپنا نہیں آئین وفا / کیا کریں ترک اگر اپنا تڑپنا نہ کریں
چاہنے والوں کو آیا ہے یہ اُن کا پیغام / عشق کرنا ہے کریں مجھ کو تو رُسوا نہ کریں
حسرت قتل ابھی دل میں ہے میرے باقی / حلق پر غیر کے تلوار کو جھوٹا نہ کریں
گر یقیں ہو کہ وہ آجائیں گے شام فرقت / موت کی بھول کے ہرگز بھی تمنا نہ کریں

جان دینا ہے مجھے قربان بہت آساں ہے
نہیں کرتے وہ مداوا۔ مرا اچھا نہ کریں

ملحد تجھے نصیب ہے نور نظر کہاں / پھر یہ تلاش کیا کہ خدا کا ہے گھر کہاں
بے اُس کے اختیار میں مجھ کو خبر نہیں / گذرے گی میری شام کہاں اور سحر کہاں
کرنا علاج پھر شب فرقت کا چارہ گر / پہلے بتا دو اس میں ہے تیری اثر کہاں
دل میں ہر ایک ذرے کے مسکن ہے آجکل / وحشی نے تیرے آج بنایا ہے گھر کہاں
ابتک جو میرے خط کا نہیں لا سکا جواب / گم ہو گیا ہے جا کے مرا نامہ بر کہاں
صیاد سن کے مژدہ آزادئ قفس / پرواز کی ہے فکر مگر بال و پر کہاں
دوزخ سے کیا مرے تپ غم کو ہیں نسبتیں / اُس کی تپش کہاں مرا سوز و جگر کہاں
رکھا ہے بیقرار یونہی اُس نے تا بہ زیست / دل نے دیا ہے چین ہمیں عمر بھر کہاں

قربان بیٹھ چین سے ہے وقت آخری
پھرتا ہے مارا مارا۔ ادھر اور ادھر کہاں

کسی صورت خیال یار اگر رہنے لگے دل میں / مزہ آجائے اس ارمان اور حسرت کی محفل میں
تمنا قتل کی رہجائے گی پھر قلب بسمل میں / غضب آیا کہ رحم آگیا پھر چشم قاتل میں
جنہیں آباد دل کو گھر بنانے میں تامل تھا / خدا کا شکر وہ رہنے لگے ٹوٹے ہوئے دل میں
تری لیلی تو تیرے دل میں آبیٹھی ہے اے غافل / پڑا۔ پردہ ہے خالی وہ نہیں ہے قیس محمل میں
تکلف ہے لحد پر شمع لانے سے تو رہنے دو / چراغ داغ ہی کافی ہے جلنے کو مرے دل میں
مری بیتابئ دل دیکھکر کہتا ہے وہ قاتل / نہیں دیکھی ہے ایسی بیقراری ہم نے بسمل میں
کہیں جانے سے رکتی ہے بہار باغ اے گلچیں / پھریں گو لاکھ آنسو خون کے چشم عنادل میں
کہاں نجد۔ اور کہاں ناقہ۔ کہاں نازک بدن لیلی / اسے کہہ سنکے اے مجنوں بٹھانے دلکے محمل میں

چراغ بزم اے قربان دیکھو ٹمٹماتا ہے

کسی کی یاد میں یہ ہچکیاں لیتا ہے محفل میں

ساقی بہت ہیں کوئی مدح خوار ہی نہیں
کیف شرابِ غم کا طلبگار ہی نہیں

زلفوں میں تیری قید معتقد نگاہ ہیں
آزاد بھی ہیں صرف گرفتار ہی نہیں

جب چاہو آزما لو ہماری سرشت کو
ہم جاں نثار بھی ہیں وفادار ہی نہیں

اللہ رے تمازتِ خورشید روزِ حشر
زاہد بھی خوف میں ہیں گرفتار ہی نہیں

جن کو نہیں ملی ہے بصیرت کی روشنی
وہ دیکھتے کبھی تیرا دیدار ہی نہیں

وہ پوچھتے ہیں مجھ سے مرا حال نزع میں
کیا دوں جواب طاقتِ گفتار ہی نہیں

بگڑا ہوا ہے اب تو نظامِ حیات بھی
بگڑے ترے مریض کے آثار ہی نہیں

شکوہ فضول سا ہے خدائے کریم کا
دیتا ہے وہ تو کوئی طلبگار ہی نہیں

اللہ کے کرم کی نوازش تو دیکھئے
قربان آج کوئی گنہگار ہی نہیں

اپنا ٹھکانا جب دو جہاں میں نہ پاؤں میں
جوشِ جنوں بتائے کہاں پھر سماؤں میں

مجھ کو یقین ہے کہ رہوں میں ترا جلیس
غیروں کی طرح جھوٹی جو باتیں بناؤں میں

اک بار چھپ کے دیکھ لیا ہے ترا کمال
سو بار کس لئے تجھے پھر آزماؤں میں

ٹھنڈک ملے ہے دلکو مرے اور رقیب کے
کہتے ہیں کس لئے نہ تجھے پھر جلاؤں میں

ایسا نہیں ہوں ہاتھ سے جو دوں کبھی وقار
ممکن نہیں کہ غیر کی محفل میں جاؤں میں

کس طرح منع عشق سے تیرے کروں اُسے
سوتے ہوئے رقیب کو کیونکر جگاؤں میں

اوڑھوں غلافِ کعبہ تو تجھ کو یقیں نہ ہو
سینے کے داغ لکھوں کے ناحق دکھاؤں میں

لیلیٰ مری جو غیر کو پتھروں سے چھیڑ دے
مجنوں کی جا کے قبر پہ چلے چڑھاؤں میں

رونے نہیں جو دیتے بتادو بدل کوئی
کس چیز سے پھر آگ یہ دل کی بجھاؤں میں

قربان اپنے وعدے پر آئے جو وہ کبھی
آنکھوں کا فرش راہ میں اسکی بچھاؤں میں

مری پرسش نہیں دربارِ قاتل میں وہ بسمل ہوں
لئے پہلو میں اپنے ایک مایوسی بھرا دل ہوں

میں رازِ حسن پردے میں چھپا لینے کے قابل ہوں
نگاہِ قیس کہتی ہے کہ میں لیلیٰ کا محمل ہوں

مرا سر بھی مجھے بارِ گراں معلوم ہوتا ہے
اگر اس کو جدا کر دے تو میں مشکورِ قاتل ہوں

تمہارے عشق نے کیسی امید و بیم میں ڈالا
نہ میں مُردوں میں داخل ہوں نہ میں زندوں میں داخل ہوں

خدا کا شکر ہے میری بسر ہوتی ہے راحت سے
نہ دُنیا مجھ پہ مائل ہے نہ میں دنیا پہ مائل ہوں

کسی پہلو نہیں ہے چین مجھ کو تیری الفت میں
تڑپتا تیری فرقت میں یہاں مرغِ بسمل ہوں

جسے کہتے ہیں دل اب وہ کہاں ہے میرے پہلو میں
کبھی آباد تھے پہلو بھی لیکن اب تو بیدل ہوں

مری کشتی بھنور میں ناخدا مایوس سب حیران
مگر میری تمنا دیکھیے مشتاقِ ساحل ہوں

کہاں جانا ہے مجکو اور کہاں سے میں یہاں آیا
خبر اس کی نہیں مجکو ازل سے میں تو غافل ہوں

مجھے قربانؔ دی حق نے بڑی نا آشنا قسمت
لگائے کوئی منہ مجکو۔ کہاں میں اسکے قابل ہوں

وائے قسمت کیسی گلشن میں مرے آئی خزاں
میری بربادی کے ساماں ساتھ ہی لائی خزاں

اللہ اللہ باغِ ہستی کو مرے کر کے خراب
پھر رہی ہے سیر کرتی کیسی اترائی خزاں

ہمنے جن آنکھوں سے دیکھی تھی کبھی فصلِ بہار
اب انہیں آنکھوں میں ہے تصویرِ رسوائی خزاں

آ گئی گلشن پہ آفت پھول سب مرجھا گئے
کیوں نہ پھولوں کے عوض گلشن میں مہکائی خزاں

دیکھیے کب تک رہے محفوظ یہ کیفِ بہار
لے رہی ہے آج پھر گلشن میں انگڑائی خزاں

باغباں اپنی نکالے گی یہ ساری حسرتیں
ہوگئی ہے تیرے گل بوٹوں کی شیدائی خزاں

کردیا گلزار کو آتے ہی تو نے دشت ہو
کیوں ہوئی واقع طبیعت تیری صحرائی خزاں

ہوگئی رخصت ہر اک زاغ و زغن کے ساتھ ساتھ
فصلِ گل کو دیکھ کر کس درجہ گھبرائی خزاں

ہم سے دیکھا بھی نہیں جاتا ہے گلشن کی طرف
باغ میں قربانؔ جسدن سے کہ ہے آئی خزاں

اب اس کے بعد محوِ وعدۂ فردا نہیں ہوں میں
کہ اُس نے کہدیا قائل قیامت کا نہیں ہوں میں

اُٹھاتا ہے جو تو تکلیف ناحق رہنمائی کی
تو اے جوشِ جنوں کیا واقفِ صحرا نہیں ہوں میں

شفا دردِ محبت سے نہ پایا میں تو اچھا تھا
کہ اچھا ہوں مگر اب واقعی اچھا نہیں ہوں میں

ہزاروں مجھسے پہلے بھی اسیرِ عشقِ گیسو ہیں
تمہارے دامِ الفت میں کوئی عنقا نہیں ہوں میں

وہ کہتے ہیں مجھے کیا کام تیرے دل میں رہنے سے
رہوں پردے میں محمل کے کوئی لیلیٰ نہیں ہوں میں

پلا دو اپنے ہونٹوں سے تو میں سرشار ہو جاؤں
تمہارا بادہ کش ہوں تشنۂ صہبا نہیں ہوں میں

اُمیدیں ساتھ آئیں اور ارماں ساتھ جاتے ہیں
غلط سمجھا ہے مجھے احباب نے تنہا نہیں ہوں میں

جو فقرے ہیں تو ژولیدہ عبارت ہے تو پیچیدہ
سمجھتا کچھ بھی مطلب یار کے خط کا نہیں ہوں میں

مجھے قرباں دنیا میں غم و شادی برابر ہیں
کبھی ہنستا نہیں ہوں میں کبھی روتا نہیں ہوں میں

تمہاری آرزو ہے اور میں ہوں
تمہاری جستجو ہے اور میں ہوں

گذرتی ہے بس اب یوں کنج غم میں
کہ دل سے گفتگو ہے اور میں ہوں

قیامت میں پڑی ہے کیسی مشکل
وہ مجھ سے دوبدو ہے اور میں ہوں

مری حسرت ہے اور دنرات وعدہ
وہ شوخ حیلہ جو ہے اور میں ہوں

خیال یار سے دل کہہ رہا ہے
یہاں بس ایک تو ہے اور میں ہوں

کرو اب طے مرا۔ اور اسکا قصہ
یہاں حاضر عدو ہے اور میں ہوں

گذرتے اب ہیں میرے راتدن یوں
کہ ساغر ہے سبو ہے اور میں ہوں

فلک پر ماہ اور خورشید انجم
چمن میں آب جو ہے اور میں ہوں

یہ قرباں کہہ رہی ہے تیغ قاتل
کہ اب تیرا گلو ہے اور میں ہوں

کہانی عشق ہے وہ جس کا اختتام نہیں
ہمارا قصہ فرقت ابھی تمام نہیں

نہ دیدوں جان تو قرباں میرا نام نہیں
حسینو جھوٹ جو بولوں یہ میرا کام نہیں

حرام شیخ اسے کہتا ہے کہنے دے ساقی
کہیں ہمارے تو مشرب میں مے حرام نہیں

اٹھاؤں ناز۔ رقیبوں کے سامنے توبہ
حضور آپ کا عاشق ہوں میں غلام نہیں

نہ آئے شیخ ترے میکدے میں عید کے دن
یہ کہدے ساقی یہاں آج اذن عام نہیں

رہا نہ ہونے کو کیا قتل۔ اب کوئی باقی
تمہاری تیغ ادا۔ آج بے نیام نہیں

شراب پینے سے ناصح ہے اجتناب فضول
ملے جو مفت کی قاضی کو بھی حرام نہیں

وہ بزم بزم عزا۔ سے نہیں ہے کم قرباں
جہاں شراب نہیں اور دور جام نہیں

یہ بت پامال کر نیکو کسی کے دل میں رہتے ہیں
مٹا دیتے ہیں اور خود پردہ محمل میں رہتے ہیں

تلاش خضر ہے جنکو جنہیں رہبر کی خواہش ہے
وہی تو سست ہیں پیچھے عشق کی منزل میں رہتے ہیں

زمانہ چتلیوں کی طرح سے یاں رقص کرتا ہے
تماشے سو طرح کے آنکھ کے اک تل میں رہتے ہیں

چلا جاتا ہے قاتل ذبح کر کے کسقدر جلدی
بہت ارماں یونہی باقی دلِ بسمل میں رہتے ہیں

ہماری حسرتیں ہیں صرف باقی حسنِ جاناں تک
کہ پروانے فروغِ شمع تک محفل میں رہتے ہیں

ہیں خود انکا مکاں ہوں خود نشاں ہوں انکی منزل ہوں
مری آنکھوں میں رہتے ہیں وہ میرے دل میں رہتے ہیں

خدا کا شکر کر مجنوں۔ بہت سے عیب لیلیٰ کے
چھپے تیری نظر سے پردۂ محمل میں رہتے ہیں

نہ پوچھو حال ہم سے سختیٔ شبہائے فرقت کا
بڑی مشکل سے کٹتی ہے بڑی مشکل میں رہتے ہیں

صدائیں انکی پچھلی رات کچھ کانوں میں آتی ہیں
ہدایت کو ہمیشہ وہ دلِ غافل میں رہتے ہیں

ہمیں تو ڈوب جانا بحرِ الفت میں ہے ترجانا
وہ کوئی اور ہیں جو حسرتِ ساحل میں رہتے ہیں

نہیں معلوم کیا دل میں ہے انکے کیا ارادے ہیں
کہ اب قرباںؔ اکثر کوچۂ قاتل میں رہتے ہیں

مدِ نظر تمہیں نہیں میری حقارتیں
دشمن نے یہ سکھائی ہیں ساری شرارتیں

جتنی طبیب دیگا دوائیں بڑھے گی آگ
کم سوزِ عاشقی کی نہ ہوں گی حرارتیں

تربت پہ آکے میری وہ کہتے ہیں ناز سے
دیکھی ہیں میں نے سیکڑوں ایسی زیارتیں

ملتا نہیں نشاں بھی مکینوں کا ہائے ہائے
روتی ہیں اُن کے حال پہ سنگیں عمارتیں

مدفون جس جگہ ترے اہلِ وفا ہوئے
دنیا کے واسطے وہ بنی ہیں زیارتیں

پہچان میری نبض سے مشکل ہے درد کی
دل کی جگر کی اس میں ہیں شامل حرارتیں

رہتی ہے سب تمیز انہیں صدق و کذب کی
حق ہیں خدا نے جن کو عطا کیں بصارتیں

میں کیا کروں ندیم کہ رہتی نہیں ہے یاد
ہوتی ہیں روز خواب میں مجھکو بشارتیں

قرباںؔ جس میں درج ہوا سرارِ عشق و حسن
مشکل ہیں پڑھنی ایسے متن کی عبارتیں

آساں ابھی ہو جائیں یہ تعذیر کے مضموں
گر آپ سمجھ لیں مری تقصیر کے مضموں

جاتے ہیں فلک تک مری تحریر کے مضموں
بھاتے ہیں جہاں کو مری تقریر کے مضموں

کر دیتے ہیں اُلٹے مری تدبیر کے مضموں
ظالم ہیں بہت یہ مری تقدیر کے مضموں

الجھن میں رہوں عمر گذر جائے یونہی سب
لکھوں میں اگر زلفِ گرہ گیر کے مضموں

حیرت ہے کہ طاری ہے دماغ اور قلم پر
بیٹھا ہوں میں لکھنے کو جو گلگیر کے مضموں

ٹکڑے کرے پہلے جگر و دل کے ہزاروں
تحریر میں لائے جو ترے تیر کے مضموں

یوں دستِ دعا لکھنے کو ہوتا نہیں تیار
ناکام رہا کرتے ہیں تاثیر کے مضموں

مشکل ہیں بہت یہ جو ملیں ایک لڑی ہیں
بکھرے ہوئے وحشی کی ہیں زنجیر کے مضموں

جو دیکھتا ہوں جانتا ہوں اس کا نتیجہ
آتے ہیں نکل خواب سے تعبیر کے مضموں

قرباں بڑے شوق سے مقتل کی زمیں پر
بسمل نے لکھے خون سے شمشیر کے مضموں

عجب طرح کے عذاب میں ہوں۔ جو آج دورِ شباب میں ہوں
کبھی کسی اضطراب میں ہوں۔ کبھی کسی اضطراب میں ہوں

نہ میرے مرنے کا کچھ ٹھکانا۔ نہ میرے جینے کا کچھ تعین
ہوں عارضی عالمِ فنا میں۔ کہ اک جہانِ حباب میں ہوں

جہاں میں آنا جہاں سے جانا۔ یہ مختصر ہے مرا فسانہ
ہے میرا ہونا بھی اک نہ ہونا۔ کہ حدِ فاصل کتاب میں ہوں

ابھی کہاں فکرِ حشر و دوزخ۔ عذاب کیسا ثواب کیسا
ابھی تو ہیں مست شیخ صاحب شراب میں ہوں کباب میں ہوں

وہ آج آئے ہیں میرے گھر پر۔ وہ آج مہماں بنے ہیں میرے
ذرا بتا دے میں جاگتا ہوں۔ کہ ہمدم اسوقت خواب میں ہوں

بتوں کا ہوں یا خدا کا بندہ۔ جواب انہیں دفعتاً میں دوں کیا
فرشتے ناحق جھگڑ رہے ہیں۔ الٰہی میں کس عذاب میں ہوں

شراب پی کر ہوں مست و بے خود۔ نہ چھیڑ مجھ کو تو آج واعظ
گناہ کی مجھ کو کیا خبر ہو۔ کہ محوِ کارِ ثواب میں ہوں

کسی سے جھگڑا کسی سے۔ کسی سے برہم۔ کسی سے بدظن
یہ کہہ رہی ہے کسی کی چتون۔ کہ آج کل میں عتاب میں ہوں

مرے گناہوں کی کیا ہو پرسش۔ ابھی تو باقی ہیں شیخ و زاہد
گنہگار اور ہیں ہزاروں۔ تو میں بھلا کس حساب میں ہوں

وہ جلوہ مفت نظر ہے قرباں۔ کہ سب کی اس پر نظر ہے قرباں
قصور اوروں نے بھی کیا ہے۔ تو میں فقط کیوں عذاب میں ہوں

جانتی کیا قیس کے دل کو وہ اپنا دل نہیں
بیٹھتی پھر کیوں نہیں اس میں اگر محمل نہیں

جس میں گنجائش محبت کی نہ ہو پتھر ہے وہ
لاکھ دل کوئی کہے لیکن وہ ہرگز دل نہیں

راہگیروں کیلئے منزل ہے وہ جو راست ہو
جسمیں بھٹکے جائے کوئی ٹھیک وہ منزل نہیں

شمع بھی خاموش ہے پروانہ عنقا کیا سبب
پہلی سی رونق نہیں وہ پہلی سی محفل نہیں

رسم ہے مجرم سے پہلے پوچھتے ہیں آرزو
پوچھنا ارمان بسمل کا تو کیوں قاتل نہیں

شیخ جب حق نے بتا دی ہے صراطِ مستقیم
پوچھنا کیا اس کا پھر تحصیل لا حاصل نہیں

یاد میں اس کی اگلتے لال ہیں ہم چارہ گر
ہے غلط تشخیص تیری ہم کو ہرگز سل نہیں

چھیڑ کوئی زخم دل میں اور تازہ لگ گئی
ضبط کرنے سے بھی کیوں کم آج دردِ دل نہیں

سخت یہ بھی سنگِ دل کے جور سہہ کر ہو گیا
اب مرے پہلو میں اے قمر بانؔ نازک دل نہیں

جینے کا مزہ پھر شہدا دیکھ رہے ہیں
یہ ہو کے فنا لطفِ بقا دیکھ رہے ہیں

ابھرے ہوئے جوبن کی ادا دیکھ رہے ہیں
کچھ اور بھی ہم اسکے سوا دیکھ رہے ہیں

زخموں کو محبت کے نہیں ربط رفو سے
ٹانکوں کو جراحت سے جدا دیکھ رہے ہیں

ہے پائے نظر بستۂ زنجیر تحیر
ہم پیچ و خم زلفِ رسا دیکھ رہے ہیں

یوں کرتے ہیں خورشید قیامت کا نظارہ
بے پردہ ترے رخ کی ضیا دیکھ رہے ہیں

احسان فراموش نہیں باغ کے غنچے
الطاف ترے بادِ صبا دیکھ رہے ہیں

محشر میں خلاصی کا نہیں اور سہارا
رحمت کی طرف اہلِ خطا دیکھ رہے ہیں

لائی ہے ہمیں وادئ پرخار میں وحشت
بہتا ہوا خونِ کفِ پا دیکھ رہے ہیں

اللہ تڑپنے کی بھی جاتی رہی تاثیر
ہنس ہنس کے وہ رقصِ شہدا دیکھ رہے ہیں

اٹھکھیلیاں کرتے ہیں وہ ایسی دمِ رفتار
ہر گام پہ اک حشر بپا دیکھ رہے ہیں

تسکین تو کچھ دیکھ کے ہو جائے تمہاری
ظالم ابھی پردہ نہ گرا دیکھ رہے ہیں

ہم جتنا مناتے ہیں بگڑتے ہیں حسیں اور
الفت کا کرشمہ یہ نیا دیکھ رہے ہیں

گردوں کی نگاہ غضب آلود ہے ہم پر
ہم تیری طرف آہِ رسا دیکھ رہے ہیں

جس روز سے آیا ہے جہاں میں مرضِ عشق
پھیلی ہوئی دنیا میں وبا دیکھ رہے ہیں

لوٹا ہے خزاں نے چمنِ دہر کو قمر بانؔ

ہر نخل کو بے برگ و نوا دیکھ رہے ہیں

ردیف و

جس شاخ پہ گلشن میں مرا ہائے گذر ہو
بدبختی سے میری وہی اک خشک شجر ہو

کسطرح یہ بُت پھر کریں عشاق کی تسکیں
جب اُنکے دلوں میں کہ خدا کا بھی نہ ڈر ہو

غیروں پہ تو رہتے ہیں کرم آپ کے ہر دم
مجھ پر بھی تو الفت کی کبھی وقت نظر ہو

بدبختی کی باتیں تو ترے دل میں بھری ہیں
پھر کیسے زباں میں تری کمبخت اثر ہو

جب آتے ہیں وہ سامنے کہتا نہیں کچھ بھی
کس طرح مرے حال کی پھر اُن کو خبر ہو

منزل مری کٹ جائے میں تکلیف نہ جھیلوں
قسمت سے اگر تو مرے ہمراہ سفر ہو

اے ضبط تو دینا مری ہمت کو سہارا
آمادہ جو رسوائی پہ یہ دیدۂ تر ہو

کس طرح خبر اُس کو ہو آنے کی تمہارے
فرقت میں جسے حال کی اپنے نہ خبر ہو

قرباں تجھے پھل کیا شجر عشق سے ملتا
قسمت میں یہ لکھا تھا کہ محروم ثمر ہو

پھر دل ہمارا تجھ سے کبھی بدگماں نہ ہو
پھر سے ترے رقیب اگر درمیاں نہ ہو

ایسی بہار [illegible]
سامان سب چمن میں ہوں اور باغباں نہ ہو

بلبل بہار دیکھ [illegible]
ایسی بہار ہو سبب خوف خزاں نہ ہو

آئی ہوائے گرم ہے گلشن کی سمت سے
جلتا کہیں چمن میں مرا آشیاں نہ ہو

چھپ کر گناہ کیوں میں کروں جانتا ہوں میں
ایسی جگہ کہاں ہے خدا کہ جہاں نہ ہو

کہتے ہیں لوگ کعبہ جسے سوچتا ہوں میں
عاشق ہوں جس کا اس کا کہیں آستاں نہ ہو

کھلتے ہی تیری آنکھ ضعیفی بھی آ گئی
قرباں تجھ سا کوئی جہاں میں جواں نہ ہو

کیونکر بھری نہ آگ بھلا تن بدن میں ہو
بلبل قفس میں فصل بہاری چمن میں ہو

دل میں ہے آگ سینہ میں آگ اور زباں میں آگ
گرمی بتوں نہ کیسے ہمارے سخن میں ہو

پروا نہیں کفن کی مگر چاہتا یہ ہوں
خوشبو بسی تمہاری مرے پیرہن میں ہو

دیوانے ترے آتے ہیں مشتاق باد دید
پھر کیوں نہ حشر آج تری انجمن میں ہو

وحشت اگر یہی رہی باقی تو کیا عجب
باقی نہ ایک تار بھی میرے کفن میں ہو

سامان کچھ تو دل کے بہلنے کا چاہیے
تصویر اک تمہاری ہمارے کفن میں ہو

گرمی تمہارے عشق کی پوری اگر پڑے
خورشید روز حشر ہر اک موئے تن میں ہو

صیاد کیا تجھے ہے گوارا یہ اختلاف
بلبل قفس میں مقفل ہماری چمن میں ہو

قربان تیرے شعر قیامت کے شعر ہیں
پھر کیوں نہ آج دھوم تری انجمن میں ہو

ذرا تم اپنی بے مہری کا حاصل دیکھتے جاؤ
بنا ہے مرقد حسرت مرا دل دیکھتے جاؤ

پڑے ہیں ہر ورق پر سرخ دھبے آج پھولوں کے
ذرا رنگینئ خون عنادل دیکھتے جاؤ

جلاتی ہے جو پروانوں کو خوش ہو کر سر محفل
ابھی خود بھی جلے گی شمع محفل دیکھتے جاؤ

تڑپتا ہے پھڑکتا ہے تمہارا نام لے لیکر
ادھر آؤ۔ خدارا۔ رقص بسمل دیکھتے جاؤ

فلک پہ جا کے ہر داغ محبت رات میں غم کی
چمک جاتا ہے شکل ماہ کامل دیکھتے جاؤ

بجاتے ہیں وہ اپنی بیڑیاں یا ساز بجتے ہیں
کبھی دیوانوں کی آکر یہ محفل دیکھتے جاؤ

تمنا شوق و حسرت آرزو۔ ارمان ہیں دلمیں
تم اپنے عشق کی آباد محفل دیکھتے جاؤ

خبر دو جا کے مرگ قیس کی ایوان لیلیٰ میں
مگر پہلے ذرا لیلیٰ کا محمل دیکھتے جاؤ

نہ جاؤ اپنے گھر میت نہ جبتک دفن ہو جائے
تم اپنے مردوں کی پہلی منزل دیکھتے جاؤ

مرے سینے میں پہلو میں جگر میں یا مرے دلمیں
کہاں رکتی ہے جا کر تیغ قاتل دیکھتے جاؤ

میں تم پر آزماؤں گا یہ نقش سحر نظارہ
مجھے یہ دے گیا ہے ایک عامل دیکھتے جاؤ

ہوئے ہیں جمع شیدائی ہزاروں آج آ آ کر
ذرا پروانوں کی محفل میں محفل دیکھتے جاؤ

کہیں داغ جگر ظاہر کہیں ہیں داغ دل ظاہر
ہمارے عشق کی تحصیل حاصل دیکھتے جاؤ

رقیبوں سے وہ کہتے ہیں کہ اسنے خط اگر لکھا
کتر ڈالیں گے ہم اسکی انامل دیکھتے جاؤ

سنبھالو تیغ اپنی اور لے لو ہاتھ میں خنجر
ہے کتنے ہاتھ کا قربان کا دل دیکھتے جاؤ

ذرا سوز جگر سوز محبت دیکھتے جاؤ
تم اپنے کشتۂ فرقت کی حالت دیکھتے جاؤ

وہ کہتے ہیں خرام ناز۔ ہم تم کو دکھائیں گے
اٹھا دیتے ہیں ہم کیونکر قیامت دیکھتے جاؤ

بہا دیں گے مرے عصیاں کریں گے سرخرو مجھ کو — قیامت میں مرے اشکِ ندامت دیکھتے جاؤ
یہ پیوندِ زمیں ہوگی ترس جاؤ گے پھر اس کو — مرے لاشہ پہ آؤ میری صورت دیکھتے جاؤ
ہماری عاجزی بیچارگی اور خانہ ویرانی — عوض میں اس تکبر کی یہ نخوت دیکھتے جاؤ
تماشہ گاہِ عالم ہے جسے کہتے ہیں سب دنیا — یہاں ہیں سیکڑوں سامانِ عبرت دیکھتے جاؤ
غم و اندوہ و حسرت پیچھے پیچھے روتے آتے ہیں — ذرا کشتے کی اپنے شانِ رحمت دیکھتے جاؤ
ہمارا داغِ دل بجلی کی صورت آج چمکا ہے — بنی ہے صبح کیسا شامِ فرقت دیکھتے جاؤ

وہ کیا تھا۔ اور اب عشقِ بتاں نے کر دیا کیسا
پئے عبرت ذرا قرباںؔ کی حالت دیکھتے جاؤ

آپ کو مدِّ نظر گر خاطرِ ناشاد ہو — روز کیوں اُس پر ستم ہو۔ روز کیوں اُفتاد ہو
دار۔ اک جلدی سے گردن پر مری جلاد ہو — تاکہ میری رُوح قیدِ زیست سے آزاد ہو
ڈالدیں صحرا میں ڈیرے یاس ارمان و الم — تیرے وحشی سے نیا۔ ویرانہ اک آباد ہو
بجلیاں جب آئیں تیرا نام لیتے ہی رُکیں — اُسکا کیا کہنا ہے جس کے دل میں تیری یاد ہو
سوچئے یہ دل ہے میرا یا کوئی ہے سنگ و خشت — روز اک اُفتاد ہو۔ اور روز اک بیداد ہو
آتی تیرے واسطے آئیں کہاں سے بلبلیں — رُوز کا پھیرا ترا گلشن میں جب صیاد ہو
سب ہیں ناکامِ تمنا سب ہیں ناکامِ مراد — قیس ہو دنیا میں کوئی یا کوئی فرہاد ہو
وہ کبھی سیلِ حوادث میں ٹھہر سکتی نہیں — خام جس تعمیر کی پہلے ہی سے بنیاد ہو
میں عدو کی طرح بھاگوں گا نہ وقتِ امتحان — جان دیدوں سر کٹا دوں اور جو ارشاد ہو
عاشقی میں ہمنے دیکھا ہے یہ سب ناکام ہیں — نالہ ہو۔ شیون ہو۔ یا ہو آہ۔ یا فریاد ہو
کیوں نہ پھر رنگ اپنا بدلے یہ زمانہ صبح و شام — نام تیرا جبکہ دنیا عالم ایجاد ہو
اتنا یوں دشمن ترے ہمراہ ہے آٹھوں پہر — جس طرح کوئی کسی کے ساتھ میں ہمزاد ہو
دل میں رکھ۔ ظاہر نہ کر۔ گر لطف لینا ہے تجھے — ہر کسی سے کیوں بیاں یہ عشق کی رُوداد ہو
ہو گئے عشقِ مجازی سے حقیقت آشنا — قیس تم مطلب کے اپنے خوب ہی اُستاد ہو

آفتیں جھیلیں مگر اُف تک نہ کی قرباںؔ کبھی
خوگرِ جور و ستم ہو۔ خوگرِ بیداد ہو

سُنا دیں کس طرح سوزِ دروں کی داستاں تم کو — بتائیں کس طرح ہم اپنے اسرارِ نہاں تم کو

خدا جانے سکھائی ہیں یہ کس نے شوخیاں تم کو
بتانا آگیا کیوں عاشقوں کو نیم جاں تم کو

تمہاری جتنی باتیں ہیں وہ منہ دیکھے کی باتیں ہیں
یقیں رہتا نہیں ہرگز ذرا پاسِ زباں تم کو

تمہارا دل نہیں سوز آشنا۔ کس طرح سمجھو گے
جتاؤں کس طرح اپنا بھلا سوزِ نہاں تم کو

قفس سے اب ذرا نکلو۔ بہار آئی اسے دیکھو
اسیرو۔ رُو رہا ہے یاد کر کے باغباں تم کو

ستانے میں بالآخر ہو گئیں دونوں برابر کی
تری مجبوریاں مجھ کو۔ مری بے تابیاں تم کو

یہ کیسی ہے نگہبانی یہ کیسی پاسبانی ہے
نہیں آتا بچانا بلبلوں کا باغباں تم کو

مری بے تابیوں کا حال خود کھل جائے گا تم پر
سناؤں گا نہیں جس دن اپنے دل کی داستاں تم کو

خزاں کا جس جگہ کھٹکا نہ کچھ تھا برق کا کھٹکا
بتا یاں ہیں عنادل باندھنا تھا آشیاں تم کو

ستانا عاشقوں کا تم کو پہلے تو نہ آتا تھا
سکھاتا ہے جفائیں غالباً یہ آسماں تم کو

قریبِ سنگِ کعبہ اے تو۔ پابوس ہونے کو
بتانا چاہیے تھا اپنا سنگِ آستاں تم کو

مرے دل میں نہیں رہتے مرے دلبر یہاں آتے
بتاؤ پھر دکھاؤں کس طرح دردِ نہاں تم کو

نکلنا ہی گی قمرؔ ہاں روح مثلِ بو ہی کبھی تن سے
سبک ساری ملے گی یوں مثالِ بوستاں تم کو

سادہ پن میں بھی ذرا اُس کے ہنر کو دیکھو
دل لئے جاتی ہے دزدیدہ نظر کو دیکھو

ہمتِ قیس ہے اور کوچۂ لیلیٰ کا طواف
منزلِ دور کو اور عزمِ سفر کو دیکھو

ظلم سہتا ہوں۔ مگر اُف نہیں کرتا ہرگز
قلب کو دیکھو مرے اور جگر کو دیکھو

بارِ عصیاں سے بری طرح دبا جاتا ہوں
دیکھو اس بوجھ کو اور میری کمر کو دیکھو

میری کشتی کی طرح اور بھی لاکھوں ہیں تباہ
قلزمِ عشق کے پُر شور بھنور کو دیکھو

گو ہے بندہ۔ ہے مگر زعمِ خدائی اُس کو
حوصلہ کیسا دیا حق نے بشر کو دیکھو

کون کہتا ہے اثر جذبِ محبت میں نہیں
لو۔ وہ تھامے ہوئے آتے ہیں جگر کو دیکھو

پھوڑتا پھرتا ہے سر واہ رے سودائے جنوں
سختیٔ کوہ کو دیوانے کے سر کو دیکھو

نہ کہیں نور نہ ظلمت وہی یکساں عالم
کنجِ خلوت میں مری شام و سحر کو دیکھو

طورِ موسیٰ کا وہ انجام سنو اے قمرؔ یاں
جلوۂ یار کو اور میری نظر کو دیکھو

کیوں بہارِ رُخِ گلستاں کا وہ قاتل پوچھو
آج صیاد سے تم مِل کے عنادل پوچھو

قیس کے دل میں ہے اور قیس کی نظروں میں ہے وہ
ڈالا لیلیٰ نے ہے کیوں پردۂ محمل پوچھو

وہ بھی میرا ہی بتا دیں گے پتہ رہرو کو
خضر سے جا کے ذرا عشق کی منزل پوچھو

قتل گاہوں میں یہ دستور ہے دستور قدیم
قتل سے پہلے ذرا خواہشِ بسمل پوچھو

آنکھ ہے ابروئے خمدار ہے یا عشوۂ ناز
میں بتا دونگا تمہیں کون ہے قاتل پوچھو

ہم بتا دینگے تمہیں سوز کا یا ساز کا حال
اپنے پروانوں سے کیفیتِ محفل پوچھو

کسکا دیوانہ ہے یہ قیدیٔ زنداں کیوں ہے
تو گرفتار سے اسرارِ سلاسل پوچھو

عشق کے ہم نے کئے بحر ہزاروں ہیں عبور
ہم شناور ہیں کسی بحر کا ساحل پوچھو

چارہ گر حال سے واقف ہیں بتائیں گے تمہیں
آج بیمار ہے کیوں دیر سے غافل پوچھو

سوز اندوز ہے قربانؔ بھڑک اٹھے گا
اس سے للہ نہ وجہِ تپشِ دل پوچھو

سوجھی تھی آج کیا یہ کسی پردہ دار کو
تڑپا دیا ہے طور پہ اک بے قرار کو

منصور کو چڑھا دیا۔ لوگوں نے دار پر
ناحق خموش کر دیا اک راز دار کو

کشتہ ہے کس کا اور یہ کس کا مزار ہے
خود پڑھ کے دیکھ لیجئے لوحِ مزار کو

بوئے وفا جو پھیلی انھیں آ گئی پسند
آتے ہیں دیکھئے وہ دلِ داغدار کو

ہر بات کا جواب ہیں دیتے نہیں نہیں
لاتے ہیں خوب کام میں وہ اختصار کو

برباد ایک لمحہ میں سارا چمن ہوا
بس ہو مرا تو آگ لگا دوں بہار کو

اس نے جگہ بنائی ہے دامن پر آپ کے
کچھ داد دیجئے مرے مشتِ غبار کو

اٹھتے ہیں بیٹھتے ہیں تڑپتے ہیں صبح تک
یوں تیر کر رہے ہیں شبِ انتظار کو

زاہد کا کام کیا ہے یہاں میکدہ میں آج
بنتِ عنب حرام ہے پرہیزگار کو

گھر میں ہے مجھ کو چین نہ باہر سکون ہے
کیا ہو گیا ہے آج دلِ بے قرار کو

کیا داغِ دل کی اس میں ہے خوشبو ملی ہوئی
رکھتے ہیں کیوں عزیز وہ پھولوں کے ہار کو

قربانؔ آئے دن ہے اسے غم کا سامنا
راحت نہیں نصیب دلِ سوگوار کو

جب ایک لمحے پر بھی نہ کچھ اختیار ہو
کس طرح زندگی کا ہمیں اعتبار ہو

داغِ کہن جگر کا کبھی آشکار ہو
ظاہر بہ رنگ سوزِ مثالِ شرار ہو

رحمت جو تیری آکے بچالے وہاں نہیں
کچھ بھی نہ پھر تو گور کے اندر فشار ہو

سب ہیچ ہیں نہ پہلو میں جب تک وہ یار ہو
بزم شراب ہو۔ کہ وہ فصلِ بہار ہو

سمجھے ہیں تم کو شیخ بڑے ہیترہ کار ہو
مشہور گو جہان میں پرہیزگار ہو

کوئی یہاں نہ نام محبت کا لے کوئی
دنیا یہ حالِ غم جو مرا۔ آشکار ہو

پہلو میں رہ نہ جائے الٰہی ٹوٹ کر کہیں
ایسا لگا دو تیر جو سینے کے پار ہو

کیوں اس کو اختیار نہ خنجر پہ ملے
جب ناوکِ ادا سے مرا دل شکار ہو

دل میں ہو روشنی تو ہمیں کچھ بھی غم نہیں
گوشہ لحد کا لاکھ اگر تیرہ و تار ہو

رہتا ہے جس زمیں تو صرفِ خرام روز
مدفون اس جگہ پہ دلِ بے قرار ہو

رندوں کے منہ نہ آؤ چلو جاؤ شیخ جی
سب جانتے ہیں جیسے بھی پرہیزگار ہو

دل لیکے کہتے ہو کہ ہیں دل کی کیا خبر
تم ہو عجیب چور بڑے ہوشیار ہو

کیا جانے اُس پہ کیا ہو تباہی ہمارے بعد
رخصت ہمارے ساتھ چمن سے بہار ہو

کچھ تو بتاؤ کیا یہ کئی دن سے حال ہے
قربان آج کل سے سوا بے قرار ہو

جو درد دل میں ہے دلِ بیمار گر نہیں ہو
یارب نہ آج دیر دعا کے اثر میں ہو

آنکھوں میں ہو سرور تجلّی نظر میں ہو
آجاؤ تم تو عید ہمارے بھی گھر میں ہو

کیا لطف زندگی اُسے جس کے نصیب میں
اک لمحہ بھی خوشی کا نہ شام و سحر میں ہو

کیونکر بچائیں اُس کی نظر سے ہم اپنا دل
چالاک ہوشیار جو اپنے ہنر میں ہو

جوبن بھلا ہے اس کے مزے لینے دیجئے
کس کام کا ثمر جو نہ لذت ثمر میں ہو

شاید جلا دے پھر تری ٹھوکر سے مجھے کبھی
ظالم مرا مزار تری رہ گذر میں ہو

تیرے سوا ہیں نام کسی کا نہ لوں کبھی
سودا ترا ہی آٹھ پہر میرے سر میں ہو

جب اس کی کائنات فقط مشت خاک ہے
پھر کیوں غرور اور تکبر بشر میں ہو

سوزِ غم فراق نے جب آنسوؤں کو چوس
باقی کہاں سے اشک کوئی چشم تر میں ہو

ہر روز آنے جانے کی تیاریاں رہیں
قربان تم تو روزِ ازل سے سفر میں ہو

بیمار ترے ہاتھ سے اچھے ضرور ہو
رشکِ مسیح دل کا مداوا ضرور ہو

میں منتظر ہوں اُس کا خدایا ضرور ہو
تقدیر میں لکھا ہے جو ہونا ضرور ہو

اُس کے ہیں ہم تو وہ بھی ہمارا ضرور ہو
قسمت کا اپنی حاصل یہ مُدعا ضرور ہو

ایسا نہ ہو وہ کہدیں کہ تو نے کہا نہیں
اُن سے بیان عرض تمنا ضرور ہو

کھلتے نہ باغ حسن کے نخل مُراد یوں
تم آرزو کا میری نتیجہ ضرور ہو

معشوق کی صفت سے نکل جاؤ گے سنو
معشوق ہو تو عشق کا ہنا ضرور ہو

میرا اگر نہیں ہے عدو کا بھی وہ نہیں
دُنیا میں ہے اگر تو کسی کا ضرور ہو

ظالم ترا خیال اندھیرے میں کیوں رہے
قلب حزیں میں داغ تمنا ضرور ہو

آئی ہے لیلیٰ مانگ کے بخت سیاہ قیس
تو پردہ پوش دامن صحرا ضرور ہو

تصدیق طور چاہیے تجدید جلوہ سے
دُنیا میں اور کوئی بھی موسیٰ ضرور ہو

دل کا عوض ہے وصل تو انکار کیوں کرو
ایسا جو لازمی ہے۔ تو ایسا ضرور ہو

قرباںؔ کے مُنہ کو رکھنا صنم خانے کی طرف
مرنے کے بعد کوئی تو قبلہ ضرور ہو

میرا منت کش مضراب کبھی ساز نہ ہو
اس طرح جائے نکل رُوح کہ آواز نہ ہو

جائے حیرت ہے جو اچھا ترا ناساز نہ ہو
تو مسیحا ہو۔ مگر صاحب اعجاز نہ ہو

پردۂ تار نفس سے ترے نکلے فریاد
سوز بیکار رہے اُس سے جو عیاں ساز نہ ہو

یا الٰہی جو عدو نے بھی دُعا ہے مانگی
در اجابت کا۔ رہے بند کبھی باز نہ ہو

وہ بھی معشوق تو نہیں معشوق ہے دُنیا میں کوئی
جس میں شوخی نہ ہو انداز نہ ہو ناز نہ ہو

حسرت باغ تو ہے بعد اسیری قفس
عزم کیا کیجئے جب قدرت پرواز نہ ہو

اپنی چالوں کو سکھایا ہے جو تم نے انداز
یہ قیامت کا اُڑایا ہوا۔ انداز نہ ہو

آپ گھبرائیں نہیں میں کوئی منصور نہیں
میں وہ محرم ہوں عیاں جس سے کبھی راز نہ ہو

ساز گلشن نہیں نغموں کی وہ آواز نہیں
آج بلبل کی طبیعت کہیں ناساز نہ ہو

شکوۂ فصل بہار اور قفس میں توبہ
دیکھ بلبل کوئی گل گوش بر آواز نہ ہو

اس طرح چاہیے قرباںؔ جہاں میں رہنا
کہ ترے دل میں کوئی حرص نہ ہو آز نہ ہو

نہ ہو کیوں حسن رعنا۔ اور چشم عشوہ گر کیوں ہو
مرا دل چھین لینے کو وہ دزدیدہ نظر کیوں ہو

کوئی نخلِ تمنّا کو لگا کر بے ثمر کیوں ہو
اُٹھائیں غیر کیوں پھل دوست کی غم میں بسر کیوں ہو

اگر تم اپنے دیوانے سے ہمدردی روا رکھو
تو پھر وہ دادِ وحشت میں یوں شوریدہ سر کیوں ہو

اندھیرا دل میں ہو تو پھر تجلّی کیا نظر آئے
خیالِ زلفِ جاناں میں شبِ غم کی سحر کیوں ہو

جوابِ خط نہیں دیتا کبھی لا کر مجھے اُن سے
تو پھر احسان تیرا سر پہ میرے نامہ بر کیوں ہو

کسی کے ہجر میں کیوں سختیاں کوئی سہے ہمدم
اگر کچھ رحم ہو دل میں تو پتھر کا جگر کیوں ہو

ہم اُن کے سامنے رونا نشاطِ غم سمجھتے ہیں
مگر جب غیر بیٹھے ہوں ہماری آنکھ تر کیوں ہو

ہماری داستاں اور طولِ شامِ غم برابر ہے
اگر منظور ہے سُننا تو حُکم مختصر کیوں ہو

رہے جو میرے دل میں کیوں نہاں ہو میری نظروں سے
جو آنکھوں میں رہے میری وہ محجوبِ نظر کیوں ہو

رفیقانِ چمن پھرتے ہیں جب اُسکے کھلے بندوں
قفس میں عندلیبِ غمزدہ بے بال و پر کیوں ہو

ہنرمندوں کی محفل میں ہنر کی قدر ہوتی ہے
نہ ہو جب قدرداں کوئی تو پھر قدرِ ہنر کیوں ہو

زباں ہی میں نہ ہو جب طاقتِ تاثیر خود اپنی
ہماری آہ میں نالے میں پیدا پھر اثر کیوں ہو

جہاں سے غیر کو پیغام آتے اور جاتے ہیں
وہاں سے پھر مرا محروم ہمدم نامہ بر کیوں ہو

اگر اے ضبطِ دل تو اُن کی فرقت میں سہارا دے
مری رُسوائی کا باعث بہانیں چشمِ تر کیوں ہو

ذرا سا بھی اگر صیاد دل میں رحم ہو تیرے
تو فصلِ گل میں بلبل اسطرح بے بال و پر کیوں ہو

عدم کے جانے والو کیوں ہو مغموم تہی دستی
کہ خالی ہاتھ آئی تھی تو اب زادِ سفر کیوں ہو

ہزاروں بُت ہیں لاکھوں آستانے ہیں خدائی میں
جبیں سائی کی خاطر ایک تیرا سنگِ در کیوں ہو

اگر قربانِ نگاہِ دوست مجھ پر رحم فرمائے
مرا مجروح دل کیوں ہو مرا چھلنی جگر کیوں ہو

یارب وہ روزِ حشر مرے روبرو نہ ہو
انصاف ہو ضرور مگر دو بدو نہ ہو

وہ دل نہیں ہے جس کو تری جستجو نہ ہو
وہ آنکھ کیا ہے جسکو تری آرزو نہ ہو

تیغِ نگاہِ یار میں کیسا کمال ہے
کرتی ہے یوں بھی ذبح کہ جاری لہو نہ ہو

کس طرح داد دیں تجھے اے سوزنِ نگاہ
جب ایک زخمِ دل بھی ہمارا رفو نہ ہو

اے شیخ اسقدر ہے مجھے مے کا احترام
پیتا نہیں شراب میں جبتک وضو نہ ہو

آنکھوں سے پیتی تم جو پلا دو شرابِ ناب
تا حشر مجھ کو حسرتِ جام و سبو نہ ہو

آتا نہیں مزہ تری باتوں میں نامہ بر
جبتک کہ ان سے آپ مری گفتگو نہ ہو

زاہد اگر نہ چوٹ ہو دل پر لگی ہوئی
جاری زباں سے تیری کبھی ذکر ہو نہ ہو

جو دل جلا ہوا ہو ترے سوزِ عشق سے
ممکن نہیں کہ اس میں محبت کی بُو نہ ہو

تو پھر ایسی چاہ ہے تو مل سب سے بے غرض
عزت ہے اُس کی جس کی کوئی آرزو نہ ہو

جس زلف سے ہے عشق تو رہ۔ اُس سے ہوشیار
قربان ایک دن یہی طوقِ گلو نہ ہو

کرو تم رحم۔ تو چشمِ تمنا خوں فشاں کیوں ہو
ہمارے چاک دامن پر لہو کا یہ نشاں کیوں ہو

ہو جب سوز بھی دلمیں تو پیدا پھر دھواں کیوں ہو
دھواں ہی جب ہو تو پھر بنائے آسماں کیوں ہو

نہ ہو گر آگ باقی آپ کی سوزِ محبت کی
مرا دم گھوٹنے کو دلمیں پیدا پھر دھواں کیوں ہو

مجھے جلوہ دکھانا جب نہیں مدِ نظر تم کو
بتا دو پھر تم چھپ کے پردے میں نہاں کیوں ہو

ستاتے ہو۔ رلاتے ہو۔ مٹاتے ہو۔ جلاتے ہو
پھر اُس پر یہ شکایت ہے کہ مرے لب پر فغاں کیوں ہو

جب اغیار کیلئے کوئی یہاں قدغن نہیں لازم
ہمارے ہی لئے پھر تیرے در پر پاسباں کیوں ہو

تمہارے عشق میں ملجائے لطفِ زندگی جس کو
لسانِ خضر وہ محوِ حیاتِ جاوداں کیوں ہو

صلہ کچھ تو مجھے ملجائے میری جاں فشانی کا
کیا جو کچھ محبت میں وہ ظالم رائگاں کیوں ہو

مقدر میں لکھا ہے خود ہی جب رنج و الم میرے
تو پھر میرے لئے پیدا کوئی ایذا رساں کیوں ہو

عدو کیا دوست بھی اب دیکھکر آنکھیں چراتے ہیں
زمانہ منقلب جب ہو کوئی پھر مہرباں کیوں ہو

ہماری داستاں سننے سے کیوں انکار کرتے ہو
ضرورت ہو نہ کہنے کی تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو

اجاڑا گل کو بلبل کو خزاں نے جبکہ گلشن میں
تعجب ہے وہاں باقی یہ ظالم باغباں کیوں ہو

یقیں کیا آئیگا کچھ آج میرے عشقِ صادق کا
جفا سے اپنی تائب آج تم اے جانِ جاں کیوں ہو

وفا کا اعتبار اُن کو اگر آجائے اے ہمدم
تو میدانِ محبت میں ہمارا امتحاں کیوں ہو

ہمیشہ مفت کی قربان تم جاتے ہو پینے کو
بھلا پھر مہرباں میخانہ میں پیرِ مغاں کیوں ہو

نگاہِ قہر سے تیری گلستاں بھی بیاباں ہو
نگاہِ لطف سے تیری بیاباں بھی گلستاں ہو

نہ ہو جس گل میں خوشبو یار کی زلفِ معنبر کی
نہ کیوں میرے لئے وہ پھول بھی خارِ مغیلاں ہو

جنونِ عشق میں اے چارہ ساز کیا تعجب ہے
گریباں میرا دامن ہو۔ میرا دامن گریباں ہو

نمک پاشی وہ زخموں پر کریں جب رات دن پیہم
تعجب ہے نہ خالی پھر اگر انکا نمکداں ہو

مصفا آئینہ ہو جب ہمارے قلب روشن کا
وہ صورت اپنی اس میں دیکھکر پھر کیوں نہ حیراں ہو

ضرورت پھر نہ کچھ باقی رہے یارب مسیحا کی
کلیجے کا ہو دل درماں۔ کلیجہ دل کا درماں ہو

عنادل نے بہایا خون اپنا یاد میں اُن کی
گلوں کے حال پہ کیوں شبنم گلشن نہ گریاں ہو

ہمیں نے تو اُسے تعریف کرکے سر چڑھایا ہے
حسیں چہرے پہ اپنے پھر نہ کیوں وہ شوخ حیراں ہو

کباب دل کی صورت دے اٹھو ساقی یہ بو اپنی
بطِ مے سیخ پر گر میکدہ میں آج بریاں ہو

نگاہِ یار جو گردن اُڑا کے دے سبکساری
توقرباں جی اُٹھے اور سر پہ اُسکے بارِ احساں ہو

تیز بُت کرتے ہیں عشاق پہ تلواروں کو
خوف آتا نہیں زنہار ستمگاروں کو

لے مسیحا نہ کبھی نام مسیحائی کا
دیکھ لے آکے اگر عشق کے بیماروں کو

تیرے میخانہ میں ساقی یہ پڑے رہتے ہیں
اور ملتا ہی نہیں در کوئی میخواروں کو

رحمت حق کی۔ ذرا شان تو کوئی دیکھے
اپنے دامن میں چھپایا ہے گنہگاروں کو

جو طلب کرتا ہے اُس کو وہی دیتا ہے خدا
ٹالتا ہی نہیں وہ اپنے طلبگاروں کو

چاند کے ساتھ تو اکثر ہیں ملاتے لیکن
مجھ سے رہتے ہیں چھپائے ہوئے رخساروں کو

خم کے خم ہیں ترے میخانے میں ساقی لیکن
کبھی تلچھٹ بھی تو ملتی نہیں میخواروں کو

چاندنی میں نہ کہیں جاؤ مکاں سے باہر
کر دے میلا نہ کبھی چاند سے رخساروں کو

غم فرقت سے کیا پہلے تو کشتہ اور اب
ڈھونڈتے پھرتے ہیں قرباں وہ میخواروں کو

پاس آتا بھی ہے میرے وہ مسیحا دیکھو
نہیں کرتا ہے کہ کرتا ہے مداوا دیکھو

باغِ دنیا میں ابھی پھول لگے ہیں کھلنے
کچھ دنوں اور یہاں کا ابھی جلوہ دیکھو

یوں بھٹکتے نہ پھرو جانِ جہاں چاروں طرف
دل میں تم بیٹھے ہوئے دل ہی کا نقشہ دیکھو

چاہیے اس کی حفاظت بھی جوانی میں ہمیں
اپنے جوبن کی طرح میری تمنا دیکھو

طور پر جانے کے تکلیف کرو کیوں موسیٰ
اپنے دل ہی میں نہ کیوں یار کا جلوہ دیکھو

دوستو نعش کے دفنانے میں جلدی نہ کرو
میرے قاتل کا ذرا۔ اور ابھی رستہ دیکھو

دلِ مجروح نہیں دید کے قابل کوئی شے
دیکھنے ہی کی تمنا ہے تو اچھا دیکھو

جان لو نیم نگاہی نے کیا آوارہ
تم اگر مست کو اپنے کبھی بہکا دیکھو

گو ہو ناکام مگر تھک کے نہ بیٹھو اب بھی
اور قرباںؔ کوئی عشق کا رستہ دیکھو

عشق کی دیکھنی منظور ہے منزل مجھ کو
چاہیے اس وادی میں کچھ بھی ہو حاصل مجھکو

اللہ اللہ تری آنکھوں کی فسوں سامانی
اک نظر ڈالتے ہی کر دیا بسمل مجھکو

آہ یہ خنجرِ خونخوار یہ نازک پہونچے
پیار آتا ہے تجھے دیکھ کے قاتل مجھکو

کب مری کشتیٔ امید ہوئی ہے غرقاب
جب نظر آنے لگا دور سے ساحل مجھکو

شاید آئے مرے کانوں میں صدا صور کی بھی
کچھ تصور نے کیا ہے مرے غافل مجھکو

ننگِ محفل ہی یقیں کر کے مجھے بیٹھنے دو
تم سمجھتے جو نہیں رونقِ محفل مجھکو

وہ نہیں ہیں تو میں بے چین ہوا جاتا ہوں
تیر ہیں تیر نوا ہائے عنادل مجھکو

خوب دل تیرے تصرف کو دعائیں ہیں دوں
کاش سینے سے لگا لے مرا قاتل مجھکو

لوگ کہتے ہیں تجھے راہبرِ بادۂ عشق
تو ہی قرباںؔ بتا عشق کی منزل مجھکو

اپنے سینے سے لگاتا نہیں کیوں تو مجھ کو
چین پڑتا نہیں ہرگز کسی پہلو مجھکو

نشہ کا توڑ ہے اب اور پلا دے ساقی
کافی ہو جائے گی اب ایک ہی چلو مجھکو

ہے غنیمت مجھے بے ہوش سمجھ کے اپنا
وہ سنگھانے کے لئے آئے ہیں گیسو مجھکو

آبرو دل گئی سب خاک میں ضبطِ غم کی
کر گئے بزم میں رسوا مرے آنسو مجھکو

قبر میں ہے کوئی غمخوار نہ ہمدم نہ رفیق
کس پر اے پیک اجل چھوڑ گیا تو مجھکو

میں نے قسمت ہی زمانے سے نرالی پائی
ملا معشوق تو وہ بھی ملا بدخو مجھکو

بات اپنی کبھی نیچی نہیں ہونے دیتے
مات دے دیتے ہیں آخر کسی پہلو مجھکو

میری آنکھوں نے اٹھایا ہے یہ کیسا طوفاں
کیا ڈبونے کے لئے نکلے ہیں آنسو مجھکو

پہلے عادت پہ وہ اپنی نظر غور کریں
مدعی کہتے ہیں قرباںؔ جو بدخو مجھکو

چاہتا دل سے میری طرح جو دلبر مجھ کو
دیکھنا پڑتا نہ ناکامی کا منظر مجھکو

پھر جِلا دیگی مجھے تیرے قدم کی برکت
کم نہیں ہے لبِ اعجاز سے ٹھوکر مجھکو

راہِ الفت میں بہت ٹھوکریں کھائی میں نے
نہ ملا کوئی بھی اس راہ کا رہبر مجھکو

نامہ بر نے نہ دیا اور تو کچھ مجھکو جواب — دے دیا صرف مرے قتل کا محضر مجھکو
تجھ سے پہلے وہ مری بات سُنے گا ظالم — جانتا پہلے سے ہے داورِ محشر مجھکو
بُت یہ پتھر کے بنا کر ترے کب ہاتھ آیا — پوچھوں میں اُن سے ملے گر کہیں آذر مجھکو
اسی تشویش میں رہتی ہیں نم آگیں آنکھیں — دیکھنا اپنے گناہوں کا ہے دفتر مجھکو
مجھے بے چین کیا دارِ فنا نے ایسا — کہ ٹھہرنا یہاں مشکل ہوا دم بھر مجھکو

یہ بھی قربان بڑا اُن کا کرم ہے مجھ پر
ایک غم کا کبھی کرتے نہیں خوگر مجھکو

خوب تڑپائے گا آخر ترا اے قاتل مجھکو — مرنے بھی چین سے دیگا نہ وہ بسمل مجھکو
مت چھپا خضر کہ ہے راہبری فرض ترا — کہدے گر عشق کی معلوم ہے منزل مجھکو
اپنی جنت پہ بہت ناز ہے آج اے زاہد — چل دکھالاؤں میں اُس شوخ کی محفل مجھکو
حسبِ وعدہ وہ یہاں آئے بھی اور چل بھی دئے — کچھ خبر بھی نہ ہوئی اے دلِ غافل مجھکو
کشتیِ اُمید کی رکھتا ہے تلاطم میں یونہی — ڈوبنے دیتا نہیں عشق کا ساحل مجھکو
حشر کے روز یہی فیصلہ ہوگا اے قیس — دشتِ لیلیٰ کو دیا جائے گا محمل مجھکو
دم نکل جائے گا راحت مجھے مل جائے گی — کبھی مل جائے گا آرام بھی بسمل مجھکو
تو ہی دے کر مجھے آواز بُلا لے اے کاش — پوچھتا پھرتا ہوں اے عشق کی منزل مجھکو

رائگاں عشق میں قربان ہوئی عمر تمام
کچھ بھی اُلفت میں ہوا ہائے نہ حاصل مجھکو

دیکھے دُنیا میں جلوہ گر تجھکو — چاہتی ہے مری نظر تجھ کو
لاکھ کوئی وفا کرے لیکن — کبھی ہوتی نہیں خبر تجھ کو
ہو گئے فکرِ زیست سے فارغ — دے کے اپنا دل و جگر تجھ کو
کی ہے کس کس طرح بسر میں نے — کچھ بھی میری نہیں خبر تجھ کو
دی رہائی قفس نے اے بلبل — کون دے لاکے بال و پر تجھ کو
میرا نخلِ مُراد سینچ دیا — اس کا اللہ دے ثمر تجھ کو
ظلم کرتا ہے بے خطا مجھ پر — کیا خدا کا نہیں ہے ڈر تجھ کو
دل چُرایا ہے آنکھ سے تو نے — ملکہ ہے یہ فتنہ گر تجھ کو

آج سُنتے ہیں مر گیا قرباں
کیا ابھی تک نہیں خبر تجھ کو

مطرب بھی ہو۔ شراب بھی ہو۔ دلربا بھی ہو
ساقی بھی ہو۔ بہار بھی۔ ٹھنڈی ہوا بھی ہو

پھر یہ نصیب ہیں جو نہ اچھا ہوا مسیح
پہلے مریضِ غم کی ترے کچھ دوا بھی ہو

ہاں دلمیں آپ کے کوئی ارمان رہ نہ جائے
غمزہ بھی ہو۔ ادا بھی ستم بھی جفا بھی ہو

کہنے سے تیرے کرلوں میں توبہ شراب سے
لیکن نگاہِ مست کی زاہد رضا بھی ہو

امید ہے کہ پھر نہ ستائیں سب مجھے کبھی
شوخی کے ساتھ ساتھ اگر کچھ حیا بھی ہو

اے پاک بے نیاز مری بات جب سنے
راضی ہیں تجکو سمجھوں اگر تو خفا بھی ہو

ظلم و ستم کا اُن کے کرے پھر ہی کچھ گلہ
پہلے کسی سے فرضِ محبت ادا بھی ہو

عاشق تری زبان کا اُلٹا ہے یہ اثر
ہوجاتی ہے دُعا جو کوئی بد دُعا بھی ہو

پھر خواب دیکھ لونگا نشاطِ حیات کے
قرباں پہلے مجھکو مرض سے شفا بھی ہو

بے حس وہ دل ہے جسکو تری جستجو نہ ہو
وہ گل ہے خاک جس میں ترا رنگ بُو نہ ہو

ہوتے ہوئے ہمارے عدو سرخرو نہ ہو
اے دوست حسرتوں کا ہماری لہو نہ ہو

قاتل چرا کے آنکھ جدا مجھ سے تو نہ ہو
جب تک الگ بدن سے یہ میرا گلو نہ ہو

ہے منہ مرا لحد میں۔ ادھر ہی پھرا ہوا
کوچہ بھی ان بتوں کا کہیں قبلہ رُو نہ ہو

وہ زندگی بھی کوئی ہے دُنیا میں زندگی
جب دل ہو اور دل میں کوئی آرزو نہ ہو

قاصد خفا ہیں مجھسے نہ مانوں گا میں کبھی
جتبک کہ میری اُن سے کوئی گفتگو نہ ہو

مشہور ہوں وہ سارے زمانے میں بخیہ گر
اور پھر ہمارا زخمِ جگر بھی رفو نہ ہو

چھپ کر کروں نگاہ تو آخر کہاں کروں
یعنی جگہ ہے کونسی جس جا کہ تو نہ ہو

دشمن ہیں اور دوست پہ نظریں ہیں تیری تیز
مشہور کیوں زمانے میں تو تُندخو نہ ہو

پڑھتے نہیں نماز کبھی کشتگانِ عشق
جب تک کہ خونِ دل سے مکمل وضو نہ ہو

اس بُت کو رام کریں یہ مشکل نہیں ہے کچھ
حائل ہماری راہ میں لیکن عدو نہ ہو

تو ہو نگاہِ مست ہو تیری بہار ہو
ساقی مری بلا سے جو جام و سبو نہ ہو

میخانہ میں حساب کو آتا ہے محتسب
لیکن یہ پہلے دیکھ لو وہ بے وضو نہ ہو

اس شرط پر وہ کرتے ہیں اقرار وصل کا ہم سے شب وصال کوئی گفتگو نہ ہو
قرباںؔ تجھ پہ کتنی ہی بیداد ہو مگر
جاری کبھی زباں سے تری ہاؤ ہو نہ ہو

نہ کاش دل وہ شتاب ہو۔ کہ پڑا نہ منہ پہ نقاب ہو
نہ تو تم کو مجھ سے حجاب ہو۔ نہ مجھے خیال حجاب ہو
نہ کسی کے دل کو جلاؤ تم۔ نہ کسی کے دل کو ستاؤ تم
یہ جو بات دل کی بناؤ تم۔ تو بڑا ہی کار ثواب ہو

کروں اپنا شکوہ وہاں بیاں۔ کروں درد اپنا وہاں عیاں
مرے دل میں جو کہ ہے غم نہاں۔ وہ جو پیش روز حساب ہو
نہ ہوں زخم دل کے کبھی ہرے۔ جو نہ ساتھ غیر کی وہ پھرے
نہ تو آگ دل میں کبھی لگے۔ نہ یہ جل کے مثل کباب ہو

یہی ایک میری ہے گفتگو۔ یہی ایک میری ہے جستجو
یہی دل کی میرے ہے آرزو۔ کہ جو ہوتا ہے وہ شتاب ہو
لئے دل میں اپنے ہوں آبلے۔ نہ ذرا سی ٹھیس کہیں لگے
یہ بڑا وہ مجھ پہ کرم کرے جو سلوک مثل حباب ہو

میں شہید عجز و نیاز ہوں۔ میں امین و محرم راز ہوں
یہ سمجھ کے کشتۂ ناز ہوں۔ تو نہ کوئی مجھ پہ عذاب ہو
جو بیاں کرو خلش درد دل۔ جو کبھی میں خط بھی انہیں لکھوں
مجھے کیا کہ میرا کہا کروں۔ یہی آتا ان کا جواب ہو

ہمیں قرباںؔ تجھ پہ یہ ہے یقیں۔ کہ تو اک شریف سے بہتریں
ترے نیک ہونے میں شک نہیں۔ جو نہ شغل جام و شراب ہو

خاموش کیوں ہو رشک مسیحا جواب دو
دل کا کرے گا کون مداوا جواب دو
قاصد کو اذن شرکت محفل اگر نہیں
پھر تجھ سے حال کون کہے گا جواب دو
ہیں حکمتیں مٹانے کی تم کو بہت ہی یاد
کیونکر مٹے گی دل کی تمنا جواب دو
انجام اس سے کیا کہوں اقرار وصل کا
دل کر رہا ہے تجھ سے تقاضا جواب دو

دشمن نے جا لگائی ہے کیا تم سے کوئی بات
ناراض کیوں ہوئے مجھے اسکا جواب دو

مجنوں سے بڑھ گیا مرا افسانہ یا نہیں
مجکو یہ آج عزت لیلےٰ جواب دو

مقتل میں اب تڑپنے کو بسمل ہے مستعد
کیا دیکھنا ہے اس کا تماشا جواب دو

دیکھا ہے مجھ سا آبلہ پا تم نے کیا کوئی
اے ساکنان وسعت صحرا جواب دو

تم نے نہیں لگایا ہے دل پر جو میرے تیر
کیونکر ہوا ہے داغ یہ پیدا جواب دو

بے تابیوں کا میری مرے درد و کرب کا
کیا تم نہیں ہو آج ذریعہ جواب دو

منظور گر یہ ہے کہ قیامت ابھی نہ آئے
کیوں چال سے اٹھاتے ہو فتنہ جواب دو

کس کی طرف گیا ہے وہ مست خرام ناز
اے دیدہ ہائے نقش کف پا جواب دو

غیروں کی عرض حال کا تم دیجئے جواب
قرباں کی بات کا بھی خدارا جواب دو

ضبط دل آنے نہیں دیتا ہے باہر آنسو
جذب ہو جاتے ہیں سب آنکھ کے اندر آنسو

یم خوبی کے تصور کا اثر تو دیکھو
بن کے گرتے ہیں مری آنکھ سے گوہر آنسو

قصۂ پارینہ ہے اک نوح کا طوفاں ہمدم
اور اک محشر تازہ ہے میرا ہر آنسو

دیکھنے والے سمجھ جائیں مجھے کشتۂ چشم
لکھتے ہیں غم کا مرے چہرے پہ دفتر آنسو

شکر ہے بعد فنا آبروئے عشق رہی
غسل تربت کو دیا اس نے گرا کر آنسو

انہیں دامن پہ دکھانے کو کمال حسرت
کھینچ لیتے ہیں مری آنکھ کا جوہر آنسو

دیکھے ہم نے بھی بہت تجھسے تو رونے والے
کہتے ہیں ہم کو ڈراتا ہے بہا کر آنسو

اے عدو گریہ کو ہم ضبط کیا کرتے ہیں
تو بہاتا ہے انہیں دیکھ کے اکثر آنسو

ہم کو ہوتا ہے تجھے دیکھ کے قرباں افسوس
بند آنکھوں سے ذرا بندے خدا کر آنسو

سمجھ لے کہ نذر جفا ہو گیا تو
اگر جا کے وقف ادا ہو گیا تو

جو کلیوں میں رنگیں ادا بن گیا تو
تو پھولوں میں بوئے وفا ہو گیا تو

مری آنکھ میں بھر گیا نور تیرا
مرے دل میں جلوہ نما ہو گیا تو

تجھے دیکھ کر ہو گئی مجھکو صحت
مرے درد دل کی دوا ہو گیا تو

جہاں میں ہو پھر کون اب مجھسے راضی
اگر مجھ سے ظالم خفا ہو گیا تو

عدو کی مٹا دوں گا ساری شرارت
کبھی جو میسر ا ہوا ہو گیا تو

رہِ عشق سیکھینگے اے خضر تجھ سے
کسی دن اگر رہنما ہو گیا تو

کچھ اب اور ہیں تیرے انداز اے دل
انہیں دیکھ کر جانے کیا ہو گیا تو

تجھے کچھ ملے گا تو کچھ پا ہی لے گا
جو کوچہ کا اُن کے گدا ہو گیا تو

نہ میری رفاقت نہ غمخوریاں ہیں
یہ کیا اے دلِ مبتلا ہو گیا تو

کسی کی محبت میں اے لیتیں بخدی
فنا ہو گیا تو فنا ہو گیا تو

قناعت کا انعام قدرت ہی دے گی
جو قربان وقفِ رضا ہو گیا تو

کسی کے اُٹھتے جوبن کا تماشا دیکھتے جاؤ
مرے دل کی دعاؤں کا نتیجہ دیکھتے جاؤ

کسی ظالم کا ہنس ہنس کر مٹانا دیکھتے جاؤ
مری حسرت کا اے لوگو جنازہ دیکھتے جاؤ

تڑپتا کس طرح ہے اور کیونکر آہ کرتا ہے
ذرا بسمل کا اپنے تم تماشہ دیکھتے جاؤ

مزے کی کر رہے ہیں آج میرے دلمیں تقریریں
ذرا ارمان و حسرت کا یہ جلسہ دیکھتے جاؤ

تمہارا ہی وہ کشتہ ہے تمہیں پر ہے نظر اُسکی
مریضِ ہجر کو اچھے مسیحا دیکھتے جاؤ

وہ کہتے ہیں کہ اس سے راستہ میں اک رکاوٹ ہے
کسی کا میری تربت کو مٹانا دیکھتے جاؤ

لگاتے ٹھوکریں اعجاز سے ہیں میری تربت پر
نہ دیکھا ہو تو یوں مُردے جلانا دیکھتے جاؤ

ابھی کیا ہے ابھی تو سیکڑوں طوفاں اُٹھیں گے
مری آنکھوں کا تم آنسو بہانا دیکھتے جاؤ

میں اپنی جان دینا حسن کی قیمت سمجھتا ہوں
ترقی پر ہے میرے دل کا سودا دیکھتے جاؤ

وہ کہتے ہیں کہ تیرا دردِ دل ہم آج دیکھینگے
ذرا سی بات پر اُن کا اُلجھنا دیکھتے جاؤ

ابھی دلجوئی اُنکی صرف دل لینے کے قابل ہے
ابھی قربان کرتے ہیں وہ کیا کیا دیکھتے جاؤ

ہے جگانا آج شب بھر ایک بُت بے پیر کو
آزمانا چاہتا ہوں نالۂ شب گیر کو

اک گرہ کھلتی ہے پڑجاتی ہیں گرہیں سیکڑوں
ناخنِ تدبیر سے ضد ہے مری تقدیر کو

تو بھی آ زنداں میں نغمہ سُن کبھی جھنکار کا
ہے بنایا ساز وحشی نے تری زنجیر کو

تو نے جو پروانوں کے کاٹے تھے پر اے شمع بزم
منتقم قدرت نے اُس کا کر دیا گلگیر کو

اسقدر دشواریوں نے اپنے کانٹے ہیں بچھائے
راستہ ملتا نہیں ہے عشق کے رہگیر کو

شیخ صاحب شوق سے پھر کہیئے صہبا کو حرام
پہلے پڑھیئے تو سمجھ کر آیۂ تطہیر کو

حشر تک قائم رہیگی تیری صورت ساتھ ساتھ
آنکھ میں بسمل نے رکھا ہے تری تصویر کو

لا جگہ دیدوں میں اپنے دل میں سبکو بیدھڑک
تیغ کو خنجر کو برچھی کو سناں کو تیر کو

تم جو کہتے ہو عدو کو میں نے خط لکھا نہیں
میں سمجھتا ہوں تمہاری شوخیٔ تحریر کو

خیر جو تقدیر میں لکھا ہے بہتر ہے وہ ہی
کون اب سمجھانے جائے کاتب تقدیر کو

پھر اسے زندہ نہ کردے اُسکے دلکا اضطراب
دیکھئے جاؤ ذرا۔ فتراک میں نخچیر کو

نامے میں لکھا ہے اس نے میری قسمت کا لکھا
لا کلیجے سے لگا لوں نامہ بر تحریر کو

درد ہو جاتا ہے سر میں نیند آتی ہی نہیں
کوستے ہیں وہ ہمارے نالۂ شب گیر کو

راہ پر کیا آیئے گا۔ کیوں رحم مجھ پر کھائیگا
مجھ سے تو قربان ضد ہے آسمان پیر کو

لایا ہوں اپنے ساتھ دل داغدار کو
دوں گا یہ نذر جا کے عروس بہار کو

تو نے صبا اُڑایا ہمارے غبار کو
رکھا تھا اُن کے واسطے خاک مزار کو

آئیگا رحم حال پہ پروردگار کو
امید مغفرت ہے کسی تیرہ کار کو

دل میں اُٹھا کے رکھ لو دل داغدار کو
آنکھوں سے دیکھ لو جو تم اُس کی بہار کو

کہتے ہیں بعد مرگ یہ بدعت کی بات ہے
گل آکے کر گئے وہ چراغ مزار کو

جب میں ہوں تو خزاں ہی نہیں ہیں تو ہی بہار
ضد ہو گئی ہے مجھ سے خزان و بہار کو

اشکوں سے اک حصار بنا جلد بیکسی
آئے ہیں وہ مٹانے مری یادگار کو

پردے سے اپنا جلوہ دکھا کر بصد ادا
بیتاب کر دیا ہے دل بے قرار کو

بوئے وفا جب اس چمن نو سے آئیگی
دوگے بہت دعائیں دل داغدار کو

کسطرح کھولدے کہ ہے پاس وفائے عہد
معلوم ورنہ بھید ہیں سب رازدار کو

وہ دیکھ ضعف قلب سے بیہوش ہو گئی
صیاد جلد دے عرق گل ہزار کو

قربان اپنے رنج سے گھبرا نہ اس قدر
مولا کرے گا دور ترے انتشار کو

دیگر

شگفتگی مرے دل کو چمن کرو
گلزار داغ عشق سے سارا بدن کرو

چارہ گرو دوا و دعا کا نہیں ہے وقت
بیمار عشق ختم ہے فکر کفن کرو

ہے اختیار تم کو تمہاری ہے سیر گاہ — گلزار میرے دل کو کرو۔ یا کہ بن کرو
کیا بوجھ اٹھ سکے گا بہت ہی نحیف ہے — کشتے کا اپنے اور ابھی۔ ہلکا کفن کرو
اے اہلِ دشت یہ ابھی دیدینگے اپنی جان — غربت میں بیکسو سنے نہ ذکرِ وطن کرو
اُنمیں نہیں ہے تاب اُٹھائے جو سختیاں — عاشق سے سخت اپنے نہ اتنا سخن کرو
آنکھو مئیں میری آکے رہو دل میں بیٹھ جاؤ — جاؤ نہ سوئے غیر نہ سیرِ چمن کرو

طعنے وہ تم کو دیں گے جو اہلِ سلوک ہیں
قرباںؔ جنوں میں چاک نہ یوں پیرہن کرو

نکل آئے ٹپک کر آج باہر آنکھ کے آنسو — کریں گے دیکھنا سامانِ محشر آنکھ کے آنسو
الٰہی آبرو رکھ لے مجھے دے ضبط کی قوت — مجھے رسوا کریں گے اب نکل کر آنکھ کے آنسو
اُنھیں شاید نہیں روکا ہے رستہ میں گریباں نے — کہ آئے میرے دامن تک ہیں بہکر آنکھ کے آنسو
غبارِ کوئے جاناں جذب کرنے کا ارادہ تھا — مرے دامن کو آکر کر گئے تر آنکھ کے آنسو
نہیں دیکھی گئی جب بیقراری قلبِ مضطر کی — گرے ہیں آنکھ سے نیچے تڑپ کر آنکھ کے آنسو
غنیمت میں سمجھتا ہوں نکلنا اِن کا آنکھو سنے — مرے عصیاں کا دھو دینگے یہ دفتر آنکھ کے آنسو
عدو کو دیکھکر ہمراہ اُن کے غیرت آئی ہے — رُکے ہیں آنکھ کے اندر ہی اندر آنکھ کے آنسو
زمانے والے آنکھوں کی قسم کھا کر بتا دیں گے — دکھاتے ہیں زمانہ کو جو منظر آنکھ کے آنسو

ذرا آنکھیں دکھانا اِن کو قرباںؔ روکنا اُن کو
لئے جاتے ہیں لختِ دل بہا کر آنکھ کے آنسو

اُمتِ عاصی کی بخشایش کے ذمہ دار ہو — خلق کے مشکل کُشا ہو۔ احمدِ مختار ہو
کی امامت مسجدِ اقصٰی میں سب کی آپ نے — انبیاؑ و مرسلیں کے قافلہ سالار ہو
بعد نامِ پاک جو پڑھتا نہیں صلِّ علیٰ — کیوں نہ اُس سے روحِ پاکِ مصطفٰے بیزار ہو
یاد رکھنا اپنے اِس مداح کو بھی یا نبی — بہرِ عفوِ جرم جب دم آپ کا دربار ہو
نزع کا جب وقت مجھ پر آپڑے یا شاہِ دیں — یا محمدؐ یا محمدؐ لب پہ لاکھوں بار ہو
خاتمہ بالخیر ہو جا کر مدینہ میں مرا — واں نثارِ روضۂ اقدس پہ جانِ زار ہو

تم ہی قرباںؔ کی کروگے آکے مشکل میں مدد
تم ہی ایسے عُمزدوں کے حامی و غمخوار ہو

پڑے ہیں دونوں ایک تھے گو تھے برائے نام دو
مطلبِ مدعا تھا ایک گرچہ تھے ہم کلام دو

شمس و قمر بھی رات دن خادمِ بارگاہ ہیں
کرتے ہیں صبح و شام کا بن کے یہ انتظام دو

رہتے زمیں پہ خضر ہیں اور فلک پہ ہیں مسیح
ارض و سما کے رات دن کرتے ہیں سارے کام دو

تشنہ دہن بہت رہا۔ اب تو مجھے ملے صلا
دیجیے حشر میں ذرا۔ ہاتھ سے اپنے جام دو

ایک سلامِ شوق ہو۔ ایک سلامِ آرزو
لے جا صبا مرے وہاں صبح و مسا سلام دو

یا دہ صبا سے عرض ہے نالۂ دل سے التماس
میری طرف سے روضۂ شاہ پہ دو سلام دو

روضۂ پاک ہو کہ عرش دونوں ہیں مرکزِ ادب
ان کے مقیم ایک ہیں ظاہر میں ہیں مقام دو

قرباں ہوں تجھ پہ یا نبی میں ہوں تمہارا شیفتہ
طاعت و خدمتِ حضور آتے ہیں مجھ کو کام دو

جس شخص پر عنایتِ پروردگار ہو
وہ دل سے مدح خوانِ شہِ ذی وقار ہو

میں مر گیا ہوں آتشِ سوزِ فراق سے
میرا چراغِ گور دلِ داغدار ہو

دیکھوں میں جا کے گنبدِ خضرا جو آنکھ سے
بے تاب دل کو میرے یقیناً قرار ہو

منجدھار میں پڑی ہے مری کشتیِ امید
اے فخرِ نوح تیرے اشارے سے پار ہو

قرباں اس کو یاس سے پھر کیا ہو واسطہ
فضل و کرم کا ان کے جو امیدوار ہو

بتِ کافر جو مجھ پر مہرباں ہو
وفا کا کیوں مسلسل امتحاں ہو

زباں پہلے ہی میری کاٹ ڈالی
بیاں کس طرح دل کی داستاں ہو

اسے کیوں ذبح تو کرتا ہے صیاد
جو روحِ باغ و جانِ آشیاں ہو

قیامت کے اگر دن ہوں ہزاروں
نہ پھر بھی ختم میری داستاں ہو

کریں کیوں منتِ صہبا و ساغر
جو ہم پر مہرباں پیرِ مغاں ہو

مرا پیغام لے جائے وہاں تک
رواں سوئے عدم جو کارواں ہو

عدو کو ساتھ لے کر جب میں آؤں
مجھے وہ خواب اک خوابِ گراں ہو

پریشاں دشتِ غربت میں ہے قرباں
کہاں ہو۔ اے وطن والو کہاں ہو

اگر منظور دنیا میں اٹھانا ان کو محشر ہو
تو کافی کل زمانے کے لئے بس ایک ٹھوکر ہو

وہ آتے ہیں عدو کو ساتھ لیکر آج گھر میرے
الٰہی سامنے سے آنکھ کے یہ دُور منظر ہو

مری دل کی تپش اُس سے بھی بازی جیت لیجائے
سوا نیزے پہ جب آیا ہُوا خورشید محشر ہو

مری ہمراہ گم ہو جائے اپنا راستہ بھولے
خضر بھی راہِ الفت میں جو آ کر میرا رہبر ہو

تری ابروِ مژگاں ہی جو میرا کام کر جائے
نہ کیوں بدنام دُنیا میں ترا اے یار خنجر ہو

ہوا احساس تم کو ہم صفیران چمن کچھ بھی
قفس میں ایک ساتھی اسطرح بے بال و پر ہو

تپش سوزِ دروں کی جب اُسے اُٹھ اُٹھکے تڑپائے
تڑپ پھر کس طرح سے بند تیری قلب مضطر ہو

نہ نکلے گھر سے جو اپنے اُسے عزت نہیں ملتی
نہ وہ مشہُور گوہر ہو صدف سے جو نہ باہر ہو

ہزاروں سختیاں قربان پر دن رات کرتے ہو
بڑی حیرت تو یہ ہے آدمی ہو کر بھی پتھر ہو

مجھ سے مرا حالِ دلِ ناشاد نہ پوچھو
فرقت کی زباں سے مری رُوداد نہ پوچھو

معلوم نہیں ہو گا مرا رازِ محبت
تم لاکھ بھی حالِ دلِ ناشاد نہ پوچھو

ہستی مری بنی رہی سیلاب فنا پر
رکھی مری کس چیز پہ بنیاد نہ پوچھو

ڈر ہے کہ جہاں میں کہیں بدنام ہو جاؤ
کیوں کرتا ہوں میں نالہ و فریاد نہ پوچھو

ہستی طلب حسن میں کیوں میں نے مٹا دی
کیوں غم میں تمہارے ہُوا برباد نہ پوچھو

آج آیا تھا گل گشت چمن کو وہ بھی قد
محجوب ہے کیوں باغ میں شمشاد نہ پوچھو

ایسا نہ ہو تقلید پہ شیریں کی اُتر آؤ
تم قصۂ ناکامیٔ فرہاد نہ پوچھو

پروائے نشیمن نہیں اب مجھ کو قفس میں
احسان کرم والفتِ صیاد نہ پوچھو

جو سر پہ پڑی جھیل لی اب ذکر کریں کیا
قربان رہِ عشق کی افتاد نہ پوچھو

بیمارِ غم کو فائدہ اکسیر سے نہ ہو
اچھا وہ چارہ گر تری تدبیر سے نہ ہو

بگڑے ہوئے جو کام ہوں بنجائیں اسکے سب
مجبور کوئی اپنی جو تقدیر سے نہ ہو

لیلو وہ تم نگاہ سے میں اپنی آہ سے
جو کام تیر سے نہ ہو شمشیر سے نہ ہو

مجبور کر رہا ہے مرا نالۂ فراق
ڈر ہے مقابلہ فلکِ پیر سے نہ ہو

لکھے ہیں مینے غیر کو نامہ میں سخت لفظ
ڈر ہے کہ بدگمان وہ تحریر سے نہ ہو

جو دل کے ساتھ ساتھ جگر کو بھی چھید دے
افسوس اتنا کام بھی اک تیر سے نہ ہو

اس کو بنا کے دیکھ رہا ہے جو بار بار
مانی کو عشق آپکی تصویر سے نہ ہو

آگ اپنے دلمیں ہم نہ لگائیں تو کیا کریں
جب دلمیں روشنی تری تنویر سے نہ ہو

ہم سے جو پوچھتا ہے تو قسمت پہ چھوڑ اسے
قرباں تیرا کام جو تدبیر سے نہ ہو

تیز کرتے ہیں یہ عشاق پہ تلواروں کو
خوف آتا نہیں زنہار ستمگاروں کو

اے مسیحا ہو بھلا تیری مسیحائی کا
دیکھ لے آکے کبھی عشق کے بیماروں کو

میکدے ہی میں رہا۔ اُن کا ٹھکانا ساقی
راس آیا نہ کوئی در ترے میخواروں کو

تیری رحمت کے اس اندازِ کرم پہ قرباں
اُپنے دامن میں چھپایا ہے گنہگاروں کو

جو طلب کرتا ہے اُسکو وہی مل جاتا ہے
نہیں کرتا کبھی مایوس طلبگاروں کو

جب تو بے پردہ مرے سامنے آیا ای شوخ
شعلۂ طور میں سمجھا ترے رخساروں کو

کس لئے رکھے ہیں خم تو نے یہ ساقی بھر کر
ہائے تلچھٹ بھی تو ملتی نہیں میخواروں کو

چاندنی میں نہ خدا کے لئے بے پردہ پھرو
میلا کر دے نہ کہیں چاند سے رخساروں کو

کیا نیا غم کوئی قسمت سے ملا ہے تم کو
ڈھونڈتے پھرتے ہو قرباںؔ جو غمخواروں کو

تو دوا بنے تو میں درد ہوں۔ میں نیاز ہوں جو تو ناز ہو
تو سرور ہو تو میں غم بنوں۔ کہ میں سوز ہوں جو تو ساز ہو

ترے دل میں بن کے وفا رہوں۔ کبھی تجھ سے پھر نہ جدا رہوں
بنوں راز حسن کا میں ترے۔ جو نگاہ راز نواز ہو

ترا عشق ایسا اثر کرے۔ کبھی زخم دل کا نہ بھر سکے
مرے دل میں درد بھرا رہے۔ مرے دل میں سوز و گداز ہو

مری دل دہی کے لئے تو آ۔ مجھے اپنی شکل حسیں دکھا
مجھے غزنوی جو بنا دیا۔ تو آپ جواب ایاز ہو

ہوئیں ختم وہم کی ظلمتیں۔ نظر آرہا ہے وہ اب ہمیں
کھلیں اُس پہ کیوں نہ حقیقتیں۔ جو اسیر عشق مجاز ہو

اُنھیں ڈھب پسند ہے عجز کا۔ اُنھیں پاس عجز کا ہے بڑا

نہیں اس میں شک کہ ملے خدا - جو خیال محو نیاز ہو
سر راہ ذکر صنم نہ ہو - کہ عیاں حقیقت غم ہو
کہیں قرباں ایسا ستم نہ ہو - در راز بھولے سے باز ہو

ہے آیا آج وہ دلبر اہا ہا ہا - اوہو ہو ہو
خدا کی شان میرے گھر پہ آہا ہا ہا - اوہو ہو ہو
مرے پہلو میں ہے دلبر اہا ہا ہا - اوہو ہو ہو
ہے کیسا جاں فزا منظر اہا ہا ہا - اوہو ہو ہو
شراب عشق سے بھر کر اہا ہا ہا اوہو ہو ہو
دیا ساقی نے پھر ساغر اہا ہا ہا اوہو ہو ہو
وہ آئیگا مرے گھر پر اہا ہا ہا اوہو ہو ہو
بچھا دوں پلکوں کا بستر اہا ہا ہا اوہو ہو ہو
ہوا ختم رسل پیدا مٹانے دور ظلمت کو
خوشی کیسی ہوئی گھر گھر اہا ہا ہا اوہو ہو ہو
مرے دل پر نگاہوں نے تمہاری اپنی مژگاں سے
لگائے تیر بڑھ بڑھ کر اہا ہا ہا اوہو ہو ہو
مٹائیگا مری حسرت اڑا کر میری گردن کو
ہے ان کے ہاتھ میں خنجر اہا ہا ہا اوہو ہو ہو
لحد میں اب تو سوتے ہیں ملینگے پھر قیامت کو
اٹھیں گے جب صنم سو کر اہا ہا ہا اوہو ہو ہو
کہاں تو پھر کہاں محفل ہنسانے سکو اے قرباں
غزل تو اک نئی لکھ کر - اہا ہا ہا - اوہو ہو ہو

منفعل عشق سے میں ہوں دل بیمار کہ تو
اب بتا میں ہوں محبت میں گرفتار کہ تو
تو وفا اپنی جفاؤں کو سمجھتا ہے مگر
ہم ہیں مشہور زمانے میں وفادار کہ تو
کرکے چرچا مری الفت کا ہوا خود رسوا
میں ہوں بدنام بتا اب سر بازار کہ تو
پاس آیا ہوں ترے دلکی کشش لائی ہے
اب بتائیں دل وحشی پہ ہوں مختار کہ تو
کہتا پھرتا ہے زمانے میں سنا نہ میرا
لوگ کرتے ہیں مرے عشق کا اظہار کہ تو
قتل سے پہلے ہمیں آنا بتادے قاتل
جان لیوا ہے یہ ظالم تری تلوار کہ تو
ہم نہ کہتے تھے نہ کر عشق بتوں سے اے دل
دیکھ اب عشق میں ہم ہوگئے ناچار کہ تو
اس لئے کہتے تھے اُسنے نہ محبت کرنا
وہ ہوئے عشق میں قرباں ترے بیمار کہ تو



مناجات

ردیف - ہ

مجھے بھی فخر ہو حاصل ہوں زوّار یا اللہ ۔۔۔ محمد مصطفیٰ کا تو دکھا دربار یا اللہ
زمانے بھر میں مجھسا کون ہے بدکار یا اللہ ۔۔۔ گناہوں سے مجھے آتی ہے خود ہی عار یا اللہ
ترے بندے کو جو سمجھے ذلیل و خوار یا اللہ ۔۔۔ تکبّر کا تو اس کا قلعہ کر مسمار یا اللہ
رہوں سکرات میں بھی اسقدر ہشیار یا اللہ ۔۔۔ زباں سے میری نکلے ہر گھڑی ہر بار یا اللہ
زمانے میں ہیں جن کا کوئی غمخوار یا اللہ ۔۔۔ تو ہی بس ایک ہے اُنکا کفیل کار یا اللہ
مرا مقصد حرم پُورا ہو کچھ سامان ایسا کر ۔۔۔ کہ ہیں جانیکو اک مدت سے ہوں تیار یا اللہ
رہائی کر عطا اُن کو۔ انھیں آزاد پھر کردے ۔۔۔ جو ہیں محبوس زنداں بے گنہ ناچار یا اللہ
خلیل اللہ کے قصّے سے ہم کو یہ ہوا حاصل ۔۔۔ جو تو چاہے تو کردے آگ کو گلزار یا اللہ
نہیں اولاد جنکے کر۔ عطا اولاد اُن کو کر ۔۔۔ کمی ہرگز نہیں تجھکو تو ہے غفار یا اللہ
انھیں بھی ابن مریم کی طرح سے دے رہائی تو ۔۔۔ جو ہونے والے ہوں مجرم زیب دار یا اللہ
زباں کو میں کروں گندہ نہ اپنی گندی باتوں سے ۔۔۔ ترے ہی نام کی کرتا رہوں تکرار یا اللہ
پھنسی ہو جس کی کشتی آ کے گرداب حوادث میں ۔۔۔ عنایت سے تو اس کا کردے بیڑا پار یا اللہ
تو وہ ہے کُن کے کہنے سے کرے چودہ طبق پیدا ۔۔۔ تجھے آسان ہے جو ہم کو ہے دشوار یا اللہ
مرے اعمال ایسے ہیں شکایت کر نہیں سکتا ۔۔۔ مجھے چاہے تو جیسا رکھ تو ہے مختار یا اللہ
نہ باقی زیست ہو جن کی انھیں پھر زندگی دیدے ۔۔۔ اُسے تو دے شفا جو کوئی ہو بیمار یا اللہ
تمنا ہے یہی دل کی ترے جلووں پہ صدقے ہو ۔۔۔ دکھا دے اپنی رحمت سے اُسے دیدار یا اللہ
قیامت میں اُٹھیں اُنمیں جو تیرے خاص بندے ہیں ۔۔۔ ہمارا حشر اُن میں ہو۔ جو ہیں ابرار یا اللہ
میں بندہ ہو کے تیرا غیر سے اپنی طلب رکھوں ۔۔۔ میں ایسی زیست سے دنیا میں ہوں بیزار یا اللہ
سپر رحمت کی تیری ہم پہ گر سایہ رکھے اپنا ۔۔۔ عدو کی کام کر سکتی نہیں تلوار یا اللہ
زباں گو میں نے پائی تھی ثنا تیری نہیں کچھ کی ۔۔۔ زمانے میں نہ ہوگا مجھسا تیرہ کار یا اللہ
کسی کی ہو کوئی حاجت۔ ہوا خیزی نہ اُس کی ہو ۔۔۔ کریمی سے رُکے اُس کا نہ کوئی کار یا اللہ
عطا کی ہو جنھیں عزت گذاریں عمر عزت میں ۔۔۔ ہمیشہ سر پہ عزت کی رہے دستار یا اللہ

اٹھا مجھسے نہیں جاتا۔ خجل ہوں میں گناہوں سے
مرے سر پر گناہوں کا ہے انبار یا اللہ

الٰہی بے گناہی کردے ظاہر اُن کی دُنیا میں
کسی نے گر کسی پر ہو رکھا طومار یا اللہ

تو ہی ہے وہ جو رکھیگا مری عزت کو اب قائم
ہوا خیزی کو دشمن ہیں بہت تیار یا اللہ

گناہ ہیں گو مرے بیحد۔ تری رحمت بھی بیحد ہے
تو ہے رحمٰن بھی۔ جتنا تو ہے قہار یا اللہ

کروں خم سر کو میں اپنے۔ کروں ہرگز نہ میں شکوہ
مجھے جنت میں بھیجے یا تو سوئے نار یا اللہ

ٹپک کردے انھیں دیکر مدد غیبی خزانوں سے
ہو دام و قرض کا جن کے سروں پر بار یا اللہ

بچایا بطن ماہی میں تھا مولا تو نے یونس کو
خلیل اللہ پہ کی آگ تھی گلزار یا اللہ

عطا یعقوب کو بینائی مولا تو نے ہی کی تھی
زلیخا کو جوانی تو نے دی دو بار یا اللہ

نکالے گا تو نکلوں گا میں اس غار مصیبت سے
وگرنہ ہے بہت دُنیا کا گہرا غار یا اللہ

تو اپنے دشمنوں تک کو کبھی بھوکا نہیں رکھتا
نہیں عالم میں تجھ جیسی کوئی سرکار یا اللہ

عدم میں دوستوں کو بھی یونہی مولا عطا کرنا
جہاں میں عیش جیسے کرتے ہیں اغیار یا اللہ

میں تجھ تک کس طرح پہونچوں کوئی رستہ نہیں ملتا
معاصی کی ہے حائل بیچ میں دیوار یا اللہ

مجھے دے ظرف ایسا۔ اور دل ایسا عنایت کر
لٹا دوں راہ میں تیری میں سب گھر بار یا اللہ

وہ کیا دے راہ میں تیری کرے خدمت کسی کیا
نہ جس کے پاس جب ہو ایک بھی دینار یا اللہ

شفا کر تو عطا اُس کو مسیحا ہے تو ہی اسکا
ترا قربان اک مدت سے ہے بیمار یا اللہ

وفا کی بن گیا اک ہو بہو تصویر پروانہ
وہ جل کر شمع پر ٹھنڈا ہوا۔ دلگیر پروانہ

کیا اے شمع محفل خاک تو نے اسکو دھوکے سے
یہاں آیا تھا۔ ظالم دیکھکر تنویر پروانہ

بیک لمحہ ہزاروں آفتیں ہیں شمع کے جی کو
ہوا اے سر محفل سوز دل گلگیر پروانہ

رکھا وابستہ تنویر تجھکو صبح ہونے تک
کہ تجھکو شمع نے سمجھا تھا اک نخچیر پروانہ

تری دل کی لگی نے پھونک ڈالا مجھ کو محفل میں
ہے شمع بزم بھی تیرے لئے دلگیر پروانہ

جسے کہتے ہیں شمع انجمن یہ انجمن والے
ہے تیرے ہی ضیائے دل کی اک تنویر پروانہ

نہ کرتا جان اپنی تجھپہ وہ اے شمع کیوں قرباں
کہ تھا اک عاشق صادق ترا دلگیر پروانہ

فقط اک رات بھر کی عمر تھی وہ کاٹ دی جل کر
عجب لایا تھا اک سوز آشنا تقدیر پروانہ

میں سوز عشق سے بچنے کے سو رستے بتا دیتا

اگر قربان مجھ سے پوچھتا تدبیر پروانہ

اک یہی تھا ترے جلووں کے سفر کا رستہ ۔۔۔ گرچہ تھا بال سے باریک نظر کا رستہ
عید کی چاند کی مانند شب وعدہ ہم ۔۔۔ رات بھر دیکھا کئے رشک قمر کا رستہ
منزل دل میں ٹھہرنے کا کوئی کام نہیں ۔۔۔ آپ کے تیر نے دیکھا ہے جگر کا رستہ
آہ نے اپنی ہمیں کچھ نہ دکھائی تاثیر ۔۔۔ عمر بھر دیکھا کئے آہ اثر کا رستہ
ہم نہ کہتے تھے نہیں اُس کو محبت تجھ سے ۔۔۔ کام ہوتے ہی لیا غیر نے گھر کا رستہ
نخل امید میں پھل اپنے نہ پایا کوئی ۔۔۔ دیکھتے ہی رہے تا عمر اثر کا رستہ
غیر کے گھر کبھی جاتی نہیں جو راہ میں ہے ۔۔۔ شام غم دیکھ لیا اک مرے گھر کا رستہ
وہ جو بھر جائے تو رسنے کی یہ کچھ فکر کرے ۔۔۔ زخم دل دیکھتا ہے زخم جگر کا رستہ

مل ہی جاتا ہے کوئی راہ کا قربان رفیق
ریل میں خوب گذرتا ہے سفر کا رستہ

مرے دم سے بڑھی ہے ساقیا توقیر میخانہ ۔۔۔ اسی باعث تو مجھ پر مہرباں ہے پیر میخانہ
الٰہی کیوں ہوا ناراض ہم سے پیر میخانہ ۔۔۔ لگا دیتا ہے ہم کو دیکھکر زنجیر میخانہ
کبھی کیف تصور ہے کبھی حیران تخیل ہے ۔۔۔ مری آنکھوں میں رہتی ہے سدا تصویر میخانہ
اسی کے مست نظارہ سے شاید دل بہلجائے ۔۔۔ کفن میں میرے رکھنا ایک تصویر میخانہ
مری پیکر میں ترکیب سرور و کیف و مستی ہے ۔۔۔ مری خاک لحد سے چاہیئے تعمیر میخانہ
دفور نشہ سے یہ کیا نظر آتا ہے مستوں کو ۔۔۔ ہوا پر اُڑ رہی ہے ہر طرف تعمیر میخانہ
مئے گل رنگ پی لی شیخ نے کیا اُس کے کہنے سے ۔۔۔ نظر آنے لگا کیوں آج خوش خوش پیر میخانہ
بہت سے لوگ میخانے میں تقلیداً چلے آئے ۔۔۔ بڑھا دی شیخ نے آکر بڑی توقیر میخانہ
سدا سرشار رہتے ہیں ہمیشہ مست رہتے ہیں ۔۔۔ عطا کرتا ہے جنکو فیض اپنا پیر میخانہ
مزہ آجائے تجھ کو زندگی کا کیف آجائے ۔۔۔ جو تو اے خشک زاہد ہو مرید پیر میخانہ
جو تلچھٹ شیشہ میں باقی رہے امرت وہ بنجائے ۔۔۔ جو خم میں گاد رہجائے بنے اکسیر میخانہ
کھڑے تھے منتظر سب رند مشرب دیر سے ساقی ۔۔۔ گرے بیتاب ہو کر جب کھلی زنجیر میخانہ
اسیر میکدہ ہوتی ہے اس کو دیکھ کر دنیا ۔۔۔ نہ جانے گیسوئے ساقی ہے یا زنجیر میخانہ

یہاں اکبار جو آیا یہیں کا ہوگیا قربان

نہیں قربان دیکھی شیخ نے تاثیر میخانہ

مجھ سے بے جرم کیوں خفا ہے وہ ۔ ظلم ناحق جو کر رہا ہے وہ
صحبت جام وے نہیں مرغوب ۔ میرے پہلو سے جب جدا ہے وہ
اس سے میں کیوں گلہ کروں غم کا ۔ جب مرے غم سے آشنا ہے وہ
دیکھ لو حال اپنے وحشی کا ۔ خاک گھل گھل کے ہو گیا ہے وہ
اپنے جاں باز کو برا نہ کہو ۔ ہے بھلا کون۔ اگر برا ہے وہ
مجکو اے عشق کیوں نصیب ہوا ۔ درد ایسا کہ لا دوا ہے وہ
جس کو دنیا سمجھ رہا ہے جہاں ۔ بت کافر کی اک ادا ہے وہ
اس کی عادت میں ہے جفا شامل ۔ باوفا ہے نہ بے وفا ہے وہ
دوست ہو اس کا یا کوئی دشمن ۔ سنتا سب ہی کی التجا ہے وہ
جس کو بیمار آپ سمجھے ہیں ۔ درد الفت میں مبتلا ہے وہ
جس کو قربان لوگ کہتے ہیں ۔ تیرے کوچہ کا اک گدا ہے وہ

مٹے گا یہ مرا نقش مزار آہستہ آہستہ ۔ اڑائے گی صبا مشت غبار آہستہ آہستہ
کرے گا فکر میرے دل کی یار آہستہ آہستہ ۔ یہ غم کا دور ہو گا انتشار آہستہ آہستہ
نہ گھبراؤ انھیں عادت سے واقف اپنی ہونے دو ۔ ملے گا تم کو اس پر اختیار آہستہ آہستہ
خزاں بھی رفتہ رفتہ جائیگی گلشن سے اے بلبل ۔ نہ گھبرا آئے گی فصل بہار آہستہ آہستہ
ذرا درد و الم کا دل کو خوگر اپنے ہونے دو ۔ کہ خود آجائے گا صبر و قرار آہستہ آہستہ
ہوا ہوں۔ یہ ضعیف و ناتواں اس کی محبت میں ۔ لحد بھی مجھ پہ کرتی ہے فشار آہستہ آہستہ
اسے یہ خوف رہتا ہے نہ ظاہر راز ہو اسکا ۔ کیا کرتا ہے آہیں بے قرار آہستہ آہستہ
یہ کس کا نام لیتا ہے ذرا اے چارہ گر سن لے ۔ یہ ہے کیا بیمار کہتا بار بار آہستہ آہستہ
کبھی دل آپ کو دونگا کبھی دوں گا جگر اپنا ۔ کروں گا آپ پر میں جاں نثار آہستہ آہستہ

مجھے لذت کش خنجر سمجھ کر آج اے قربان
چلاتا ہے وہ تیغ آبدار آہستہ آہستہ

دیکھا نہیں کیا تم نے ستمگار کا کوچہ ۔ مقتل ہے جسے کہتے ہیں اس یار کا کوچہ
افسانہ ہوا میرا مرض سارے جہاں میں ۔ گھر کو مرے کہنے لگے بیمار کا کوچہ

نرگس کے ہر اک سمت تمہیں پھول ملیں گے
دیکھو تو کبھی طالب دیدار کا کوچہ

نالوں کی رعایت سے مرے خط کے پتہ میں
لکھ دیتے ہیں وہ عاشق بیدار کا کوچہ

دُنیا میں ہر اک جا ہیں دشمن ملے اپنے
ہم کو نہ ملا کوئی بھی غمخوار کا کوچہ

اقرار تو کرتا ہے بہت اپنی گلی میں
کوچہ کا ترے نام ہوا قرار کا کوچہ

جاتے ہوئے ڈرتے ہیں گلی میں تری انساں
مشہور زمانہ یہ ہے خوں خوار کا کوچہ

ہر ذرہ مے عشق کا پیمانہ تو ہے
میخانہ بنا ہے ترے سرشار کا کوچہ

دیکھا ہیں قربان کسی کو بھی یہاں خوش
کیسا ہے یہ دُنیائے ستمگار کا کوچہ

شیشہ ہے تری گردن آنکھیں تری پیمانہ
سرشار تجلی ہے ساقی ترا مستانہ

ہر ایک حسیں پر میں ہوتا ہوں فدا ایسے
ہو شمع کا دیوانہ جیسے کوئی پروانہ

پھر ہوش اُڑا دینا۔ پھر جلوہ دکھا دینا
حسرت یہ مٹا دینا اے جلوۂ جانانہ

غمگین ہو گیا دل کو جھوٹے ترے وعدو نے
پیمانِ وفا اب ہے ٹوٹا ہوا پیمانہ

جو درد میں لذت ہے دل والوں سے وہ پوچھو
کیا جانے وہ اس کو جو۔ ہو درد سے بیگانہ

حُوریں بھی ہیں پریاں بھی۔ غلماں بھی فرشتے بھی
کہتے ہیں جسے دُنیا ہے ایک پری خانہ

آتی ہے یہ بُو لے کر۔ زلفوں کی مجھے شک ہے
گانٹھا ہے صبا نے بھی کیا آ کے یارانہ

دل میرا یونہی ٹوٹا۔ ساقی تری باتوں سے
گر تلے ہے کوئی تارا۔ یا ٹوٹ کے پیمانہ

وحدت کے یہاں آ کر پی لیتے ہیں ہم ساغر
مسجد کو بھی سمجھے ہیں ساقی ترا مے خانہ

سب اپنی نگاہوں میں جلوے ہیں اسی بُت کے
آنکھوں میں لئے اپنی ہم پھرتے ہیں بُتخانہ

جلوؤں کا میں طالب ہوں تو مظہر جلوہ ہے
تو شمع محبت ہے میں ہوں ترا پروانہ

کھینچی ہے تری اے بُت تصویر تصور میں
آنکھوں کو بنایا ہے اس شکل سے بُتخانہ

بھولیں نہ ہم ہرگز۔ اے عشق تیری باتیں
صفحات پہ دل کے ہے منقوش یہ افسانہ

تدبیر یہ سوچی ہے ملنے کی ستمگر سے
درباں سے کرینگے اب اُس یار کے یارانہ

رُوداد سُنا اُن کو۔ اے ذہن تو کر یاری
سُننے کو وہ آئے ہیں قربان کا افسانہ

مراغم میں دل مبتلا کر چکے وہ
جو تھا فرض اُنکا ادا کر چکے وہ

رہا اور کیا ہے کریں گے وہ اب کیا
ستم کر چکے وہ جفا کر چکے وہ

تجھے ہوش اے دل نہیں پھر بھی آتا
تجھے گو اسیرِ بلا کر چکے وہ

کون کر چکا کچھ کوئی کر چکا کچھ
وفا کر چکے ہم جفا کر چکے وہ

مرے آج ارمان کیا پوچھتے ہو
ہوا اک زمانہ قضا کر چکے وہ

نشانہ نگہ کا عدو پر لگا کر
ہیں اک تیر اپنا خطا کر چکے وہ

جنہیں لوگ دنیا میں کہتے ہیں عاشق
ابھی جان تم پر فدا کر چکے وہ

نہیں پاس اب کچھ ترے عاشقوں کے
کہ پہلے ہی دل کو فدا کر چکے وہ

کریں چارہ گر صبر بیمارِ غم پر
دعا کر چکے تم دوا کر چکے وہ

تھا عشاق کا دل جو غرقابِ الفت
اسے نذرِ سیلِ فنا کر چکے وہ

مرے دل کو بیکار کیوں چھیڑتی ہے
مجھے یاد بادِ صبا کر چکے وہ

اڑائے کی اک دن وہ خاک اسکی قرباں
مقرر یہ دل کی سزا کر چکے وہ

مستی لالہ زار میں توبہ
توبہ توبہ بہار میں توبہ

کر رہا ہوں مزار میں توبہ
پڑ گیا ہوں فشار میں توبہ

توبہ کرنا مجھے جو ہو منظور
کر لوں ساقی ہزار میں توبہ

مے بھی ہو اور ابرِ باراں بھی
ایسے لیل و نہار میں توبہ

ہائے افسوس بعد مرنے کے
مل گئی ہے غبار میں توبہ

نزع کے وقت ایسا گھبرایا
کر گیا انتشار میں توبہ

پاک دوزخ میں ہو گیا جل کر
کی جو عصیاں نے نار میں توبہ

اس کی رفتار سے یہ ظاہر ہے
ہر نفس کے ہے تار میں توبہ

مے کو ہرگز نہیں چھوڑوں زاہد
ہو اگر اختیار میں توبہ

دیکھ کر قبر میں فرشتوں کو
کر رہا ہوں مزار میں توبہ

جورِ صیاد دیکھ کر بلبل
کر رہی ہے بہار میں توبہ

ہیں تو ہوں انتظارِ ساقی میں
اور مرے انتظار میں توبہ

جل گئی آج دیکھ اے زاہد
میرے دل کے شرار میں توبہ

آخری وقت آگیا قربان
کیا کروگے مزار میں توبہ

مرے سوزِ اُلفت کی حدت نہ پوچھ
مرے دل کی تو مجھسے حالت نہ پوچھ

پتہ دے گی خود شمع تربت تجھے
زمانے سے تو میری تربت نہ پوچھ

وہاں بھی وہی کل کا وعدہ رہا
ہوا کیا بروزِ قیامت نہ پوچھ

خفا ہوگا تیور بدل جائیں گے
خدا کے لئے میری حسرت نہ پوچھ

اگر دیکھنا ہے گنہ کرکے دیکھ
گنہگار سے شانِ رحمت نہ پوچھ

نہ کاٹے کٹے ہے نہ ٹالے ٹلے
شبِ ہجر ہے کیا مصیبت نہ پوچھ

تو یہ دیکھ کیا حال ہے اب مرا
گذشتہ زمانے کی حالت نہ پوچھ

نکل آئے آنکھوں سے اشکِ نشاط
شبِ وصل دل کی مسرت نہ پوچھ

گئے تیرے ہمراہ صبر و قرار
ہوا حال کیا وقتِ رخصت نہ پوچھ

تری ہر ادا سے ترے حسن سے
ہے کس کس سے مجکو شکایت نہ پوچھ

گناہوں سے اپنے پشیمان ہوں
مجھے ہے کہانتک ندامت نہ پوچھ

گذرتی ہے کیونکر ترے ہجر میں
تو قربان کی اپنے حالت نہ پوچھ

جان نکلی شبِ فرقت مری فریاد کے ساتھ
موت کی ہچکی مجھے آئی تری یاد کے ساتھ

حاصلِ وصل سمجھتا ہوں میں انجامِ وصال
آئیگا میرا مسیحا مرے جلاد کے ساتھ

کتنے مانوس قفس سے ہیں اسیرانِ چمن
آپ سے آپ چلے جاتے ہیں صیاد کے ساتھ

ایک ہنگامے سے تسکین دلِ مضطر ہے
بے مزہ عشق کا کچھ نالۂ و فریاد کے ساتھ

سخت جانی نے مری دن یہ دکھایا آخر
واسطہ مجھ کو پڑا خنجرِ فولاد کے ساتھ

جادۂ عشق میں ہر گام پہ ہے لغزشِ نو
ہے نئی روز اک افتاد ہر افتاد کے ساتھ

بے ستوں پر جسے خسرو نے کیا تھا ناکام
خلد میں پھرتی ہے شیریں اسی فرہاد کے ساتھ

ہمنوا۔ میری اسیری نہ ہو کیوں شور افگن
میرا دل نوحہ سرا ہے مری فریاد کے ساتھ

باطنی حسن ملا تجھ کو نہ ظالم افسوس
یہ ضروری تھا ترے حسنِ خداداد کے ساتھ

رنج و غم قبر میں قربان کا پیچھا چھوڑیں

اُن کا کیا کام ہے اک خستہ و برباد کے ساتھ

چلنے لگے ہیں دل پہ تمہاری جفا کے ہاتھ
بس آبرو ہے اب تو ہماری خدا کے ہاتھ

ہوگا عیاں حجاب اثر میں زوالِ حسن
عاشق نے گر اُٹھائے کبھی بددعا کے ہاتھ

بے مانگے جب خدا مجھے دیتا ہے رات دن
اُٹھیں کسی کے سامنے کیوں التجا کے ہاتھ

مٹی اُڑائی گور کی اُس نے جو بعد مرگ
جز خاک کے نہ اور کچھ آیا صبا کے ہاتھ

مہندی لگا کے آؤ تو رنگِ حنا بڑھے
ہے سرخروئی شبِ وعدہ حنا کے ہاتھ

دُنیا میں شرم عشق کی اور لاج حسن کی
میری وفا کے ہاتھ ہے تیری جفا کے ہاتھ

گردن جھکائے بیٹھے ہیں، ہم تیرے سامنے
ہیں دیکھنے ہمیں تری تیغ ادا کے ہاتھ

دل نے کیا ہے مجکو اسیر ہوائے زُلف
زلفوں سے اپنی باندھے اسی پُر خطا کے ہاتھ

ہوتی شفا نہ مجھ کو نہ مرتا فراق میں
دینی پڑی ہے جان بالآخر شفا کے ہاتھ

بھر جائے گا اُمید سے دامن مُراد کا
اخلاص سے تو مانگ تو اک دن اُٹھا کے ہاتھ

دوزخ میں اُس کے قہر نے پھینکا تو گو مجھے
رحمت نے قرباںؔ کھینچ لیا پر بڑھا کے ہاتھ

حشر تک پھر نہ مٹے میرے بھرم کا سایہ
میرے سر پر جو رہے ابرِ کرم کا سایہ

ہم نے دیکھا نہ کبھی اُن کے کرم کا سایہ
روز ہم پر رہا دامانِ ستم کا سایہ

سانس لینا اُسے دشوار ہے پھر دنیا میں
جس پہ پڑ جائے تری تیغ دو دم کا سایہ

صبحِ اُمید نے ہم کو نہ دکھائی صورت
پڑ کے دل پر نہ گیا پھر شبِ غم کا سایہ

تیری تنویر کا اے شمع میں پروانہ ہوں
تیری محفل میں فقط ہے مرے دم کا سایہ

سنتے آتے ہیں عدم بھی کوئی دُنیا ہے کہیں
خواب میں بھی نہیں دیکھا ہے عدم کا سایہ

مُردے جی اُٹھیں۔ نیا عالم دُنیا ہو اگر
گور پر اُن کی پڑے تیرے قدم کا سایہ

غیر پر ہوتی ہے الطاف کی بارش ہر دم
ہم پہ بھی آپ کریں لطف و کرم کا سایہ

خوب قرباںؔ مضامین چمک اُٹھے ہیں
جب بھی قرطاس پہ پڑتا ہے قلم کا سایہ

زمیں بھی اُٹھتی ہے گو یا مرے غبار کے ساتھ
ہزار زلزلے آتے ہیں اضطرار کے ساتھ

بہارِ باغ پہ اتنا غرور اے بلبل
یہ غور کر کہ خزاں بھی تو ہے بہار کے ساتھ

نشاط و غم کا زمانے میں ساتھ ہے ہمدم
شگفتِ گل بھی تو ہے نالۂ ہزار کے ساتھ

چھٹیں گے ہم سے کہاں خارِ دشتِ اُلفت کے
ہمارے پاؤں کو وابستگی ہے خار کے ساتھ

ستائیں اس کو سکوں جسکو ہو یہاں حاصل
ہے چھیڑ کیوں دلِ بے صبر و بیقرار کے ساتھ

گئی جو آہ فلک پر عجیب عالم تھا
کہ خونِ دل بھی ٹپکتا رہا شرار کے ساتھ

بس اب غبارِ وفا کا پتہ کہاں ہمدم
ہوا ہے رائگاں وہ بھی مرے مزار کے ساتھ

جب اُنکو دیکھئے قربان ہیں رقیبوں میں
کبھی وہ رہتے نہیں اپنے جاں نثار کے ساتھ

ممنون ترے ہوتے ہیں ہم اور زیادہ
کرتا ہے جو تو جور و ستم اور زیادہ

گھٹتا ہے تنفس تری فرقت میں ہمارا
بڑھتا ہے تجھے دیکھ کے دم اور زیادہ

حسرت کہیں رہجائے جنازے سے نہ پیچھے
احباب بڑھائیں نہ قدم اور زیادہ

جس درجہ بڑھا شوق۔ بڑھی اور مصیبت
غم اور زیادہ ہے۔ الم اور زیادہ

کیا بعدِ فنا بھی کوئی اُفتاد ہے باقی
کیا ہو گی کڑی راہِ عدم اور زیادہ

جتنا مجھے بدنام کیا اہلِ غرض نے
مولا نے کیا میرا بھرم اور زیادہ

وہ خواب میں میرے شبِ فرقت اگر آئے
سینے میں بڑھی آتشِ غم اور زیادہ

جب سے یہ سُنا ہے کوئی کافرِ صیاد
بے تاب ہوا مرغِ حرم اور زیادہ

جتنا کیا مجبور مجھے عجز و وفا نے
اُتنا ہوا مسرور صنم اور زیادہ

یہ سُن کے کہ سر اپنا کٹانے کو ہوں تیار
وہ کھانے لگے سر کی قسم اور زیادہ

اب کھینچ لے منزل ہمیں خود ہاتھ بڑھا کر
آگے نہیں بڑھتے ہیں قدم اور زیادہ

جب ہونے لگیں کچھ نئی دشواریاں پیدا
بڑھنے لگے وحشت میں قدم اور زیادہ

جب اور زیادہ ہوا عصیاں میں مرے جوش
مولا کا ہوا مجھ پہ کرم اور زیادہ

راحت نے کہا عمر بہت ہے مری تھوڑی
قربان یہ سُن کر ہوا غم اور زیادہ

جتنی ہے عندلیب کو الفت چمن کے ساتھ
اُتنی ہی رُوح کو ہے محبت بدن کے ساتھ

باقی نہ پیرہن میں رکھا میرے کوئی تار
ناخن کو دشمنی تھی مری پیرہن کے ساتھ

کتنی کشش ہے اُن کی تبسم میں اے ندیم
ہنستے ہیں زخم بھی مرے غنچہ دہن کے ساتھ

آخر اُسے بھی خاک کے ہمرنگ کر لیا
مٹی کو دشمنی تھی ہمارے کفن کے ساتھ

جورِ گرانِ حسن سے ہے تلخ کامِ عشق
شیریں نے کیا سلوک کیا کوہکن کے ساتھ

اے آفتاب تجھ کو اگر کچھ غرور ہے
کر لے مقابلہ مرے زخمِ کہن کے ساتھ

اب شمع میری قبر پہ جلتا ہے رات دن
وہ بات انجمن کی گئی انجمن کے ساتھ

رہگیر۔ رہگذارِ فنا شوخیاں نہ کر
اس راستے میں چاہئے چلنا چلن کے ساتھ

قرباںؔ ان سے کیجئے کیوں فکرِ دشمنی
وابستہ مرگ وزیست ہے اہلِ وطن کیساتھ

ترے غم نے توڑا مرے دل کا شیشہ
کسی سے نہ ٹوٹا مرے دل کا شیشہ

کبھی پھر کدورت نہ تم دل میں رکھتے
نہیں تم نے دیکھا مرے دل کا شیشہ

مزہ اس میں دے گی مئے عشق ساقی
بنا لا۔ بنا لا مرے دل کا شیشہ

دکھاتا ہے اہلِ نظر کو ہمیشہ
زمانے کا نقشہ مرے دل کا شیشہ

جسے آپ خورشید سمجھے ہوئے ہیں
یہ ہے تاب افزا مرے دل کا شیشہ

مناسب نہیں مجھ سے غیروں کی باتیں
کرو تم نہ میلا مرے دل کا شیشہ

بنایا تھا مضبوط قدرت نے اسکو
نہ ٹوٹا۔ نہ ٹوٹا مرے دل کا شیشہ

محبت سے اُس کو اگر آپ دیکھیں
دکھائے تماشہ مرے دل کا شیشہ

نہیں اس میں قرباںؔ ذرا بھی کدورت
کہ ہے صاف ستھرا مرے دل کا شیشہ

نہ کر مجھ سے اے دل کسی کا گلہ
بُرا ہے بُرا ہے یہ کرنا گلہ

بڑے سنگدل ہیں بڑے تندخو
سُنیں گے نہ ہرگز وہ تیرا گلہ

ہمیں شکوہ اپنے مقدر سے ہے
عدو کا گلہ ہے نہ تیرا گلہ

وہ کہتے ہیں ہم کاٹ لیں گے گلا
کیا بزم میں کیوں ہمارا گلہ

تو ہی کرتا رہتا ہے شکوے فضول
نہیں اور تو کوئی کرتا گلہ

کیا میرے خط کو عدو کے سپرد
مجھے تو یہ ہے نامہ بر کا گلہ

میں اُس کی چھری سے نکالوں زباں
کرے جو تمہاری جفا کا گلہ

کہا کیوں مرے دوست کو بیوفا
کسی کا ہے کیسا مزے کا گلہ

کہا مجھ کو بھی تجھ سے شکوہ ہے کچھ
سُنا جو کبھی اُس نے میرا گلہ

گلے کرنے لگتے ہیں اُلٹے مرے
دکھاتا ہے کیسا تماشا گلہ

ہوئی کیوں تو پیدا ہمارے لئے
ہے تجھ سے بھی ہم کو تمنا گلہ

ستمگر ہے کیسا وہ چلتا ہوا
وہ کرتا ہے ہم سے گلے کا گلہ

یہ کہتا ہے قرباں نہ ہو ناخفا
مجھے اب تو از رو ہے چھوڑا گلہ

ردیف - ء

بہ پاسِ عشق سُن لیتے ہیں ہم سرکار کا ایماء
اگرچہ اُس میں رہتا ہے نہاں اغیار کا ایماء

میں حاضر ہوں اُڑا دے شوق سے گردن مری ظالم
اگر ہے قتل کرنے کو تیری تلوار کا ایماء

کبھی نرمی برتتے ہو۔ کبھی سختی برتتے ہو
نہیں معلوم ہوتا آپ کی گفتار کا ایماء

قدم تیرے جو پڑتے ہیں تو وہ کروٹ بدلتے ہیں
سمجھ لیتے ہیں مُردے بھی تری رفتار کا ایماء

مرے گھر پر نہیں آتے وہ جھوٹوں بھی کبھی ہمدم
اگر اس باب میں پاتے نہیں اغیار کا ایماء

نہیں جب بھید مجھ پر منکشف تسبیح کا اس کی
برہمن شیخ کیا جانے تری زنار کا ایماء

بہت مشکل سے آتا ہے سمجھ میں اُسکا مطلب کچھ
کھُلا ہے کس پہ دُنیا میں نفس کے تار کا ایماء

گلو سے لگائے اس کے دل کا یہ ارادہ ہے
عبث ہو پوچھتے مجھ سے کسی ناچار کا ایماء

لبھاتا ہے تجھے منظور دُنیا میں حسینوں کو
سمجھتے ہیں ترے قرباں ہم اشعار کا ایماء

ردیف - لا

دُنیا میں ملا ہم کو ہے مطلوب نرالا
شوخی میں حیا میں ہے وہ محبوب نرالا

گرتے ہیں حسیں ٹوٹ کے سب مصر کے اُسپر
ہے نورِ نظر بھی تیرا یعقوب نرالا

لیتے ہیں سبق تجھ سے وفا کیش جہاں میں
ہے صبر جہاں میں تیرا ایوب نرالا

خود اپنی وفاؤں سے بھی آتی ہے اُسے شرم — دُنیا سے مگر ہے ترا محبوب نرالا
دیدار پسر سے تری کھل جاتی ہیں آنکھیں — بالکل ہے جدا وہ۔ ترا یعقوب نرالا
منظور تجھے اُس کا ہے سودا سر بازار — کیسا ہے زلیخا ترا محبوب نرالا
تھوڑا ہے کرے جتنا بھی وہ ناز جہاں میں — دُنیا سے کسی کا جو ہو۔ مطلوب نرالا
اک بوسے کے بدلے ہیں طلب کرتا ہے سو دل — کرتا ہے ستم مجھ پہ وہ محبوب نرالا

الفاظ ہیں کچھ اور تو مفہوم ہے کچھ اور
قربان ہے اُس شوخ کا مکتوب نرالا

تو اٹھادے جو کبھی پردۂ محمل لیلا — دُور ہو جائے ہر اک قیس کی مشکل لیلا
تیرا ناقہ نہیں آ۔ آکے صدا کرتا ہے — نجد کا دشت بنا عشق کی منزل لیلا
کیوں ترے دل پہ ہو قیس کی منزل کا اثر — عشق صادق ہے ترے حسن میں شامل لیلا
ترک محمل کو کرے اُس میں رہے جلوہ فروز — دیکھ لے تو جو دلِ قیس کا محمل لیلا
پاک تھا عشق ترا۔ خوب نتیجہ نکلا — تیری اُلفت میں ہوا قیس بھی کامل لیلا
ہو گیا قیس ترا عشق میں بہتر سے مجنوں — اپنی اُلفت کا ذرا دیکھ تو حاصل لیلا
حسرت و یاس و الم کا ہے عجب ہنگامہ — دیکھ لے آکے ذرا قیس کی منزل لیلا
کشتیٔ عشق نہ مجنوں کی کبھی پار لگی — بحر اُلفت کا بہت دُور تھا ساحل لیلا

عاشق اک لیلیٔ ہندی پہ یونہی ہے قربان
جیسے صورت کا تری قیس ہے بسمل لیلا

جب تک کہ ہو نہ پہلو میں وہ یار چلبلا — رہتا ہے بے قرار دلِ زار چلبلا
سر کاٹنے کو آیا ہے اک جاں نثار کا — لے کر وہ آج ہاتھ میں تلوار چلبلا
ہر بات میں ہے اُس کے شرارت بھری ہوئی — کرتا عجب طرح کی ہے گفتار چلبلا
فتنے ہزاروں اُٹھتے ہیں سوتے ہوئے ندیم — رکھتا ہے حشر خیز وہ رفتار چلبلا
سو سو طرح کے دیتا ہے عشاق کو فریب — آتا نہیں ہے قابو میں زنہار چلبلا
ٹھوکر سے میری قبر کو کرتا ہے پائمال — آتا ہے گر مزار پہ وہ یار چلبلا
عاشق تھے جتنے موت کے سب گھاٹ اُتر چکے — کیوں اب اُٹھائے پھرتا ہے تلوار چلبلا
افسانہ ہائے عشق سے اُس کو جو شوق ہے — پڑھتا ہے روز روز وہ اخبار چلبلا

اہل خطا کی صف میں بھی رہتا ہے پیش پیش
قرباںؔ تو ہے کیا گنہگار چلبلا

ساقی تری آنکھوں نے بے ہوش بنا ڈالا
مے سے بھی سرور اپنا کچھ بڑھ کے دکھا ڈالا

اس تیرے تکلم نے اس تیرے تبسم نے
جب چاہا رُلا ڈالا۔ جب چاہا ہنسا ڈالا

ہوگا وہ کوئی جس کی اُمید ہوئی پوری
اس چرخ ستمگر نے ہمکو تو مٹا ڈالا

دیکھی جو مری تربت وہ شوخ لگا رونے
مٹی میں مری اُس نے یوں آب بقا ڈالا

سمجھا میں اُسے محشر ہشیار ہوا۔ اٹھ کر
تربت کو جو اُس بت نے ٹھوکر سے ہلا ڈالا

میں نے جو کہا رو کر۔ رحمت نے کیا پردہ
عصیاں کو مرے اپنے سایہ میں چھپا ڈالا

گلچیں نے جو پھولوں پر کل دست درازی کی
بلبل نے گلستاں میں اک شور مچا ڈالا

دشمن کو نہ کچھ بھائے جب ہاتھ ترے سونگھے
کیا تیل مرے خوں کا تھا دزد حنا ڈالا

سوز تپ فرقت نے سوز غم اُلفت نے
مجھکو تو جلا ڈالا مجھکو تو گھلا ڈالا

دل میں نہ رہی باقی اک بوند بھی اب خوں کی
ان آنکھوں کے رستے سے سب ہمنے بہا ڈالا

دل جان و جگر اپنے سب تجھ پہ کئے صدقے
قدرت سے جو پایا تھا سب ہم نے لٹا ڈالا

تقدیر کی خوبی ہے۔ تقدیر کو کیا کہئے
قرباںؔ کو خرافات دنیا میں ہے لا ڈالا

ردیف ۔ ی

آج تیرے دم سے ہے دنیا میں گھر گھر چاندنی
میرے دل میں بھی تو ہو۔ اے ماہ پیکر چاندنی

روشنی سے دل کے میرے بڑھ نہیں سکتی کبھی
یوں تو ہے پھیلی ہوئی سارے جہاں پر چاندنی

خانۂ دل تک نہ پہونچی روشنی کی اک کرن
رہ گئی دنیا میں لاکھوں بار کھلکر چاندنی

ہم نے دیکھا ہے کھلا کر روز فرقت اے ندیم
چاند کی ہرگز نہیں ہے دل سے بڑھ کر چاندنی

بزم عالم میں ہے کافی اُن کی تنویر جمال
گر کے تہ اے چاند رکھ اپنی منور چاندنی

سب کے دل میں جلوہ گر ہے روشنی اک نور کی
چاند تاروں سے ہوئی ہے آج گھر گھر چاندنی

اللہ اللہ ذرہ ہائے روشنی کا انتشار
نور کے ذروں سے ہے دامان محشر چاندنی

سوزِ اُلفت دل میں کرتا ہے ہمارے رُوشنی | شمع پھیلاتی ہے اُس محفل میں جل کر چاندنی

آج وہ پھر بے نقاب آئے ہیں شب کو بام پر
آج اے قربان پھر چھٹکے گی گھر گھر چاندنی

طبیعت نہیں ہے سنبھل جانے والی | مصیبت نہیں ہے یہ ٹل جانے والی
شرارت تری دیکھ کر روزِ محشر | قیامت ہے پہلو بدل جانے والی
رہیں گی کھُلی بعدِ مُردن بھی آنکھیں | نہیں دل کی حسرت نکل جانے والی
مجھے تم نہ صورت دکھاؤ حسینوں | طبیعت ہے میری پھسل جانے والی
ترے سُوزِ فرقت سے اک دن ستمگر | یہ ہستی کی بستی ہے جل جانے والی
تلوں کو ہے ہم سے بھلا واسطہ کیا | طبیعت نہیں ہے بدل جانے والی
زمانے سے کہدو زمانے کی صورت | نظر ہے کسی کی بدل جانے والی
یہ امید یہ آرزو ہے یہ حسرت | مرے دل سے اکدن نکلجانے والی
وہ اک شمع خاموش لبریز سُوزش | وہ محفل میں تا صبح جل جانے والی

بچاتا نہ قرباں اگر آج ساقی
تو زاہد سے اپنی بھی چل جانے والی

تو نے نہ کبھی بھُول کے کی ذوق نوازی | بیکار رہی میری یہ رہی سینہ گدازی
وہ خوب ہے جسمیں ہو محبت کی جھلک کچھ | وہ عشقِ حقیقی ہو کہ ہو عشقِ مجازی
اُلفت میں فنا ہو کے بقا پاتا ہے جو شخص | لے جاتا ہے وہ عشق کے چوگان میں بازی
ہے شانِ حقیقت مری ہر شان میں مضمر | ملبُوس ہے میرا ابھی شکل مجازی
محفل میں اُنھیں عشق کا میں سحر دکھاؤں | دکھلائیں مجھے حُسن کی وہ شعبدہ بازی
خوگر ہیں شبِ وصل کی کوتاہی کے اے دل | دیکھی نہیں جاتی شبِ فرقت کی درازی
ڈر ہے ترے رہگیر کہیں تھک کے نہ بیٹھیں | اے رہبرِ اُلفت نہ بتا رہ کی درازی
مر کر بھی شہیدانِ محبت رہے زندہ | ہر دور میں کہتی رہی دُنیا انھیں غازی

الزام نمازوں کا قیامت میں ہے کیسا
دُنیا میں تو قرباں تجھے دیکھا تھا نمازی

قتل گاہِ عاشقاں تھی وہ تری محفل نہ تھی | ذبح پروانوں کی کس کس طور سے بسمل نہ تھی

تھا جو دل میں وہ کبھی ارماں نہ پورا ہوسکا
وہ ہوئی پوری مگر جو آرزوئے دل نہ تھی

تو نے لیلیٰ کو چھپا کر قیس کو برہم کیا
ورنہ کچھ تجھ سے شکایت اسکو اے محمل نہ تھی

حرکتیں وہ دیکھتے تھے ترچھی نظروں سے مری
آنکھ اُن کی وصل کی شب بھی ذرا غافل نہ تھی

کیوں ہوائے عشق کے جھونکے نہ دلکو پھونکتے
کیا مری فطرت میں بادِ شوق جزوِ گل نہ تھی

گرمیاں جتنی تھیں شاید صرف پروانوں نے تھیں
شمع کے اُٹھتے ہی باقی رونقِ محفل نہ تھی

یاد میں تیری سدا ہم خونِ دل اُگلا کئے
عشق کی اک مہربانی تھی ہمارے سل نہ تھی

مجھ کو ہر شے میں ترا جلوہ نظر آتا رہا
کوئی شے دُنیا کی نظروں میں مری باطل نہ تھی

بوجھ ہلکا کس طرح قربان ہوتا قلب کا
ایک دم کو بھی جدا۔ پہلو سے غم کی سل نہ تھی

سُنی ہے جب سے گلشن میں نواسنجی عنادل کی
ہوئی جاتی ہے حالت خود بخود ابتر مرے دلکی

فدا سر بھی کیا۔ قربان کر دی جان بھی اپنی
نہ نکلی ہائے اس پر بھی کوئی حسرت مرے دلکی

پھرا گو قیس جویا۔ کوہ و صحرا و بیاباں میں
نہ پائی کچھ خبر لیکن کہیں لیلےٰ کے محمل کی

نہ کیونکر خون تھوکوں دی گلوری غیر نے اُنکو
ہوا۔ دق اسقدر پیدا شکایت ہوگئی سل کی

نہ نکلی حسرتِ نظارہ وقت مرگ بھی دلسے
کھلی ہے مثلِ نرگس آنکھ قاتل تیرے بسمل کی

فلک کیا مرتبہ تیرا بڑھا میرے گھٹانے سے
ہلال ایسا کیا فرقت میں مجھکو ماہِ کامل کی

چلاتا ہے چھری کس کس ادا سے حلق پر میرے
جو بس ہوتا تو لے لیتا بلائیں اپنے قاتل کی

نہ دے قربان دل اپنا بتانِ عربدہ جو کو
کہ دل کو چھین کر کرتے ہیں کافر دل لگی دل کی

مکدر رنگ کرنے کے لئے محفل میں دلبر کی
اڑاتے ہیں رقیب روسیہ ہر روز بے پر کی

تلاطم حشر کا ہو۔ درہم و برہم زمانہ ہو
حکایت گر بیاں ہوجائے میرے قلب مضطر کی

خدا جانے یہ کس بیداد گر پر ہوگیا مائل
بُری حالت ہے ان روزوں ہمارے قلب مضطر کی

جبیں رگڑا کرونگا میں جو سنگِ در پر اُس بت کے
بدلجائے گی شاید یوں کوئی صورت مقدر کی

برائے غارتِ عشاق کافی تیغ ابرو ہے
مرے قاتل نے کیوں برداشت کی تکلیف خنجر کی

جہاں کے میکدہ میں ہم وہ رندِ خوش عقیدت ہیں
کبھی جھوٹی قسم کھاتے نہیں مینا و ساغر کی

کسی دن بلبلِ ناشاد کا برباد گھر ہوگا
چمن میں شوخیاں باقی رہیں گر بادِ صرصر کی

چھپا لیتا ہوں اکثر دل میں اپنے راز الفت کو — ہو رسوائی مبادا عشق میں اُس ماہ پیکر کی
وہ رسوائی کے ڈر سے وصل کی شب چونک اٹھتے ہیں — ہوا بھی چھیڑ دیتی ہے اگر زنجیر کو در کی

نزاکت ہیچ ہے گلہائے تر کی اپنی نظروں میں
بسی ہے جب سے قربان یاد دلبر اُس صنوبر کی

سب تمنا دل کے دل میں رہ گئی نخچیر کی — کہہ دیا صیاد نے حاجت نہیں تکبیر کی
ہیں گرہ کس طرح کھولوں عقدۂ تقدیر کی — پیش چلتی ہی نہیں کچھ ناخن تدبیر کی
روز یہ دل کو جلاتا ہے چراغ آفتاب — محفل تیرہ ہو گئی یہ آسمان پیر کی
پردۂ محمل نے پردہ فاش تیرا کر دیا — تیری روپوشی نے لیلیٰ حسن کی تشہیر کی
دخت رز کی کیا نہیں حرمت خدا کے سامنے — پڑھ ذرا تفسیر واعظ آیۂ تطہیر کی
ہو کے رہتا ہے جو کچھ قسمت میں ہوتا ہے لکھا — مٹ نہیں سکتی لکیریں نامۂ تقدیر کی
دیکھ کر بہزاد و مانی حسن حیران رہ گئے — ہم نے وہ تصویر کھینچی اُس بت بے پیر کی
دل مرا ہاتھوں اُوچھلتا ہے الٰہی خیر ہو — نامہ بر نے اس قدر آنے میں کیوں تاخیر کی
کیا عجب دیوار زنداں کی جو بنیادیں ہلیں — عرش تک پہونچیں صدائیں نالۂ زنجیر کی
عمر یوں انسان کی دنیا میں ہوتی ہے بسر — شب گذرتی ہے سرا میں جس طرح رہگیر کی
جائینگے جنت میں روز حشر وہ بے ریب و شک — جن کے دل میں ہے محبت حضرت شبیر کی
ہیں اشارے ابروئے مژگاں کے کافی قتل کو — کیا ضرورت تیر کی حاجت ہے کیا شمشیر کی
زلف کے سودائیوں کا جوش وحشت دیکھکر — دیدۂ حیرت بنی ہے ہر کڑی زنجیر کی
رنگ اُڑتا ہے حسینوں کا تمہارے سامنے — دمبدم رنگت بدلتی ہے ہر اک تصویر کی

اب تو وہ بے رحم بھی بھرنے لگا الفت کا دم
نالہ ہائے دل نے اے قربان کچھ تاثیر کی

کیا کرے اُن سے شکایت ظلم کی بیداد کی — بات ہی سنتے نہیں وہ عاشق ناشاد کی
اس کے انداز و ادا کی کس طرح کھینچیں شبیہ — عقل حیرت میں پڑی ہے مانی و بہزاد کی
عین فصل گل میں ظالم نے کیا گل سے جدا — کر رہی ہیں یہ شکایت بلبلیں صیاد کی
ہو مبارک فصل گل اے عندلیبان چمن — باغباں نے آمد و شد بند کی صیاد کی
دے دیا تشہیر کا میت کی اس ظالم نے حکم — ہائے بعد مرگ بھی مٹی میری برباد کی

حکم ہے خاموش تم بیٹھے رہو جب تک رہو
کاٹ ڈالوں گا زباں جڑ سے اگر فریاد کی

سخت جانی کو مرے وہ دیکھ کر کہنے لگے
مڑ نہ جائے دھار میرے خنجر فولاد کی

ٹکڑے ٹکڑے دستِ وحشت کر کے چھوڑیگا اسے
تم نے کیوں پہنائی مجھ کو ہتکڑی فولاد کی

جب سے تم نے کر دیا جور و جفا کا انسداد
پیش کچھ چلتی نہیں چرخِ ستم ایجاد کی

دیکھتی ہے جب مری حالت تو آجاتا ہے رحم
میری گردن پر نہیں چلتی چھری جلاد کی

فاتحہ خوانی کو شیریں آرہی ہے قبر پر
جان پڑ جائے عجب کیا خاک میں فرہاد کی

دل ہی قابو میں نہیں ہے ناصحِ مشفق مرا
کیا کروں تعمیل حضرت آپ کے ارشاد کی

کیمیا گرتی ہے قرباں خاک کو اُن کی نگاہ
کم نہیں اکسیر سے صحبت مرے اُستاد کی

جب جانوں مرے دل کا مداوا کرے کوئی
ہے وہ مسیح جو اسے اچھا کرے کوئی

رہتا نہیں ہے بزم میں اُن کو کسی کا ہوش
آیا کرے بلا سے کہ جایا کرے کوئی

کہتے ہیں وہ کہ کچھ مرے دل پر اثر نہیں
بیکار ہیں خطوط جو لکھا کرے کوئی

میرا مریض رہنا ہی کچھ مجھکو راس ہے
اچھا نہ گر کرے بہت اچھا کرے کوئی

عادت ہے یہ بھی غیر سے کہتے ہیں رازِ دل
یہ بھی گلہ ہے کیوں مجھے رسوا کرے کوئی

اظہارِ بے دلی پہ وہ کہتے ہیں ناز سے
پہلو میں دل نہیں ہے تو پیدا کرے کوئی

اُن کا غبارِ دل کبھی دھویا نہ جائے گا
دامن کو آنسوؤں سے نہ دریا کرے کوئی

ہے حسن تیرا قیمتِ کونین سے گراں
کس طرح تیرے حسن کا سودا کرے کوئی

تم بزم میں مآلِ تمنا جو کھول دو
قرباں پھر نہ اُنکی تمنا کرے کوئی

میری وجہ سے ترک اگر دوستی ہوئی
میری خوشی سے غیر کو کیوں بیکلی ہوئی

راحت تجھے ملی جو صنم وہ مجھے ملی
تیری خوشی ہوئی میرے دل کی خوشی ہوئی

تقدیر میں لکھا تھا جو بندے نے وہ کیا
سرزد تمہارے حکم سے نیکی بدی ہوئی

ہستی سے ہے رہائی ہی تکمیل زندگی
اس قید سے جو روح چھٹی جنتی ہوئی

اے ہمنشیں یہ درد یہ ٹیسیں نہ جائینگی
ہے نوکِ خارِ غم مرے دل میں چبھی ہوئی

رونق جہاں کی خوب بڑھائی بہار نے
چادر ہے سبزہ زار کی ہر سو بچھی ہوئی

آئی بہار پھول ہر اک باغ میں کھلے | لیکن نہ میرے دل کی شگفتہ کلی ہوئی
وحشت جو مجھ کو لے گئی صد چاک پیرہن
قربانؔ ان کی بزم میں کیسی ہنسی ہوئی

خدمت جو تھی وہ حسب ضرورت ادا ہوئی | مجھ سے ہوا قصور نہ مجھ سے خطا ہوئی
مرنے کے بعد بھی رہا بے چین دل میرا | مجھ کو نصیب نیند نہ بعدِ فنا ہوئی
کچھ جیتے جی تو موت کا ہم پر کھلا نہ راز | بعدِ فنا بھی روح نہ واقف ذرا ہوئی
میں نے خلافِ حکم کیا تیرے عمر بھر | تعمیل حکم مجھ سے نہ اے کبریا ہوئی
اے کاش ہوتی تیرے محبت میں وہ بسر | تھی جتنی زندگی مجھے مولا عطا ہوئی
تاریکی فراق سے اللہ کی پناہ | شام آئی اور مجھ پہ یہ نازل بلا ہوئی
سب اُنکے یہ سکھائے ہوئے پاسبان ہیں | شوخی ہوئی۔ حجاب ہوا۔ یا حیا ہوئی
چاہا کہ تم کو۔ لاکھ بُرا اور بھلا کہوں | لیکن زبان سے نہ ادا۔ بد دُعا ہوئی
قربانؔ شکوہ اُس کا نہ میں نے کبھی کیا
راضی ہوا۔ اسی پہ جو اس کی رضا ہوئی

مجھ سے راضی گر قضا ہو جائے گی | موت ہی میری دوا ہو جائیگی
وصل اس کا ہو گیا جس دن نصیب | زندگی کیف آشنا ہو جائیگی
اعتبار اے روح تجھ پر کیا کریں | تو بھی آخر کو جدا ہو جائیگی
گر قیامت آئی دنیا میں کبھی | وہ بھی اک تیری ادا ہو جائیگی
ایک دن آئے گی اس کو بھی قضا | موت بھی آخر فنا ہو جائیگی
آپ ہی ملنے لگیں گے مجھ سے وہ | اُن پہ جب ظاہر وفا ہو جائیگی
ایک دن تن سے روانہ میری روح | صورتِ بوئے وفا ہو جائیگی
دل بتوں کو دے دیا قربانؔ اور
جان اب نذرِ خدا ہو جائے گی

جس نے بھی پی لی اسکی طبیعت بحال کی | نزہت ہے ایک جرعہ مے میں کمال کی
پانی سے کیا غرض ہے تصور نے کھینچدی | تصویر دل میں آپ کے حسن و جمال کی
اُسنے کہوں گا حشر میں کس طرح حالِ دل | تاریخ مختصر ہے بہت انفصال کی

رحمت ضرور حال پہ میرے کرے گی رحم
صورت یہی رہی جو مرے انفعال کی

انسان کو بصیرتِ قدسی کہاں نصیب
کیونکر وہ تاب لائے گا تیرے جمال کی

پہلے ہی اس نے کر دیا انکار وصل صاف
آئی نہ تھی زبان سے نوبت سوال کی

آئی نہ اس میں صورتِ بہتر کوئی نظر
ہستی کی اپنی ہم نے بہت دیکھ بھال کی

گھر بیٹھے ہے ارادۂ نظارۂ دو کون
وسعت نہیں ہے دیکھنی اپنے خیال کی

قدرت نے جب دیا نہیں کوئی تجھے کمال
قربان تجھکو فکر ہے پھر کیوں زوال کی

اُسے ساتھ اپنے لگا لے گئی
مری روح آخر قضا لے گئی

اُڑا کر کہاں سے کہاں بعدِ مرگ
مری خاک کو تو صبا لے گئی

مجھے آ گئی تھی جو فرقت میں نیند
وہی خواب میں جا بجا لے گئی

فسردہ رہی دہر میں میری زیست
یہ کیا لینے آئی تھی کیا لے گئی

تہ و بالا سارا جہاں کر دیا
قیامت سے سبقت ادا لے گئی

نتیجہ یہ درمانِ دل کا ہوا
درِ گور تک خود دوا لے گئی

قضا و قدر کے تھے پابند ہم
قضا لائی تھی اور قضا لے گئی

تعجب ہے قربان اُن کی ادا
ترے دل کو کیوں کر اُڑا لے گئی

الٰہی آبرو رکھ لے مرے اشکِ ندامت کی
کہ اس سے شان کم ہوتی نہیں کچھ تیری رحمت کی

کفن سے منہ نکالا نام تیرا لے کے اُٹھ بیٹھا
اذاں جب کان میں آئی مرے صبحِ قیامت کی

کیا ہے ان بتوں نے تلخ میری زیست کو ساقی
پلا دے جام اک مجھکو صراحی بھر کے وحدت کی

کیا ہے اس کو روشن میرے دل کے سوزِ فطری نے
بجھائے سے بھی بجھ سکتی نہیں اب شمع تربت کی

عزیزو گر نہ ہو دو گز کفن کا انتظام آساں
مرے لاشے پہ لا کر ڈال دینا خاک غربت کی

رُلاتی ہے اُسے جو فاتحہ پڑھنے کو آتا ہے
سُناتی ہے وہ غربت کا فسانہ لوحِ تربت کی

یہ میری فردِ عصیاں صاف ہو جائیگی اے واعظ
اگر اک بوند بھی اس پر پڑے گی ابرِ رحمت کی

عدو کی دشمنی کا حال اُن سے کس طرح کہدوں
مجھے قربان ویسے بھی نہیں عادت شکایت کی

پھر تصور میں تری تصویر لہرانے لگی
یاد تیری دل کو میرے آہ تڑپانے لگی

باغباں تجھ کو مبارک ہو خزاں جانے لگی
تیلیاں منقار میں بلبل نئی لانے لگی

پھر خزاں آتے ہی گلشن میں ستم ڈھانے لگی
جو کلی کھلنے کو تھی گلشن میں مرجھانے لگی

آپ نے تلوار کیوں ناحق اٹھائی ہاتھ میں
حسرت قتل اور دل میں پاؤں پھیلانے لگی

میں جو رویا تیری فرقت میں تمام رات بھر
مہرباں ہو کر تری تصویر سمجھانے لگی

عاشق ناکام جاگا ہے شب فرقت میں تو
موت کی اب نیند آنکھوں میں ترے آنے لگی

تیری فرقت میں کف افسوس ملتا تھا مگر
دیکھ کر تجھ کو تمنا پاؤں پھیلانے لگی

اُن کی عبرت کیلئے اوروں کی عبرت کیلئے
خود مری تقدیر بھی تصویر کھنچوانے لگی

یا الٰہی خیر ہو میرے جگر کی خیر ہو
آنکھ دل پر تیر اُن کی آج برسانے لگی

شمع پر جل کر شہادت ہو گئی تجھ کو نصیب
سب ٹھکانے تیری محنت آج پروانے لگی

اس فنا آباد میں میں نے کئے اتنے گناہ
آہ میری معصیت خود مجھ سے شرمانے لگی

میکشو جام و سبو کی قدر کرنا چاہئے
پھر کہاں یہ دولت سرجوش ہاتھ آنے لگی

ہم بھی جاتے ہیں خدا حافظ ترے گلزار کا
باغ سے فصل بہاری باغباں جانے لگی

دفعتاً عقدے مری تقدیر کے کھلنے لگے
آرزو اُلجھی ہوئی زلفوں کو سلجھانے لگی

کیا کریں قرباں کیونکر اپنے آنسو روک لیں
یاد اُن کی پھر ہمارے دل کو تڑپانے لگی

بنائے عشق اُسکے دل میں غم نے بالیقیں رکھدی
مری آنکھوں پر اس نے آج اپنی آستیں رکھدی

تمہارے خنجر الفت کا تھا مارا ہوا عاشق
یہ کیا تم نے کیا گردن پہ کیوں شمشیر کیں رکھدی

بنایا کعبہ کی صورت تو بتخانے کو تم نے
کہ دھوکے میں یہاں ایمان والوں نے جبیں رکھدی

عزیزو اپنی آنکھوں پر بٹھاتے تھے جسے ہر دم
اسی کی نعش تم نے آج خود زیر زمیں رکھدی

نکل کر سامنے اغیار کے آیا سر محفل
کہاں تو نے حیا تہ کر کے اے پردہ نشیں رکھدی

کیا تھا کاتب تقدیر کو مجبور کب میں نے
کہ اُلٹی سیدھی لکھ کر اُسنے تحریر جبیں رکھدی

کہیں عاشق سے چھپنا رسم دنیا کی نہ ہو جائے
نئی بنیاد یہ کیوں تو نے اے پردہ نشیں رکھدی

غضب دل میں کیا تیر نظر نے تیرے اے ظالم
کوئی حسرت کہیں رکھدی کوئی حسرت کہیں رکھدی

لحد میں کسطرح قرباں بہلیں گے یہ پوچھا تھا

تو میرے سامنے اک اُسنے تصویر حسیں رکھدی

دشمنی ہم سے کی نہیں جاتی — عادت دوستی نہیں جاتی
بات ہم سے کہی نہیں جاتی — اور تیری سُنی نہیں جاتی
بخشنے والے نے تو بخشدیا — اپنی شرمندگی نہیں جاتی
بعد مُردن بھی تیرے بسمل کی — بے کسی بے بسی نہیں جاتی
نور آنکھوں میں جبکہ اُسکا ہے — دلمیں کیوں روشنی نہیں جاتی
کیا شگفتہ ہے میری فطرت بھی — رنج میں بھی ہنسی نہیں جاتی
کرچکا ہے وہ وصل کا وعدہ — اور مری بے کلی نہیں جاتی
ایسی تحریر خط میں لکھتے ہیں — جو کسی سے پڑھی نہیں جاتی

دل پہ قرباںؔ چوٹ لگتی ہے
مے ضعیفی میں پی نہیں جاتی

بہت سہمے عدالت سنکے میرے دادگستر کی — خبر اُنکو نہیں تھی آج تک انصاف محشر کی
خدا سے کر دعا وہ اسکے دل میں رحم ڈالیگا — خوشامد کیوں دل بے تاب کرتا ہے ستمگر کی
وہ اُٹھ کر بیٹھ جائینگے وہ زندہ ہوکے اُٹھینگے — ضرورت ہے فقط مردونکو تیرے ایک ٹھوکر کی
تہ و بالا کیا اس نے زمانے کو شب فرقت — قیامت بنگئی گویا تڑپ بھی قلب مضطر کی
زمانہ ہے بھنور میں اور نہیں تھمتے مرے آنسو — لڑائی ابر تر سے ہوگئی ہے دیدۂ تر کی
اب اے صیاد کیا روشن رہیگی آتش گلشن — غم بلبل میں پھیکی پڑگئی رنگت گل تر کی
کسی کے عشق میں گذری ہے اپنی عمر مرمر کے — یہ ہے تعبیر تعمیر لحد میں سنگ مرمر کی
ہوئے ہیں زندہ جو مرکر ترے ادنیٰ اشارونسے — وہی کچھ جانتے ہیں قدر ظالم تیری ٹھوکر کی

وہ مژگاں خود ہی اے قرباںؔ کرینگی کام سوزن کا
نہیں چاکِ جگر کو میرے کچھ حاجت رفوگر کی

ظالم ہے مرے حال کی کچھ تجھ کو خبر بھی — ہے شام بھی تاریک نگاہوں میں سحر بھی
دُنیا میں کسی وقت مجھے چین نہیں ہے — دشمن ہے مری شام مخالف ہے سحر بھی
کیسا یہ ستم تو نے کیا اے نگہ ناز — غربال بنا دل ہے مرا - اور جگر بھی
مژگاں کے لئے بھی تیری ابرو کے لئے بھی — حاضر ہے مری جان - مرا دل بھی جگر بھی

جینے کو کہا تھا تو رہے زندہ بھی برسوں
مرنے کو کہا تھا تو گئے دیکھ لو مر بھی

آتی ہے شبِ غم مجھے کیوں روز ستانے
میرا ہی نہیں غیر کا دنیا میں ہے گھر بھی

ساقی کہیں محشر میں یہ مے رنگ نہ لائے
پینے کو تو پیتا ہوں مگر دل میں ہے ڈر بھی

رکتے نہیں ہوتے ہی چلے جاتے ہیں عصیاں
اعمال پہ رہتی ہے مری گرچہ نظر بھی

محروم رہے باغِ محبت میں سدا ہم
گل دیکھے ہیں گو ہم نے بہت اور ثمر بھی

اک میں ہی نہیں کرتا ہوں جاں تجھ پہ تصدق
تارے بھی فدا تجھ پہ ہیں اور شمس و قمر بھی

قربانؔ میں پیتا ہوں مگر چھپ کے جہاں سے
یعنی ہے مرے عیب کے ساتھ ایک ہنر بھی

ساقی بھی جانتا ہے صراحی بھی جام بھی
بیٹھا ہے اس کی بزم میں اک تشنہ کام بھی

کرتا ہے نالہ بے جگری سے دلِ نزار
لیتے ہیں ہم تو اپنے کلیجے کو تھام بھی

دعویٰ اگر کریں تو کریں کس پہ خون کا
معلوم تک نہیں ہمیں قاتل کا نام بھی

آیا وہ میکدے میں مرے بعد انقلاب
چکر میں تھی صراحی تو گردش میں جام بھی

گر غم نہ ہو شریک تو بے کیف ہے سرور
برتا ہے ہم نے بادہ بھی ساقی بھی جام بھی

دیکھے کوئی غرور بتوں کا خدا کی شان
لیتے نہیں کسی کا یہ ظالم سلام بھی

مدت ہوئی کہ اُن سے نہیں کوئی رسم و راہ
نامہ بھی اب تو بند ہے اُن کا پیام بھی

یہ تو بتاؤ آنکھ سے دیکھا بھی ہے کبھی
موسیٰ اگرچہ اس سے رہے ہم کلام بھی

قربانؔ میں کسی کو سمجھتا نہیں حقیر
بدنام بھی اُسی کے ہیں اور نیک نام بھی

روح جسدن جسم سے میرے فنا ہو جائیگی
آپ کو معلوم دنیا کی ہوا ہو جائیگی

شکل جو پیدا ہوئی آخر فنا ہو جائیگی
ایک دن یہ بے کہے نذرِ قضا ہو جائیگی

جا کے گلشن میں کرونگا جب میں اظہارِ ستم
باغ میں بلبل بھی میرے ہمنوا ہو جائیگی

مل گئی مجھ کو بقا ہو کر فنا اے چارہ گر
موت بھی میرے لئے اب تو دوا ہو جائیگی

دیکھتے ہی شکل تیری جھک گئی میری نظر
کیا خبر تھی آنکھ بھی یوں بے وفا ہو جائیگی

آج تو وہ بن بلائے آگئے ہیں میرے گھر
آج تو منظور میری التجا ہو جائیگی

بے تعلق غیر سے ہو جاؤ پھر ہے سب روا
تم کروگے جو جفا وہ بھی وفا ہو جائیگی

دل کو اے قربانؔ اپنے تو ذرا مضبوط رکھ
جان تیری غم میں ورنہ مبتلا ہو جائیگی

اُن کو سنا رہے ہیں تقریر اپنی اپنی
وحشی بجا رہے ہیں زنجیر اپنی اپنی
مجھ سے ہے انکو نفرت اغیار سے محبت
تقدیر اپنی اپنی تدبیر اپنی اپنی
فتراک میں بھی ہوگا۔ اک شور حشر برپا
سب داستاں کہیں گے نخچیر اپنی اپنی
انکی نگاہ بھی جب ان سے ملی ہوئی ہے
تیزی نہ کیوں دکھائیں پھر تیر اپنی اپنی
ناکامیاب آہیں ۔ نالے ہیں کار فرما
اب اس کی کیا شکایت تاثیر اپنی اپنی
کرنے کو ذبح میرے قلب و جگر کو دونوں
ابرو چلا رہے ہیں شمشیر اپنی اپنی
اُن کو سُنا سُنا کر عاشق ہیں اُن سے لیتے
تقصیر اپنی اپنی تعذیر اپنی اپنی
بھائوں سے تو اپنے کیوں ہے کبیدہ خاطر
لائے ہیں ساتھ یہ سب تقدیر اپنی اپنی
بازار میں نظر کے ہے امتحانِ صورت
کھچوائیں حسن والے تصویر اپنی اپنی

قربانؔ تو بھی جلدی سامان کر فراہم
منزل کو جا رہے ہیں رہگیر اپنی اپنی

خدا کا شکر صورت سامنے وہ بے حجاب آئی
نظارہ کامیاب آیا۔ نظر بھی کامیاب آئی
خدا جانے یہ کب سے جل رہا تھا سوزِ فرقت سے
مرے دل سے جو نکلی بو تو وہ مثلِ کباب آئی
مری آنکھوں سے گویا دفعتاً نیند اُڑ گئی ہمدم
کبھی مجھ کو جو۔ یاد اُنکی ادائے نیم خواب آئی
ہمارا روسیہ کرنے کو وقت شیب دنیا میں
کبھی فکر شباب آئی کبھی فکر خضاب آئی
کسی میکش پہ شاید تیز نظریں ہو گئیں تیری
یہ کیوں شیشوں میں ساقی جوش پر اتنی شراب آئی
بڑھاپے نے جھکائی جب کمر مثلِ کماں اپنی
ہمیں اسوقت کیا کیا یاد تیری اے شباب آئی
شب فرقت کے پردے میں نہ دیکھا لو ز آنکھوں نے
یہ جب آئی سیہ ڈاڑھے ہوئے منہ پر نقاب آئی
سُنا ہے دلکو ہو جاتی ہے تسکین نام سے اسکے
خدا کی یاد مجھ کو کیوں نہ وقتِ اضطراب آئی

گنہ ہم نے کئے تھے بیشمار اسواسطے قربانؔ
ہمارے واسطے رحمت جو آئی بے حساب آئی

شوخی نہیں اچھی ہے شرارت نہیں اچھی
دو طرح کی عاشق پہ قیامت نہیں اچھی
وعدے پہ عدو کے تو ہوں بیمار بھی اچھے
وعدے پہ مرے تیری طبیعت نہیں اچھی

بے وجہ نہ لے دل کا مرے خون تو سر پر — اے چشم ستمگر یہ شرارت نہیں اچھی
غیروں کو سناتے ہو مرا حال جو حسب گر — واللہ یہ غمازی کی عادت نہیں اچھی
انسان اُسے کہتے ہیں دل جسکا رہے صاف — دنیا میں کسی سے بھی کدورت نہیں اچھی
کیوں کھاتا ہے آنکھوں کی قسم میری تو ظالم — آنکھوں سے یہاں ہے کوئی نعمت نہیں اچھی
ملتا ہے اسی کا جو ملے بے غرض اکثر — سچ کہتے ہیں مطلب کی محبت نہیں اچھی
اچھا وہ حسیں ہے جو نہ ہو حسن پہ مغرور — نخوت کا ہو سامان تو دولت نہیں اچھی

چلتے ہیں ذرا۔ اس کی عیادت کے لئے ہم
سنتے ہیں کہ قربان کی صحت نہیں اچھی

سب شاخ غم کی آج ہمارے ہری ہوئی — سنتے ہیں پھر چمن میں کہیں ابتری ہوئی
ساقی ہمارا حصہ نہیں اس میں کیا بتا — رکھی ہے تیرے پاس جو بوتل بھری ہوئی
اتنا نہیں ہے کوئی زمیں میں جو داب دے — سڑتی ہے لاش ہائے ہماری دھری ہوئی
جب سے کہ ہم صفیر کو صیاد لے گیا — بیٹھی ہے کیسی باغ میں بلبل ڈری ہوئی
کس کام کا ہے حسن تمہارا بتاؤ تو — جلوہ گری ہوئی نہ کبھی دلبری ہوئی
منت کرے کوئی تو لگاؤں نہ منہ کبھی — ہے اس قدر شراب سے نیت بھری ہوئی
پی لی تھی میں نے روز ازل اسکا ہے خمار — ساقی تو دے نہ مے کہ ہے نیت بھری ہوئی

قربان ڈوب جائے نہ لے کر کہیں ہمیں
کشتی گناہ کی ہے بہت کچھ بھری ہوئی

دیکھ لی ہم نے بہار زندگی — چند روزہ تھا خمار زندگی
موت کا پینا ہے تجھ کو جام بھی — ہوش میں آ بادہ خوار زندگی
دشت غربت میں ہوں محتاج کفن — دیکھ لو انجام کار زندگی
اس نے ہی کھولا ہمارا بھید آہ — جو بنا تھا راز دار زندگی
تم نہ دو گے لطف کا پانی اگر — خشک ہوگا سبزہ زار زندگی
موج صہبا تھی کہ تھی بوئے گلاب — عشرت ناپائدار زندگی
زندگی نے خوار مجھکو کر دیا — میں نہیں امیدوار زندگی

جانے دے قربان اس کا غم نہ کر

ہو نہ ہرگز اشکبارِ زندگی

ہم نے دیکھا ہے کے آخر امتحانِ زندگی — خواب سے زیادہ نہ نکلی داستانِ زندگی
عمر ساری رنج و غم ہی میں ہماری کٹ گئی — مختصر یہ ہے بیانِ داستانِ زندگی
ایکدم کیواسطے بھی یہ نہ جیتے جی رُکی — موت نے کی بند آخر کو زبانِ زندگی
مل گیا اس کو عدم کا ایک سیدھا راستہ — اب نہ ٹھہرے گا کہیں یہ کاروانِ زندگی
اک ذرا سی ٹھیس لگنے سے یہ ہو جاتا ہے گم — بلبلے کی طرح ہوتا ہے نشانِ زندگی
اُسکے دم سے زندگی کے تھے یہ سب نقش و نگار — تھا خیالِ عیش و عشرت باغبانِ زندگی
بھید کچھ معلوم کر لیں اس کے کہنے پر چلیں — کون ہے آخر ہمارا رازدانِ زندگی
میرا مرغِ روح آخر اُڑ گیا دے کر فریب — ہو گیا دم بھر میں خالی آشیانِ زندگی

میری ہستی کا چمن قربان اُجڑا ہی رہا
بے وفا نکلی بہارِ گلستانِ زندگی

تھی کچھ ایسی ہی بلا اُن سے بھی ٹالی نہ گئی — آہ جو نکلی مرے دل سے وہ خالی نہ گئی
تو نے دھو دھو کے بہت داغ مٹانے چاہے — تیرے دامن سے مرے خون کی لالی نہ گئی
تم گریزاں ہی رہے بات نہ پوچھی میری — تم سے الفت کی بنا خود کبھی ڈالی نہ گئی
تیرِ مژگاں نے ترے ہائے کیا کیا یہ غضب — نوک جو دل میں چبھی پھر وہ نکالی نہ گئی
کیا سنبھالو گے مرا حال مسیحا جاؤ — تم سے تو میری طبیعت بھی سنبھالی نہ گئی
ڈالتے آہ کبھی سایۂ دامن کیا خاک — تجھ سے میت پہ مری خاک بھی ڈالی نہ گئی

تجھ سے قربان محبت وہ روا رکھتے ہیں
آج تک تیری ہی خام خیالی نہ گئی

رہ گئی صرف زمانے میں عداوت باقی — اب نہ الفت ہی رہی اور نہ محبت باقی
کوئی ارمان رہا اور نہ حسرت باقی — موت کی چکھنی مگر رہ گئی لذت باقی
کچھ مروت نہ رہی سب کے ہوئے خون سفید — اہلِ عالم کے رہی دل میں نہ الفت باقی
میکدہ دیکھا ہے اور دیکھا ہے بتخانہ بھی — اب فقط دیکھنا ہے گلشنِ جنت باقی
حشر جو تو نے اُٹھائے وہ بہت دیکھ چکے — دیکھنی ہم کو رہی صرف قیامت باقی
بادِ صرصر نے گلستاں کا لہو چوس لیا — اُس نے چھوڑی نہ کسی پھول میں رنگت باقی

چھوڑ کر جسم مرا روح چلی جائے گی
جسطرح پھولوں میں رہتی نہیں نگہت باقی

ساتھ لیجاتے نہیں کیوں اسے دُنیا سے بخیل
قبضۂ غیر میں رہ جاتی ہے دولت باقی

لطف آئے ہیں جینے میں تو کیونکر قرباں
اب نہ باقی ہے جوانی۔ نہ ہے صحت باقی

پیچھے پیچھے اُن کے پھرتی ہے مری تقدیر بھی
میں بھی گردش میں ہوں میرے پاؤں کی زنجیر بھی

داورِ محشر کے آگے مجھ کو کر دے گی کھڑا
کام دیجائے گی اکدن یہ مری تقصیر بھی

غل مچا رکھا ہے زنداں میں بڑا جھنکار سے
بن گئی دیوانے کیا وحشی تری زنجیر بھی

چہرے پر پردہ لئے آتے ہیں وہ کس شان سے
ناز کرتی آتی ہے رخسار کی تنویر بھی

کھینچتے ہیں تیرا نقشہ بیٹھ کے بے عیب جب
بولنے لگتی ہے خود منہ سے تری تصویر بھی

راستہ پوچھا نہیں اور چل دیا ہے بیدھڑک
کیا دیوانہ ہے راہِ عشق کا رہگیر بھی

جتنے حربے ہیں ترے تابع ہیں تیرے حکم کے
تیر بھی پیکان بھی خنجر بھی اور شمشیر بھی

دل ہی کیا بیٹھا شبِ فرقت وفورِ یاس سے
بن کے نا امید بیٹھی آہ کی تاثیر بھی

گھر گیا ہوں اپنے دو دو دشمنوں میں ایک میں
مدعی تو بھی ہے میرا۔ آسمانِ پیر بھی

اس نے محفل میں بٹھایا تو مگر غیروں کے بعد
وائے قسمت مجکو ذلت ہو گئی توقیر بھی

وہ سمجھتے ہیں کہ دیوانہ ہے یا مجذوب ہی
رائگاں جاتا ہے اپنا نالۂ شبگیر بھی

ظلمت و تنہائی میں یہ کام میرے آئیگی
دوستو رکھنا لحد میں یار کی تصویر بھی

بولتی ہرگز نہیں دیتی نہیں ہرگز جواب
ہے تکبر میں بھری ظالم تری تصویر بھی

بولتے برسوں نہیں ناراض وہ ہوتے ہیں جب
ہے نرالی اُن کی اے قرباں یہ تعذیر بھی

محبت ایکدم تم نے جو بے تقصیر کم کر دی
میں سمجھا غیر کی خاطر مری توقیر کم کر دی

کمال جذب دل سے اسکو کھینچا آنکھ کے تل میں
کہ طول و عرض میں ہم نے تری تصویر کم کر دی

بجھی شمع دلِ سوزاں ہوا جب سوز مر کر کم
چراغ زندگی کی تو نے یوں تنویر کم کر دی

مریضِ عشق کو اب یوں خدا پر چھوڑ بیٹھے ہیں
کہ خوش تقدیر کے کرنے کو ہے تدبیر کم کر دی

عجب اپنا اثر ڈالا۔ ترے رعبِ نزاکت نے
کہ میرے نالۂ شبگیر کی تاثیر کم کر دی

نہ کی کچھ منصفی تم نے خطا دونوں کی یکساں تھی
سزا میری بڑھا دی غیر کی تعذیر کم کر دی

عدو پر بعد مردن خاک ڈالی اپنے ہاتھوں نے
نہ آئے میرے لاشہ پر مری توقیر کم کر دی

سُنا ہے اُنکے تو تابع ہے چلتا ہے اشارو پر
شکایت اس لئے ہمنے بھی چرخ پیر کم کر دی

نہ دی اسکو جگہ پہلو میں فتراکِ محبت کے
غضب تمنے کیا اک خواہش نخچیر کم کر دی

سمجھکر پاؤں پھیلائے نہ یہ دیوانۂ الفت
مرے چارہ گروں نے خود مری زنجیر کم کر دی

نہ گردن کٹ سکی اُنسے ہوئے بےصدوہ شرمندہ
برا ہو سخت جانی قوت شمشیر کم کر دی

اگر ہے عزم اپنی منزلِ مقصود لینے کا
تو کیوں رفتار اپنی عشق کے رہگیر کم کر دی

ہم اے قربانؔ جو کرنا چاہتے ہیں کر نہیں سکتے
عمل جب سے ہوا مدِ نظر تقریر کم کر دی

ہم سمجھتے ہیں کہ یوں اسکی قضا آنے کو تھی
سر فروشی کی تمنا خاک پروانے کو تھی

رنج و غم سے تھا بہت لبریز کر دیتے سبک
اسکو چھلکانے کی حاجت دلکے پیمانے کو تھی

تو نے اے گلچیں لیا الزام ناحق اپنے سر
یہ مرے دل کی کلی تو خود ہی مرجھانے کو تھی

کب کیا صیاد نے بلبل کو پھولوں سے جدا
ہائے جب باغ تمنا میں بہار آنے کو تھی

کیوں خیالِ یار جاتا ہے ٹھہر کچھ اور دیر
تیرے ہی دم سے تو رونق دلکے کاشانے کو تھی

حشر میں بھی اس نے کھولی ایک لمحے کو نہ آنکھ
بیخودی کس درجہ ساقی تیرے مستانے کو تھی

بادِ صرصر تو نے کیوں زحمت اٹھائی اسقدر
میرے مدفن کی نشانی خود ہی مٹجانے کو تھی

جس نے افسانہ سنا میرا وہ مجھ پر رُو دیا
حق نے دی تاثیر کتنی میرے افسانے کو تھی

اسمیں بت پتھر کے تھے اور دخترِ رز نطق ریز
اسلئے ترجیح بتخانے پہ میخانے کو تھی

اب تجھے اے نجد کوئی جانتا بھی تو نہیں
قیس ہی کے دم سے رونق تیرے ویرانے کو تھی

یہ غنیمت ہے کہ تم نے اپنے دلمیں دی پناہ
بو کی صورت ورنہ میری روح اُڑ جانے کو تھی

چٹکیاں لے کر کیا بے چین یادِ دوست نے
میری آنکھیں بند تھیں قربانؔ نیند آنے کو تھی

ہوتا ہے ستم دل پہ مرے اور جفا بھی
لیکن یہ بتاؤ ہے کوئی اس کی خطا بھی

آتی نہیں کہنے سے ہمارے شبِ فرقت
بیٹھی ہے چھپائے ہوئے منہ اپنا قضا بھی

سامان ہیں عاشق کے فنا کرنے کے کیا کیا
غمزہ بھی ہے۔ شوخی بھی۔ حیا بھی ہے ادا بھی

الٹی ہے نقاب اس نے مجھے چہرہ دکھا کر
شوخی بھی ہے۔ انداز بھی ہے اور حیا بھی

آخر مرضِ غم سے نہ صحت ہوئی مجھکو
بے کار دوا بھی ہوئی ناکام دُعا بھی

بکواس یہ واعظ کی نہ جا بکنے دے اسکو
مے ڈال کے ساقی تو ہمیں جام پلا بھی

دل رکھتے ہیں اور ساتھ ہی رکھتے ہیں زباں ہم
ہے تجھسے محبت بھی ہمیں اور گلا بھی

تجھ کو تو نہ آتا تھا۔ نہ آیا مگر افسوس
فرقت میں تری آئی نہ کمبخت قضا بھی

تم نے تو جفا کر کے ادا۔ اپنی دکھا دی
اب دیکھ لو تم آکے ذرا میری وَفا بھی

دیکھو جسے مطلب سے وہ ملتا ہے ہمیشہ
معدوم ہوئی جاتی ہے دنیا سے وفا بھی

کرتے ہیں ستم ہو کے نڈر اہلِ وفا پر
بُت یہ بھی نہیں جانتے ہے کوئی خطا بھی

افسوس ہیں ایک بھی چلو نہیں ملتی
ہے جام بھی ساقی بھی ہے اور مے بھی گھٹا بھی

مشہور تو دنیا میں ہوئے آپ رفوگر
یہ کہیئے کوئی زخم مرے دل کا سیا بھی

یارانِ چمن بھول گئے اہلِ قفس کو
قرباں نہیں آتی ادھر اب بادِ صبا بھی

وہ ولولے کہاں کہ طبیعت بدل گئی
پیری جو آئی زیست کی صورت بدل گئی

قاتل کی آج قتل سے نیت بدل گئی
کیا آکے میری موت کی ساعت بدل گئی

کرتے نہیں حسین زمانے کے کچھ لحاظ
خوں ہو گئے سفید حمیت بدل گئی

کہنے سے تیرے توبہ تو کر لی تھی میں نے شیخ
جامِ شراب دیکھ کے نیت بدل گئی

پہلے اُنہیں فریب نہ آتے تھے اسقدر
رہ کر عدو کے ساتھ ہیں سیرت بدل گئی

میرے بجائے غیر کے گھر ہو گئی بپا
پہلو بچا اپنا آج قیامت بدل گئی

باقی ہیں سانس اب بھی اُسے آکے دیکھ لے
تیرے مریضِ ہجر کی حالت بدل گئی

جب کھُل گئی حقیقتِ دنیائے بے ثبات
قرباں نفرتوں سے محبت بدل گئی

حسرت تمہاری دید کی دل سے نکل گئی
تصویر سے تمہاری طبیعت بہل گئی

رخسار کی صفائی پہ شاید پھسل گئی
حسرت ہماری دیکھ کے اُن کو مچل گئی

جاکر کسی حسین کا تڑپا دیا ہے دل
فرقت میں منہ سے آہ جو میرے نکل گئی

غصہ مرا اُتارا ہے دربان پر تمام
آئی بلا تھی مجھ پہ مگر اُس پہ ٹل گئی

اپنے قدم سے چل کے ہوئے خود اسیر ہم
کوچہ میں تیرے لے کے ہماری اجل گئی

قربان تیری آہ جو نکلی شب فراق
کانپا جو آسمان زمیں بھی دہل گئی

حسرت لپٹ کے ناوکِ قاتل میں رہ گئی
باقی جو جان کچھ تنِ بسمل میں رہ گئی

حسرت اٹھی جو دل سے وہی دل میں رہ گئی
جب مل سکی نہ راہ تو منزل میں رہ گئی

قاتل نظر نہ پھیر کہ آنکھیں ابھی ہیں وا
امید دید دیدۂ بسمل میں رہ گئی

بسمل کا کام خنجرِ ابرو نے کر دیا
رکھی ہی تیغ قبضۂ قاتل میں رہ گئی

پروانے جل کے خاک ہوئے سوزِ حسن سے
اور شمع بجھ کے یار کی محفل میں رہ گئی

کشتی ہماری آئی نہ میدان تک کبھی
نکلی بھنور سے دامنِ ساحل میں رہ گئی

نکلی جو آہ دشت میں لب ہائے قیس سے
لیلیٰ لرز کے پردۂ محمل میں رہ گئی

امیدیں وصال کی الجھے رہے سدا
پڑ کر ہماری جان بھی مشکل میں رہ گئی

طعنے جو میرے ذکر پہ اغیار کو دئے
کچھ بات اس سے آپ کی محفل میں رہ گئی

آنسو نہ نکلے آنکھ سے اے ضبط آفریں
عزت ہماری یار کی محفل میں رہ گئی

کچھ صبر کے سوا نہیں قربان چارہ اور
ہم کیا کریں جو حسرت دل دل میں رہ گئی

دیکھ کر ان کو محبت آ گئی
کام آخر اچھی صورت آ گئی

میری تربت کو وہ ٹھکرانے لگے
میں تو یہ سمجھا قیامت آ گئی

دیکھ کر خالی مکانِ دل مرا
آج تو ان کو بھی غیرت آ گئی

جانے والے چاہئے کچھ احتیاط
زیر پا عاشق کی تربت آ گئی

روز محشر کیا کروں شکوہ ترا
دیکھ کر صورت مروت آ گئی

حشر میں ان کے گنہ بخشے گئے
جن کی آنکھوں میں ندامت آ گئی

جب لگا دی اسنے میرے منہ پہ مہر
پھر زباں پر کیوں شکایت آ گئی

غیر کے سینے سے فوراً جا لگے
دیکھ کر مجکو شرارت آ گئی

غیر کے کیوں قتل سے کھینچا ہے ہاتھ
کیوں یہ آنکھوں میں مروت آ گئی

جس جگہ قربان جانا ہے محال
اس جگہ میری طبیعت آ گئی

نگہ کام ان کی یہ کرجائے گی — کہ دل سے اتر تا جگر جائے گی
صفایا دلوں کا وہ کرجائے گی — جدھر کو بھی ان کی نظر جائے گی
مرے خواب میں بھی جو آجاؤ گے — مری بگڑی قسمت سنور جائے گی
دعائیں نہ لیں میرے دل سے اگر — مری بد دعا کام کرجائے گی
ندے ساتھ اے شمع تیری خوشی — کہ ہے رات تھوڑی گذر جائیگی
خطا سے بنا ہے کرے گا خطا — نہ عادت تری یہ بشر جائے گی
کہو آسمانوں سے دیں راستہ — دعا لینے میری اثر جائے گی
مجھے نشۂ بادۂ عشق ہے — غلط ہے کہ مستی اتر جائے گی
تری موت ہے تیرے سر پر سوار — یہ لے کر تجھے بے خبر جائے گی
خزاں کی جو مقراض چلنے لگی — تو بلبل ترے پر کتر جائے گی
بہار آئی بلبل چمن میں اگر — گلوں میں وہ رنگ آکے بھر جائے گی
کروں گا اگر دل چرانے کا ذکر — نظر ان کی فوراً مکر جائیگی
ابھی ہے طبیعت بہت بے قرار — ٹھہرتے ٹھہرتے ٹھہر جائے گی

کریں گے وہ قرباں پہ پردہ اگر
تو حسرت مرے دل میں مر جائے گی

قتل کرکے بھی مجھے وہ آنکھ شرمائی نہ تھی — یہ ڈھٹائی تو کوئی دیکھے حیا آئی نہ تھی
وہ شب وعدہ بھلا کیسے چلے آتے یہاں — میرے کہنے سے قضا تک بھی مری آئی نہ تھی
اے عدو کیونکر سکون قلب تجھ کو مل گیا — عشق کی دنیا میں تسکیں ہم نے تو پائی نہ تھی
جس طرح یہ تیری الفت میں ہوئی ذلت نصیب — اس طرح کی ہم نے دیکھی پہلے رسوائی نہ تھی
صبح ہوتے ہی پڑی ہے منہ پہ جو بکھری ہوئی — کیا نسیم صبحدم نے زلف سلجھائی نہ تھی
داور محشر کے آگے حشر میں کہتا میں کیا — جب میسر ہی زباں کو میرے گویائی نہ تھی
دیکھتا کس طرح تو جلوہ کسی کا اے بشر — سامنے کیا تیرے آتا تجھکو بینائی نہ تھی
میں اکیلا بھی رہا تو ساتھ تھا تیرا خیال — میری تنہائی بھی کوئی عام تنہائی نہ تھی

جب گیا قرباں کے پہلو سے تو اٹھکر صبح وصل
وہ قیامت کی تھی کروٹ تیری انگڑائی نہ تھی

زباں سے میری سن لیتے اگر تم داستاں میری
بہت ہی کام کرتیں پھر تو رنگ آمیزیاں میری

گرائے اشکِ خوں آلودہ چشمِ خونفشاں میری
مرے دامن پہ دیکھو پھر ذرا گلکاریاں میری

مرا صیاد بھی کرتا ہے کتنی میری دلداری
نشیمن سے سب آئی ہیں قفس کی تیلیاں میری

کروں گا خاک اب شکوہ قیامت میں ستم کا میں
کہ پہلے ہی کسی نے کاٹ ڈالی ہے زباں میری

ترے گلشن میں جو برباد اک میرا نشیمن ہے
نشانی تو سمجھ لینا اُسی کو باغباں میری

میں یہ سمجھوں شہادت کا مجھے درجہ ہوا حاصل
اگر نکلے تری الفت میں جانِ ناتواں میری

تہ و بالا کیا ہستی کو میری شامِ تنہائی
قیامت کا نمونہ بن گئیں بے چینیاں میری

وہ کہتے ہیں کہ تیرے سوز میں بھی ساز ہے پنہاں
بہت ہی شوق سے سنتے ہیں اب آہ و فغاں میری

خزاں اس کو اڑا کر لے گئی تو ہائے کس جانب
خدا جانے کہاں ہو گی وہ شاخِ آشیاں میری

فسانہ عشقِ گل کا سب اُسے رو کر سناؤں میں
سمجھنے گر لگے یارب زباں یہ باغباں میری

حق و ناحق پہ جو دل چاہتا ہے بول اٹھتی ہے
نہیں رہتی ہے چپ قربان یہ ظالم زباں میری

یہ کہہ رہے ہو کہ ہم فتنہ گر نہیں نہ سہی
نہیں یقین مری بات پر نہیں نہ سہی

ہزاروں اور بھی بندے جہاں میں ہیں محرم
مری دعاؤں میں کچھ بھی اثر نہیں نہ سہی

شبِ فراق ہی سے اپنا دل لگا لیں گے
ہمارے غم کی جو ہوتی سحر نہیں نہ سہی

ہمیں تو اس کی خبر ہے کہ بے خبر ہو تم
ہمارے حال کی تم کو خبر نہیں نہ سہی

ہیں جتنے آپ بس اتنے ہی اک قیامت ہیں
دہن نہیں نہ سہی ۔ اور کمر نہیں نہ سہی

تمہاری پہلی محبت کا ہے اثر اب تک
تمہاری پہلی سی مجھ پر نظر نہیں نہ سہی

تجھے اسیرِ قفس کیوں ہے حسرتِ پرواز
نکل ہی آئیں گے کل آج پر نہیں نہ سہی

کسی طرح تو ہوں مہمان میرے دل میں آپ
گھر آپ کا ہی میرا یہ گھر نہیں نہ سہی

خدا کو تو میری حالت کا علم ہے قربان
بتوں کو حال کی تیرے خبر نہیں نہ سہی

لگاوٹ سے وہ دل ستانی تمہاری
وہ پہلے پہل مہربانی تمہاری

ہماری بھی مانو گے پھر یا نہیں تم
کوئی بات ہم نے نہ مانی تمہاری

ہماری جوانی پہ بھی رحم کھاؤ
رہے یوں ہی برسوں جوانی تمہاری

نہیں دیکھی خلد آج تک ہم نے زاہد | سنی خوبیاں ہیں زبانی تمہاری
مرے دل میں ہے عشق کا داغ روشن | یہ ہی اک دیا ہے نشانی تمہاری
جو سنتا ہے ہوتا ہے وہ شاد دل میں | لطیفہ ہے گویا کہانی تمہاری
یہ رکھدے گی اک دن جہاں کو الٹ کر | بھبوکا سی اٹھتی جوانی تمہاری
کبھی محو دنیا کے دل سے نہ ہوگا | ہمارا فسانہ کہانی تمہاری

گھلایا تمہیں غم نے قربان ایسا
بڑھاپے میں گذری جوانی تمہاری

فیضانِ نورِ حق ہے جمالِ محمدی | وصلِ خدا ہے عینِ وصالِ محمدی
سینہ ہو پاک منکرِ احکامِ شرع کا | دیکھے جو اک نظر وہ جمالِ محمدی
پھیکا پڑے ابھی تو ندامت سے آفتاب | دیکھے جو آب وتاب جمالِ محمدی
معراج میں بھی یاد رہی امت آپ کو | امت کے واسطے تھا سوالِ محمدی
ہرگز نہ مجھکو کوثر وتسنیم کی ہو چاہ | مل جائے ایک قطرہ زلالِ محمدی
یاں ہے ہجوم جرم وخطا سے زبان تلخ | واں زیرِ لب ہے آبِ زلالِ محمدی
قدسی ثنا گذار ملائک ہیں مدح خواں | کس درجہ ہے حمیدہ خصالِ محمدی

قرباں اسی نشان کے سایہ میں ہے اماں
تاباں ہو جس نشاں پہ ہلالِ محمدی

صرفِ مطلب کا کرے کیسے اعادہ کوئی | بات کر سکتا نہیں ان سے زیادہ کوئی
جتنا مقسوم میں ہے سبکو خدا دیتا ہے | پاتا تھوڑا ہے کوئی اور زیادہ کوئی
آخرش وہ ہی ہوا جو کہ خدا نے چاہا | پورا اپنا نہ ہوا ہائے ارادہ کوئی
وہی بربادی کا رکھتا ہے ارادہ دلمیں | سبزہ گلشن کی زمیں پر ہے فتادہ کوئی
دیکھ لے پھیر کے منہ اپنا ذرا بانکے سوار | پیچھے آتا ہے ترے ساتھ پیادہ کوئی

کیوں نہ پھر تجھ سے کرے دل سے محبت دنیا
تجھ سا قربان نہیں عاشق سادہ کوئی

تونے ان کو جو دی پلا ساقی | رند دیں گے تجھے دعا ساقی
بس اب انکار کرچکا ساقی | ہو چکی ضد پلا پلا ساقی

روح کو بوئے کوثر آجائے
ایسی بہکی ہوئی پلا ساقی

تیرے صدقے نہ ہم کو تو ترسا
ہیں ترے در کے اک گدا ساقی

غم کے پیتے ہیں گھونٹ مے کے عوض
جب سے ہم سے ہوا خفا ساقی

میں سبو پی کے بھی نہ بہکوں گا
دیکھ میرا بھی حوصلا ساقی

غم بھی کچھ ہو سرور کے ہمراہ
خونِ دل مے میں دے ملا ساقی

بابِ میخانہ اُن پہ کر کے بند
کر نہ رندوں پہ تو جفا ساقی

نام جس سے ہو کل زمانے میں
یوں بنا نامِ خدا اُٹھا ساقی

بعد مدت ملا ہے پھر موقع
یہ گھٹا اور یہ ہوا ساقی

شیخ پر دے چڑھا بطِ مے کو
بد مزہ ہوں کباب لا ساقی

الفتِ بادہ میں تڑپتا ہوں
کلفتِ دل میری مٹا ساقی

گو ہے بے کیف پھر بھی ہے پرلطف
سن لے میرا بھی ماجرا ساقی

حشر تک بھی نہ جو کبھی چھوٹے
رنگ ایسا تو دے چڑھا ساقی

میں ہوں حقدار بادۂ کوثر
کہ زباں پر ہے میری یا ساقی

رنگ ہے دیکھنا تو صہبا میں
میری توبہ کو لے ملا ساقی

درد و غم اس سے دور ہوتے ہیں
مے مرے دل کی ہے دوا ساقی

بھاگتا بھاگتا یہ تجھ سے پھرتا ہے
آج قربال کو کیا ہوا ساقی

رہتی ہے دل میں پنہاں حسرت بھی آرزو بھی
دونوں ہیں ان کی جویاں حسرت بھی آرزو بھی

جب سے سمائی دل میں راحت کبھی نہ پائی
رہتی ہیں دل میں گریاں حسرت بھی آرزو بھی

مشکل ہے جان بچنا ان سے بروزِ محشر
پکڑے ہوئے ہیں داماں حسرت بھی آرزو بھی

بیٹھی ہوئی ہیں تکیہ امید پر لگا کر
کیسی ہیں دونوں ناداں حسرت بھی آرزو بھی

اقرارِ وصل کر کے آتے نہیں کبھی وہ
کرتی ہیں روز ساماں حسرت بھی آرزو بھی

پہلو میں ان کے بیٹھیں دیکھیں جمال اُن کا
رکھتے ہیں ہم یہ ارماں حسرت بھی آرزو بھی

تو نے فلک ستایا۔ تو نے فلک رُلایا
ہیں شکوہ سنج نالاں حسرت بھی آرزو بھی

کیا ہے قصور میرا طالب وصال کا ہوں
دل میں لئے ہے انساں حسرت بھی آرزو بھی

وہ آئے شام وعدہ اور ان کی شامت آئی — ہیں کوئی دم کی یہاں حسرت بھی آرزو بھی
اپنی امید سے تم دونوں میں جان ڈالو — ہیں میرے دل میں بیجاں حسرت بھی آرزو بھی
اُس در پہ کر کے مجھکو محرم بار یابی — کرتا ہے خاک درباں حسرت بھی آرزو بھی
ہو معصیت سے مملو انساں کی کیا خطا ہے — ہے آدمی کی شیطاں حسرت بھی آرزو بھی
رستہ بتاؤ تم ہی کیسے ملوں میں تم سے — رکھتی ہیں مجھ کو حیراں حسرت بھی آرزو بھی

قرباں ہے نام میرا۔ آجاؤ تم جو اکدن
کردوں میں تجھ پہ قرباں حسرت بھی آرزو بھی

بدلتی ہے ہر لحظہ حالت کسی کی — کبھی دیکھ لو آکے صورت کسی کی
دبا دیں گے مٹی میں مرتے ہی ہمدم — نہ کام آئے گی کچھ محبت کسی کی
ہمارے لئے تو برابر ہیں دونوں — محبت کسی کی عداوت کسی کی
کٹا دی ہے گردن رہ عاشقی میں — ہمیں ختم کرنی تھی محبت کسی کی
وہاں فاتحہ تم کو پڑھنی ہی لازم — جو مل جائے رستہ میں تربت کسی کی
تبسم نے زخموں کے ٹانکے اکھاڑے — نہ دی تم نے دادِ جراحت کسی کی
سلاسل کی جھنکار زنداں سے آئی — ہے زور دل پہ پھر آج وحشت کسی کی
کوئی آج آیا ہے سیر چمن کو — اڑائی ہے پھولوں نے رنگت کسی کی
مرے گھر پہ دشمن کے کہنے سے آئے — تو اسمیں بھی تھی کچھ شرارت کسی کی
عدو کے جو ہمراہ پھرتا ہے ہرسو — گئی وہ کہاں آج غیرت کسی کی
مری موت نے خود کیا میرا درماں — نہ کرنی پڑی مجھکو منت کسی کی
مریضانِ الفت نے دی جان اپنی — نہ کی تم نے آکر عیادت کسی کی

چلو آج قرباں تم میکدے کو
سنا ہے کہ وہ بھی ہے جنت کسی کی

پھر کوئی نہ دنیا میں تدبیر نظر آئی — پلٹی ہوئی جب اپنی تقدیر نظر آئی
جب یاد تری آئی جب دھیان ترا آیا — موجود تری دل میں تصویر نظر آئی
جب ساتھ دیا اپنا ہمواری قسمت نے — باکار ہیں اپنی تدبیر نظر آئی
دی اس نے سزا مجکو ناشاد کیا مجھ کو — دشمن کی بھی گر کوئی تقصیر نظر آئی

اُس در کی جبیں سائی۔ آخر مرے کام آئی — مٹتی ہوئی قسمت کی تحریر نظر آئی
خود دل کو جلا ڈالا۔ خود مجھکو مٹا ڈالا — اے آہ نہ کچھ تن میں تاثیر نظر آئی
تعمیرِ جہاں پر ہم تنقید ہی کیا کرتے — خود خام ہمیں اپنی تعمیر نظر آئی
اس راہ میں رہرو کو آرام کہاں ملتا — منزل بھی محبت میں رہگیر نظر آئی
وحشت ہی کو ہم اپنا سامانِ نقاب سمجھے — وحشت ہی ہمیں اپنی جاگیر نظر آئی
جب غور کیا ہم نے تھا نور ترا تاباں — ہر چیز میں تیری ہی تنویر نظر آئی

جب ترکِ تعلق کا اس بت سے سبب پوچھا
قرباںؔ ہمیں اپنی تقصیر نظر آئی

عندلیبِ خستہ جاں کیوں گل کی شیدا بن گئی — سوچ خود ہی پہلے کیا تھی اور اب کیا بن گئی
جب مجھے دیکھا کسی نے محوِ حیرت ہو گیا — میری صورت بھی جہاں میں اک تماشا بن گئی
قیس اور فرہاد کے قصے دئے سب نے بھلا — میری الفت تازہ دنیا میں فسانہ بن گئی
شوخیوں نے ان کو چاہا تھا کریں رسوا مگر — آکے آنکھوں میں حیا فوراً ہی پردہ بن گئی
روتے روتے کیف آیا اسقدر غم میں ترے — آنکھ میری بادۂ الفت کا شیشہ بن گئی
آبلے میں دل کے کھٹکی اور جگر کے داغ میں — میری حسرت بھی آہی خارِ صحرا بن گئی
ہر بشر کو موت نے آخر دیا درسِ فنا — جائے عبرت ہستئ فانی سے دنیا بن گئی
خیر یہ اچھا کیا وعدہ کیا بیمار سے — وصل کی امید ہی اُسکا مداوا بن گئی
اس سے پہلے عشق کا یہ روپ یہ نقشہ نہ تھا — میری حسرت چہرۂ الفت کا غازہ بن گئی
مے مجھے دے یا نہ دے ساقی اڑایا اپنے رنگ — آنکھ میری دیکھ لے خود جام وصہبا بن گئی

کیا کریں قرباںؔ آخر ہم سوائے شکر کے
غیر کی تقدیر جب اپنی تمنا بن گئی

ڈالی بھی اگر تم نے کلفت کی بنا ڈالی — ہرگز نہ کبھی دل میں راحت کی بنا ڈالی
جب ہم نے ستمگر سے الفت کی بنا ڈالی — بولی یہ قضا ظالم آفت کی بنا ڈالی
افسوس مرے دلمیں اے یار ترے غم نے — عنوانِ محبت سے حسرت کی بنا ڈالی
کہتے ہیں دکھایا کیوں آئینہ مجھے ناداں — کیوں تو نے مرے دلمیں حیرت کی بنا ڈالی
اس عالمِ ہستی میں مجبورِ فنا تھے ہم — ہوتے ہی یہاں پیدا تربت کی بنا ڈالی

تجویز نہ کیوں درماں الفت کا کیا کوئی
حق اس کو ملا فوراً۔ افضل وہ ہوا سب سے
تو دور ہوا حق سے۔ معذور حقیقت سے

جس نے یہ زمانے میں حکمت بنا ڈالی
بندے نے اگر دل میں طاعت کی بنا ڈالی
دل بت سے لگا بیٹھا۔ بدعت کی بنا ڈالی

قرباںؔ زباں شاید تھی منہ میں نہ انساں کے
جب کاتب قسمت نے قسمت کی بنا ڈالی

مری تدبیر بنا بن کر مٹا کی
کنیزیں ہیں یہ سب اس بے وفا کی
نہیں حد جس طرح اپنی وفا کی
یہ عادت چھوڑ دو کذب و دغا کی
ہمیں بیگانہ کردے گی جہاں سے
کوئی کیا دخل دے قدرت میں اسکی
یہ سمجھا قیس لیلیٰ آرہی ہے
وفا کے نام سے نا آشنا ہیں
کوئی پہچان لے راہیں نہ ان کی
مجھے دیکھا تو لے لی غیر کی اوٹ
ہمارے وہم سے اونچا چلا جائے
نہ ان کو دیکھتے ہوتے نہ رسوا
لگا کر مرہم تسکین اس نے

یہ سب خوبی ہے بخت نارسا کی
حقیقت کھل گئی ناز و ادا کی
نہیں کچھ انتہا ان کی جفا کی
بنو تصویر تم صدق و صفا کی
محبت اک بت نا آشنا کی
ہوا جو کچھ وہ مرضی تھی خدا کی
سنی آواز جب بانگ درا کی
عبث امید ہے ان سے وفا کی
مٹاتے ہیں نشانی نقش پا کی
خدا کا شکر اتنی تو حیا کی
بھلا اتنی کہاں طاقت ہما کی
نگاہوں نے یہ اک پہلی خطا کی
مرے درد محبت کی دوا کی

شرابیں چھپ کے پینا روز قرباںؔ
یہ عادت اور تجھ سے پارسا کی

ردیف ے

مجھے تجھ سے بوئے وفا آرہی ہے
شفا سے نہ مایوس بیمار غم ہو

کہاں سے تو ہو کر صبا آرہی ہے
اثر ساتھ لے کر دوا آرہی ہے

متانت سکھاتی ہے ان کو جوانی / مٹانے کو شوخی حیا آرہی ہے
تجلی ترے رخ کی ہم نے سنا ہے / مرے دل کو دینے جلا آرہی ہے
قضا سے بھی پہلے کسی پر جفا کی / مری جان لینے ادا آرہی ہے
یہ کیوں بے طلب آج وہ آرہے ہیں / یہ کیوں بن بلائے قضا آرہی ہے
ابھی اپنے چہرہ پہ برقعہ نہ ڈالو / ابھی میرے دل میں ضیا آرہی ہے

وہ **قربان** اب رات دن رو رہے ہیں
انھیں یاد میری وفا آرہی ہے

ہمیں اپنا بنا کر دیکھ لیتے / وہ دل سے دل ملا کر دیکھ لیتے
اگر دنیا مٹانا چاہتے تھے / مری حسرت مٹا کر دیکھ لیتے
جہاں میں کس طرح ہوتی ہے ٹھنڈک / لگی دل کی بجھا کر دیکھ لیتے
کھڑا ہے منتظر جلووں کا عالم / ذرا پردہ اٹھا کر دیکھ لیتے
بھروسہ غیر پر ہرگز نہ کرتے / مجھے گر آزما کر دیکھ لیتے
مرے دل میں فقط یہ آرزو تھی / وہ میرا حال آ کر دیکھ لیتے
مرا اور حضرت موسیٰ کا انجام / جمال اپنا دکھا کر دیکھ لیتے
کمی کیا آپ کے جلووں میں ہوتی / اگر چلمن اٹھا کر دیکھ لیتے

جو دی تھی برہمن نے دعوت دیر
ذرا **قربان** جا کر دیکھ لیتے

نسیم خلد کا جھونکا جو آنکلتا ہے / قمیص ناز میں عطر سہاگ ملتا ہے
جو راہ راست سے گمراہ ہو کے چلتا ہے / وہ انقلاب زمانے سے کب سنبھلتا ہے
کبھی جو میرے تصور میں آنکلتا ہے / تو یوں گلے نہیں ملتا کہ جی دہلتا ہے
قضا کے جھونکوں سے کب تک بچائیگا اسکو / ہوا میں تیرا چراغ حیات ہلتا ہے
ہماری قبر پہ ٹھوکر جو تم لگاتے ہو / زمیں لرزتی ہے گردوں کا دل دہلتا ہے
کبھی خموش بھی ہوتا ہے تیرے حسن کا ساز / ہمارے عشق کا ہر دم چراغ جلتا ہے
جو تم نہیں ہو تو یہ ہے کرم محبت کا / کہ اب تمہارے تصور سے دل بہلتا ہے
مجھے بھی قید سے جوش جنوں کرے آزاد / بہار آئی ہے رنگ جہاں بدلتا ہے

ہیں سوزِ دل ہی سے آنسو نصیب چشم جہاں ۔۔۔ یہی وہ چشمہ ہے جو رات دن اُبلتا ہے
غضب ہے کچھ نہیں ہوتا اثر ترے دل پر ۔۔۔ ہماری آہ سے پتھر کا دل پگھلتا ہے

وہ گھر سے نکلے ہیں ملنے کو تجھ سے اے قرباںؔ
نوید باد۔ کہ ارمانِ دل نکلتا ہے

کیوں نہ پھر خوش میکدے میں تیرا مستانہ رہے ۔۔۔ ہاتھ میں ساقی اگر لبریز پیمانہ رہے
حشر تک اترے نہ اے ساقی خمارِ بیخودی ۔۔۔ میکشوں کے لب پہ گر ہر وقت پیمانہ رہے
محتسب کا خوف اُس سے زینہار ہو سکتا نہیں ۔۔۔ مہرباں جب تک کسی پہ پیرِ میخانہ رہے
ہے مرا حسنِ طلب گویا کلیدِ میکدہ ۔۔۔ میں نہ ہوں تو بند ساقی تیرا میخانہ رہے
حیف اے صیاد تیری سیر چشمی کیا ہوئی ۔۔۔ قید میں مرغِ قفس بے آب اور دانہ رہے
قصۂ اغیار دنیا میں نہ کوئی بھی سنے ۔۔۔ حشر تک مشہور میرا یوں ہی افسانہ رہے
جام بھر بھر کر دئے جائیں تری آنکھیں اسے ۔۔۔ جھومتا پی پی کے ساقی تیرا مستانہ رہے
یہ ہوئے رخصت تو تنہائی سے گھبراؤں گا ۔۔۔ حسرت و غم سے مرا آباد ویرانہ رہے

ہم سے اے قرباںؔ گلشن میں رہا مانوس کون!
باغِ ہستی میں بہ شکلِ مرغِ ویرانہ رہے

نکل کر آنکھ سے میری اگر لختِ جگر تڑپے ۔۔۔ تو دامن تک گریباں سے گہر جھمکے گہر تڑپے
جو ہو محرم دمِ تقدیر اکنار آرزو میری ۔۔۔ تو آغوشِ دعا کی آرزو میں کیوں اثر تڑپے
دکھادے تو جسے اکبار اپنا دلربا چہرہ ۔۔۔ دوبارہ دیکھنے کو عمر بھر اس کی نظر تڑپے
نہ کیوں بنجائے جا کر بجلیاں اس بت کے کانوں میں ۔۔۔ مرے دل سے نکل کر آہ کیوں مثلِ شرر تڑپے
لگا تھا کس گھڑی نخلِ وفا گلزارِ ہستی میں ۔۔۔ کہ ہم تا عمر اس گلشن میں چکھنے کو ثمر تڑپے
تڑپ کر سامنے قاتل کے جب ہم ہو گئے ٹھنڈے ۔۔۔ تو مقتل کے ہماری یاد میں دیوار و در تڑپے
نہ آیا تو۔ نہ آیا تو خبر لینے مریضوں کی ۔۔۔ تجسس میں تری وہ عمر بھر اے چارہ گر تڑپے
مزہ آئے جو قاتل رقص یوں ہو تیری محفل میں ۔۔۔ کہیں پر دل مرا تڑپے کہیں میرا جگر تڑپے

رہا ہے جسم سے میرے تعلق عمر بھر اس کو
نہ کیوں قرباںؔ میری روح لوحِ قبر پر تڑپے

ٹوٹ کر ٹکڑے زمیں پر چرخ کے آنے لگے ۔۔۔ میرے نالے تیر بن کر شامِ غم جانے لگے

اب جفاؤں سے نہ ہو تو دست کش بہر خدا | اب ہیں تیری جفاؤں کے مزے آنے لگے
یہ نہیں کیونکر مرے ہوتے گوارا ہو گیا | غیر کے پہلو میں جا کر مجھکو تڑپانے لگے
غیر کی خاطر تو ہاں ہاں ہو گیا منہ سے رواں | اور مری خاطر نہیں وہ منہ سے فرمانے لگے
عاشقوں کے سوز کا ان کو یقیں آ ہی گیا | صورت پروانہ جب محفل میں جل جانے لگے
کمسنی میں ان کو کیا ظلم و ستم سے کام تھا | جب جوانی آ گئی تو غیر بہکانے لگے
دیکھئے کس کس کی شامت آج آئی ہے ندیم | وہ قیامت کی طرح پھر رنگ میں لانے لگے
نام و پیغام ان سے شکر ہے ہونے لگا | میرے خط جانے لگے اور انکے خط آنے لگے

پھر دل بیتاب نے مجبور قرباں کر دیا
پھر کلیجہ تھام کر اس بزم میں جانے لگے

اٹھ اٹھ کے فتنے راہ میں ٹھوکر کے رہ گئے | سامان کرتے کرتے وہ محشر کے رہ گئے
پورے وہ ہونگے بعد فنا صورت غبار | چکر جو باقی میرے مقدر کے رہ گئے
تسکین دینے آج بھی اسکو نہ آئے وہ | ارمان آج پھر دل مضطر کے رہ گئے
دفتر بنیں گے اس سے شہادت کے حشر میں | گردن پہ کچھ نشان جو خنجر کے رہ گئے
سو بار تیرے عشق میں زندہ ہوئے ہیں ہم | سو بار تیرے عشق میں ہم مر کے رہ گئے
وہ اور ہوں گے جن کو ملی انبساط زیست | ہم زندگی کے ہاتھ سے خود مر کے رہ گئے
رک رک کے مجکو آئی ہیں دو چار ہچکیاں | پھر یاد آج مجھ کو وہ کر کر کے رہ گئے
افسوس ان سے لطف اٹھایا رقیب نے | سامان اپنی عیش کے ہم کر کے رہ گئے

قرباں ہائے اپنی یہ بے اختیاریاں
جب زندگی پہ بس نہ چلا مر کے رہ گئے

جو میرا دشمن جاں اور دشمن کا مسیحا ہے | مقدر سے اسی کے ہاتھ میں میرا مداوا ہے
دوائیں جتنی دیتا ہے غلط ہوتا نتیجہ ہے | یہ کیسا میرا چارہ ساز ہے کیسا مسیحا ہے
زباں سے کہدے تو اپنی ابھی میں جان دیدونگا | میں تیرا سچا عاشق ہوں نہیں جھوٹا یہ دعویٰ ہے
لگا لوں تم کو سینے سے بٹھا لوں تمکو آنکھوں میں | یہی بس میری حسرت ہے یہی میری تمنا ہے
وہ جس کو حسن کہتے ہیں خریدا جا نہیں سکتا | اسے سستا سمجھتے ہو بہت مہنگا یہ سودا ہے
نکلنا اس کا مشکل ہے نکلنا جان کا آساں | مرے دل میں وہ وحشت ہے مرے دل میں وہ سودا ہے

الٰہی ہم ہیں وحشی یا جنوں ہے ساری دُنیا کو
ہمیں جو دیکھتا ہے عالم وحشت میں ہنستا ہے

نظر جو آ نہیں سکتا وہی موجود ہے ہر سو
جو پوشیدہ ہے آنکھوں سے اُسیکا سارا جلوہ ہے

ستم ہوں لاکھ لیکن اف نہ منہ سے آپکے نکلے
یہی قربانؔ آدابِ محبت کا نتیجہ ہے

ہنیں ممکن کہ جیتے جی ہمارے دلسے غم نکلے
ہوا ہے دلنشیں ایسا جو غم نکلے تو دم نکلے

ہمارے دلمیں خیمہ اسنے کیوں ڈالے ہیں فرقت میں
کہیں اس چھاونی سے لشکر اندوہ و غم نکلے

کرے تو وصل کا اقرار تسکیں ہو مرے دلکو
مزہ جب ہی دمِ وعدہ ترے منہ سے قسم نکلے

میانوں سے ہنیں ہوتی ہیں تیغیں اسطرح باہر
کہ جیسے آستینوں سے ترے دستِ ستم نکلے

ہوئی مضمونِ دردِ دسے اُنکے دل کو بیتابی
ہمارا نامہ پڑھ کر گھر سے وہ با چشمِ نم نکلے

وہ کہتے ہیں دکھا کر آئینہ تصویر کا اپنی
حسیں ایسا تو ہو جب پر حسینوں کا بھی دم نکلے

جنوں میں ہو کمی تھوڑا بہت جاتا رہے سودا
اگر سر سے ہوائے طرۂ پرپیچ و خم نکلے

ہوا تھا قلب میں پیوست ایسا تیر قاتل کا
جو کھینچا اس نے پہلو سے دل و پیکاں بہم نکلے

مریضانِ محبت کی بری حالت ہے اے قربانؔ
دُعائیں مانگتے ہیں موت آئے جلد دم نکلے

تصورِ زلفِ جاناں کا نہ جائیگا مرے دلسے
کہ اس لیلیٰ کو دلچسپی سی ہے اس خاص محمل سے

کسی صورت ہنیں کم صحن گلشن کوئے قاتل سے
بھرا ہے دامنِ گل باغ میں خونِ عنادل سے

ہمیں شوقِ شہادت ہے تمنا قتل کی اس کو
ہے ملتی جلتی میری آرزو دامانِ قاتل سے

ہنیں اے شیخ میں قائل تری زہد و ریاضت کا
تعلق ہے بتِ پندار کو اب تک ترے دل سے

اٹھانا پاؤں ہے راہ وفا میں ضعف سے مشکل
ہنیں کم دو قدم کا فاصلہ بھی ایک منزل سے

مکدر غیر کی صورت سے بھی ہوتا ہنیں عاشق
ہوا ہے زنگ زائل اسقدر آئینۂ دل سے

عدو کے دل کو خوش کرتا ہے تڑپا کر مرے دلکو
ستم بڑھکر کریگا کون یارب میرے قاتل سے

گلوں کے کان پھوٹے سبزۂ خوابیدہ چونک اٹھا
قیامت باغ میں برپا ہوئی شورِ عنادل سے

ہماری زندگانی سب فراقِ یار میں گذری
کوئی ارماں نہ نکلا عمر بھر حسرت بھرے دل سے

چلا آہستہ آہستہ چھری حلقوم پر میرے
تمنا دید کی کہتی ہے وقتِ ذبح قاتل سے

دئے ہیں سامنے اغیار کے ایسے مجھے طعنے
کہ مشکل بیٹھ کر اٹھنا ہوا ہے اُنکی محفل سے

جو دلمیں ہے ترے تو ڈھونڈتا ہی اسکو عالم میں
تجھے حاصل ہے کیا اے شیخ اس تحصیل حاصل سے

تری تعلیم سے مجنوں نہ کچھ حاصل ہوا ہم کو
سبق اب عشق کا لیں گے کسی استاد کامل سے

وہ کیا جانے جو گھائل ہی ہنو ترچھی نگاہوں کا
مزہ تیر نظر کا کوئی پوچھے تیرے بسمل سے

خدا کا شکر ہے قربان اس نے کہدیا آخر
خطائیں سب گذشتہ ہمنے تیری محو کیں دل سے

دیدارِ حق ہے رویت انوارِ مصطفےٰ
دیدارِ حق ہے اصل میں دیدارِ مصطفےٰ

درماں ہے میرا اور میں اسکا مریض ہوں
ہے مصطفےٰ طبیب میں بیمارِ مصطفےٰ

قدسی تھے با ادب شب معراج یوں کھڑے
حاصل کسی طرح سے ہو دیدارِ مصطفےٰ

زنہار اس کو شورشِ محشر کا ڈر نہیں
دنیا میں جو رہا ہے طلبگارِ مصطفےٰ

منصب اگر ملے تو ملے مجھ کو بس یہ ہی
خادم رہوں میں جا کر دربارِ مصطفےٰ

اے موت تو نہ آنا میں جبتک کہ دو گھڑی
بیٹھوں نہ زیر سایۂ دیوارِ مصطفےٰ

قربان خستہ حال کی ہر دم ہے التجا
یارب نصیب ہو مجھے دیدارِ مصطفےٰ

حق نے پکارا کس کو حبیبی خطاب سے
رتبہ ہے کس کا بڑھ کے رسالت مآب سے

وہ روئے پاک آئینہ ہے روئے ذات کا
دیکھا نہ جائے جس کی طرف آفتاب سے

اللہ رے تیز گامی کہاں سے کہاں گئے
ایکدم میں پہونچے اور پھر آئے شتاب سے

قطعہ

بہر حسینؓ جا کے مدینہ میں اے صبا
کرنا یہ عرض جا کے رسالت مآب سے

کرتا تھا اک حقیر سا بندہ یہ التماس
باصد ادب و نور غم و اضطراب سے

زخمی کیا ہے تیغ نے فرقت کی سر بسر
واقف حضور ہیں مرے حال خراب سے

سوز فراق سے میں سراپا برشتہ ہوں
قلب و جگر ہیں پہلو میں جلتے کباب سے

سیراب اسکو کیجئے ۔ دیدار سے حضور
مسرور کر کے وصل کے جام و شراب سے

منکر نکیر کرنے لگیں آ کے جب سوال
اور حال مجھ ضعیف کا پوچھیں عتاب سے

میری مدد کے واسطے آئیں وہاں حضور
قاصر نہ ہو زباں مری اسدم جواب سے

بندہ ہوں رب کا اور میں امت نبی کی ہوں
ان سے کہوں جواب میں فوراً شتاب سے

اسلام میرا دین ہے امت نبی کی ہوں — الفت ہے مجکو خاص رسالت مآب سے

مداح دل سے ہے ترا قربان خستہ حال
اس کو ملے نجات لحد کے عذاب سے

بود و جود عالم ذات محمدی ہے — وجہ بنائے آدم فیضان احمدی ہے
باغ ارم کی خواہش یثرب میں مجکو کیا ہو — رشک ریاض جنت دربار احمدی ہے
روح الامین ہے درباں غلماں غلام اسکے — حلقہ بگوش اسکا خورشید خاوری ہے
ہے دلنشین صورت محبوب کبریا کی — سبزہ لحد کا میری فرش زمردی ہے
سایہ نہ ہوتا قد کا کیا بات ہے ذرا سی — سچ ہے برب کعبہ وہ نور سرمدی ہے

قرباں غلام اس کا تو آپ کو سمجھ لے
الفت کا کرنہ دعوی یہ تو زیادتی ہے

گریۂ چشم میں یارب اثر اتنا ہو جائے — جو گرے اشک مری آنکھ سے دریا ہو جائے
کام نہیں ہم کشش دل سے اگر فرقت میں — تم کو مجبور شب ہجر میں آنا ہو جائے
ہے وہ انسان پڑیں تیری نگاہیں جس پر — دل ہے وہ جو ترے تیرونکا نشانا ہو جائے
میں رہوں زندۂ جاوید شہادت پاکر — دم شمشیر آہی دم عیسیٰ ہو جائے
پھر گلگشت گلستاں میں اگر جائے تو — رنگ گل دیکھکے صورت تری پیکا ہو جائے
آج تک حسن کی قیمت نہیں گھٹتے دیکھی — یہ وہ سودا ہی نہیں ہے کہ جو سستا ہو جائے
چاند سی شکل دکھا جائے کسی دن وہ شوخ — ماہ کامل مری قسمت کا ستارا ہو جائے
ہاتھ سے اپنے جو دے غیر کو ساقی یارب — جام مے زہر ہلاہل کا پیالہ ہو جائے
مانگتے ہیں یہ دعا رات کو اٹھکر میکش — آسماں بادۂ گلرنگ کا شیشا ہو جائے

ایسے انداز سے کر عرض تمنا قرباں
کہ اسے رحم محبت میں گوارا ہو جائے

دل میرا ہدف کرتے ہیں دزدیدہ نظر سے — کرتے ہیں جو وہ عیب تو کرتے ہیں ہنر سے
ہم نے بھی لگا لی ہے جھڑی دیدۂ تر سے — ہو ابر کو دعوی جو برسنے کا تو برسے
دیکھے کبھی وہ شوخ جب مجھے ترچھی نظر سے — مٹ جائے خلش یار جو ہو تیر جگر سے
اتنا کہے جا کر کوئی اس رشک قمر سے — کب تک ترا شیدائی تری دید کو ترسے

نیچی ہے نظر اور پریشان ہیں گیسو
آتا ہے سراسیمہ کوئی عنبر کے گھر سے

للہ کرو ہم سے نہ تم تذکرۂ عنبر
اک شعلہ سا رہ رہ کے بھڑکتا ہے جگر سے

آجائے نہ میل ان کی طبیعت پہ صبا دا
ہم عنبر کا شکوہ نہیں کرتے اسی ڈر سے

یاد آتی ہیں اے شوخ جو فرقت کی جفائیں
اک ٹیس سی اٹھتی ہے مرے زخم جگر سے

اب محفل رنداں میں تجھے پینی پڑے گی
کچھ کام چلے گا نہ ترا شیخ حذر سے

کچھ بات نہ تھی بوسہ جو قربان نے مانگا
بگڑے ہوئے کیوں بیٹھے ہو اے جان سحر سے

فصل گل آئی ہے گلشن میں گھٹا چھائی ہے
میکشو خوب پیو آج بہار آئی ہے

ایسی کیا تجھ میں ادا اے بت ہرجائی ہے
ایک دنیا تری مشتاق ہے شیدائی ہے

کس قیامت کی اندھیری شب تنہائی ہے
صورت شمع بھی مشکل سے نظر آئی ہے

وصل کی رات جو تم بت سے بنے بیٹھے ہو
مجھسے کیا بات بھی کرنیکی قسم کھائی ہے

مشک کی چار طرف پھیل رہی ہے خوشبو
کس کی اے باد صبا زلف تو چھو آئی ہے

درد دل میں کبھی محسوس کمی کچھ نہ ہوئی
مدتوں میں نے مسیحا کی دوا کھائی ہے

نامہ بر دیکے خط شوق یہ سمجھا دینا
بھول جانا نہ اسے بات جو سمجھائی ہے

فصل گل پر نہ ہو اے بلبل شیدا نازاں
دو گھڑی کو یہ گلستاں میں چلی آئی ہے

قیس و فرہاد کو دیکھا تو یہ معلوم ہوا
عاشقوں میں کوئی کوہی۔ کوئی صحرائی ہے

بیقراری کی بدولت ہے کبھی دل بیتاب
باعث رنج کبھی فکر شکیبائی ہے

شاخ امید میں کیا خاک شگفتہ ہو دل
جو کلی آئی ہے اسمیں وہی مرجھائی ہے

میکشو بھول بھی جاؤ۔ وہ گھٹا کا آنا
اب اداسی ہے کہ ہر چار طرف چھائی ہے

لڑ گئی ہے کسی محبوب جفا کار سے آنکھ
آج ہمنے بھی کہیں تیغ نظر کھائی ہے

کوئے جاناں کی طرف دل جو لئے جاتا ہے
شامت آئی ہے مری آج قضا آئی ہے

دل کو دیتا ہے تسلی رخ جاناں کا خیال
اب تو قربان یہی مونس تنہائی ہے

سامان کوئی ایسا اے کارساز کردے
دنیا کے رنج و غم سے جو بے نیاز کردے

الفت عطا مجھے کر۔ اپنی تو ایسی مولا
سر کو نہ میں اٹھاؤں محو نیاز کردے

زاہد کو دم میں چاہے گمراہ تو بنا دے — رندوں کو چاہے دم میں تو پاکباز کر دے
اے عشق تیرے آگے چلتی نہیں کسی کی — محمود کو جو چاہے دم میں ایاز کر دے
بربط مرے نفس کا مضراب غم سے ٹوٹا — اللہ پھر مرتب میرا یہ ساز کر دے
ظلمت کو دور کر دے اٹھے جو رخ سے پردہ — دنیا میں شام ان کی زلف دراز کر دے
اڑ کر جو کوئی آئے پروانۂ حقیقت — خاموش ایک دم میں شمع مجاز کر دے
ہستی کا ذرہ ذرہ خورشید ضو فشاں ہو — ادنیٰ اگر اشارہ ذرہ نواز کر دے

ہرگز نہ کوئی آفت تجکو کبھی ستائے
قرباں اگر تو دل کو محو نماز کر دے

چلدیئے دنیا سے ہم وہ آج تک آیا کئے — جیتے جی رستہ کسی کا عمر بھر دیکھا کئے
وصل کی شب بھی تو مجھ سے ہائے وہ روٹھا کئے — بات سلجھایا کئے ہم اور وہ الجھایا کئے
کچھ سمجھ میں ہی نہ آیا کیا کسی نے لکھ دیا — نامہ بر ہم نامہ کو سو سو دفعہ الٹا کئے
ہائے بے مہری کسی نے انکی دلسوزی نہ کی — لوگ پروانوں کو جلتا بزم میں دیکھا کئے
سیکڑوں پروانے کرتے ہی رہے انکا طواف — اور چلمن میں وہ خود بیٹھے رہے پردا کئے
آج انکی بزم میں جلووں کی ہیں ارزانیاں — سب انھیں دیکھا کئے اور سبکو وہ دیکھا کئے
روزن دیوار بھی اک آنکھ گویا بن گیا — جسکو تاکا ہمنے تھا اس سے ہی وہ دیکھا کئے

جسطرح تڑپے ہے مچھلی دام ماہی گیر میں
ہم یونہی قرباں انکے دام میں تڑپا کئے

کیوں پیر مغاں پھر اسے دنیا نہ بنا دے — جس کو مئے الفت تری مستانہ بنا دے
سن لے جو کوئی اسکو وہ بیتاب ہو فوراً — پر درد مرا یوں کوئی افسانہ بنا دے
جو کچھ بھی بنا اپنی ہی الفت میں بنا تو — فرزانہ بنایا مجھے دیوانہ بنا دے
اے عشق کرشمے ترے ایسے ہیں جو چاہے — کاشانۂ شاداب کو ویرانہ بنا دے
اے شمع محبت ہے اگر تجھ میں ذرا سوز — پروانے کے ہر پر کو بھی پروانہ بنا دے
بتخانے کو تو چاہے تو کر دے ابھی کعبہ — کعبہ کو اگر چاہے تو بتخانہ بنا دے
کیف نگۂ ناز سے جھک جائیگا عالم — ساقی نگۂ ناز کو خمخانہ بنا دے
اس بیخودی شوق کا ہوں عشق میں طالب — جو تجھ سے بھی ظالم مجھے بیگانہ بنا دے

وحشت کے ہیں آثار ترے عشق میں قرباںؔ
ڈر ہے تجھے یہ شوق نہ دیوانہ بنا دے

جو میرے دل کے زخموں کا کوئی انگور بنتا ہے
تو پھر ناخن سے وحشت سے وہی ناسور بنتا ہے

منور کر دیا ہے یوں جلا کر دل محبت نے
کہ جو شعلہ نکلتا ہے چراغ طور بنتا ہے

اسے پینے کی کیا حاجت اسے شیشوں سے کیا مطلب
تری آنکھوں نے جب ساقی کوئی مخمور بنتا ہے

ہمارا دل دکھانے کو ہماری جان لینے کو
ستم ایجاد ہوتے ہیں نیا دستور بنتا ہے

کوئی بدنام ہوتا ہے جفائیں کرکے دنیا میں
محبت کرکے دنیا میں کوئی مشہور بنتا ہے

غضب سے تیرے یارب مانگتا ہے بھیک فقیر بھی
کریمی سے تری یارب گدا مغفور بنتا ہے

تری ٹھوکر کا جو کھٹکا کسی تربت میں ہوتا ہے
تو مُردے کیلئے وہ ایک بانگ صور بنتا ہے

اسے قرباںؔ فطرت عشق کی ترتیب دیتی ہے
بڑی دشواریوں سے ایک دل مجبور بنتا ہے

تری بات آساں بھی گویا کٹھن ہے
تجھے کتنا حاصل کمال سخن ہے

جہاں کوئی تکلیف پہنچے نہ دل کو
وہی اپنا مسکن وہی اک وطن ہے

دلِ داغ داغ آکے دیکھو تو میرا
چمن سے زیادہ یہ دل کا چمن ہے

نہ سمجھو کہ آساں ہوئیں منزلیں سب
عدم کی ابھی ایک منزل کٹھن ہے

نہ پوچھو مرے منہ سے تم میری حسرت
زمانے میں مشہور شمع لگن ہے

نہیں ہے کفن تو تردد ہے بےجا
کہ غربت ہی غربت میں اپنا کفن ہے

خدا جانے کس جا ہمیں موت آئے
بندھا اپنے سر پہ تو ہردم کفن ہے

جہاں خونِ بلبل سے پودے اُگے تھے
ہوا دست بردِ خزاں وہ چمن ہے

غزل ہے جو پھیکی تو رہنے دو قرباںؔ
مجھے کب غرورِ کمالِ سخن ہے

تیلی کو مری تو لیلیٰ بنا پھر آنکھوں کو محمل کردے
یوں نہیں خدا سے کہتا تھا اس دل کو ہی منزل کردے

ناوک نہ چلا برچھی نہ دکھا خنجر نہ اٹھا تکلیف نہ کر
ان ترچھی ترچھی نظروں نے دل کو میرے بسمل کردے

اٹھیں نہ خدایا دست غرض رکھوں نہ کسی سے کوئی ہوس
جو مشکل کوئی حائل ہو تو حل میری مشکل کردے

ظلمت نے لیا ہے گھیر جہاں مشکل ہے قیام اب اپنا یہاں
یارب دکھلا کر حق کی جھلک اس ظلمت کو باطل کردے

دلکو نہ مرے پھر غم ہو کبھی میں ضبط کروں ہر بد مزگی
اے چارہ گر آ تدبیر بتا میں درد کی اپنے تبلادوں

تو درد محبت میں یارب اک صبر اگر شامل کردے
کچھ ہوش نہ باقی مجکو رہے اس درد نے یوں غافل کردے

عنوان محبت پڑھ لینگے خود ہی اندازہ کر لیں گے
تو سامنے انکے اے قرباں یہ اپنی کتاب دل کردے

پہلے تو اپنے ہاتھ سے مالی خود بلبل کو کھوتا ہے
اب تجھسے یا پروانے سے کیا رام کہانی اپنی کہیں
اب ابر کرم مجرم پہ ترے بارش نہیں کرتا تو نہ کرے
جو رحم کرے تو رحم ملے جو ظلم کرے تو ظلم سے ملے
وہ دونوں جہاں کا مالک ہے وہ مالک ہے وہ قادر ہے
اے شوق نہ عجلت کام میں لا یہ نیند کا منظر ہے طرفہ
دنیا کا تماشہ ہے طرفہ ہے ساتھ خوشی کے غم بھی لگا
تم رونے پر کیوں ہنستے ہو۔ رونا میرا بیکار نہیں

پھر اسکا ماتم کرتا ہے پھر سوگ میں اسکے رہتا ہے
افسانے کا اب لطف نہیں جب سننے والا سوتا ہے
وہ اپنے اشک ندامت سے خود اپنے معاصی دھوتا ہے
ویسا ہی پھل بھی ملتا ہے جو بیج کہ جیسا بوتا ہے
انسان کا چاہا کب ہی ہوا جو چاہے خدا وہ ہوتا ہے
دیکھ آنکھ نہ کھلجائے اسکی پہلو میں مرے وہ سوتا ہے
کوئی عشرت سے ہنستا ہے کوئی فرقت میں روتا ہے
جو آنکھ سے آنسو گرتا ہے وہ زخم کو میرے دھوتا ہے

آنکھوں پہ اے قرباں جسے لیتے تھے بٹھا احباب کبھی
تربت پر آ کر دیکھ ذرا وہ خاک کے نیچے سوتا ہے

کیوں محبت کے پڑے ہیں سب شجر ٹوٹے ہوئے
بنگئے مرغ ہوا سب شوق میں گلزار کے
یہ کھٹکتے ہیں تو تیری یاد آتی ہے مجھے
لیکے اڑجاتا قفس کو میں تو گلشن کی طرف
خوش تری محفل میں عاشق کس طرح آئیں نظر
رکھتے تھے نخوت سے سر اپنا جو دنیا میں بلند
کسکے ہاتھوں بھیجوں خط شوق یارب کیا کروں
بیخودی میں ہائے کتنا میں نے نقصاں کردیا

کیوں نظر آتے ہیں الفت کے ثمر ٹوٹے ہوئے
چار سو پھرتے ہیں اڑتے میرے پر ٹوٹے ہوئے
دل میں رکھ چھوڑے ہیں سینے نیشتر ٹوٹے ہوئے
گر نہ اے صیاد ہوتے میرے پر ٹوٹے ہوئے
انکے دل ہیں ٹکڑے ٹکڑے اور جگر ٹوٹے ہوئے
ٹھوکریں اب کھارہے ہیں انکے سر ٹوٹے ہوئے
مدتیں گذری ہیں قاصد کی کمر ٹوٹے ہوئے
سیکڑوں پیمانے ہیں ساقی کے گھر ٹوٹے ہوئے

ہیں کہاں قرباں مکیں انکے نہیں ملتا نشاں
آج دنیا میں پڑے ہیں لاکھ گھر ٹوٹے ہوئے

ہاتھوں سے مجھے اپنے جو اک جام پلادے

کیا کیا نہ تجھے تشنہ لبی میری دعا دے

وحشت کی تو چیزیں ہیں سنی میں نے بہت کچھ
عشرت کی صبا کوئی خبر لا کے سُنا دے

اے یار تری چال کے انداز کے صدقے
ٹھوکر سے تو فتنوں کو اٹھا اور دبا دے

حاسد کو مرا حال ہو معلوم یقیناً
عبرت کی جو عینک کوئی آنکھوں پہ لگا دے

ہستی کو مٹایا تو یہ ۔ تو وہ بھی عبث ہے
باقی مری تربت کا نشاں آ کے مٹا دے

منظور اگر ہے کہ نہ دیکھوں ترا جلوہ
اے حسن چراغ دلِ پُر سوز بجھا دے

تیرا نہیں مقدور نہ منظر در ہو اتنا
انعام ہے یہ حسن جسے میرا خدا دے

مدت سے ترے کشتے پڑے سوتے ہیں اے سیحا
رفتار سے تو ان کو کبھی آ کے جگا دے

قربانؔ اُسے ہم بھی سمجھ لیں گے مسیحا
تکلیف ترے دل کی اگر کوئی مٹا دے

مجھے ترچھی نگاہوں نے کسی کی مار ڈالا ہے
ستم کو رحم سمجھا ہے وہ کیسا بھولا بھالا ہے

برستا تو نہیں اے ابر اور وہ مے نہیں دیتا
ترا بھی جام ساقی کی طرح خالی پیالا ہے

دیا خود غم مجھے اُس پر شکایت میرے شکوے کی
جفا تیری انوکھی ہے ستم تیرا نرالا ہے

تمہاری نوک مژگاں بھی کہیں چھوٹی ہوئی شاید
کوئی بھی آج تک توڑا ہمارے دل کا چھالا ہے

نہیں بھولو مکا یہ گجرا ۔ تری گردن میں اے گلرو
پر وکر میں نے ارماں کا گلے میں ہار ڈالا ہے

نہیں گویا واپس لیکن میں اس رستے سے گذرا ہوں
خدا جانے عدم کتنی دفعہ کا دیکھا بھالا ہے

ستم سہہ سہہ کے دنیا کے نقاہت ہو گئی اتنی
اگر سوزن بھی چبھتی ہے سمجھتا قلب بھالا ہے

یہ کیا میراث پدری تھی کہ تھی میری خطا یا رب
عدم سے جانب دنیا مجھے تو نے نکالا ہے

جہاں میں لوگ جتنے ہیں وہ قربانؔ خوف کھاتے ہیں
مگر اک تو نہیں ڈرتا ترا غم بھی نرالا ہے

مری جاں برائی بُری چیز ہے
بھلائی جہاں میں بھلی چیز ہے

ذرا آ کے پہلو میں بیٹھو تو میرے
امانت تمہاری کوئی چیز ہے

گذرتی ہے جن کی سدا رنج میں
وہ کیا جانے کوئی خوشی چیز ہے

خدا جانے کیوں دل ہے ظالم ترا
مرے پاس بھی تو وہی چیز ہے

ستاتی ہے مجھ کو جو روتا ہوں میں
تمہاری ہنسی بھی کوئی چیز ہے

گذرتی ہو جس کی سدا عیش میں
وہ کیا جانے غم بھی کوئی چیز ہے

یہ مجنوں بناتی ہے انساں کو | طبیعت کا آنا بُری چیز ہے
مری چاہ سے آپ واقف نہیں | مری جان یہ تو کھلی چیز ہے

کہاں تو نے قربان دل کھو دیا
نہیں پاس تیرے تری چیز ہے

فصل گل آئی ہے گلشن میں گھٹا چھائی ہے | میکشو خوب پیو آج بہار آئی ہے
ایسی کیا تجھ میں ادا اے بُتِ ہرجائی ہے | ایک دنیا تری مشتاق ہے شیدائی ہے
کس قیامت کی اندھیری شبِ تنہائی ہے | صورتِ شمع بھی مشکل سے نظر آئی ہے
دردِ دل میں کبھی محسوس کمی کچھ نہ ہوئی | مدتوں میں نے مسیحا کی دوا کھائی ہے
نامہ بر دے کے خطِ شوق یہ سمجھا دینا | بھول جانا نہ اسے بات جو سمجھائی ہے
فصلِ گل پر نہ ہو اے بلبلِ شیدا نازاں | دو گھڑی کو یہ گلستاں میں چلی آئی ہے
قیس و فرہاد کو دیکھا تو یہ معلوم ہوا | عاشقوں میں کوئی کوہی کوئی صحرائی ہے
بیقراری کی بدولت ہے کبھی دل بیتاب | باعثِ رنج کبھی فکرِ شکیبائی ہے
شاخِ امید میں کیا خاک شگفتہ ہو دل | جو کلی آئی ہے اسمیں وہی مرجھائی ہے
میکشو بھول بھی جاؤ وہ گھٹا کا آنا | اب اُداسی ہے کہ ہر چار طرف چھائی ہے
کوئے جاناں کی طرف دل جو لئے جاتا ہے | بشارت آئی ہے مری آج قضا آئی ہے

دل کو دیتا ہے تسلی رخِ جاناں کا خیال
اب تو قرباں یہی مونسِ تنہائی ہے

کبھی خنجر بکف گھر سے جو وہ آئینہ رو نکلے | دلِ عشاق کی ممکن ہے کوئی آرزو نکلے
ہوا اس شوخ پر مائل جو عیاری میں کامل ہو | خدا ہی ہے جو تیری قلبِ مضطر آرزو نکلے
کبھی اقرار ہے شب کا کبھی وعدہ سحر کا ہے | نہیں دیکھا خدائی میں تم ایسے حیلہ جو نکلے
اثر کرتی نہیں نیکوں کی صحبت بد سرشتوں کو | رہے گو سو برس پانی میں کب مچھلی کی بُو نکلے
نہو پنہاں اگر سوزِ محبت اس جفا جو کا | تو کیوں بنکر شرر دل سے مرے اے آہ تو نکلے
وہ کشتہ کرتے ہیں دل چھین کر بے التفاتی سے | جفا کی سخت مشکل ہو کہ انکے دل سے خو نکلے
ہزاروں گالیاں کھائیں اٹھائیں جھڑکیاں لاکھوں | بہت ہو کر تری محفل سے ہم بے آبرو نکلے
بیاں کرنا تپِ فرقت کی ساری داستاں میری | صبا اس بت کے کوچہ میں اگر بھولے سے تو نکلے

یہی ہے آرزو قرباںؔ سر بالیں وہ بیٹھے ہوں
اگر نکلے مرا دم بھی تو ان کے رُو برو نکلے

اُٹھئے نقاب رخ سے خدا را اُٹھائیے
شرم و حیا کو چھوڑیئے پردہ اٹھائیے

بکھرے ہوئے ہیں بال پریشان زلف سے
لیجیے درست ہاتھ میں شانہ اٹھائیے

جب دے چکے ہو غسل و کفن پڑھ چکے نماز
پھر دیر کیا ہے جلد جنازہ اٹھائیے

جوشِ جنوں پکار کے کانوں میں کہہ گیا
بستی سے پاؤں جانب صحرا اٹھائیے

اس میں یہ مستیاں ہیں کہاں چشم یار کی
کیا آنکھ سوئے نرگس شہلا اٹھائیے

ساقی بغیر یار کے ہے زہر میکشی
آگے سے مرے ساغر و مینا اٹھائیے

بسمل کا رقص آپ نے دیکھا نہیں کبھی
گھر سے نکل کے لطفِ تماشا اٹھائیے

گھبرائیے نہ رنج و مصیبت سے اے ندیم
جو پیش آئے عشق میں ایذا اٹھائیے

ہوتا ہے بعد ہجر کے وصلِ بتاں نصیب
راحت ملیگی عشق میں ایذا اُٹھائیے

رہتا ہے نام فیض سے دُنیا میں حشر تک
راہِ خدا میں حاصلِ دُنیا اُٹھائیے

ہر چند کوہ سے ہے گراں بارِ عشق کا
ہمت یہ کہہ رہی ہے کہ تنہا اُٹھائیے

کیا دیکھتے ہو تیر لگا کر کھڑے ہوئے
اب تو تڑپ چکا ہے کلیجا اُٹھائیے

آتا ہے اس کو کچھ تیری تکرار میں مزا
کہتا ہے دل کہ پھر کوئی جھگڑا اٹھائیے

قرباںؔ دردِ عشق سے ممکن نہیں نجات
کچھ آس ہو تو نازِ مسیحا اٹھائیے

گر مرے دل کا نگیں ہو یا محمد مصطفٰے
دُور یہ دردِ حزیں ہو یا محمد مصطفٰے

میرا تکیہ ہے تمہاری ہی عنایت پر فقط
دیں کے تم مسند نشیں ہو یا محمد مصطفٰے

بیت مدحت میں تری کوئی اگر موزوں کرے
اس کا گھر خلد بریں ہو یا محمد مصطفٰے

روشنی رہتی ہے ہر دم اسکے اندر رات دن
دل کے تم ماہ مبیں ہو یا محمد مصطفٰے

آرزو اس کی یہ ہے بطحا کی خاک پاک میں
دفن قرباںؔ حزیں ہو یا محمد مصطفٰے

ہستم بزندانِ بلا فریاد رس یا مصطفٰے
تا چند باشم مبتلا فریاد رس یا محمد مصطفٰے

ممتاز قربِ کبریا مسند نشین اصطفا
محبوبِ درگاہِ خدا فریاد رس یا محمد مصطفٰے

تو سیدِ خیر البشر من مبتلائے خیر و شر — بر حالِ من بہر خدا۔ فریاد رس یا مصطفےٰ
اے زینتِ دنیا و دیں اے افتخارِ مرسلیں — رحمے بکن بر حالِ ما۔ فریاد رس یا مصطفےٰ
اے چترِ فرقِ مرسلاں اے طرۂ تاجِ شہاں — اے شافعِ روزِ جزا۔ فریاد رس یا مصطفےٰ
دیدند فیضِ عامِ تو۔ کردہ قبول اسلامِ تو — صد ہا لعین و اشقیا۔ فریاد رس یا مصطفےٰ
نالم ز بختِ واژگوں گریم ز چرخِ نیلگوں — دارم فغاں صبح و مسا۔ فریاد رس یا مصطفےٰ
من سر بسر آوارہ ام از دستِ غم بیچارہ ام — بیکس غریبم بے نوا۔ فریاد رس یا مصطفےٰ
تو لالِ تاجِ منقبت من زرد رُو از معصیت — شرمندگی دارم بسا۔ فریاد رس یا مصطفےٰ
آنگہ کہ مرغِ روحِ من یابد نجات از قیدِ تن — بر روضہ گوید ایں صدا۔ فریاد رس یا مصطفےٰ
پشت و پناہِ معنوی۔ ملجا توی۔ ماوا توی — دارم بفضلت التجا۔ فریاد رس یا مصطفےٰ

قرباں ز اخوانِ زماں دارد شکایت بر زباں
برگیرش از چاہِ بلا۔ فریاد رس یا مصطفےٰ

اسی امید پہ پیاسے بسر کرتے ہیں مر مر کے — کہ ختم المرسلیں قاسم بنیں گے آبِ کوثر کے
وہ پہونچا پشت پر رہوار کے اُنچا الصمد تکیں — جہاں جلنے لگے تھے بال و پر ناموسِ اکبر کے
ہوا ہے نخلِ طوبیٰ زیبِ جنت پر نہیں امکاں — مقابل ہو جو اسکے باغ کے سرو و صنوبر کے
گئے جب عرش پر تھے حق سے ملنے کیلئے حضرت — امامِ دو جہاں تھے پیشوا ہر اک پیمبر کے
وفاتِ ظاہری نے جب عمل اپنا کیا ظاہر — دعائے امتِ عاصی میں لب ہلتے تھے سرور کے
وہ ہرگز عرض کے قابل نہیں اے سرورِ عالم — جو کچھ بھی آجکل ہیں رنگ میرے حالِ ابتر کے
سوائے ذاتِ والا کس سے ہوں امداد کا خواہاں — تمہیں ملجا تمہیں ماوا ہر اک ہو بے زر و پر کے

نہیں قرباں کو کھٹکا ہر کوئی دین و دنیا میں
حوالے کر دئے سب کام اس کے آلِ اطہر کے

دو جہاں کے تم ہو سرور یا محمد مصطفےٰ — ہے رسالت ختم تم پر یا محمد مصطفےٰ
تھا شبِ معراج شہرہ خیر مقدم کا ترے — سب ملایک کے جھکے سر یا محمد مصطفےٰ
حاملانِ عرشِ اعظم قدسیانِ محترم — کہتے ہیں گردن جھکا کر یا محمد مصطفےٰ
کون کر سکتا ہے دعویٰ ہمسری کا آپ کی — کیا رسول اور کیا پیمبر یا محمد مصطفےٰ
اس غریقِ بحرِ عصیاں کو مدینے میں بلا — ساحلِ رحمت عطا کر یا محمد مصطفےٰ

آپ کی فرقت میں ہے بیتاب قرباںؔ رات دن
سُن لو اس کا حال آ کر یا محمد مصطفیٰ

لب پہ کیونکر نہ مرے آہ شرربار رہے
قلب و جاں و جگر و دل کئے سارے قرباں
زندگی جس کی ہوئی ہو شب فرقت میں تمام
نہیں ممکن کہ میسر ہو رہائی اُن کو
بھول کر نام محبت کا نہ لیتے ہم تو
بہر خوشنودیٔ اغیار مرے قتل پہ وہ
جوشِ وحشت میں گیا جب میں بیاباں کی طرف
سانپ سا لوٹتا ہے سینہ پہ ہر دم ظالم
سر میں سودا ہے کسی زلفِ معنبر کا مرے

محفلِ یار میں جب مجمعِ اغیار رہے
ہائے اس پر بھی نظر میں تری ہم خوار رہے
طالب دید ترا کیوں نہ وہ بیمار رہے
جو تری زلفِ مسلسل کے گرفتار رہے
پر کریں کیا جو نہ قابو میں دلِ زار رہے
دیر تک ہاتھ میں خنجر لئے تیار رہے
ٹوٹ کر سیکڑوں تلووں میں مرے خار رہے
مار کر مجھکو ترے گیسوئے خمدار رہے
خوار آنکھوں میں نہ کیوں ناقۂ تاتار رہے

آرزو ہے یہی قرباںؔ کی بعد مُردن
انبیا مرقد بھی پس حسنا نہ دیدار رہے

داغ غم جب کبھی پہلو میں جگہ پاتا ہے
جب سے ہم نے ہی سُنا تم ہو مسیحائے جہاں
سرمگیں آنکھوں کا کس کی ہے تصور شب ہجر
بے نیازی سے بھی انداز جفا ہے ظاہر
نہیں معلوم یہ کیا مژدہ صبا لائی ہے
ضبط کر ضبط کر اے دل یہ تڑپنا کیسا
یوں تو آتا نہیں وہ اس کا ستم تو دیکھو
وہ لگاتے ہیں نئے اس پہ ہمیشہ مرہم

بزمِ حسرت میں نیا رنگ نظر آتا ہے
دم نکلنے نہیں پاتا کہ دم آ جاتا ہے
خود بخود نور بصر طور بنا جاتا ہے
اُنکے چھپنے میں بھی اک لطف نیا آتا ہے
دل مرا غنچہ کی مانند کھلا جاتا ہے
ترے رُونے سے تو آہوں کا اثر جاتا ہے
خواب میں آ کے کبھی شکل دکھا جاتا ہے
قلبِ مضطر کا ہرا زخم جو ہو جاتا ہے

نہیں تسکین شب غم جو میسر تو نہ ہو
مجھے قرباںؔ تڑپنے میں مزہ آتا ہے

تیغ ابرو لگا لگا کے مجھے
دیکھنا تھا جو رقصِ بسمل کا

کیا بسمل مٹا مٹا کے مجھے
چھوڑا چرکے لگا لگا کے مجھے

کتنا چاہا نہ بات کی اُس نے — مار ا غم میں گھلا گھلا کے مجھے
چھلکے افشاں کو آج ماتھے پر — مار ا بجلی گرا گرا کے مجھے
لادوا ہو گئی تپ فرقت — دق کیا یوں تتا تتا کے مجھے
رنج دینا نہیں ہے کچھ اچھا — پاؤ گے کیا ستا ستا کے مجھے
میرے دل کو ہے اس نے لوٹ لیا — اپنا جوبن دکھا دکھا کے مجھے
آگ تن میں مرے لگائی ہے — مار ڈالا۔ رلا رلا کے مجھے

دل کو غربال کر دیا قرباں
تیر مژگاں لگا لگا کے مجھے

چھوڑ کر تنہا گیا ہے جب سے اے بت تو مجھے — کل نہیں پڑتی کسی کروٹ کسی پہلو مجھے
ہوں بہت تشنہ جگر تشنہ دہن تشنہ زباں — دے خدا کے نام پر ساقی کوئی چلو مجھے
کیا ہوا جو ناتوانی نے گرایا خاک پر — لیکے اُڑ جائیگا اپنے ساتھ رنگ و بُو مجھے
لطف دیتی ہے اندھیری رات میں سیر چمن — چاندنی کے پھول آتے ہیں نظر ہر سُو مجھے
یہ جہاں بھی جبکہ آئینہ ہے تیرے حسن کا — مجھ کو حیرت ہے نظر آتا نہیں کیوں تو مجھے
مجکو آیا اپنی آہوں کے شراروں کا خیال — جب اندھیری رات میں آئے نظر جگنو مجھے
کر لیا اس کی نگاہِ ناز نے سب کو شکار — اب ختن میں بھی نظر آتے نہیں آہو مجھے
وصل میں جب اس پری پیکر نے لی کروٹ بدل — اضطراب دل نے تڑپایا ہر اک پہلو مجھے
اس سحر سے اُس سحر تک چھان مارا باغ دہر — ایک گل میں بھی نہیں آئی وفا کی بُو مجھے
جب کہا میں نے کہ دیکھیں آبلہ ہے عشق کا — ہنس کے فرمایا دکھاؤ چیر کر پہلو مجھے
یاد میں ساقی کے ایسا گونجتا ہے دل مرا — مست رکھتی ہے صدائے نعرۂ یاہو مجھے
دیدۂ تر کی بدولت آبرو جاتی رہی — کر گئے رسوائے عالم میرے دو آنسو مجھے
کوئے جاناں کی طرف خود منہ میرا پھر جائیگا — دفن کر دینگے اگر احباب قبلہ رُو مجھے

آ گیا تھا غش مجھے قرباں اُن کو دیکھ کر
ہوش آیا جب سنگھائی زلف کی خوشبو مجھے

فراقِ یار میں صدمہ سا صدمہ میرے دل پر ہے — یہ ہر دم چاہِ غم میں صورت سیماب مضطر ہے
یہ بت پتھر ہیں لیکن شکل و صورت ہے عجب انکی — کہ ان کو آئینہ بھی دیکھکر حیران و ششدر ہے

خدا کا شکر کرتا ہوں بسر ہوتی ہے راحت سے
نہ میں شیدا کسی کا ہوں نہ کوئی میرا دلبر ہے

تصور پر کسی کے منحصر ہے اُس کی آبادی
دل ویراں مرا اے خانہ بربادی عجب گھر ہے

گل و ریحاں کا غازہ بن گئی خاکِ قدم تیری
تری زلفوں کی بُو سے طرۂ سنبل معطر ہے

کہاں ساقی کہاں مطرب کہاں رندوں کے وہ جلسے
نہ صہبا ہے نہ مینا ہے نہ بوتل ہے نہ ساغر ہے

جہاں میں آبرو کیا خاک ہو اشکِ چکیدہ کی
جو پہنچے تیری دامن تک حقیقت میں وہ گوہر ہے

جہاں میں ہر طرف غل ہے گہن میں آفتاب آیا
رُخِ پُر نورِ جاناں زیرِ گیسوئے معنبر ہے

بنا تھا نامہ بر آوارگانِ دشتِ وحشت کا
جو سچ پوچھو اُسی دن سے تباہی میں کبوتر ہے

نشاں جمشید کا دیتا ہے جامِ بادۂ گلگوں
جو آئینہ ہے وہ آئینہ حالِ سکندر ہے

ہمیں بیہوش رکھتی ہے نگاہِ مست ساقی کی
کہ ہر اک آنکھ اُسکی بادۂ احمر کا ساغر ہے

شبِ فرقت پڑے ہم کروٹیں لیتے ہیں کانٹوں پر
بڑے آرام سے ہیں وہ جو ہم آغوشِ دلبر ہے

چلاتا ہے چھُری منہ پھیر کر جلاد گردن پر
ہمارا داغِ دل کس درجہ برگشتہ مقدر ہے

لہُو کی چھینٹ کم تر گواہی سے نہیں قاتل
ترا دامانِ پرخوں قتل کا عاشق کے محضر ہے

رہا کرتے ہیں محفل میں تری آئینہ رُو لاکھوں
تو اے **قربان** احمد وقت کا اپنے سکندر ہے

مرے ہر اشک سے طوفاں سا طوفان برپا ہے
سفینہ آسماں کا غرق ہو جائے عجب کیا ہے

تری تصویر دلکش ہے ترا دلچسپ نقشہ ہے
نہیں وہ بھولتا ہرگز جو تجھکو دیکھ لیتا ہے

نہ پایا عاشقِ بے تاب نے کچھ چین مر کر بھی
وہی ہے دل کی بیتابی لحد میں بھی تڑپتا ہے

سرِ بام آج منہ کھولے ہوئے بیٹھے ہیں بے پردہ
نہ آنکھوں میں لحاظ اُنکی نہ رخ پر اُنکے پردا ہے

جہاں کے بد سرشتوں سے نہ رکھ امیدِ نیکی کی
زمینِ شور سنبل بر نیارد تخم کہتا ہے

برائی کر رہے ہیں داورِ محشر کے آگے سب
جب اعضا تک نہیں اپنے یہاں پر کون اپنا ہے

خدا کا شکر یہ کلمہ بتوں کے آگیا لب پر
ہمارے چاہنے والوں میں اک **قربان** اچھا ہے

آخر یہ چارہ ساز سے سُننا پڑا مجھے
آتی نہیں ہے دردِ جگر کی دوا مجھے

ملنا نصیب پھر نہ ہوا اے خدا مجھے
کس وقت تو نے ان سے کیا تھا جُدا مجھے

پہلے تو آپ میری بتائیں خطا مجھے
پھر دیں ضرور جیسی ہو دینی سزا مجھے

روضہ کی مصطفیٰ کی زیارت نصیب ہو — لے چل مدینے ہند سے بخت رسا مجھے
میں رُو رہا ہوں دشت میں تنہا کھڑا ہوا — پیچھے گیا ہے چھوڑ مرا قافلہ مجھے
سبزہ کا رنگ کیا ہے کھلے کیسے کیسے پھول — افسانۂ بہار سنا دے صبا مجھے
اب مجھ کو دام زلف سے آزاد کر بھی دو — حسرت سے دیکھتے ہیں اسیر بلا مجھے
اے دل بتوں کے عشق نے کیا حال کر دیا — آتا ہے رحم دیکھ کے مرد خدا مجھے
کیا کیا نہ تجھ کو یاد کروں گا میں بعد مرگ — دیکھا نہ مرتے دم بھی گر اے بیوفا مجھے
زنجیر میرے پاؤں میں گیسو کی ڈال دی — تم نے کیا اسیر خم زلف کا مجھے
بجلی گری تھی دل پہ پر ایسی گری نہ تھی — آفت ہوا ہے خندۂ دنداں نما مجھے
اُو بت نہ جبتک آیا تھا تجھ پر یہ دل مرا — کہتے تھے لوگ نیک مجھے پارسا مجھے

قرباں ترے کلام کے قرباں دل مرا
بہر خدا غزل تو پھر اپنی سنا مجھے

بڑے دربار میں پہونچے بڑی سرکار میں آئے — خدا کا شکر ہے ہم بھی حضور یار میں آئے
نسیم دل کشا باغ شباب یار میں آئے — کھلے غنچہ دہن کا رنگ گل رخسار میں آئے
نظر سے غیر کی چھپ کر ذرا آنسو بہا لینا — خبر جب مرگ عاشق کی کبھی اخبار میں آئے
صنوبر سرو قد تعظیم کو بے ساختہ اُٹھے — اگر گلگشت کو وہ سرو قد گلزار میں آئے
خدا محفوظ رکھے ان حسینوں کی عنایت سے — سنائیں بے نقط لاکھوں جہاں تک پیار میں آئے
دل شیدا پھنسا ہے اسطرح گرداب الفت میں — سفینہ جسطرح کوئی کسی منجدھار میں آئے
دم وعدہ عدو کو دیکھ کر تم مسکراتے ہو — مرے دلکو نہ کیوں شک وصل کے اقرار میں آئے
تمنائیں بر آئیں آرزوئیں دل کی پوری ہوں — اسی امید سے یارب ترے دربار میں آئے
مزا آنے لگے گا آدم ثانی کے طوفاں کا — اگر دو چار آنسو چشم دریا بار میں آئے
ترے آگے نہ لیگا کوڑیوں کے مول بھی کوئی — اگر سو بار یوسف مصر کے بازار میں آئے
انھیں ہے اسقدر مد نظر خاطر رقیبوں کی — وہ جب آئے یہاں ہوتی ہوئی اغیار میں آئے
مرے منہ سے لگا دے شیشۂ مے کا دہن ساقی — سبوکش کو مزہ کیا ساغر سرشار میں آئے
کسی دیوانے نے پٹکا ہے سر کو رات بھر ایسا — ہزاروں سیکڑوں رخنے تری دیوار میں آئے

حلاوت بخش عاشق ہے اذیت عشق کی قرباں

اگر دل میں محبت ہو مزہ آزار میں آئے

زخمِ دل کا دُکھا نہیں سکتے
قصۂ غم سُنا نہیں سکتے

ڈالیوں پر گلوں کی بیٹھی ہیں
بلبلوں کو اڑا نہیں سکتے

عشق کا بوجھ ہے بہت بھاری
اسے انساں اُٹھا نہیں سکتے

میں نے مانا ہے شوخ چشم رقیب
آنکھ مجھ سے ملا نہیں سکتے

آپ کی یاد اپنے دل سے ہم
بھول کر بھی بھلا نہیں سکتے

آسمانوں کو اختیار ہے کیا
یہ کسی کو مٹا نہیں سکتے

بغض کو کینہ کو کدورت کو
ان کے دل سے مٹا نہیں سکتے

غفلتوں میں پڑے ہیں دانستہ
جاگتوں کو جگا نہیں سکتے

وہ بہت ہوشیار ہیں قرباں
تیری باتوں میں آ نہیں سکتے

زبان دی جو دہن کو مرے بیاں کے لئے
الٰہی حمد کی طاقت بھی دے زباں کے لئے

ہے روشنی ترے دم کی یہاں وہاں کے لئے
چراغ تجھ کو بنایا ہے دو جہاں کے لئے

شبِ وصال میں یارب یہ کیا قیامت ہے
کہ آدھی رات مؤذن اٹھا اذاں کے لئے

ہمارے زخم جو دیکھے تو چارہ گر نے کہا
میں لاؤں پھاہے کہاں سے یہاں وہاں کے لئے

بنا لیا اُسے یوں ہم نے مہرباں اپنا
کہ جب ملا تو قدم ہم نے پاسباں کے لئے

جفا و جور تو اہلِ وفا پہ کرتے ہیں
مگر کسی کو اجازت نہیں فغاں کے لئے

ہمارے دل نے اسی سینہ میں جگہ پائی
جو سینہ وقف تھا بیدادِ آسماں کے لئے

نقاب چہرۂ انور سے دور کر اے ماہ
کہ آج حاجتِ تنویر ہے جہاں کے لئے

یہ کہہ رہا تھا سرِ دار پر لبِ منصور
کہ ضبطِ راز کا مشکل ہے رازداں کے لئے

دیا جو نامۂ محبوب لا کے قاصد نے
بنا لیا اُسے تعویذ حفظِ جاں کے لئے

شرابِ آبِ بقا بھر کے جام میں منہ تک
جنابِ خضر نے پی عمرِ جاوداں کے لئے

مری فغاں جو شبِ غم فلک پہ پہنچی ہے
زباں کھلی ہے فرشتوں کی الاماں کے لئے

بہار کا ہو گذر اس میں باغباں کیونکر
کہ باغِ دہر لگایا گیا خزاں کے لئے

اُجڑ گیا ہے خزاں میں نشیمنِ بلبل
چنے ہیں بوم نے تنکے اب آشیاں کے لئے

مشاعرہ میں سنائیں گے اسکو اے قرباں
غزل لکھی ہے یہ نذرِ خدایگاں کے لئے

ہمارا رنج بھی راحت اثر ہے — کہ دردِ عشق کا پہلو میں گھر ہے
وہ بُت قایم اسی کی بات پر ہے — عدو کا قول نقشِ کالحجر ہے
بڑی عیار دزدیدہ نظر ہے — چُرانا دل کا آنکھوں کا ہنر ہے
نہیں مایوس بخشش سے گنہ گار — الٰہی تیری رحمت پر نظر ہے
قفس میں چھوڑ دے بیداد صیاد — پریشاں بلبلِ بے بال و پر ہے
یہ گورِ قیس سے آتی ہے آواز — مری لیلےٰ مری لیلےٰ کدھر ہے
یہ دیتا ہے خبر سینے کی ہر دم — مرا تارِ نفس تارِ خبر ہے
تم آؤ یا نہ آؤ کچھ نہیں غم — مری آغوش میں دردِ جگر ہے
لحد کہتے ہیں جسکو اہلِ دُنیا — تھکے ماندے مسافر کا وہ گھر ہے
نہیں بھولا جو دیکھا تھا ازل میں — وہ نقشہ آجتک پیشِ نظر ہے
ترا سایہ ہے جبتک اپنے سر پر — نہیں کس بات کا خوف و خطر ہے
کٹی رونے میں ساری ہجر کی شب — ابھی تک اشک افشاں چشم تر ہے
بڑھاپے میں لحد کو ڈھونڈتے ہیں — جھکا ہے سر ہمارا خم کمر ہے
جہاں ملنے لگے آرام دل کو — وہی اپنا وطن ہے اپنا گھر ہے
بھٹکتا کیوں پھروں در در جہاں میں — درِ حاجت روا جب تیرا در ہے

کہاں ہے اور ہے کس حال میں وہ
نہیں قرباں احمد کی خبر ہے

میکشو حاصل کہاں وہ لطف مے نوشی میں ہے — کیف جتنا عاشقوں کو خود فراموشی میں ہے
کہہ رہا ہے سب سے میرے زخمِ دل کا ماجرا — اک زباں گویا دہانِ تنگِ خاموشی میں ہے
ہوش آنا زہر ہے وارفتگانِ شوق کو — ایک گونہ لطف حاصل خود فراموشی میں ہے
تو نے اے منصور کھویا بول کر لطفِ سکوت — گفتگو میں وہ کہاں جو کیف خاموشی میں ہے
میرا آنا شاق گذرا ہو نہ محفل میں کہیں — مدعی کمبخت کیوں مصروف سرگوشی میں ہے
چپ ہیں منہ سے کچھ نہیں کہتے سوالِ وصل پر — کچھ رضامندی کا پہلو انکی خاموشی میں ہے

چھن رہی ہیں اُنکے پرتو سے شعاعیں حسُن کی
رونمائی کی ادا۔ انداز روپوشی میں ہے

خاک ہے تو اے بشر اور خاک میں ملجائیگا
کسلئے نادان مصروف اتنا تن پوشی میں ہے

ان کی بدنامی کا باعث انکی شہرت کا سبب
میری خاموشی سے بڑھ کر انکی پردہ پوشی میں ہے

مسجدوں میں ڈھونڈتے پھرتے ہو زاہد کو عبث
میکدہ میں جاکے دیکھو بزم مے نوشی میں ہے

جا چھپا ہے دخترِ رز اب خرقۂ سالوس میں
شیخ جی کا خوف شامل اسکی روپوشی میں ہے

باطنی جوہر پہ اے قربال نہیں جاتی نظر
آجکل جو قابلیت ہے وہ تن پوشی میں ہے

چارہ گر اپنے مداوا میں تو ہشیار بھی ہے
کوئی اچھا ہوا اب تک ترا بیمار بھی ہے

بعد میں قتل کو تلوار اٹھانا ظالم
دیکھ لے پہلے کہ مظلوم خطاوار بھی ہے

آستیں اپنی بچا کیا نہیں واقف گلچیں
گل کے پہلو ہی میں فطرت نے رکھا خار بھی ہے

دیکھئے آج ہے کس شخص کی شامت آئی
تیر ترکش میں بھی ہے ہاتھ میں تلوار بھی ہے

کیوں ڈراتا ہے ہمیں شیخ تو دوزخ سے سدا
قہر کے ساتھ ہی میں رحمت غفار بھی ہے

اب نہیں ایسا کوئی راز جو کہدے سچا
ذکرِ منصور بھی ہے تذکرۂ دار بھی ہے

غیر کو شوق سے پھر مجھ سے سمجھنا بہتر
پوچھ لو جان کے دینے کو وہ تیار بھی ہے

بجلیاں دل پہ گرانے کو مٹانے کو مجھے
تیزیٔ گفتار بھی ظالم تری رفتار بھی ہے

صبر کر صبر کہ الفت کے چمن میں قربال
ایک میں ہی تو نہیں نرگس بیمار بھی ہے

کیوں فصل گل میں ٹوٹی ہوئی اسکی آس ہے
کیا کہدیا گلوں نے کہ بلبل اُداس ہے

ملنے کی اپنے دوست سے دنیا میں اے عدو
ہم کو نہیں ہے آس مگر تم کو آس ہے

تو نے لیا تھا مجھسے عدو تجھ سے لے گیا
ہے دل نہ میرے پاس نہ اب تیرے پاس ہے

خوش ہے جو میری روح تو عالم ہے شادماں
ہے دل مرا اُداس تو دنیا اُداس ہے

آئی خزاں تو پھول فسردہ سے ہو گئے
پہلی سی ان میں بو ہے نہ پہلی سی باس ہے

ناراض تم تو ہو خدا تو نہیں خفا
تم سے نہیں ہے آس خدا سے تو آس ہے

اپنے تو پاس جان ہے وہ بھی ہے عارضی
جو دل تھا اپنے پاس وہ دل تیرے پاس ہے

ہیں آج برق و باد کے آثار پھر کچھ اور
بلبل چمن میں بیٹھی ہوئی پھر اداس ہے

علم و کمال کی نہیں قرباںؔ قدر کچھ
قابل وہی ہے رکھتا جو دولت کہ پاس ہے

نمکداں لے کے آئے ہو تمہیں کیا آج سوجھا ہی   نہ چھیڑو زخم دل کا اب مرے انگور اچھا ہے
تعلق غیر سے تجکو تعلق مجھ کو ہے تجھ سے   تجھے اُس کی تمنا ہے مجھے تیری تمنا ہے
عدم سے بات اچھی اسمیں کوئی بھی نہیں پائی   نرالے بزم امکان جو تماشا ہے وہ جھوٹا ہے
تمہیں جس سے عداوت ہو برا تم جسکو کہتے ہو   وہی ناکام الفت ہے وہی الفت میں رسوا ہے
جسے تم نے کبھی دیکھا تھا بام طور پر جا کر   ہمارے دلمیں ہر دم حضرت موسیٰ وہ جلوہ ہے
بتوں کے عشق میں بدمستیاں کی عمر بھر ہمنے   یہاں تو خوب گذری اب فقط محشر کا کھٹکا ہے

عدو کس طرح اے قرباںؔ آئیگا مقابل میں
کہ ہم خادم ہیں الفت کے ہمیں الفت کا دعوی ہے

شکن بستر کی اب اسکے لئے اک خار بستر ہے   ترا بیمار الفت فی الحقیقت عار بستر ہے
لگے چبھنے نقاہت کے سبب سے شل بھی بستر کے   ہوئی اب استخواں میری زبانِ خار بستر ہے
نقاہت نے نکھارا رنگ کیسا تیرے عاشق کا   گلِ بستر سے بھی نازک ہے وہ جو خار بستر ہے
نہ تاب اٹھنے کی ہے ہمکو۔ نہ ہمت بیٹھ جانیکی   ہمارا جسم لاغر چارہ گر اب بار بستر ہے
کوئی تکیہ جو رکھتا ہے ترے عاشق کے پہلو میں   سمجھتا وہ اسے اپنی نظر میں خار بستر ہے
نہ تھا اس کا پتہ صبحِ شبِ غم اپنے بستر پر   ترا بیمار بھی مجموعۂ اسرار بستر ہے
میرے ہمراہ سوتا ہے تو زینت اسکی ہوتی ہے   یہ زینت تیرے دم سے ہے تو ہی سرکارِ بستر ہے
اُسی کو اپنے بستر پہ لئے بیٹھے ہو خلوت میں   جو نظروں میں جہانِ عیش کی ادبار بستر ہے

عدو جب بیٹھتا ہے میں سمجھ لیتا ہوں اے قرباںؔ
نگاہوں میں مری ہر ایک اُن کا تارِ بستر ہے

آہ اے عاشق نہ کر اور ضبط سے کچھ کام لے   تیر جب پھینکے کوئی ہاتھوں سے دلکو تھام لے
خوف ہے افشائے الفت کا دلِ مجبور میں   دل لرزتا ہے کسی کا کسطرح سے نام لے
دیکھ بیٹھے ہیں ہزاروں رند تیرے منتظر   ہاتھ میں ساقی صراحی لے قدح لے جام لے
پھول وہ کس کام کے بلبل سے نفرت جو کریں   ہے گلوں سے خار ہی اچھا جو دامن تھام لے
ابر باراں ہے۔ بہاریں ہیں۔ ہوائیں سرد ہیں   محتسب آئے تو ساقی آج اذنِ عام لے

میں بھی کچھ تدبیر سوچوں فکر کچھ وہ بھی کریں
ایک دم بھر کو بھی دم جو گردش ایام لے

کارنامہ میری الفت کا اگر سن لے رقیب
پھر کبھی الفت کا تیری وہ نہ ہرگز نام لے

صبح ہوتے اسکے منہ سے آئے خوشبوئے نسیم
نام جو دلسے خدا کا صبح لے اور شام لے

شکوۂ شام درازِ ہجر پہ طعنے سنے
اپنے سر قربانؔ کیوں اتنا بڑا الزام لے

کیوں ملے غیر کہ بے ساتھ اُسے لائے نہ بنے
بات ہی کرتے ہو ایسی جو بنائے نہ بنے

جذبِ الفت میں اثر کچھ بھی جو پیدا ہو جائے
چین پھر تم کو مرے گھر پہ بن آئے نہ بنے

میری آہوں سے جو محفل میں اندھیرا ہو جائے
رُخ پر نور سے بے پردہ اٹھائے نہ بنے

عمر بھر کاتب تقدیر کے شاکی ہی رہے
بگڑے تھے جنکے مقدر وہ بنائے نہ بنے

گر نہ جاؤں تو تقاضے ہوں دلِ مضطر کے
اور جاؤں تری محفل میں تو جائے نہ بنے

میری ہی طرح ترا دل بھی جو ظالم ہو جائے
چین بے اپنے کلیجے سے لگائے نہ بنے

آئی ہے جوش میں یوں انکی جوانی کی اُمنگ
نہ دبائے نہ بنے اور دبائے نہ بنے

انکی محفل کا یہ قربانؔ عجب رنگ ہوا
جانا چاہے جو وہاں کوئی تو جائے نہ بنے

راہ چلتوں سے ہمیشہ پوچھتے منزل رہے
تھے جو آگاہ رہِ الفت وہی غافل رہے

رکھ کے گردن پر چھری تو پھیر دے بیفکر و رنج
کوئی ارماں دلمیں اب باقی نہ اے قاتل رہے

تیر دونوں کی طرف اک پھینکدے اے چشم یار
کیوں جگر مایوس کیوں محروم میرا دل رہے

فتیں الفت میں تری اک جذب ایسا چاہئے
روح بنکر دل کے اندر لیلی محمل رہے

کیا تعجب ہے نگاہِ مہر ہو جائے تری
ہو کے آساں ایکدن آخر مری مشکل رہے

وہ چھٹے لاعلم ہو کر یہ پھنسے خود علم سے
فائدے میں عالموں سے حشر میں جاہل رہے

اپنی قسمت کا سفینہ پھنس گیا گرداب میں
اور ہم موجوں میں ناحق ڈھونڈتے ساحل رہے

عشق میں بھی اپنی حالت کچھ نمایاں ہی رہی
سب کے محفل میں تری ہم رونق محفل رہے

غیر کی صورت جو تجھ پر رحم آجائے اُنھیں
پھر کوئی باقی نہ اے قربانؔ تری مشکل رہے

اللہ کی زمیں سے تہیں کیوں غبار ہے
ٹھوکر کے واسطے مرا سنگ مزار ہے

واعظ دکھا نہ خوف دوروزہ حیات سے — کیا اپنی زندگی کا تجھے اعتبار ہے
ساقی جو تیرے ہاتھ سے پی تھی ازل کے دن — اسکا ہی آجتک مرے سر میں خمار ہے
مثل حباب نقش مٹے گا یہ ایک دن — معلوم اپنی زیست کا انجام کار ہے
جس نے کئے تھے حیلۂ رحمت سے سب گناہ — بخشش کا اسے رحیم وہ امید وار ہے
داغوں کے رنگ ابھار دے موج ہوائے غم — منظور ان کو دیکھنی دل کی بہار ہے
کل تک برس رہی تھی جہاں مستی بہار — افسوس خشک آج وہی لالہ زار ہے

وہ تجکو روند کر بھی نہ شاید ہوں مطمئن
قرباں اُن کے دلمیں بہت ہی غبار ہے

ہزار بار چمن میں چمن کے پھول کھلے — مگر نہ میرے دلِ پُر محن کے پھول کھلے
ضرور تو دلِ پُر داغ دیکھتا میرا — تجھے جو دیکھنے ہوتے چمن کے پھول کھلے
بہت سے کیڑوں نے انہیں میں کردئے روزن — ہزاروں گور کے اندر کفن کے پھول کھلے
زمانہ گذرا عزیزوں میں ہم نہیں پہونچے — الٰہی دیکھتے پھر بھی وطن کے پھول کھلے
لگا کے مرہم کافور کردیا منہ بند — کسی نے دیکھے نہ داغ کہن کے پھول کھلے
تمہارے واسطے چاہا کہ توڑ لیں اُن کو — نظر جو آئے کہیں یاسمن کے پھول کھلے
ہمارے دم ہی سے رونق بڑھی ہے محفل کی — ہمارے دم سے تری انجمن کے پھول کھلے
ترے خدنگِ محبت نے کردیا زخمی — تری جفا سے ہمارے بدن کے پھول کھلے

جہاں کے باغ فصاحت میں آج اے قرباں
بڑے عجیب یہ تیرے سخن کے پھول کھلے

سخت دل جتنا ہے اتنا ہی جفا کار بھی ہے — جیسا معشوق ہے ویسا ہی دل آزار بھی ہے
حیف ہے ساتھ نہو ایسے میں پیرا معشوق — نغمہ ہے ساز بھی ہے رنگ پہ گلزار بھی ہے
پھول توڑے ہے کہیں ہاتھ نہ زخمی ہوجائیں — دیکھ گلچیں انھیں پھولوں میں کہیں خار بھی ہے
ہاتھ میں میرے دکھانے کو ہے ہردم تسبیح — اور پوشیدہ گلے میں مرے زنار بھی ہے
اس پہ بھی ڈال دے چھینٹے تو ذرا ابر کرم — تیری رحمت کی تمنا میں گنہگار بھی ہے
حسن یوسف نظر آتا نہیں آنکھوں کو کہیں — ہے وہی مصر وہی مصر کا بازار بھی ہے
قتل کا سہرا رہے دیکھئے کس کے سر پر — ہاتھ میں تیر بھی ہے پہلو میں تلوار بھی ہے

عشق میں تیرے نہیں کونسی آفت ہم پر
شکوۂ دوست بھی ہے طعنۂ اغیار بھی ہے

عشق میں تیرے اسیر آج ہے دل بھی میرا
دام میں تیرے یہ قرباںؔ گرفتار بھی ہے

میری حالت کی کچھ خبر نہ رہی
مجھ پہ الطاف کی نظر نہ رہی

دیکھی دل نے جو غیر کی تکلیف
میری حالت کی کچھ خبر نہ رہی

اس نے دنیا میں کر دیا رسوا
اپنے قابو کی چشم تر نہ رہی

غیر کا نخل آرزو سینچا
میری الفت بھی بے ثمر نہ رہی

رکھ دیا کیا کسی نے ہاتھ اپنا
آج کیوں سوزش جگر نہ رہی

تو نے ساقی پلا دی کیسی مے
ایک ہی جام میں خبر نہ رہی

بے ہنر ہوں یہ ہی ہنر ہے مرا
اب کہیں وقعت ہنر نہ رہی

ان کے آنے کی کیا خبر قرباںؔ
مجھکو اپنی بھی کچھ خبر نہ رہی

نہ تو سودائی ہے کوئی نہ یہ دیوانہ ہے
شمع تو ہے۔ دل سوزاں ترا پروانہ ہے

اب کوئی دم میں چھلکنے کو ہے دل اے ساقی
بادۂ یاس سے لبریز یہ پیمانہ ہے

جسکے منہ سے یہ لگا پھر نہ چھٹا تا بہ حیات
کچھ عجب چیز مئے عشق کا پیمانہ ہے

بات جب ہے کہیں۔ اب اس سے بچاؤ باہر
تم نے آباد کیا دل کا جو ویرانہ ہے

صبح محفل کی اداسی کا یہ عالم توبہ
شمع اب بزم میں باقی ہے نہ پروانہ ہے

دیکھتا ہے جو کوئی ہوش اڑا دیتا ہے
آنکھ ساقی ہے تری یا کوئی میخانہ ہے

دونوں تھے ایک ہی سی غور سے دیکھا جو خلیل
تیرا کعبہ ہے وہی جو مرا بتخانہ ہے

اپنے عاشق سے جو تم کرتے ہو باتیں الٹی
کوئی سودائی ہے یہ یا کوئی دیوانہ ہے

نزع کے وقت کسی کی یہ صدا آتی ہے
ابھی قرباںؔ محبت سے تو بیگانہ ہے

ترے دل میں اے شیخ نار خودی ہے
نہیں مانتا میں کہ تو جنتی ہے

بجھے گی فقط یہ بجھائے سے تیرے
تری آگ جو دل کے اندر لگی ہے

ترے واسطے ہے فقط اسکی خواہش
نہیں اپنے جینے کی ہم کو خوشی ہے

محبت تو کرتا ہے لیکن غرض کی
عدو تجھ میں اتنی ہی باقی کمی ہے

زمانے میں ہے نام جسکا قیامت
مرے دل کی بڑھتی ہوئی بیکلی ہے

تجھے آپ صیاد چھوڑے گا بلبل
نصیبے میں تیرے اگر مخلصی ہے

مرے دل کی کلفت مرے دل کی سوزش
مٹائیگا وہ ہی مجھے جسنے دی ہے

نہیں دونوں دراصل خالی مزے سے
طریقہ کی گر دشمنی دوستی ہے

یہ قربان کیا بچ گئی ہے خزاں سے
کلی جو تمنا کی تیری کھلی ہے

میرا ارماں اور ہے میری تمنا اور ہے
میری حسرت اور ہے میرا تقاضا اور ہے

میرا مطلب وصل سے ہے انکا مطلب دلسے ہے
میری منشا اور ہے اُن کی تمنا اور ہے

کہتے ہیں دُنیا جسے اور کہتے ہیں عقبیٰ جسے
اس کا جلوہ اور ہے اس کا تماشا اور ہے

چارہ گر ہوتا نہیں اچھا دوا سے یہ کبھی
ان کے بیمارِ محبت کا مداوا اور ہے

اس کی قیمت ہے مگر اس کی کوئی قیمت نہیں
حسنِ یوسف اور ہے حسنِ زلیخا اور ہے

قیس وہ تو دلنشیں ہے اور یہ محمل نشیں
تیری لیلیٰ اور ہے اور میری لیلیٰ اور ہے

موت سے ڈرتا ہے وہ اور موت کا خوگر ہی یہ
دل عدو کا اور ہے اپنا کلیجہ اور ہے

اس کا ساماں وقت کا ہے اس کا ساماں ہمیشگی
فکرِ دنیا اور ہے اور فکرِ عقبیٰ اور ہے

مجھکو سب دیوانہ کہتے ہیں تجھے دیوانہ گر
میری شہرت اور ہے اور تیرا چرچا اور ہے

مرحلے دُنیا کے طے ہم کر چکے جتنے کہ تھے
موت کا قربان باقی ایک جھگڑا اور ہے

کیا ہے شاد کر کے اسکو پھر ناشاد کیوں تو نے
بتا دے اپنے عاشق پر یہ کی بیداد کیوں تو نے

نہ ارماں میرا کچھ پوچھا۔ نہ خواہش میری کچھ پوچھی
کی اتنی قتل میں جلدی بتا جلاد کیوں تو نے

ڈرا ہوں جب نزع میں موت سے تو دی صدا اُسنے
کہ مجھکو شامِ فرقت پھر کیا تھا یاد کیوں تو نے

نہیں منظور تجھ کو دل دُکھانا جب کسی کا بھی
کیا بلبل کو پھر پابند اے صیاد کیوں تو نے

نہ حاصل ہو سکی شیریں۔ رہا ناکام دُنیا میں
پھر اپنی جان دیدی عشق میں فرہاد کیوں تو نے

کیا اقرار کر کے وصل کا انکار کیوں آخر
مرا دل شاد کر کے کر دیا ناشاد کیوں تو نے

وہ صبح شامِ غم طعنہ یہ دینے آئے ہیں مجھکو
تجھے تھا ضبط کا دعویٰ تو کی فریاد کیوں تو نے

یقیں تھا جب تجھے سعیٔ وفا کی نامرادی کا
کی اپنی عمر اے قربانؔ پھر برباد کیوں تو نے

آئیگا کیا ہاتھ تیرے دل پہ نشتر مار کے
مر رہیں گے ایک دن ہم آپ خنجر مار کے

رنج کرتا ہے عبث کشتے کا اپنے اے مسیح
مر گیا ہے تو جلا دے ایک ٹھوکر مار کے

ایک قطرہ بھی کبھی دل سے نہ نکلا خون کا
بارہا فصاد نے دیکھا ہے نشتر مار کے

آہ اے صیاد اک مظلوم سا مرغ چمن
دام میں تیرے پھنسا دو چار ہی پر مار کے

روز کے رنج و الم سے چھوٹ جائے ایکدن
توڑ دو دل کو مرے دو چار پتھر مار کے

میں اگر کمزور دل ہوتا تو مر جاتا یوں ہی
مر گیا فرہاد جیسے تیشہ سر پر مار کے

کون پہونچا کوچۂ دلدار تک میرے سوا
بیٹھ آخر سب گئے دو چار چکر مار کے

راز ہستی کا نہ ابتک عقل انساں سے کھلا
رہ گئے اس راستے میں سیکڑوں سر مار کے

روح مضطر کو تری کچھ چین آیا یا نہیں
مجھسے قربانؔ پوچھتے ہیں تیر دل پر مار کے

تیر جب نظروں کے چل جانے لگے
دل کے کچھ ارماں نکل جانے لگے

اک زمیں کیا شام غم ساتوں فلک
میرے نالوں سے دہل جانے لگے

حشر کیسا ہوگا اگر ارمان بھی
ساتھ میرے اے اجل جانے لگے

میکدے میں دخت رز کو دیکھ کر
شیخ صاحب کیوں پھسل جانے لگے

بدنصیبی سے زمانے کی طرح
کر کے وعدہ وہ بدل جانے لگے

نخل الفت بار ور ہونے لگا
اب تو زخم دل بھی پھل جانے لگے

مرہم کافور سے یہ زخم دل
برف کی مانند گل جانے لگے

وصل کا ان سے کیا جب بھی سوال
سن کے وہ قربانؔ ٹل جانے لگے

بیمار غم کو شربت دیدار چاہئے
اے چارہ گر دوا یہی ناچار چاہئے

سختی سے اس کا شیشۂ دل ٹوٹ جائیگا
عاشق کے ساتھ نرمیٔ گفتار چاہئے

ساقی کلید میکدہ ہے عید چاند کا
کرنا نہ بند خانۂ خمار چاہئے

شاید وہ دیکھنے کبھی آئیں جنوں کی سیر
زنداں میں ایک روزن دیوار چاہئے

دل دیکے وہ رہینِ ندامت رہے مدام
عاشق پہ اتنا ظلم نہ دلدار چاہیے

ساقی نے بے طلب ہی تجھے دیدیا ہے جام
تجھ کو تو شکر رندِ قدح خوار چاہیے

کہتے ہیں نے کے میری نگاہوں کا امتحاں
تجھ سا ہی مجھ کو محرمِ اسرار چاہیے

فتنوں کے ساتھ ساتھ ہی اتنا ہے خیال
دُنیا کو دیکھنا دمِ رفتار چاہیے

قربانؔ ہے جو عشق بتوں کا ترا شعار
تسبیح کے عوض تجھے زُنار چاہیے

جو صلح و جنگ ہوتی ہے اسی منزل میں ہوتی ہے
عداوت دل میں ہوتی ہے محبت دل میں ہوتی ہے

لڑی رہتی ہیں نظریں جلوۂ بیباک قاتل سے
ذرا بھی جان باقی گر دلِ بسمل میں ہوتی ہے

نگاہِ شوق کو وہ دیکھ کر اکثر یہ کہتے ہیں
جو ہوتی ہے زباں پر تیرے میرے دل میں ہوتی ہے

ہمارے دل کے اک کونے میں رہتی ہے تجلی سے
یہ جتنی روشنی اک شمع سے محفل میں ہوتی ہے

نہیں ہوتی کسی وادی کسی رستے میں دُنیا کے
جو سختی عشق کی صبر آزما منزل میں ہوتی ہے

پھڑک اٹھتے ہیں خنجر دیکھ کر کشتے محبت کے
کہ انکی جانِ محزوں خنجرِ قاتل میں ہوتی ہے

چھپا لیتی ہے اپنا شمع بھی فانوس میں چہرہ
عدو سے جب نظر بازی تری محفل میں ہوتی ہے

مجھی کو آپ اٹھاتے ہیں مجھی پر ظلم ڈھاتے ہیں
مرے ہی دم سے رونق آپکی محفل میں ہوتی ہے

نہ مانگو ترکِ ارماں کی دعا سمجھائے دیتے ہیں
کہ ارمانوں سے اے قربانؔ رونق دل میں ہوتی ہے

ہو جاتی ہے کیا ہجر میں حالت نہیں کہتے
ہم اُنسے کبھی اپنی مصیبت نہیں کہتے

اسکو بھی سمجھتے ہیں ادا حسن کی عاشق
معشوق کی رنجش کو عداوت نہیں کہتے

اے شیخ قیامت کو لئے پھرتے ہو اپنی
کیوں چال کو تم انکی قیامت نہیں کہتے

گو پرسشِ احوال کو آتے ہیں مسیحا
ہم اُن سے بھی کچھ حالِ طبیعت نہیں کہتے

ہو دوست میں اخلاص تو ہے لطفِ محبت
مطلب کی کبھی رسم کو الفت نہیں کہتے

وعدوں کے وفا کرنے کو کہتے ہیں مروت
وعدوں میں جھلانے کو مروت نہیں کہتے

ہم جانتے ہیں اسکو بھی اک حسن کی سیرت
شوخی کو تری ہم تو شرارت نہیں کہتے

ہم روح کی صورت اسے رکھتے ہیں چھپائے
ہمراز سے بھی رازِ حقیقت نہیں کہتے

قربانؔ رہِ عشق میں ہے لطفِ ستم بھی

اُلفت میں مصیبت کو مصیبت نہیں کہتے

جاں دیتے ہیں اور جان کی پروا نہیں کرتے
بسمل کی طرح ہم کبھی تڑپا نہیں کرتے

کرتے ہو بُرا۔ تم اُسے اچھا نہیں کرتے
عیسیٰ ہو مگر دل کا مداوا نہیں کرتے

ہم تیری محبت کو صدا رکھتے ہیں دل میں
غیروں کی طرح عشق کا دعویٰ نہیں کرتے

کرتے نہیں دُنیا میں کبھی حسُن کا چرچا
کرتے ہیں محبت تمہیں رسوا نہیں کرتے

لیجاتے ہیں الفت تری خاموش لحد میں
مرجاتے ہیں اور عشق کا چرچا نہیں کرتے

گم گشتہ ہوں اے قافلہ والو مجھے ڈھونڈو
کیا گم شدہ راہ کو ڈھونڈا نہیں کرتے

وعدہ تھا یہی ہم سے یہی شرطِ وفا ہے
آجاؤ کبھی گور پہ اتنا نہیں کرتے

مرضی ہے خدا کی ہیں بخشے کہ نہ بخشے
ہم اُس سے کسی شے کا تقاضا نہیں کرتے

دیں نعمتیں کیا کیا نہیں دنیا میں مگر تم
قرباںؔ کبھی شکر خدا کا نہیں کرتے

سرورِ دل مرا تو ہے۔ مرا نورِ نظر تو ہے
برنگِ شمع محفل جان و دل میں جلوہ گر تو ہے

نہ پھر کیوں حسُن پاکیزہ ہو تیرا جب زمانے میں
دُعاؤں کا نتیجہ تو ہے میری اور اثر تو ہے

جسے سینچا ہے خونِ آرزو سے عمر بھر دل نے
اسی نخلِ تمنا کا تو اک تازہ ثمر تو ہے

نہیں تو ہم سے غافل ہم اگرچہ تجھ سے غافل ہیں
بہت ہی بے خبر ہم ہیں بہت ہی باخبر تو ہے

وہ سودا دیکے مجھ سے پوچھتے ہیں دشتِ غربت کا
تبارو پوش رہتا کس طرف شام و سحر تو ہے

کسی کا تجھ میں جلوہ ہے جو روشن تیرا پیکر ہے
ضیا پاتا کسی کے نور سے نورِ قمر تو ہے

خیالِ یار آکر شبِ فرقت اندھیرے میں
کلیجے میں مرے غم کا چھبوتا نیشتر تو ہے

خدا کی کس طرح باتیں تجھے معلوم ہو جائیں
کہ اے انسان ہستی تک سے اپنی بیخبر تو ہے

ہمیں افسوس آتا ہے تری حالت پہ عادت پہ
ہنرمندوں میں اے قرباںؔ رہکر بے ہنر تو ہے

کہاں ہونے دیا اپنے ستم کو بھی عیاں تو نے
کہ رکھا درد بھی ظالم مرے دلمیں نہاں تو نے

مٹا کر مجھ کو پھر میرا۔ مٹا ڈالا نشاں تو نے
کہ اے صیاد گلشن میں جلایا آشیاں تو نے

کبھی غم کی سنی آکر نہ میری داستاں تو نے
تغافل سے مجھے رکھا یونہی محوِ فغاں تو نے

مرے مکتوب پر قاصد عدو کو دیکھ کر حاضر
تماشا کیا وہاں پر کی عجب رنگ آمیزیاں تو نے

الٰہی ننگِ عالم جسکو اک عالم سمجھتا ہے
اُسی کو بخشدیں فطرت کی ساری خوبیاں تونے

سنا ہے آج وہ گلگشت کو گلشن میں آتے ہیں
کیا ہے ساز و ساماں کیا نیا ای باغباں تونے

غضب ہے پھر بھی دل کی قدر قیمت تو نہیں کرتی
لیا ہے بار ہا اے چشمِ جاناں امتحاں تونے

لحد میں کام آئیگی وہ کیڑوں اور مٹی کے
جو چھوڑی تن میں باقی استخواں سوزِ نہاں تونے

تڑپ بجلی کی تیرے سامنے بیکار ہو جاتی
جو دل کی دیکھ لی ہوتیں مرے بے چینیاں تونے

بڑی ہی بیوفا۔ بے مہر اور ناآشنا نکلی
نہ منہ ہم کو دکھایا جاکے پھر عمرِ رواں تونے

وفا کا تیری اے قرباںؔ نہ آیا اعتبار ہم کو
فدا کر دی اگرچہ اس پہ جانِ ناتواں تونے

بیٹھے ہیں ترے واسطے ساماں کئے ہوئے
آہوں سے دل کو سرو چراغاں کئے ہوئے

سنتے ہیں آکے دیکھیں گے وہ زخمِ دل ضرور
بیٹھے ہیں ہم بھی چاک گریباں کئے ہوئے

کہتے ہیں اس پہ خون کسی کا چڑھائیں گے
خنجر کو آج لائے ہیں عریاں کئے ہوئے

مر کر بھی اسکو نیند نہ آئی تہِ مزار
جو تھے جمالِ یار کے حیراں کئے ہوئے

رحمت نے خود خطاب کیا کیوں ہو۔ ناامید
بیٹھے تھے ہم تو ماتمِ عصیاں کئے ہوئے

دامن سے خاک جھاڑ کے کرتے ہیں غسل وہ
آئے ہیں سیرِ گنجِ شہیداں کئے ہوئے

سایہ سے میرے جس کو رہا عمر بھر گریز
پھرتے ہیں آج بال پریشاں کئے ہوئے

پھر اے نگاہِ ناز کوئی داغ ہو عطا
مدت ہوئی ہے دل میں چراغاں کئے ہوئے

ملتی ہے مشکلوں سے گنہگار کو نجات
قرباںؔ پیش آتے ہیں عصیاں کئے ہوئے

وہ کی نہ بات آپ نے اچھا کہیں جسے
اُس کو ترس رہا ہوں مداوا کہیں جسے

بنتا ہے بحر گرتا ہے جو اشک آنکھ سے
قطرہ ہے اُسکے سامنے دریا کہیں جسے

باطن کی آنکھ کھول کے کر امتحاں کبھی
اے قیس تیرے دل میں ہے لیلیٰ کہیں جسے

اے کاش دیکھنا ہو نہیں عشق میں نصیب
یارب وہ خواب، خوابِ زلیخا کہیں جسے

اب کون ہو مریضِ محبت کا چارہ گر
وہ بھی تو ناامید ہے عیسیٰ کہیں جسے

یہ آرزو ہے تم سے میں ایسی وفا کروں
الفت کا میری لوگ نتیجا کہیں جسے

کہتے ہیں اذن دیکے مجھے عرضِ حال کا
کرنا نہ کوئی بات تقاضا کہیں جسے

اس میں پھنسا جو کوئی وہ کھویا گیا عزیب
یہ اک کھلا فریب ہے دنیا کہیں جسے

دل میں پلی تمنا بھی اسی دل میں ہوگئی
قربان بدنصیب تمنا کہیں جسے

کیوں نہ محنت پھر ٹھکانے تیری پروانے لگے
شمع پر جل کر جو تو غم کا مزہ پانے لگے

آگیا جب وقت پیری نا امیدی آگئی
زیست کا اپنی پیالہ آپ چھلکانے لگے

غیر سے آنکھیں لڑانے کا اگر شکوہ کیا
نکلے وہ لاعلم دیدہ و نئی قسم کھانے لگے

دیکھنے کی چیز تھی ان کی حیا بعد وصال
جب چھپا کر منہ کو دامن میں شرمانے لگے

نکلے فریادی جو میں پیش خدا جانے لگا
مجکو محشر میں فرشتے آکے سمجھانے لگے

رند جب بگڑے تو بھاگا میکدہ سے محتسب
بوتلیں دو چار کھائیں چند پیمانے لگے

بات جب ہے جو برابر عشق ہو دونوں طرف
تجکو الفت ہو تو مجکو بھی مزہ آنے لگے

مل گئی اچھی غذا۔ یہ عاشقوں کو عشق میں
خون دل پینے لگے لخت جگر کھانے لگے

اسلئے **قربان** کہتے تھے نہ تو ان کو برا
سنکے تعریفیں وہ آخر اپنی شرمانے لگے

آپ کہتے ہیں کہ گلشن میں بہار آنیکو ہے
یوں جو کہیئے ایک شے ناپائدار آنیکو ہے

بلبلوں کو بعد مستی پھر خمار آنے کو ہے
پھر خزاں جانے کو ہے فصل بہار آنیکو ہے

ہمنے تو دیکھا نہ اس کو عمر بھر میں ایکبار
کون کہتا ہے کہ گلشن میں بہار آنیکو ہے

بہہ گیا یہ بھی تو پھر کیا نذر دے گی یار کو
آخری آنسو بھی چشم اشکبار آنیکو ہے

اب ضرورت ہے تری تنویر کی اے داغ دل
وہ بجھانے کو مری شمع مزار آنیکو ہے

کام اپنا کر گئے اشک ندامت کس قدر
حکم بخشش کا تری اے تیرہ کار آنیکو ہے

موت آنیوالی ہے سن مجھسے مجبور فراق
بیقراری حد سے گذری اب قرار آنیکو ہے

آج یہ کیسی پلادی چشم ساقی نے شراب
تھامنا گرنے کو ہوں مجھ کو خمار آنیکو ہے

دیکھ کر صورت مری کیوں ہوگئی غمناک سی
کچھ مروت تجھ میں کیا اے چشم یار آنیکو ہے

تو نہ گھبرا۔ اسقدر طول علالت سے مری
جلد میری موت اے تیماردار آنیکو ہے

صورت منصور یہ بھی کچھ نہ کہدے دیکھنا
اہل عالم دار پر اک رازدار آنیکو ہے

پھول کیا آنکھیں بچھادے بلبلوں کی فرش پر
باغ میں اے باغباں اک گلعذار آنیکو ہے

دیکھیئے ہم کو میسّر دیکھنا ہو یا نہیں
سُنتے ہیں قربانؔ اب کے پھر بہار آنیکو ہے

کیوں نہیں اک دوسرے کے ہائے یہ دلمیں رہے
دشت میں قیس۔ اور لیلیٰ قیدِ محمل میں رہے

خون پروانوں کے لاکھوں تیری گردن پر رہیں
اور جلتی صبح تک تو شمعِ محفل میں رہے

وہ بھی ہوگا کوئی طے جس سے ہوئی ہو راہِ عشق
سیکڑوں واماندہ تھک کے بیچ منزل میں رہے

آج تو خنجر بھی ہے مقتل بھی ہے قاتل بھی ہے
آج کیوں ارمان باقی قلبِ بسمل میں رہے

بعدِ مُردن ہو نہ رسوائی جفائے دوست کی
میرا مدفن راز بنکر کوئے قاتل میں رہے

میرے دلمیں بھی یونہی رہتا ہے کوئی پردہ دار
جسطرح اے قیس لیلیٰ چھپکے محمل میں رہے

کسطرح پھر کشتۂ حسرت کنارے سے لگے
ایک طوفاں موج کا جب روئے ساحل میں رہے

کیا ضرورت ہے مجھے مارا پھروں میں دربدر
دونوں عالم کا تماشا آنکھ کے تل میں رہے

فطرتاً مشکل پسندی جبکہ ہو تیرا شعار
کیوں نہ پھر قربانؔ تیری جان مشکل میں رہے

گلرو وہ ایسا شانِ گلستاں کہیں جسے
محبوب وہ کہ جانِ پرستاں کہیں جسے

اب کے تو عندلیب ہے آئی نصیب سے
ایسی بہار جانِ گلستاں کہیں جسے

گلشن کو دل کے برق گرا کر جلاؤ تو
آئے وہ بُو شمیمِ گلستاں کہیں جسے

مجھ کو نظر نہ آئے تو تاریک ہے جہاں
وہ رُوئے صاف مہرِ درخشاں کہیں جسے

گلچینئے بہار سے کیا مجھکو واسطہ
میں تو وہی ہوں خار بہ داماں کہیں جسے

میری ہی آہِ دل کے شرارے تمام ہیں
روشن جبینِ چرخ پہ افشاں کہیں جسے

عشقِ بتاں میں عمر ہی ساری گذار دی
ہمکو کہاں نصیب ہے ایماں کہیں جسے

دیکھا شبِ فراق انھیں پہلو میں غیر کے
آیا وہ خواب۔ خوابِ پریشاں کہیں جسے

قربانؔ کو جہاں میں قسمت نے ہے دیا
سینہ بھی وہ کہ گورِ غریباں کہیں جسے

نہ جھاڑو تم نہ جھاڑو تم ہماری خاک دامن سے
نشانی لیکے آئے ہو یہی تو ایک مدفن سے

محبت نے تمہاری دین و ایماں کر دئے غارت
تعلق کیا رہا باقی مرا شیخ و برہمن سے

بھٹکتے پھرتے ہیں آتے نہیں دلمیں مگر بسنے
تو کیا واقف نہیں ہیں آجتک وہ میرے مدفن سے

بصد نفرت جھٹک کر ہاتھ دل توڑا زلیخا کا
ہو گا دور یہ دھبہ کبھی یوسف کے دامن سے

یہ ظالم چلتے چلتے اک نظر میں چھین لیتے ہیں
بہت مشکل ہوا دل کا بچانا چشم رہزن سے

وہی جلوہ وہی حیرت وہی آنکھوں میں کیفیت
میں لایا کوئے جاناں سے جو موسیٰ لائے ایمن سے

سمجھتے ہیں کہ یہ بھی ہے جواب لحن داؤدی
خدا کی شان خوش ہیں وہ مرے فریاد و شیون سے

مرا مرنا انھیں تو عید ہے سامان عشرت ہے
مرے ماتم کا حلیہ ہے گلے ملتے ہیں دشمن سے

اُنھیں قرباں آیا یاد شاید واقعہ کوئی
وہ آئے تو بہت روئے لپٹ کر لوح مدفن سے

کہاں رونق چمن میں برق اور باراں سی ہوتی ہے
فقط اک بلبلوں کے دیدۂ گریاں سی ہوتی ہے

خطا پر کیوں خفا ہوں وہ خطا کی کیوں سزا دیں وہ
فرشتوں سے بھی ہوتی ہے اگر انساں سی ہوتی ہے

اسے پہلو میں رکھ کر کیوں مجھے پہلو میں ڈالا ہے
جو لغزش ہوتی ہے میرے دل ناداں سی ہوتی ہے

یہی دو سامنے ناقابل برداشت حربے ہیں
رہائی کب کسی کی ابرو و مژگاں سی ہوتی ہے

ہمیشہ ختم ہوتی ہے محبت ناامیدی پر
مرتب رسم الفت وعدۂ و پیماں سی ہوتی ہے

فلک پر چاند تارے کان رکھ کر اسکو سنتے ہیں
ہماری گفتگو جو کچھ شب ہجراں سی ہوتی ہے

بہت بیتاب ہو کر وہ گرا دیتی ہے کچھ آنسو
ہماری گفتگو جب نرگس حیراں سی ہوتی ہے

اُسے قرباں فقط دامان رحمت جذب کرتا ہے
ندامت کی جو بارش دیدۂ گریاں سے ہوتی ہے

کیوں تو مجھکو ستائے جاتا ہے
خون اپنا بہائے جاتا ہے

رنگ بسمل جمائے جاتا ہے
خون اپنا بہائے جاتا ہے

دل میں اس کا خیال آ آ کر
درد الفت بڑھائے جاتا ہے

کھو کے محنت کو تیری چارہ گر
آج بیمار ہائے جاتا ہے

دل مضطر میں نشتر غم دوست
کیوں تو چرکے لگائے جاتا ہے

کہہ کے زاہد برا بتوں کو تو
دل کو میرے دکھائے جاتا ہے

تیرے کہنے سے غیر محفل میں
پھبتیاں کیوں اڑائے جاتا ہے

اس کی رحمت اسی پہ ہوتی ہے
سر جو اپنا جھکائے جاتا ہے

اس کو بھی آزماؤں میں قرباں

جو مجھے آزمائے جاتا ہے

لکھے ہوئے الفاظ مٹائے نہیں جاتے
بگڑے ہیں جو نصیبے تو بنائے نہیں جاتے

نغمے اُنھیں نالوں کے سنائے نہیں جاتے
دل ہمسے حسینوں کے دُکھائے نہیں جاتے

للّٰہ اٹھا ہاتھ تو جور اور جفا سے
ہم سے یہ ستم اب تو اٹھائے نہیں جاتے

منت سے سماجت سے بھی چلتا نہیں کچھ کام
یوں رُوٹھے ہیں مجھ سے کہ منائے نہیں جاتے

کر بار سے عصیاں کے سبک اے مرے خالق
ہے بوجھ بہت پاؤں اٹھائے نہیں جاتے

محشر میں جو۔ اب سامنے آتے ہیں یہ اعمال
کیوں پہلے کبھی پڑھ کے سنائے نہیں جاتے

ہاتھوں میں مرے خون کی تم ملتے ہو مہندی
کیوں خون سے دشمن کے رچائے نہیں جاتے

آنکھوں میں ہوئے خشک ترے خوف سے آنسو
اب اشک ندامت بھی بہائے نہیں جاتے

مدت سے اُنھیں بزم میں اُنکی نہیں دیکھا
کیا بات ہے قرباںؔ بلائے نہیں جاتے

مژگاں کے تیر جزوِ بدن ہو کے رہ گئے
کانٹے ہمارے دلمیں چمن ہو کے رہ گئے

صیاد آگیا انھیں کیا دُور سے نظر
خاموش کیوں یہ مرغِ چمن ہو کے رہ گئے

آیا نہ ایک دن کبھی بن کے سکونِ دل
وعدے ہزار عہد شکن ہو کے رہ گئے

مجرم بنا کے میری زباں کو کیا خموش
اسرار تیرے قفلِ دہن ہو کے رہ گئے

قسمت میں گردِ راہ جو غربت کی تھی لکھی
تیار میرے لاکھوں کفن ہو کے رہ گئے

مٹی نے میرے جسم کی مٹی بنا دیا
سب خاک زیرِ خاک کفن ہو کے رہ گئے

میں ان کو دیکھنے بھی نہ پایا نگاہِ شوق
وہ میرے دلمیں جلوہ فگن ہو کے رہ گئے

آئی بہار بھر گئی نغموں سے ہر فضا
گلچیں بھی عندلیبِ چمن ہو کے رہ گئے

قرباںؔ کی سُنی جو غزل بزم میں کبھی
حیراں تمام اہلِ سخن ہو کے رہ گئے

ہمیں تو شوقِ دل اپنا فقط دلبر سے کہنا ہے
نہ کچھ خنجر سے کہنا ہے نہ کچھ نشتر سے کہنا ہے

ابھی کیوں قطع کرتے ہو زباں سنکر مرا شکوہ
ابھی تو اپنا قصہ داورِ محشر سے کہنا ہے

کبھی دلمیں اگر آئے کلیجے سے بھی ملجائے
فقط اتنا ہی مجھ کو آپکے نشتر سے کہنا ہے

انھیں معلوم ہے جو کچھ مرے دل کی تمنا ہے
نہ کچھ کہنا ہے ناوک سے نہ کچھ خنجر سے کہنا ہے

پہونچگا ہاتھ سے اُسکے کبھی جس نے پلائی تھی
مجھے تو آج اتنا ساقیٔ کوثر سے کہنا ہے

تمہیں کیوں خوف ہی اتنا تمہارا کچھ نہیں جھگڑا
عدد کا ذکر مجھ کو داورِ محشر سے کہنا ہے

سُنے گا کیا وہ بُت قرباںؔ تیری داستانِ دل
کہ اس سے حال کہنا اصل میں پتھر سے کہنا ہے

بہت پچتائے اُسنے آج عرضِ مدعا کرکے
اُٹھے آخر وہ محفل سے خفا ہو کے فنا کرکے

بتا کر حالِ دل اپنا جتا کر رنج و غم اپنا
کسی نا آشنا کو ہم نے چھوڑا آشنا کرکے

دوائیں ایسی دیتا ہے اثر کرتی ہیں جو اُلٹا
تو چھوڑیگا مجھے اے چارہ گر آخر فنا کرکے

میں کرتا ہوں جو شکوہ غیر کا اُسنے کبھی ہمدم
مجھے خاموش کر دیتے ہیں وہ میرا گلا کرکے

مریضِ غم نے اپنی جان دی اور چارہ سازوں نے
نہ کچھ دیکھا دوا کرکے نہ کچھ پایا دعا کرکے

ہوئے مغرور وہ بیحد۔ خودی میں بھر گئے آخر
بہت پچتائے انکو حالِ دل سے آشنا کرکے

دلِ بیتاب پھر تو اُن کو آزردہ نہ کر دینا
اُنھیں ہم لے تو آئے ہیں منا کے التجا کرکے

نہ دل ہوتا نہ اے قرباںؔ یہ رنج و الم ہوتے
مصیبت میں مجھے ڈالا خدا نے دل عطا کرکے

یہاں وہ ہر کسی سے خواہشِ دیدار کرتی ہے
تمہاری یاد اکثر نرگسِ بیمار کرتی ہے

جسے فصلِ بہاری لوگ کہتے ہیں زمانے میں
چمن کے پتہ پتہ کو وہ لالہ زار کرتی ہے

زمانے سے نرالی دی طبیعت ہمکو خالق نے
کہ یہ جو آرزو کرتی ہے وہ دشوار کرتی ہے

اسے مخوظار کھنا بزم میں دشوار ہوتا ہے
نگاہِ یار دل پر کس بلا کا وار کرتی ہے

طبیعت پوچھتا ہے کیا مریضِ غم کی چارہ گر
عیاں خود اسکی حالت صورتِ بیمار کرتی ہے

تری رحمت کا اے مولا تری رحمت کا ای مولا
یہ دل اقرار کرتا ہے زباں اقرار کرتی ہے

نہیں بھرتا ہے اسکا زخم۔ اُسکا زخم بھرتا ہے
زباں جو کام کرتی ہے کہاں تلوار کرتی ہے

زمانہ جب طمانچہ مارتا ہے ہوش آتا ہے
کہ غفلت خود ہی ہر انسان کو ہشیار کرتی ہے

بھلا قرباںؔ نہ ہم کیوں محرمِ اسرار ہو جائیں
وہ قدرت جب ہمیں خود واقفِ اسرار کرتی ہے

چارہ گر۔ نے بھی کہا زیست کے ساماں نہ رہے
شکر ہے آج کہ ہم لائقِ درماں نہ رہے

طرزِ غیروں سے روا تم نے وہی رکھا ہے
سر پہ عشاق کے کچھ آپکے احساں نہ رہے

بعد مرنے کے ملا ہم کو لحد میں بھی کفن
رہ گئی شرم کہ پردیس میں عریاں نہ رہے

جب بہار آئی ہوا۔ رنج و مصائب کو فروغ
غم کے سامان ہوئے عیش کے ساماں نہ رہے

کیا کروں غم کے سبب آنکھ سے آنسو نکلے
میرے قابو میں مرے دیدۂ گریاں نہ رہے

دشتِ وحشت سے مرا جسم بچیگا کیونکر
جب یہ محفوظ مرے جیب و گریباں نہ رہے

ہو نہ پروانوں کی گرمی جو ترے دلمیں شریک
سوز تجھ میں یہ کبھی شمعِ شبستاں نہ رہے

پھول گر اس میں شگفتہ رہیں یاس و غم کے
باغ دل باغ جگر پھر کبھی ویراں نہ رہے

آنکھ کھلتے ہی غم مرگ ہوا اے قرباں
کونسا ایسا ہوا دن کہ پریشاں نہ رہے

ترچھی بھویں کئے ہوئے خنجر لئے ہوئے
نکلے ہیں گھر سے فتنۂ محشر لئے ہوئے

بہکا ہوا ہوں دیکھ کے ابر بہار کو
بیٹھا ہوا ہوں ہاتھ میں ساغر لئے ہوئے

شکر خدا لحد پہ چڑھانے کے واسطے
آئے ہیں آج پھولوں کی چادر لئے ہوئے

ہستی کے اور عدم کے تماشہ سے سیر ہوں
آنکھیں ہیں میری سیکڑوں منظر لئے ہوئے

ہو خیر۔ نامہ بر مرا۔ خط کے جواب میں
آیا ہے آج قتل کا محضر لئے ہوئے

چکر رہا فریب طلب سے مجھے نصیب
در در پھرا ہے مجھ کو مقدر لئے ہوئے

گردن کو ایک وار میں اُس نے اڑا دیا
تلوار تھی کمال کے جوہر لئے ہوئے

عصیاں کا اپنے ساتھ بھی طومار ہے بہت
قرباں ہم بھی جائیں گے دفتر لئے ہوئے

مدت ہوئی ہے جام محبت پیئے ہوئے
لیکن خمار اس کا ہے ابتک لئے ہوئے

میں حشر میں ہوا جو گناہوں سے منحرف
اعمال آئے سامنے میرے کئے ہوئے

آتی ہے اُن کے منہ سے محبت کی بو مدام
جنکے ازل سے داغ ہیں دلپر دیئے ہوئے

ممکن نہیں کہ ہم کو قیامت مٹا سکے
ہم تیری ٹھوکروں کے ہیں زندہ کئے ہوئے

یہ اور بات ہے نہ دیا اُسنے کچھ جواب
گردن نے سب سُنے مرے نالے کئے ہوئے

آئے تھے دلمیں لیکے امیدیں ہزار ہا
جاتے ہیں دلمیں سیکڑوں ارماں لئے ہوئے

میں نے کیا تھا خط میں جو اظہار عشق کا
اُس پر عدو کے سیکڑوں ہی حاشیے ہوئے

ساقی پلا دے جام خصوصی ہمیں بھی آج
مدت ہوئی ہے ہاتھ سے تیرے پیئے ہوئے

قرباںؔ کھل کھلا کے ہنسی برق کس قدر
دیکھا جو عندلیب کو تنکے لئے ہوئے

بھلا پھر کس طرح مرہون یہ قلب وجگر ہوتے
جو آئے بھی شب وعدہ تو وہ آئے سحر ہوتے
اٹھا کر وہ کفن گر دیکھ لیتے چشم ولب میرے
تو خنداں روتے روتے لاش پر سب نوحہ گر ہوتے
مرے لاشہ کو حاجت پھر نہ رہتی غسل کی ہرگز
شریک آکر عزا میں تم اگر با چشم تر ہوتے
مسیحا کی خوشامد کیوں میں کرتا کیوں خجل ہوتا
مرے دردِ محبت کے اگر وہ چارہ گر ہوتے
مریضِ ہجر کو نیند آگئی اور رک گئے آنسو
کسی جانب سے کچھ آواز آئی تھی سحر ہوتے
اگر ناکام یہ رہتی وہ اپنا کام کر جاتے
جو آہیں بے اثر ہوتیں تو نالے با اثر ہوتے
میں سچ کہتا ہوں تم پر ایک دن قربان کر دیتا
اگر سو دل مجھے ملتے۔ جو حاصل سو جگر ہوتے
یقیں ہے وہ کبھی کے کھو چکے ہوتے محبت میں
جناب خضر گر راہِ وفا کے راہبر ہوتے
ہنسا کرتے تھے جو میری حیاتِ عشق پر اکثر
مزہ جب تھا کہ میت پر وہ آکر نوحہ گر ہوتے

بغیر مرضیِ حق ہو نہ سکتی تھی شفا حاصل
مسیحا بھی جو لے قرباں اپنے چارہ گر ہوتے

میری اسکی ٹھنی ہے پھر تمہیں اس کا گلا کیا ہے
تمہارا واسطہ کیا ہے عدو سے میرا جھگڑا ہے
یوں ہی دل ہے میرا قربان اُن کے شعلۂ رُخ پر
یہ جیسے انجمن میں شمع پر پروانہ جلتا ہے
خدا دیتا ہی جاتا ہے، بشر لیتا ہی جاتا ہے
یہ کیسا لینے والا ہے وہ کیسا دینے والا ہے
بہت اچھا کیا تم نے بجھایا شمعِ تربت کو
ہمارا دل بھی اب مثلِ چراغِ گور جلتا ہے
ہیولا ہے ہیولا ہے۔ یہ لیلےٰ کا نہیں محمل
بہت نادان ہے مجنوں جو وہ لیلےٰ سمجھتا ہے
نہ آیا چین جیتے جی، نہ آیا چین مرکر بھی
ہمارا دل لحد میں بھی تیری خاطر تڑپتا ہے
ترے بندوں سے کیا لونگا ترے محتاج ہیں وہ سب
مجھے مولا فقط تیرا ہی اک حاصل سہارا ہے
یہ سب تھے چوچلے جب تک رہے زندہ زمانے میں
نہ باقی آرزو کوئی، نہ اب باقی تمنا ہے
یقیں یوسف سے بڑھ کر کیوں نہ ہو تیری تجلی پر
سُنا تھا اُن کو کانوں سے تجھے آنکھوں نے دیکھا ہے
مٹا کر ٹھوکروں سے زندہ کر کے سب سے کہتے ہیں
وہ اندازِ اجل تھا تو یہ اعجازِ مسیحا ہے

کوئی دنیا کا غم آکر ستاتا اب نہیں تجھ کو
تو کنج عافیت میں جب سے اے قرباںؔ بیٹھا ہے

تکلیف جس قدر ہے سب اپنی نظر میں ہے — سینہ میں ہے خلش تو تپش بھی جگر میں ہے
نقشہ تمام دہر کا میری نظر میں ہے — کتنا کمال دیکھئے نورِ بصر میں ہے
اس انقلابِ دہر نے سب کچھ لیا ہے چھین — اب بُو ہے گل میں اور نہ لذّتِ ثمر میں ہے
یہ صبح وصل بول کے کرتا ہے دل کا خون — خنجر کا کاٹ نعرۂ مرغِ سحر میں ہے
جتنی ہے بلبلے کو خدا نے حیات دی — اتنا ہی بس قیام تو عمرِ بشر میں ہے
میں نے لیا تھا نام خدا کا دمِ سحر — پھیلی اُسی کی بو یہ نسیمِ سحر میں ہے
ہوتا ہے اُن کا آج ہدف کون دیکھئے — مژگاں کا تیر۔ تیر کمانِ نظر میں ہے
یہ سوز، یہ تپش، یہ حرارت، یہ التہاب — خورشید میں کہاں ہے جو حدت قمر میں ہے

ہے خوف بحرِ غم میں کہیں ڈوب ہی نہ جائے
قربان تیری عمر کی کشتی بھنور میں ہے

ہمیں وہ کیسا بنا رہا ہے ہمیں وہ کیسا ستا رہا ہے — ہمارا دل جور سے مٹا کر عدو کی ہمت بڑھا رہا ہے
ہے بزمِ ساقی میں دور مے کا جو میرے دل کو بڑھا رہا ہے — میں جام لے لیکے پی رہا ہوں وہ جام بھر بھر پلا رہا ہے
دکھا کے ہم کو وہ اپنا جلوہ کچھ اور بیخود بنا رہا ہے — اڑھا نہ ہم کو نسیم گلشن کہ خواب آنکھوں میں آ رہا ہے
فلک کے نیچے نیا فلک وہ خرام نو سے بنا رہا ہے — وہ آکے تربت پہ آج میری غبار دل کا اُڑا رہا ہے
عدو کا قصہ وہ کہہ رہا تھا۔ ہمارا قصہ لگا سنانے — ہمیں سے باتیں بنا رہا ہے ہمیں سے باتیں چھپا رہا ہے
وہ اپنا تیور، وہ اپنا پہلو، وہ اپنا جلوہ وہ اپنا چہرہ — بنا رہا ہے بگاڑ رہا ہے۔ دکھا رہا ہے چھپا رہا ہے
یہ ہی تو ہیں دلربا ادائیں یہ ہی تو ہیں جانفزا ادائیں — رولا رولا کر ہنسا رہا ہے ہنسا ہنسا کر رولا رہا ہے
کہیں ہے تسکین فزا ٹھہر کر، کہیں قیامت ہے اسکی ٹھوکر — کہیں وہ فتنے دبا رہا ہے کہیں وہ فتنے اُٹھا رہا ہے

وہ جان وایمان کھونے والا، وہ غم سے راتوں کو رونے والا
وہ تجھ پہ قربان ہونے والا، جہان سے آج جا رہا ہے

سیکھا ہے گریہ ابر نے چشم پر آب سے — لیتی ہے درس۔ برق مرے اضطراب سے
چہرہ نکالتے نہیں تم جو نقاب سے — پھر لوگے داد کیا نگہہ انتخاب سے
کوثر کے جام کا جو دلا دے مجھے یقین — توبہ کروں میں آج ہی زاہد شراب سے
عرض وصال پر جو کہوگے سنوں گا میں — لیکن نہ ٹوٹ جائے میرا دل جواب سے
درخواست اس سے جلوہ نمائی کی کیا کروں — جس نے ڈرا دیا ہو نگاہِ عتاب سے

جن کو حساب اپنے گناہوں کا یاد ہو
ناصح اُسے ڈرائیے روز حساب سے
آنکھیں بھر آئی تھیں تیرے عارض کی یاد میں
کوثر ٹپک پڑا مری چشم پر آب سے
کھولی جو آنکھ شکل نظر غم کی آگئی!
پیری نصیب ہو گئی پہلے شباب سے

قربان سر پہ سایہ رہے والدین کا
سب کو خدا بچائے برے انقلاب سے

دوا کا جام بھی ثابت قضا کا جام ہوتا ہے
ترے بیمار الفت کو کہاں آرام ہوتا ہے
کسی صورت وہ قابو میں نہ آئے ہیں نہ آئینگے
محبت کر کے اے دل مفت کیوں بدنام ہوتا ہے
قیامت کوچۂ جاناں میں واعظ روز آتی ہے
وہاں ہنگامہ ایسا روز صبح و شام ہوتا ہے
چلے آؤ مسیحائی کو پیغام شفا لے کے
ہمارا۔ کام بنتا ہے تمہارا نام ہوتا ہے
ہماری فاقہ مستی بار مے کا کیا اُٹھائیگی
چلے جاتے ہیں ہم پینے جو اذن عام ہوتا ہے
قضا کی ایک ہچکی نزع میں لیکر جو جاتا ہے
کسی بیدرد کا وہ آخری پیغام ہوتا ہے
صدا۔ اک شعر سنکر اکثر آجاتی ہے کانوں میں
مگر دعویٰ نہیں اس کا ہمیں الہام ہوتا ہے

مزے سے اب تو اے قرباں دنیا میں گذرتی ہے
مگر یہ دیکھنا ہے کس طرح انجام ہوتا ہے

بلائیں لوں جو ابرو کی تری شمشیر ہنستی ہے
سمجھ کر اپنے قبضہ کا مجھے تخجیر ہنستی ہے
اُڑا دیتا ہے میرا مضحکہ بے جان ایک پیکر
تصور میں جو رونا ہوں تیری تصویر ہنستی ہے
نہ جانے لاگ ہے تدبیر کو تقدیر سے کیسی
کہ جب تدبیر کرتا ہوں میری تقدیر ہنستی ہے
خدا پر چھوڑ دو چارہ گرو للہ اب مجھکو
کہ تم تدبیر کرتے ہو میری تقدیر ہنستی ہے
تیری محفل میں گویا اک تماشہ بن کے آتا ہے
تیرے وحشی کے ہنسنے پر ہر ایک تصویر ہنستی ہے
نصیبہ اپنا اپنا اے عدو کیا اختیار اس پر
میری تقدیر روتی ہے تیری تقدیر ہنستی ہے
جو میرے پاؤں میں تقدیر نے رکھی ہے اک گردش
وہ تیرے چکروں پر آسمان پیر ہنستی ہے

قلم میں کتنی شوخی ہے مضامیں کیا شگفتہ ہیں
جو تو قرباں لکھتا ہے تیری تحریر ہنستی ہے

طبیعت لڑ ہی جاتی ہے طبیعت آ ہی جاتی ہے
پسند اکثر کسی کی اچھی صورت آ ہی جاتی ہے
تجسس ہم جو کرتے ہیں نہیں وہ رائیگاں جاتا
نظر کوئی نہ کوئی اچھی صورت آ ہی جاتی ہے

وہ جب تلوار سے سر کو کسی کے کاٹ دیتے ہیں
تو اُس کمبخت کی گویا قیامت آ ہی جاتی ہے

چھپائے لاکھ گو انساں نہیں چھپتی نہیں چھپتی
اک آنسو بن کے آنکھوں میں محبت آ ہی جاتی ہے

گناہوں کا تصور دل کی آنکھیں کھول دیتا ہے
کہ ہو بیباک کتنا ہی ندامت آ ہی جاتی ہے

وہ میرا حال بیتابی جو آکر دیکھ لیتے ہیں
تو آنکھوں میں کبھی اُنکی مروت آ ہی جاتی ہے

حیا کتنی ہی ہو بچپن - کبھی شوخی دیکھاتا ہے
تقاضہ سن کا ہوتا ہے شرارت آ ہی جاتی ہے

رہیں محتاط کتنے ہی مگر ہم نے یہ دیکھا ہے
بری صحبت کی کچھ اچھوں پہ رنگت آ ہی جاتی ہے

نظر قرباں اتنے دیکھتی ہے کیف کے جلوے
کہ بتخانہ میں مجھ کو یاد جنت آ ہی جاتی ہے

اے مسیحا مشرب بیمار ایسا چاہیئے
بے دوا - اچھا جو ہو آزار ایسا چاہیئے

دیکھ کر جلووں کو جو کھو دے نہ اپنے ہوش کو
اُس کو موسیٰ، طالبِ دیدار ایسا چاہیئے

وہ ہمیں دیکھیں نہ دیکھیں ہم اُنہیں دیکھیں ضرور
انجمن میں روزنِ دیوار ایسا چاہیئے

جس جگہ ارمان وحسرت کا نہ ہو کانٹا کوئی
وہ یہ کہتے ہیں ہمیں گلزار ایسا چاہیئے

یا الٰہی اُن کو پہلو میں میرے آجائے نیند
مجھکو ملنا طالع بیدار ایسا چاہیئے

عمر بھر تازہ رہے بھرنا نہ ہو اس کو نصیب
زخم دینا مجھکو اے تلوار ایسا چاہیئے

باغ والوں کو قفس کی سختیاں معلوم ہوں
ایک نغمہ بلبل بیمار ایسا چاہیئے

کہدیا قرباں اُن سے کھولکر بند نقاب
جیسا تو ہے طالب دیدار ایسا چاہیئے

دل پہ اک جور ہمیشہ تیرا جلاد رہے
لطف اس میں ہے کہ دل مائل فریاد رہے

کاٹ دے تو جو زباں تیغ سے میری جلاد
پھر نہ شکوہ ہی رہے اور نہ فریاد رہے

آگئی فصل خزاں موت کا لیکر پیغام
گلشن دہر میں کچھ دن بھی نہ آباد رہے

کنج تنہائی میں کی عمر بسر اپنی تمام
فکر دنیا سے ہمیشہ یوں ہی آزاد رہے

کوئی دنیا میں رہے یا نہ رہے اے ظالم
تو رہے اور تیرا حسن خداداد رہے

سامنے تیرے جھکائے ہوئے سر کو میں رہوں
ہاتھ میں تیرے تلا خنجر فولاد رہے

اسی رستے سے تو ہم آئے تھے دنیا میں کبھی
ہے تعجب نہ اگر راہ عدم یاد رہے

کسطرح آئے مزہ زیست کا دنیا میں اگر
روز کا رنج رہے روز کی افتاد رہے

میں وہ غم دوست ہوں قرباں دعا کرتا ہوں
مرے پہلو میں تڑپتا دلِ ناشاد رہے

خوش ہم کو رکھو یا کہ مٹا ڈال ستا کے
بندے نہ تیرے ہونگے کہ بندے ہیں خدا کے

بخشے اُنہیں خالق نے مراتب شہدا کے
کشتے ہوئے دنیا میں جو شمشیر جفا کے

بیمار محبت جنہیں کہتے ہیں مسیحا!
طالب وہ زمانہ میں نہیں ہوتے دوا کے

ہم دل کو تجلی سے کریں آپ کی روشن
رخسار دکھا دو جو ہمیں پردہ اُٹھا کے

کیا کرتے ہو لے چارہ گرو ہوش میں آؤ
ظاہر میرے چہرے سے ہیں آثار قضا کے

شوخی کبھی بے پردہ اُنہیں کر نہیں سکتی
پردے میں چھپے رہتے ہیں وہ شرم و حیا کے

ناخن سے میرے کھل نہ سکی اس کی گرہ بھی
ممنون ہیں وہ آج بہت بندِ قبا کے

افسوس محبت ہے یہ احباب کی کیسی
آتے نہیں واپس وہ کبھی قبر سے جا کے

ہم تو یہ ہی سمجھے کہ اوٹھایا ہے بہت دکھ
قرباں مزہ خاک ملا دل کو غم لگا کے

بے درد بے وفا ہیں یہ آن بان والے
رُخ کہتے ہیں مال پھیکا اونچی دوکان والے

کروٹ جو لے زمانہ رہتا نہیں ہے کچھ بھی
برباد ہو چکے ہیں نام و نشان والے

کچھ بول میٹھے میٹھے ہم کو کبھی سنا دے
یوں تلخ ہو نہ ہم سے میٹھی زبان والے

حاضر ہے دل ہمارا۔ اس میں رہو خوشی سے
تم کیوں پھرو بھٹکتے ہو کر مکان والے

تیرے حسین بندے مجھ کو ستا رہے ہیں
کیا دیکھتا نہیں ہے اے آسمان والے

ان سب بتوں کی جھوٹی دنیا میں ہے حکومت
ہنس ہنس کے کہہ رہے ہیں یہ آسمان والے

میں نے عدو سے ملکر مشہور کر دیا ہے
جھوٹی زبان والے، سچی زبان والے

تیرا یہ تیر ہرگز دل کو چھید سکتا!
قوت کمان کی ہے بانکی کمان والے

گو زحمتیں اُٹھائیں ابرو پہ بل نہ آیا
قرباں تم غضب کے ہو آن بان والے

اِدھر دیکھا اُدھر دیکھا۔ ادھر تو ہے اُدھر تو ہے
کہ ڈالی ڈالی پتے پتے تک میں جلوہ گر تو ہے

مہِ نو کی طرح سے آج ہر سو جلوہ گر تو ہے
بنا دنیا میں گنجور، فلک رشکِ قمر تو ہے

کرے دنیا میں تجھ سے دوستی کیا اے بشر کوئی
ہوا جس روز سے پیدا کئے عزمِ سفر تو ہے

اندھیرا اور اُجالا ہے۔ تیری زلف اور عارض سے
تجھے ہم جانتے ہیں مالک شام و سحر تو ہے
نہ تو کعبہ میں جانوں نہ تجھ کو بت خانہ میں پہچانوں
اُدھر ہی میرا قبلہ ہے میرے مولیٰ جدھر تو ہے
تو ثابت تلخ ہو مجھ کو کہ ثابت مجھ کو شیریں ہو
میری نخلِ تمنا کا بہرصورت ثمر تو ہے
حقیقت کے جو شیدا ہیں نہیں عشق مجاز انکو
بتوں سے کیا انہیں مطلب جنہیں مدنظر تو ہے
کہوں ہیں برق تجلو یا کہوں میں آگ انگارا
میرے پہلو میں اے دل آج مانندِ شرر تو ہے

خدا کا شکر کر قرباں بڑا یہ اس کا احسان ہے
سہارنپور میں اک شاعرِ عالی نظر تو ہے

اس سے اے دل جو تو وفا نہ کرے
ہے یقین وہ بھی پھر جفا نہ کرے
مجھ سے محبوب ہو جدا میرا
زندگی میں وہ دن خدا نہ کرے
طولِ الفت کو طے کریں کیونکر!
عمر ہی اپنی جب وفا نہ کرے
اس مسیحا کو کیا کرے کوئی
کہ جو بیمار کی دوا نہ کرے
درد سے جو بھری پڑی نکلے
کیسے منظور وہ دعا نہ کرے
اسکو ملتی نہیں بقا ہرگز
اپنی ہستی کو جو فنا نہ کرے
انکی باندی ہے اُن کی لونڈی ہے
شانہ گیسو میں کیوں صبا نہ کرے
وصل کی شب یہاں تیرا آنا
کہیں ظاہر یہ نقش پا نہ کرے
زندگی کے وہ فرض کیا جانے
فرض اُلفت کے جو ادا نہ کرے
اسکو دنیا میں کیا نظر آئے
چشم خفتہ جو اپنی وا نہ کرے
نگہہ ناز واہ کیا کہنا
وہ ہی ناوک ہے جو خطا نہ کرے
اے فلک پھر نہ ہم کریں شکوہ
دل کو دل سے جو تو جدا نہ کرے

دیکھ قمر باں خدا تجھے کیا دے
تو بتوں سے جو التجا نہ کرے

نوجوان ہوتے ہی آنکھیں مجھ کو دکھلانے لگے
بادۂ گلگوں کے ساغر آپ چھلکانے لگے
لحن داؤدی کے کچھ ہم کو مزے آنے لگے
مست ہو کر جب کسی دن وہ کہیں گانے لگے
آب و دانہ بند اپنا جب قفس میں ہو گیا
خونِ دل پینے لگے لختِ جگر کھانے لگے
یاد کر کے صحبتِ اغیار کی بیباکیاں
میرے پہلو میں وہ شامِ وصل شرمانے لگے

بلبل و گل جب ہوئے صحن چمن میں ہم کنار — ہو گئے سرخوش شگوفے غنچے اترانے لگے
اے نمکدان تبسم جلد لے ان کی خبر — دیکھ اب زخم جگر پھر میرے بھر آنے لگے
آگئی پھر عید۔ پھر صہبائے نو ڈھلنے لگی — پھر گلے شیشوں کے میخانہ میں پیمانے لگے
یاالٰہی جذب دل میں ہو کچھ ایسا انقلاب — میری الفت کا مزہ اُس شوخ کو آنے لگے
اللہ اللہ باغ میں دورِ خزاں کا یہ اثر — بے کھلے غنچے چمن میں آج مرجھانے لگے
ربط دیکھا ہم سے جب اُن کا بہت بڑھتا ہوا — سو طرح دشمن ہمارے اُنکو بہکانے لگے

وصل کی شب دیکھ کر بڑھتا ہوا قربان کا شوق
پہلے تڑپانے لگے اور پھر وہ گھبرانے لگے

جلایا مار کر مارا جلا کے — دیئے صدمے کسی نے انتہا کے
رقابت کیوں نہ ہو ہم کو بھی اس سے — ہوئے پابند وہ رنگ حنا کے
یہی کرتی ہے بوئے زلف رسوا — یہ سب فتنے ہیں اس باد صبا کے
فلک پر بادلوں کے جھگٹے ہیں — کہ رستے بند ہیں اپنی دعا کے
غضب کی شوخیاں بیباکیاں ہیں — میں صدقہ جاؤں انداز جفا کے
نکل آئے تھے گورستاں کی جانب — پھرے ہیں آج وہ مردے جلا کے
وہ بندے ہو نہیں سکتے بتوں کے — جو متوالے ہیں دنیا میں خدا کے
شہید ناز سب کہتے ہیں اُن کو — جو کشتے ہیں تیرے تیرِ جفا کے
کہاں تک انتظار اُن کا کہاں تک — ہیں اب ہم منتظر اپنی قضا کے
زمانے نے یہ کیسا رنگ بدلا — نشاں تک مٹ گئے اہل وفا کے

خدا محفوظ رکھے ان سے مجھکو
یہ بت قربان ہوتے ہیں بلا کے

کیا سیر گل کروں کہ ہیں دو دن بہار کے — بلبل یہ کہہ رہی ہے چمن میں پکار کے
بیٹھے ہیں گل بھی حسن کو اپنے نکھار کے — ساماں ہیں کیسے کیسے عروس بہار کے
عاشق جو تم ہوئے ہو کسی طرحدار کے — دھوکے میں آئیے ہستی ناپائیدار کے
ہیں خضر راہ اہل وفا اس جہان میں — مٹتے ہوئے نشان ہمارے مزار کے
دل چھیننے کے واسطے پیدا کئے حسین — ہتکنڈے ہیں یہ سب چمن روزگار کے

پل مارتے گذرتے ہیں لمحہ وصال کے
دشواریوں سے کٹتے ہیں دن انتظار کے
کرتا ہے ضبط اُن کی جفا، جور آسمان
اللہ رے حوصلے دل بے اختیار کے
سو طرح چھین لیتے ہیں عاشق کا اپنے دل
جوبن نکھار کے کبھی سینہ ابھار کے
کعبہ میں مل گئی ہے جگہ ہم کو ہو یقین
قرباں بنے مزار جو کوچے میں یار کے

گھر گھر جو یہ ضیا ہے جو گھر گھر یہ نور ہے
ادنیٰ سا حسن یار کا حسن ظہور ہے
دل کھول۔ آنکھ کھول نہ ہو حاسدِ کلیم
پہلو میں تو بھی اپنے لئے کوہ طور ہے
نیکی بدی کی اُس نے بتا دی ہے سب کو راہ
مانیں نہ اُس کا حکم تو کس کا قصور ہے
اے دل بھنور میں پھنس کے نکلنا نہیں ہے سہل
دریائے بے کنار سے مشکل عبور ہے
اُس نے لگائیں ٹھوکریں قبروں میں بے دریغ
مردے یہ سمجھے آج ہی یوم نشور ہے
کیا پوچھتا ہے عشق کی روداد بار بار
کہہ تو دیا کہ تجھ سے محبت ضرور ہے
مدت ہوئی کہ پی تھی کبھی اُن کے ہاتھ سے
باقی ہماری آنکھ میں اب تک سرور ہے
اے گل نہ خون سر پہ تو بلبل کا اپنے لے
کیوں حسن چند روزہ پہ اتنا غرور ہے
اُتنا ہی دل سے اپنے سمجھ اسکو تو قریں
ظاہر میں جتنا تجھ سے کوئی دور دور ہے
ہوتے نہیں ہیں مے سے وہ آلودہ دہر میں
قسمت میں جن کی جام شراب طہور ہے
زاہد اگر نہیں ہے تجھے حسن سے غرض
ہر وقت کیوں زباں پہ تیری ذکر حور ہے
قرباں کا حال پوچھ نہ للہ ہم نشیں
شیشہ سے غم کے شیشۂ دل چور چور ہے

بے آئی موت اپنے نہ کشتوں کو ماریئے
جوبن کو اس طرح نہ خدارا نکھاریئے
مرنے کے بعد آئے ہیں کیوں آپ قبر پر
اب کیا غرض ہے آپ کو ہم سے سدھاریئے
عاشق ہوں آپکا مجھے اس کا ہے اعتراف
اب مجھکو جینے دیجئے یا آپ ماریئے
افشا کریگی میری پریشانیوں کا راز
للہ اپنی زلف پریشاں سنواریئے
ایمان اُسپہ لایئے بے غور و فکر کے
کچھ سوچیئے نہ دل میں کچھ اپنے بچاریئے
دنیا میں جس طرح تھی گذرنی گذر گئی!
باقی جو رہ گئی ہے اُسے بھی گذاریئے
قرباں حرام موت ہے مرنا بڑا گناہ

جس طرح بھی ہو عمر دو روزہ گذاریئے

مجھے بھی محرم نور وظہور کر دیجئے
قسم ہے آپ کو اتنا ضرور کر دیجئے
نصیب آپ کو صورت کے ساتھ سیرت ہو
جو آپ ہیں دل بے صبر سے خفا میرے
جناب پیر مغاں میکش قدیم ہوں میں
اگر ہے آپ کو کشتوں کا دیکھنا منظور
اونھیں ہے رشک وہ جنت کو اور کو سینگے

دکھا کے جلوہ سحر سے دل کو طور کر دیجئے
وصال کا میرے ارمان دور کر دیجئے
کبھی جو دور ہے دل سے غرور کر دیجئے
تو کچھ علاج دل ناصبور ... کر دیجئے
مجھے بھی آج شراب سے مسرور کر دیجئے
بپا خرام سے شور نشور کر دیجئے
وہاں نہ بھولئے بھی ذکر حور کر دیجئے

خدا کا خوف اگر دل میں کچھ بھی ہے قمرباں
بتوں کی دل سے محبت کو دور کر دیجئے

بتوں میں مہر والفت وہ نہیں ہے
جو ظاہر کی تھی تم نے اول اول
پئے ہیں جام ہم نے بے خودی کے
جو تھی۔ دور محبت میں ہمارے
کیا کرتا تھا جس کا ذکر واعظ
وہ ہی ہے دل۔ نہیں وہ سوز باقی
بگاڑی ہے عدو نے تیری عادت
قیامت وہ ہے جو قدمیں ہے اُن کے

جو پہلے تھی محبت وہ نہیں ہے
تمہیں اب مجھ سے الفت وہ نہیں ہے
ہماری آج حالت وہ نہیں ہے
تری محفل کی وہ رنگت نہیں ہے
یہ جنت ہے! یہ جنت وہ نہیں ہے
وہ ہی ہوں میں حرارت وہ نہیں ہے
کہ جو پہلے تھی سیرت وہ نہیں ہے
جو اوٹھیگی قیامت وہ نہیں ہے

لحد وہ ہے جہاں قمرباں ہے دل دفن
جسے سمجھے ہو تربت وہ نہیں ہے

زنگ خودی کو شیشۂ دل سے اتار دے
وہ پھول ہم کو مرکے ہی باد بہار دے
دل کو سکون اے میرے پروردگار دے
مجھ کو خدا قیام جو فصل بہار دے
اپنا جو ساتھ یہ چمن روزگار دے

ہاتھوں سے ساقی اپنے مئے خوشگوار دے
کشتہ سمجھ کے دیدہ کا نذر مزار دے
وہ دن تو زندگی کے خوشی میں گذار دے
کیوں روز روز جان۔ پھر اپنی ہزار دے
آنکھوں کو کیوں فریب عروس بہار دے

عصیاں سے اپنے ہیں مجھے بے حد ندامتیں
کوئی لحد سے اور بھی نیچے اُتار دے

ٹھہریں کہیں تو وہ ہو عدم یا وجود ہو
جانے قیام کوئی جو لیل ونہار دے

بکھری ہوئی ہیں آج وہ مرگ رقیب پر
زلفوں کو اُن کی کوئی غدار اسنوار دے

اس میں کسی کا سوز محبت ہے جلوہ گر
کس طرح بو نہ میرا دلِ داغدار دے

یارب جوان کے دل پہ ہے دشوار اختیار
قرباں کو اپنے دل پہ ہی کچھ اختیار دے

تیری اُلفت سے اگر دل میرا معمور رہے
پھر زباں پر نہ میری تذکرۂ حور رہے

روز بہتا جو میرے دل کا یہ ناسور رہے
کیوں نہ پھر تازہ سدا۔ زخم کا انگور رہے

ضبط کر۔ راز نہ کہہ۔ واقف اسرار سہی
کیوں ترے لب کو مذاق لبِ منصور رہے

منقلب وقت نے ہر وقت طمانچے مارے
ایک دم ہم تو زمانہ میں نہ مسرور رہے

غیر کے دوش پہ بکھری نہ ہوں اُن کی زلفیں
ہم اِسی غم میں پریشاں شب دیجور رہے

حشر کا روز گیا اُن کو خبر تک نہ . . . ہوئی
ساری دنیا سے نرالے ترے مخمور رہے

کہیں ہو جائے نہ یہ تیرے تغافل کا شکار
عیسیٔ وقت خیالِ دلِ رنجور رہے

عرش سے بھی ہے پرے بام تقرّب اُن کا
پاس میں جتنا ہوا۔ اُتنے ہی وہ دور رہے

میرے معشو کی گر دیکھ لے صورت لے شیخ
طاق نسیاں میں دھرا تذکرۂ حور رہے

غیر کے کہنے سے کرتے ہو جو تم مجھ پہ ستم
میری خاطر سے عدو سے بھی یہ دستور رہے

آہی جائے گا کبھی رحم اُنھیں اے **قرباں**
شیوۂ عشق ووفا تیرا بدستور رہے

رہتی ہے چھیڑ چھاڑ عروسِ بہار سے
بلبل جو دیکھ لیتی ہے پھولوں کو پیار سے

میری دعا ہے آج یہ پروردگار سے
گلشن کبھی چھٹے نہ عروسِ بہار سے

اے عندلیب تجھ کو جو پھولوں سے ربط ہے
اپنی بھی دل لگی ہے کسی گلعذار سے

دشمن بھی ہو تو آبرو اُس کی بنی رہے
بیدل نہ ہو جہاں میں الٰہی سوار سے

اک بار اور دے اُنہیں تکلیف بیکسی
وہ جا رہے ہیں لوٹ کے میرے مزار سے

اس کو بھی میری زیست کی صورت نہیں قیام
دل کیا لگاؤں ہستیٔ ناپائدار سے

جس سے خزاں کو لاگ ہو دشمن ہو باغباں
وہ پھول کیا چنے چمنِ روزگار سے

جل جائے بیکسی نہ کہیں سوزِ شمع سے ۔۔۔ رہتی ہے دُور دُور چراغ مزار سے
صیاد نے سنائیں جو بلبل کی داستاں ۔۔۔ رو لی خزاں لپٹ کے بہت نوک خار سے
کیوں اُن کی بزم میں نہ عدو سے ملا رہوں ۔۔۔ دل کے ہمیشہ پھول کھلے رہتے ہیں خار سے
قربان باغ دہر میں دونوں سے کام ہے
اچھا نہیں لگاؤ خزان و بہار سے

میرے دل کو کباب کیجے ۔۔۔ کیجے ۔ کیجے ۔ شتاب کیجے
تیر مژگاں کا ہے ہدف کون ۔۔۔ اب دل کو ہی انتخاب کیجے
پھر پھر گئی چشم مست ساقی ۔۔۔ پھر دل کا لہو شراب کیجے
آئی شوخی حیا کے بدلے ۔۔۔ اس کو نذرِ شباب کیجے
دل توڑئے توڑ کر پیالہ ۔۔۔ تو بہ مثلِ حباب کیجے
آنا ہے اُنھیں تو آئیں گے وہ ۔۔۔ بیکار پھر اضطراب کیجے
اچھا نہ نقاب اُٹھائیے آپ ۔۔۔ جلوہ زیرِ نقاب کیجے
کچھ منہ کا مزہ بدل جائے ۔۔۔ مے میں شامل گلاب کیجے
ہم دیکھ چکے ہیں حسن کافر ۔۔۔ اب ہم سے نہ یوں حجاب کیجے
اولٹی دینے لگیں گے تعبیر ۔۔۔ کیوں اُن سے بیان خواب کیجے
لب تشنۂ لطفِ خاص ہے وہ
قربان پہ کیوں عتاب کیجے

جہاں گل کبھی تھا کھلا ہوا ۔ وہاں اب حکومت خار ہے ۔۔۔ نہ چمن میں اب وہ رہی خزاں نہ چمن میں اب وہ بہار ہے
کیا کیسا چرخ نے یہ ستم کہ دیا فراق کا ہم کو غم ۔۔۔ وہ ہوا ہے جب سے جدا صنم ۔ تو نہ صبر ہے نہ قرار ہے
یہ ہیں میرے عجز کی رفعتیں یہ مرے نیاز کی شوخیاں ۔۔۔ بنا جا کے قبہ وہ چرخ کا اُٹھا گور سے جو غبار ہے
کبھی تم نے اس کی خبر نہ لی نہیں کوئی دل کی کلی کھلی ۔۔۔ میری جاں چلی میری جاں چلی میرا غم سے سینہ فگار ہے
یہیں دفن حسرتِ بے نشاں یہیں دفن عیش کا کارواں ۔۔۔ جسے لوگ کہتے ہیں دل یہاں ۔ میری حسرتوں کا مزار ہے
ہے اگر تو حسن کا رازداں ، تو یہ راز دل ہی میں رکھ نہاں ۔۔۔ کہ جو راز اُس کا کرے عیاں اُسے حکم تیشۂ دار ہے
نہ تو چین زیست ہی میں ملا ۔ نہ ہمیں اماں ہے پس فنا ۔۔۔ جو وہاں بھی ایک فشار تھا ۔ تو یہاں بھی ایک فشار ہے
وہ جہانِ الفت و حسن کا ۔ ہے نظر نواز بنا ہوا ۔۔۔ کوئی اس پہ جان سے ہے فدا کوئی اُس پہ دل سے نثار ہے

ملیں **قرباں** راہ میں وہ اگر تو ہم اپنا وار کریں اُدھر
کہ جو اُن کو شوقِ شکار ہے تو ہمیں بھی شوقِ شکار ہے

بلبل وہ بہار آج گئی تیرے چمن سے
جس طرح نکل جائے کوئی اپنے وطن سے

عبرت نے لیا ڈھانپ اُنہیں خاک سے اپنی
عاشق رہے محروم اگر گور و کفن سے

بل پڑتے تھے خط لکھنے میں کیا انکی جبیں پر
قاصد نظر آتے ہیں جو کاغذ میں شکن سے

ہر قطرۂ خونِ سرِ منصور ہے رقصاں
رُکتا ہے کہیں جوشِ جنوں دار و رسن سے

دل پہ نہیں کیوں تیرے اثر شعر کا میرے
پتھر بھی پگھل جاتے ہیں گرمیٔ سخن سے

پاؤں بہ شکم میں بھی - بر ہنہ نہ رہے ہم
غنچہ کی طرح لپٹے رہے تارِ کفن سے

خاموش پڑے رہتے ہیں یوں خلوتِ غم میں
ہم نے ہے کیا عشق کسی غنچہ دہن سے

قرباں ہیں سب سوز میں ڈوبے ہوئے مضموں
بو آتی ہے الفت کی ہمیں تیرے سخن سے

ہے غرض ہم کو بتوں سے اور نہ مطلب حور سے
تو فقط معمور کر دے دل کو اپنے نور سے

ہم کو آتا دیکھکر کیوں بند میخانہ کیا
آئے ہیں ہم سُن کے ساقی تیری شہرت دور سے

روز اُچھالی ہے دل کو گیسوئے جاناں کی یاد
کام اپنا روز پڑتا ہے شبِ دیجور سے

مست ہو کر کیفِ دل سے آج اُن کا تیرِ ناز
خوب چھیڑ پن کر رہا ہے زخم کے انگور سے

کس سے رونق ہے بتا میخانہ میں ساقی ترے
عشق کے مخمور سے یا حسن کے مخمور سے

ایک جلوہ ہم تمہاری بزم سے لے کر چلے
ایک کلیم اللہ لائے تھے تجلی طور سے

پھر میرے ذوق وفا میں دخل کیوں دیتے ہیں وہ
اہلِ عالم جب نہیں واقف میرے دستور سے

اُن سے پوچھو جن کی عشرت میں گذرتی ہے مدام
پوچھتے ہو عیش کے معنی عبث رنجور سے

دیکھنا موسیٰ نہ آئے جوشِ ہستی میں آنچ
آگ لینے تو چلے ہو آج کوہِ طور سے

عشق میں زاہد نہیں ہیں تجھ سے پیچھے ایک گام
مجکو الفت ہے صنم سے تجکو الفت حور سے

کیا کہیں وہ ہم سے پہلے فائزِ منزل ہوا
پوچھتے راز حقیقت ہم بھی کچھ منصور سے

کوہ کاوی اور جانِ ناتوانِ فرہاد کی
کام اتنا سخت لیتا ہے کوئی مزدور سے

کر لیا ہے دل کو اپنے ہم نے بھی **قرباں** سخت
ہم بھی واقف ہو چکے ہیں عشق کے دستور سے

جان ہی اپنی کیوں نہ دوں پھر بھی وہ بت جفا کرے — اُسپہ اثر نہ ہو ذرا لاکھ کوئی وفا کرے
شکر خدا ادا کرے اور نہ کچھ گلا کرے — بندہ وہ ہے لیا کرے جو کچھ اُسے ملا کرے
غیر کے لعن و طعن پر اپنی تو ہے دعا یہ ہی — جس نے برا کہا ہمیں اُس کا خدا بھلا کرے
پیچھے نہ ایک قدم ہٹوں مرضی پہ تیری میں چلوں — میں وہ ہی سن لیا کروں مجھ سے جو تو کہا کرے
خیر وہ بے وفا سہی۔ اتنی بھی بے وفائی کیا — جس کا وفا شعار ہو اُس سے وہ کیوں دغا کرے
وہ تو جفا خرام ہے ظلم تو اس کا عام ہے — چلنے سے اُسکو کام ہے حشر کہیں اُٹھا کرے
بندہ کا فرض ہے یہ ہی۔ چاہتا ہے جو برتری — بندہ کو غم ہو یا خوشی نام خدا لیا کرے
ذلتیں گو ہوں کیسی ہی۔ فرض ہے اُسکی بندگی — ہو غم و رنج یا خوشی فرض خدا ادا کرے

قرباںؔ میں اٹھ کے گھر سے اب بزم میں اُسکی جاؤں کیوں
اُٹھتا ہے دل میں درد اگر۔ تو مجھے کیا اٹھا کرے

عشق جب سے ہو گیا ہے اک بت بے پیر سے — کھیلتے رہتے ہیں شب بھر نالۂ شب گیر سے
گفتگو کرتے ہیں اس سے اپنی وحشت میں مدام — بولنا سیکھا ہے ہم نے آپ کی تصویر سے
ضعف کے باعث نکلتے مُنہ سے اپنے نالے ہیں — دشمنی کیونکر نکالیں اپنی چرخ پیر سے
آئیے ہو مقتل میں تو پوری کروں سب حسرتیں — تیغ سے خنجر سے برچھی سے سناں سے تیر سے
کھیلتا رہتا ہے گویا ساز سمجھا ہے اسے — تیرے وحشی کو محبت ہو گئی زنجیر سے
اُن کو بھی معلوم کچھ ہوتا۔ اگر ہوتا اثر — بے خبر ہیں آجتک وہ آہ کی تاثیر سے
پوچھتے ہیں کون ہے میرا۔ یہاں تقصیر وار — بات بھی کرتے نہیں محشر میں بے تقصیر سے
قاسم قسمت کے تابع ہے قلم اُس کا سدا — کس لئے لڑتا ہے انساں کاتب تقدیر سے

اہلیت رکھتے ہیں سب کاموں کی اے **قرباںؔ** ہم
ہو گئے لاچار لیکن کیا کریں تقدیر سے

عارضی یہ رنگ و بو پھولوں کے پیراہن میں ہے — یہ بہار تازہ تقریب خزاں گلشن میں ہے
کیوں تو حسرت بھر رہی ہے بعد میرے چارسو — آ کہ تیرے واسطے کافی جگہ مدفن میں ہے
مانتا کہنا تیرا میں کیا کروں مجبور ہوں — تیرے دل میں ہے جو زاہد وہ ہی میرے من میں ہے
جو ادائیں ہیں لب و گیسوئے جاناں کو نصیب — ہے نہ سنبل میں وہ خوبی اور نہ وہ سوسن میں ہے
اے عروس باغ عالم ڈھونڈتی ہے جسکو تو — وہ شہید رنگ و بو سویا ہوا مدفن میں ہے

اور دو ایک ہاتھ خنجر کے گلے پر پھیر دے
جان کچھ باقی ابھی قاتل رگ گردن میں ہے

ایک دن یہ آتش گلشن بنے گی دیکھنا
دہیمی دہیمی آگ جو سلگی ہوئی خرمن میں ہے

نغمۂ بلبل نہیں۔ نشو و نمائے گل نہیں
پہلی سی وہ باغباں رونق کہاں گلشن میں ہے

کیوں یہ اے قربان پھر پیچھے گریباں کے پڑیں
ناخنوں کے واسطے اک مشغلہ دامن میں ہے

وہ ہی رو بحر ہستی کی ہے جس رو میں جوانی ہے
جوانی جس کو کہتے ہیں وہ اک بہتا سا پانی ہے

عدم سے میں یہاں آیا۔ یہاں سے پھر عدم پہنچا
نرالا میرا۔ افسانہ نئی میری کہانی ہے

وہ میری خاک تربت کو عبث برباد کرتے ہیں
یہ ہی تو ایک باقی میری تربت میں نشانی ہے

میرا سوز دروں ہے سب جسے دوزخ سمجھتے ہیں
جسے خورشید کہتے ہیں میرا سوز نہانی ہے

نہ جب تک دیکھلیں زاہد یقیں ہم کو نہ آئیگا
ابھی تو قصۂ جنت فقط تیری زبانی ہے

عیادت کو جو آئے ساتھ میں اغیار کو لائے
تمہاری دشمنی سے بھی زیادہ مہربانی ہے

پکڑ کے لیگیا۔ صیاد تیرے سامنے بلبل
چمن میں باغباں کیسی یہ تیری باغبانی ہے

پھلے پھولیں گے داغ دل ہمارے اشک پیہم سے
ابھی کیا ہے ابھی تو ابتدائے گلستانی ہے

جہاں میں کس طرح آیا۔ جہاں سے جاؤنگا کیونکر
بتاؤنگا نہیں ہرگز یہ اک راز نہانی ہے

غزل سنکر تیری قربان خوش ہوتے ہیں دل والے
میسر تجکو دنیا میں نرالی خوش بیانی ہے

زباں سے جو شکر خدا ہو رہا ہے
وہ بت اس کو سنکر خفا ہو رہا ہے

شب وصل اُسے میں نے کیوں گدگدایا
وہ بے تاب ہوکر خفا ہو رہا ہے

یقیں جیتے جی اُن کو ہرگز نہ آیا
میرے بعد ذکر وفا ہو رہا ہے

میرا خون ملتے ہی وہ تیرے ہوتے
تیرا خون ناحق حنا ہو رہا ہے

نہیں باز آتے جفاؤں سے یہ بت
قیامت کا عالم بپا ہو رہا ہے

نہیں قدر ہم کو مگر اللہ اللہ
ہمیں حق سے کیا کیا عطا ہو رہا ہے

سنو گے نہ کیا اب بھی میری شکایت
عدو بھی میرا ہم نوا ہو رہا ہے

ذرا۔ باہر آکر تو سُن چھپنے والے
تیرا ذکر کیا جا بجا ہو رہا ہے

ابھی بات مُنہ سے بھی نکلی نہیں ہے

وہ قربان ناحق خفا ہو رہا ہے

مولا طلب فقط ہمیں تیری رضا کی ہے
ہم کو طلب بقا کی نہ حسرت فنا کی ہے

بندہ جو چاہے کام وہ ہوتا نہیں کبھی
ہوتا ہے وہ ہی صرف جو مرضی خدا کی ہے

آتے ہیں میرے گھر تو انہیں روکتا ہے کون
شوخی کی مجھ پہ ہے کہ عنایت حیا کی ہے

احسان تیرا لیں گے نہ بیمار غم مسیح
حاجت انہیں کب اپنے علاج و دوا کی ہے

اتنی نہ پھیلتی کبھی کھلتی نہ شام غم
جتنی خطا بھی ہے تری زلف دوتا کی ہے

سہ سہ کے جور ہم نے بنایا ہے پر جفا
کیونکر کہیں کہ اس میں خطا دلربا کی ہے

اہل وفا کے بعد وہ پچھتائیگا بہت
کرتا نہیں جو قدر کچھ اہل وفا کی ہے

میں خوگر وفا ہوں تو کیوں چھوڑ دوں وفا
تم کیوں وفا کرو تمہیں عادت جفا کی ہے

دیکھا جو نزع میں مجھے یہ کہہ کے اوٹھ گئے
کیا کیجئے کہ ایسی ہی مرضی خدا کی ہے

قربان حال ٹھیک نہیں یوں تو اب تیرا
قدرت سے ہی اُمید ہمیں کچھ شفا کی ہے

حسرت وہ کبھی دل کی مٹانے نہیں دیتے
سینہ مجھے سینے سے لگانے نہیں دیتے

وہ بیٹھتے ہیں سر پہ ہی گھر ہجر کی شب کو
گھر غیر کے اُسکو کبھی جانے نہیں دیتے

بچتا ہے بہت شیخ مگر رند غضب ہیں
بے اُس کو پلائے اُسے جانے نہیں دیتے

کہتے ہیں میری آبرو جاتی ہے انہیں سے
آنکھوں سے وہ آنسو بھی بہانے نہیں دیتے

خلوت میں غم عشق کی کیا کام دوئی کا
اس واسطے ہم شمع جلانے نہیں دیتے

ہے ایک یہ ہی دل کے بہلنے کا وسیلہ
ہم دل سے تیری یاد کو جانے نہیں دیتے

دیتے نہیں تربت کو جگہ اپنی گلی میں
مٹی بھی ٹھکانے وہ لگانے نہیں دیتے

اللہ۔ وہ کہنا تیرا۔ صبح شب وعدہ
ہم جائیں گے اب کیوں ہمیں جانے نہیں دیتے

غیروں کی تو روداد کو سنتے ہیں بصد شوق
قربان کا قصہ وہ سنانے نہیں دیتے

تجھ پہ مرتا نہیں تو پھر کیا ہے
تیرا شیدا نہیں تو پھر کیا ہے

وعدہ پورا کبھی نہیں کرتا
یار جھوٹا نہیں تو پھر کیا ہے

جان دیکے بھی تو نہیں ملتا
سودا مہنگا نہیں تو پھر کیا ہے

دل کے اندر رہے روشنی میرے
تیرا جلوہ نہیں تو پھر کیا ہے

تیرا وحشی نہیں تو پھر کیا ہوں
تیرا سودا نہیں تو پھر کیا ہے

در بدر پھر رہا ہے وحشیٔ عشق
اب یہ رسوا نہیں تو پھر کیا ہے

لاکھ منکر سہی مگر انساں
تیرا بندہ نہیں تو پھر کیا ہے

دل کا انگور دیکھ کر بولے
زخم اچھا نہیں تو پھر کیا ہے

ساری دنیا میں آج اے **قربان**
تیرا چرچا نہیں تو پھر کیا ہے

پاس جو کچھ ہے ہمارے وہ ہے دلبر کیلئے
دل ہے ناوک کیلئے ہے جان خنجر کیلئے

ہم نے گن گن کے تیرے جور و ستم یاد کئے
خوب ساماں کئے داورِ محشر کیلئے

خیر اگر میں نہ رہا عشق میں باقی نہ سہی
میری تربت تو رہی آپ کی ٹھوکر کیلئے

منزلِ عشق کا واقف نہ ملا کوئی ہمیں
ہم پریشاں ہی رہے عشق کے رہبر کیلئے

یہ تجسس یہ نظر- اور یہ حیرت کوشی
آنکھ موزوں تھی میری طور کے منظر کیلئے

شوق تو دیکھئے نیت نہ ہوئی سیر کبھی
ہم نے گو سینکڑوں بوسے رخِ دلبر کیلئے

قبر میں ساتھ لئے جاتا ہوں اعمال اپنے
اک لحد اور بنے اس میرے دفتر کیلئے

حسن ہے تجھ کو ملا حسن کی خیرات بھی دے
ہے سخاوت سببِ خیر تو نگر کیلئے

تیرے **قربان** ذرا- آ کے خبر لے اُن کی
زخم بیٹھے ہیں کھلے مُنہ تیرے نشتر کیلئے

پاس ظالم وہ بہت اپنے ہنر رکھتا ہے
دل کے لے لینے کو دزدیدہ نظر رکھتا ہے

کون کہتا ہے میرا نالہ اثر رکھتا ہے
جب نہیں یار میرا- میری خبر رکھتا ہے

پاس بیمار کے آنا ہے تو آ جا شب کو
اب وہ مشکل ہی سے اُمیدِ سحر رکھتا ہے

ایک ہنگامہ بپا ہوتا ہے شام فرقت
میرا نالہ بھی قیامت کا اثر رکھتا ہے

لاکھ تو ظلم کرے اُف نہیں کرتا عاشق
سنگ دل وہ بھی تو پتھر کا جگر رکھتا ہے

چھوڑ دے جائیگا صیاد کہاں اُڑ کے اسیر
بال رکھتا ہے پہ کمبخت نہ پر رکھتا ہے

میں نے جب اُن سے کہا غیر کے گھر شب کو رہے
ہنس کے کہنے لگے تو مشق جفر رکھتا ہے

نالۂ عاشق ناشاد سے پگھلے کیونکر
دل وہ لوہے کا تو پتھر کا جگر رکھتا ہے

جس جگہ جاتا ہے تو چھپکے اُسے ہے معلوم
تیرا۔ **قربان** تیری روز خبر رکھتا ہے

وہ مہرباں بھی ہے اُسے سب کی خبر بھی ہے
یہ سوچ پہلے تیری دعا میں اثر بھی ہے

رہتا ہے بیقرار تڑپتا ہے رات دن
عاشق سے حالِ زار پہ ظالم نظر بھی ہے

جس کی طلب ہے مجھکو وہ آتا نہیں کبھی
ہوتی اگرچہ شام بھی ہے اور سحر بھی ہے

ہوتا ہے پردے پردے میں رسوائے دہر تو
مرتا ہے تجھ پہ کون تجھے کچھ خبر بھی ہے

تجھکو قفس سے حسرتِ پرواز ہے مگر
اے عندلیب بازوؤں میں کوئی پر بھی ہے

انجام سعئ عشق کا کیا سوچتا ہے تو
نخلِ اُمید میں کہیں آیا ثمر بھی ہے

اے تیرے یار کون ہے ان میں تجھے پسند
دل بھی ہمارے پاس ہے لختِ جگر بھی ہے

ہم دیکھتے ہیں ظاہر و باطن اُسی کا نور
وہ دل میں پردہ دار بھی ہے جلوہ گر بھی ہے

قربان اٹھو فکر کرو آخرت کی کچھ
ہیں جھریاں بھی چہرے پہ اور خم کمر بھی ہے

پہونچے جہاں کہیں ہدفِ جستجو رہے
بدنام تیرے عشق میں ہم کو بکو رہے

تیرا ملا سُراغ نہ ہم کو کہیں کبھی
کرتے سدا جہاں میں تیری جستجو رہے

دیتے ہیں حکم لاش کو میری کہ پھونکدو
منظور ہے کہ پھیلتی الفت کی بو رہے

آنکھیں کھلیں جو حشر میں تجھکو کیا طلب
زیرِ لحد بھی لیکے تیری آرزو رہے

آتا ہے لطف زاہد و رندوں کی بحث میں
کچھ اور تھوڑی دیر ابھی گفتگو رہے

آنے کی تیرے نزع میں بھی تھی ہمیں اُمید
دل میں لئے ہوئے تیری ہم آرزو رہے

دردِ خلش کا لطف نہ آیا ہمیں کبھی
زخموں کے ساتھ ساتھ وہ کرتے رفو رہے

تیرے خیال کو بھی سمجھتے ہیں پاک ہم
وہ دل نہیں ہے کعبہ ہے جس دل میں تو رہے

پیچیدہ راستہ ہے نہیں رہنما کوئی
قربان رائیگاں نہ تیری جستجو رہے

سکون چاہیئے بس قلبِ مبتلا کے لئے
مریضِ عشق تڑپتے نہیں دوا کے لئے

امیدیں پوری ہوں رندوں کی مینہ برسجائے
اُٹھادے ہاتھ جو پیرِ مغاں دعا کے لئے

تمہارے دردنے دل کو کیا بہت نازک
کرو نہ ظلم و ستم اس پہ تم خدا کے لئے

کبھی نہ دیگی یہ رنگت تمہارے ہاتھوں میں
ہو بھی چاہیئے کچھ شوخیٔ حنا کے لئے

کبھی علاج نہ تو نے کیا توجہ سے
تیرے مریض ترستے رہے شفا کے لئے

نہ کی خدائے محبت نے حد کوئی قائم
مری وفا کے لئے اور تیری جفا کے لئے

ہزار حسن ہوں پہ حسن خاص ہے ظالم
ضرور چاہیئے شوخی بھی کچھ حیا کے لئے

قبا بھی کہتی ہے رخسار بھی بتاتے ہیں
کسی نے سینہ سے بوسے تمہیں لگا کے لئے

وہ چونک پڑتے ہیں **قربان** تیری آہوں سے
شب فراق نہ فریاد کر خدا کے لئے

عشق چھوڑے گا تجھے دہر میں رسوا کر کے
خوش نہ ہو اے دل ناشاد یہ سودا کر کے

دیکھئے آتی ہے لیلےٰ میری کب پاس مرے
قیس بھی چلتا ہوا ساکن صحرا کر کے

سیر دریا کی اگر آپ کو لہر آجائے
اپنی آنکھیں میں دکھا دوں ابھی دریا کر کے

ہے قیامت جو سر بزم قیامت نہ اٹھے
میرے پہلو سے پھر اٹھتے ہیں وہ حیلہ کر کے

میں نے تو حسن تیرا دل میں چھپایا بے حد
مجھے مشہور کیا غیر نے چرچا کر کے

کیا یہی شرط وفا تھی تمہیں انصاف کرو
کہ بھری بزم میں بیٹھو مجھے تنہا کر کے

بھول کر اب وہ دکھاتے نہیں اپنا جلوہ
اک زمانہ کو فدائے رخ زیبا کر کے

سینہ پہ ہاتھ میرے رکھکے کوئی ذبح گیسو قتلہ
چلدیا اور میرا درد زیادہ کر کے

اٹھ گیا بزم سے خاموش کوئی اے **قرباں**
ہمیں کچھ بھی نہ ملا عرض تمنا کر کے

جام جو ہاتھ سے ساقی تو پلا دیتا ہے
حق تو یہ ہے کہ ہمیں حق سے ملا دیتا ہے

ہم کسی کے نہیں محتاج کبھی ہوتے ہیں
کون دیتا ہے ہمیں صرف خدا دیتا ہے

اس کا اعجاز مسیحا سے نہیں کچھ کم بخدا
اپنی ٹھوکر سے وہ مردوں کو جلا دیتا ہے

جب کبھی کرتا ہے وہ بات کبھی سختی کی
ایک لحظہ میں میرے دل کو ہلا دیتا ہے

حسب وعدہ جو شب وصل چلا آتا ہے
دل کی کلفت مرے سب آکے مٹا دیتا ہے

کر میرے دردؔ کا للہ نہ درماں کوئی
چارہ گر درد ہی اب مجھکو مزا دیتا ہے

بات کرتے نہیں ہو جاتے ہیں برہم مجھ سے
جھوٹی سچی جو کوئی غیر لگا دیتا ہے

مرنے والے جو شب و روز چلے جاتے ہیں
کون یہ راہ عدم ان کو بتا دیتا ہے

تو جو آتا ہے بہل جاتا ہے **قربان** کا دل
دیکھ کر تجھ کو وہ غم اپنے بھلا دیتا ہے

میری حالت پہ کچھ نظر بھی ہے
کچھ مرے حال کی خبر بھی ہے

اے دل اتنا ملالِ ناکامی
تیرے نالوں میں کچھ اثر بھی ہے

یہ مسلسل درازئ شبِ غم
غم کی اپنے کوئی سحر بھی ہے

کون روتا ہے تیری بالیں پر
مرنے والے تجھے خبر بھی ہے

پھر یہی جلوے کو ڈھونڈتا اُس نے
دیکھ پہلے تجھے نظر بھی ہے

مرنے والے نہ ہو ذرا غمگیں
کوئی لاشہ پہ نوحہ گر بھی ہے

خط تو رکھے ہیں لاکھوں لکھ لکھ کر
بھیجوں کس طرح نامہ بر بھی ہے

آبروِ ضبط کی مٹانے کو
دلِ نالاں بھی چشمِ تر بھی ہے

تیرا **قربان** ہے بہت غمگیں
بے وفا کچھ تجھے خبر بھی ہے

تھامے ہوئے دل اور وہ زخمی جگر آئے
نالوں میں الٰہی مرے ایسا اثر آئے

سینچا ہے اسے ہم نے بہت خونِ جگر سے
اس نخلِ تمنا میں نہ کیوں پھر ثمر آئے

کچھ اور بڑھی میری پریشانئ دل بھی
گیسو تیرے بڑھتے ہوئے جب تا کمر آئے

بن کر جو شرارے گئے نالوں کے فلک پر
دنیا کو چمکتے ہوئے تارے نظر آئے

ہے شام ہی سے فکر میں جانے کی پریشاں
ارمان ہے اُن کو کہیں جلدی سحر آئے

تاریکی میں سیہ گور پہ کرتے ہیں چراغاں
تربت میں بڑے کام یہ داغِ جگر آئے

ملنے کے لئے تیرے ملے غیر سے جا کر
جو کام نہ کرنا تھا وہ ہم آج کر آئے

کعبہ کو چلے بھول کے میخانہ میں آئے
جاتے تھے کہاں اور نکل ہم کدھر آئے

اُمنڈے تو مگر نکلے نہ آنسو مرے باہر
ہے ضبط وہی لاکھ اگر آنکھ بھر آئے

ناحق ہی گئے آج کسی شوخ سے ملنے
ہاتھوں سے سنبھالے ہوئے دل اور جگر آئے

دنیا میں جدھر دیکھتے ہیں حسن کے جلوے
کیا حور و ملک خلد سے یا رب اُتر آئے

ارمان و تمنا میں ہے ہنگامہ ماتم
تربت پہ میری رونے مرے نوحہ گر آئے

جب جیتے جی دنیا میں مری بات نہ پوچھی
کیوں آج میری لاش پہ باچشمِ تر آئے

اے پردہ نشین اور کسی کی نہیں حسرت
ارمان یہ ہی ہے کہ مجھے تو نظر آئے

قربان ہوں اس ناوک انداز کا مشتاق
جو تیر کے دل میرا جگر تک اتر آئے

اس کے کوچہ سے اگر کوئی گذر جاتا ہے
لیکے وہ داغ دل و داغ جگر جاتا ہے

خیر ہو آج جو وہ دزد دیدہ نظر جاتا ہے
دیکھئے۔ تیر نگہ اس کا کدہر جاتا ہے

عمر کو نادی لگی باغ محبت میں مگر
آہ عاشق تیرا۔ محروم ثمر جاتا ہے

تو میرے دل کو لہاتی ہے نسیم سحری
شوق میرا تیری چالوں سے نکہر جاتا ہے

لخت دل لخت جگر توشہ ہیں کشتہ کا ترے
اپنی ہمراہ لئے زادِ سفر جاتا ہے

آپ تک آنے نہیں دیتا کبھی رنج کا ذکر
جو گذرنا ہے میرے دل پہ گذر جاتا ہے

آہ کا میری اثر اور نگہ یار کا تیر
ایک آتا ہے ادہر ایک اُدہر جاتا ہے

میں ترے حسن تصور کا بہت ہوں ممنوں
دو گھڑی کیلئے بیخود مجھے کر جاتا ہے

کوئی مرتا ہے یہاں کوئی ہے پیدا ہوتا
کوئی آتا ہے ادہر کوئی اُدہر جاتا ہے

میری تخریب میں پہلو میری تعمیر کے ہیں
جب بگڑتا ہے مرا کام سنور جاتا ہے

کیا بھروسہ ہے تری بات کا مجھ کو ظالم
ابھی کہتا ہے ابھی صاف مکر جاتا ہے

حوصلوں پر تیرے **قربان** تعجب ہے ہمیں
جو کسی سے نہ ہو وہ کام تو کر جاتا ہے

اگر وہ دل میں ہمارے قیام کر لیں گے
تو اُن سے ہم کبھی حجت تمام کر لیں گے

دکھا کے حسن ہمیں وہ غلام کر لیں گے
اسیر زلف و رخِ لالہ فام کر لیں گے

ہمارے نالے اثر نے جا کے رام کر لیں گے
کسی حسین کے دل میں قیام کر لیں گے

تو صاف بچ گئے جو سمجھانے سے چلا آیا
تو تجھ کو ناصح مشفق سلام کر لیں گے

وہ بت نہ آیا جو ملنے کو تو سوچا ہے
کہ ہم بھی عید کو ماہِ صیام کر لیں گے

شبِ فراق محبت میں جان دیکر ہم
تمہارے چاہنے والوں میں نام کر لیں گے

وہ کر کے وعدہ شب وصل اگر نہیں آئے
تو نیند آنکھوں میں اپنی حرام کر لیں گے

سُنا ہے آج نکلتے ہیں گھر سے وہ باہر
ملا جو موقعہ تو ہم بھی سلام کر لیں گے

مجھے جو دیکھیں گے میخانہ کی طرف آتا
وہ خالی اپنا صراحی و جام کر لیں گے

نہیں ہے تاب یہ اپنی کہ حسن کو دیکھیں
وہ اور ہوں گے جو اُن سے کلام کریں گے

انہیں میں اس لیئے لکھتا نہیں ہوں خط قاصد
کہ وہ عدو سے پیام و سلام کریں گے

اگر حسینوں نے تقلید کی تیری ناصح
ضرور پھر تجھے عاشق امام کریں گے

ہزاروں فتنے اُٹھائیں گے چلکے دنیا میں
بپا وہ حشر سا وقتِ خرام کریں گے

ہمیں جو زندگی دنیا میں تیر کرنی ہے
کہیں بھی صبح کہیں اپنی شام کریں گے

جو اُن کے حسن نے ہمت فزائی کی قربان
جو کام ہو نہیں سکتا وہ کام کریں گے

شیدا وہ مجکو اپنا بنا کر چلے گئے
اک اور آگ دل میں لگا کر چلے گئے

پر وہ شہید غم کا اُٹھا کر چلے گئے
تُربت پہ جو چراغ جلا کر چلے گئے

اعجاز سب کو اپنا دکھا کر چلے گئے
کشتوں کو ٹھوکروں سے جلا کر چلے گئے

بے خود میری نظر کو بنا کر چلے گئے
جلوہ وہ اپنا آج دکھا کر چلے گئے

بیمار مجکو اپنا بنا کر چلے گئے
آنکھیں تجھے وہ اپنی دکھا کر چلے گئے

سینہ سے اپنا سینہ ملا کر چلے گئے
حسرت وہ میرے دل کی مٹا کر چلے گئے

قسمت سے آج گورِ غریباں میں آئے تھے
تُربت کے سب نشان مٹا کر چلے گئے

باتیں انہیں رقیب کی میرے پسند ہیں
طرفہ وہ بات مجکو سنا کر چلے گئے

جھوٹی سہی وہ دے تو گئے کچھ تسلیاں
روتوں ہوؤں کو اپنے ہنسا کر چلے گئے

جھونکے ہوا کے یار کے کوچہ سے آئے جب
شمع لحد کو میری بجھا کر چلے گئے

توڑا جو دل کو ساتھ ہی چٹکی جگر میں لی
کس کس ادا سے مجکو ستا کر چلے گئے

رکھتے تھے اپنی جان سے دنیا میں جو عزیز
وہ زیر خاک ہم کو دبا کر چلے گئے

آئے جو باغ میں تو گلوں کو ہنسا دیا
وہ اک اور شگوفہ کھلا کر چلے گئے

دارا رہا نہ کوئی سکندر یہاں رہا
سب اپنی اپنی شان دکھا کر چلے گئے

قربان نیس رات کو تشریف لائے تھے
اسرارِ عشق ہم کو بتا کر چلے گئے

پہلے جفا کے طور تو کچھ جان جائیے
پھر لے کے اپنے ہاتھ میں پیکان جائیے

تم کو تھا مجھ سے ربط کبھی جان جائیے
صورت کو میری دیکھ کے پہچان جائیے

لینے وفا کا اُن سے جو پیمان جائیے
تو ہاتھ میں لئے ہوئے قرآن جائیے

حسب پسند گر نہیں ملتا کوئی حسین
بہتر ہے اس سے آپ پرستان جائیے

ترجیح مجھ پہ غیر کو ہرگز نہ دیجئے
اتنی سی بات آپ میری مان جائیے

آداب یہ ہیں جلوہ گہ حسن و ناز کے
حیران بنکے آئیے حیران جائیے

زخموں کو میرے اسکی ضرورت نہ ہو کہیں
مقتل میں لیکے آپ نمکدان جائیے

اچھی رہی کسی سے تمنا وصال کی
اب لے کے ساتھ گور میں ارمان جائیے

تقلید قیس چاہیئے عاشق کے واسطے
بستی کو چھوڑ سوئے بیابان جائیے

تیغ ادا سے قتل مجھے کیجئے ضرور
گردن پہ میری رکھ کے یہ احسان جائیے

اندر نہ آنے پاؤں کہ تاکید ہے اُسے
کہتا ہے مجکو دیکھ کے دربان جائیے

کس طرح آج اشک بہاتی ہے چشم تر
آنکھوں کا میری دیکھ طوفان جائیے

میرے سبب سے آپ ہیں بدنام کُو بکُو
کیوں رکھ کے مجھ پہ آپ یہ بہتان جائیے

لاغر بھی ہوں ضعیف بھی ہوں اور نحیف بھی
صورت کو میری دیکھ کے حیران جائیے

بکتے ہیں ابتو کوچہ و بازار میں حسین
یوسف کو کیوں خرید نے کنعان جائیے

قربان آج اُنسے تو کہدے یہ بیدریغ
نازوادا پہ آپ کی قربان جائیے

نہ کوئی تجھ سے کرینگے شکوہ نہ کوئی تیر اگلا کرینگے
بڑھائی تونے جو اُن سے الفت۔ بتاؤں اے دل وہ کیا کرینگے
ہماری اُسنے جو قدر کچھ کی۔ تو فرض الفت کرینگے
ہمارا شیوہ نہیں ہے شکوہ۔ کہ ہم کو کہتے ہیں لوگ عاشق
رہ وفا میں کسی طرح بھی قدم نہ اپنے ہٹیں گے پیچھے
وہ گھر سے نکلے ہیں تیغ لیکر۔ چڑھائے آنکھیں بدلے تیور
مریض الفت ذرا سنبھل جا۔ نہ توڑ ہمت شگون اچھے
عدو کے گھر جاتے ہیں کبھی کبھی۔ نہ انکو عذر و دریغ ہوگا
دیا محبت نے خوب تحفہ۔ کروں نہ کیوں شکر میں خدا کا
کسی کو غمزے دکھا رہے ہیں کسی سے تیور بنا رہے ہیں

جو ہم سے چھوٹے تیری محبت تو صرف شکر خدا کرینگے
جفا کرینگے۔ دغا کرینگے۔ حیا کرینگے۔ ادا کرینگے
اسکی مالا جپا کرینگے۔ اسی کا کلمہ پڑھا کرینگے
وہ لاکھ ہم پر جفائیں کرلیں۔ کبھی نہ ان کا گلا کرینگے
اگر وہ نفرت سوا کرینگے تو ہم بھی الفت سوا کرینگے
وہ کیا قیامت بپا کرینگے۔ وہ جانے کسکو فنا کرینگے
وہ سنکے آئے تو ہیں مسیحا۔ تیرے وہ دل کی دوا کرینگے
بلائینگے ہم جو اپنے گھر پر ضرور عذر حنا کرینگے
یہ داغ میری لحد میں اکثر چراغ بنکر جلا کرینگے
کسی کو اب شاد وہ کرینگے کسی کو اب وہ خفا کرینگے

اُٹھاکے رُخ سے نقاب تم نے۔ جو ترچھی نظروں سے ہمکو دیکھا
تو سوچ بیٹھے ہیں آج ہم بھی کہ دلکو نذر ادا کرینگے

نہ چھوڑینگے وہ چلک کے چلنا۔ نہ چھوڑینگے اہلِ درد مٹنا
خرام اُنکا رہیگا جاری تو مٹنے والے مٹا کرینگے

ہے موسمِ گل بھی اور گھٹا بھی۔ بھری ہوئی کیف سے ہوا بھی
پلا نہ سکا آج انکو ساقی۔ تو رندِ میکش دعا کرینگے

اگر وہ آئینگے ہوکے مہماں اگر وہ ٹھہرینگے دل میں قرباں
تو روز جلسے ہوا کرینگے۔ تو روز جلوے ہوا کرینگے

آکے اسے یادِ صنم تو کیوں مجھے تڑپائے ہے
میرے تڑپانے سے آخر کیا تجھے مل جائے ہے

دل کے دل ہی میں میرا ارمانِ دل رہ جائے ہے
آکے پہلو میں جو اسے بت تو میرے شرمائے ہے

زندگی وہ ایک نئی فیض وفا سے پائے ہے
جو کوئی راہِ محبت میں تیری مٹ جائے ہے

دل تڑپتا ہے میرا۔ اور روح بھی دُکھ پائے ہے
یوں رُلانے سے میرے کیا ہاتھ تیرے آئے ہے

اہلِ عصمت کی نظر اُٹھتی نہیں ہرگز کبھی
آئے ہے شوخی تو وہ بھی آنکھوں میں شرمائے ہے

میری افسردہ نصیبی کو یہ ہے مجھ سے جلن
جو کلی دل کی کھلاتا ہوں وہ ہی مرجھائے ہے

یہ خبر ہوتی تو دل دیتے نہ ہم ہرگز تجھے
جب سے تجھ سے دل لگا لب پر ہمارے ہائے ہے

ہائے وہ کہتے ہیں مجھ سے سامنے اغیار کے
بن بلائے کیوں تو محفل میں ہماری آئے ہے

ہے بلا کیسی شبِ فرقت بھی ظالم سنگدل
روز ایک آفت ہمارے سر پہ تازہ لائے ہے

تو ہے کمسن کیا خبر تجکو جفا کیا چیز ہے
تجکو تو دشمن میرا ہر اک طرح بہکائے ہے

جس طرح ناگن کوئی ہو شاخِ گل پر وجد میں
گیسوئے خمدار رخ پر اس طرح بل کھائے ہے

یہ میری قسمت کہ مجھ میں تابِ نظارہ نہیں
تجکو تو جلوہ وہ اپنا ہر طرح دکھلائے ہے

خوب لیتا ہوں مزے اے عشقِ جاناں آجکل
سوز ہے دل میں مرے اور لب پہ میرے ہائے ہے

صرف اک ٹلتی نہیں آکر کبھی فرقت کی رات
جو بلا آئے ہے سر پر وہ بلا ٹل جائے ہے

کاش تم دل کو یوں ہی تسکین دو ٹھنڈا کرو
جس طرح الفت تمہاری قلب کو گرمائے ہے

حال یہ ہے غیر کے پہلو میں اُن کو دیکھ کر
جس طرح قرباں بن آئی کوئی مرجائے ہے

مری حسرتوں کو مٹا جانے والے
مرے دل کو اپنا بنا جانے والے

نئی آگ دل میں لگا جانے والے
مجھے حسن اپنا دکھا جانے والے

لبھا جانے والے ستا جانے والے
مجھے اپنا شیدا بنا جانے والے

تیرے ناز و انداز پر میں ہوں صدقے
رُلا جانے والے ہنسا جانے والے

تصور میں اکثر بھی مجھ سے خفا ہے
شبِ وعدہ ہو کر خفا جانے والے

ادھر آ کے میں بھی تو کشتہ ہوں تیرا
سرِ راہ مُردے سے چلا جانے والے

نہ آیا کبھی پھر مرے دل میں اک دن
ہوا ہے تو ایسا خفا جانے والے

ادھر آ وفا تجھ کو اپنی دکھاؤں
میرے دل پہ کر کے جفا جانے والے

فنا ہو کے راہِ وفا میں گیا تو
ہوئی تجھ کو حاصل بقا جانے والے

وفا یاد کر کے وہ تربت پہ بولے
ہمیں اب کے پھر آزما جانے والے

کہاں ہمکو جاتا ہے بسمل بنا کر
نہ چھوڑوں گا دامن تیرا جانے والے

تھا آنے کا وعدہ نہ آیا...... نہ آیا
تجھے کیسا دھوکا دیا جانے والے

کبھی پھر بھی قربان کے پاس آنا
تو اے دردِ دل کے مٹا جانے والے

قربان ہو کے قتل کے ارمان رہ گئے
گردن پہ میری آپ کے احسان رہ گئے

دستِ جنوں نے سب کی اڑا دی ہیں دھجیاں
دامن ہی رہ گئے نہ گریبان رہ گئے

فرہاد و قیس نے جنھیں آباد تھا کیا
خالی وہ آج سارے بیابان رہ گئے

غنچہ دہن نے زخموں پہ چھڑکا نمک نہ کچھ
مقتل میں ہائے بند نمکدان رہ گئے

کیا جانے اُن کو کیا نظر آیا کہ دفعتاً
آئینہ کو وہ دیکھ کے حیران رہ گئے

مرنے کے بعد میری وفا یاد آ گئی
ہو کر میری لحد پہ پشیمان رہ گئے

ہاتھوں تک اُن کے ہو نہ سکی اپنی دسترس
تکتے ہی تکتے پنجۂ مرجان رہ گئے

جاتے کہاں ہیں آپ یہ صبحِ شبِ وصال
باقی ابھی تو سینکڑا ارمان رہ گئے

محشر میں ساتھ اُن کو بھی لے جاؤنگا ضرور
وہ خود گواہی دینگے جو ارمان رہ گئے

بیمارِ غم نے ہائے تڑپکر دی اپنی جاں
سب چارہ گر علاج سے حیران رہ گئے

دستِ ہوس نے وصل میں لیں کتنی چٹکیاں
ہو کر وہ بار بار پریشان رہ گئے

اک حشر ہے تو اسکو بھی کر لیگا عشق طے
باقی اب اور کتنے ہی میدان رہ گئے

سب کو بقدرِ ذوق ملا کیفِ حسنِ دوست
محروم صرف بزم میں قربان رہ گئے

محبت کے دل میں شرارے رہیں گے
یوں ہی یہ چمکتے تارے رہیں گے
کسی دن کرو گفتگو دو بدو بھی
یہ کب تک کنارے اشارے رہیں گے
نہ بھولیں گے ہرگز تیرے وصل کی شب
ان آنکھوں میں وہ ہی نظارے رہیں گے
تمہارے سوا ہم کسی کے نہ ہونگے
تمہارے ہیں اور ہم تمہارے رہیں گے
کرے غیر اُف تیرے بالوں میں شانہ
رواں سر پہ کب تک یہ آرے رہیں گے
رہیں گے نہ ہم اس جہان فنا میں
نہ ارمان باقی ہمارے رہیں گے
شب غم تری یاد میں رشک انجم
سحر تک یوں ہی گنتے تارے رہیں گے
عدو کو نہ اُس نے اگر منہ لگایا
تو اپنے ہی وارے نیارے رہیں گے
غذا غم کی کھانا لہو دل کا پینا
انہیں پر ہمارے گذارے رہیں گے
رہو گے نہ ہو کر اگر تم ہمارے
مگر ہم تو پھر بھی تمہارے رہیں گے
اُٹھو آج **قربان** چلو اُن کے گھر تک
یہ چھپ چھپ کے کب تک نظارے رہیں گے

کونسی شب وہ ہوئی۔ بستۂ گیسو نہ رہے
کون سا دن وہ ہوا۔ کشتۂ ابرو نہ رہے
تیری محفل میں خجل ہم کسی پہلو نہ رہے
ضبط گریاں سے کبھی آنکھ میں آنسو نہ رہے
رند میخانہ سے جائینگے دعائیں دیتے
ساقیا آج سبُو میں تیرے چلو نہ رہے
اے فلک کوئی مجھے ایسا بتا دے افسوں
میرے معشوق پر اغیار کا جادو نہ رہے
آج اے قلب حزیں کوئی دکھا دا اُوں نیا
غیر کا اُس بت ہرجائی پہ قابو نہ رہے
جب یہ دیکھا کہ ہوا قیس یہاں آ کے مقیم
چھوڑ کر دشت گئے نجد میں آہو نہ رہے
آستیں کے یہ بنے سانپ انہ پچھا۔ چھوڑا
بے ڈسے اس دل مجروح کے گیسو نہ رہے
غیر کے پہلو سے وہ اٹھ گئے برہم ہو کر
شکر ہے اب میری رسوائی کے پہلو نہ رہے
مجھ کو **قربان** کیا حق نے عطا ذوق خلش
کیوں مرے دل میں کوئی تیر ترازو نہ رہے

اُس نے ڈھونڈا بھی اگر آنکھ میں آنسو نہ ملے
ضبط نے میرے کچھ ایسا کیا جادو نہ ملے
بخت یاور تھا ملے غیر کو بے کوشش و رنج
اور مجھ سے کسی صورت کسی پہلو نہ ملے
حیف صد حیف کریں غیر تو شیشے خالی
میکدہ سے تیرے ساقی ہمیں چلو نہ ملے

ایسی کیا جان کو ہم جہاڑ میں ڈالیں لیکر
چین جس جان کو یارب کبھی پہلو نہ ملے

رشک آتا ہے کہ بے لے نہ کہیں بوسۂ زلف
خالِ رخسار سے بھی آپ کا گیسو نہ ملے

رہا دونوں کا الگ کاٹ کے جدا۔ دم خم
تیر مژگاں سے تیرے خنجرِ ابرو نہ ملے

قاسم بخت نے یہ حکم دیا روز ازل
دل پہ اور جان پہ مجکو کبھی قابو نہ ملے

کیا یہ انصاف ہے اے چرخ کہ تڑپوں دن رات
میرے پہلو سے کبھی یار کا پہلو نہ ملے

اُس کی آنکھوں کی جو ہو جائے حکومت **قرباں**
ڈھونڈنے پر بھی کہیں چین میں آہو نہ ملے

کیا کہیں جلوہ اُسے اپنا دکھا رکھا ہے
آج موسٰی کو جو بیہوش بنا رکھا ہے

میری محفل میں کوئی آئے تو خاموش رہے
اُس نے پہلے ہی سے یہ مجھ کو سُنا رکھا ہے

غیر اچھا ہی سہی۔ لیجئے میں مان گیا
جانے بھی دیجئے، ان باتوں میں کیا رکھا ہے

جس طرف جائیے کچھ شکوہ تمہارا ہے ضرور
اس طرح تم نے زمانے کو ستا رکھا ہے

تیر مژگان نے تیرے، خنجر ابرو نے تیرے
بارِ احساں سے مرے سر کو جھکا رکھا ہے

گھر میں موجود بھی ہوں تو بھی وہ کہدیگا نہیں
اُس نے دربان کو پہلے سے سکھا رکھا ہے

اس پر اب رحم کرو۔ اب اسے آزاد کرو
کیوں دلِ زار کو زلفوں میں پھنسا رکھا ہے

جز ترے اور کسی سے ہمیں کچھ کام نہیں
اِک تیری یاد نے دنیا کو بھلا رکھا ہے

ضبط نے سب کو دکھایا ہے یہ اک اپنا کمال
درد کو آپ کے پہلو میں دبا رکھا ہے

اس سے نفرت ہے مجھے پاس بلائے اپنے
صفت جنجال میں دنیا کو پھنسا رکھا ہے

ہوش آتا نہیں **قربان** کی غفلت دیکھو
لخلخہ زلف کا گو اُس نے سنگھا رکھا ہے

کبھی نہ آئیگی موت تم کو ہمیشہ یہ ہر تم جیا کروگے
جو باغ ہستی میں مٹ گئے تم تو حاصل اپنی بقا کروگے

مٹا کے مجکو رہوگے یوں ہی تو دل کو اکدن تقا کروگے
ملینگی کب تک سزائیں آخر بتاؤ کب تک جفا کروگے

پھر سے جو در پہ ہی بیٹھتے تو کچھ بھی تم کو نہ پھر ملیگا
نظر وہ آئیگا تم کو فوراً۔ جو چشم غفلت کو وا کروگے

جفائیں جو مجھ پہ کر رہے ہیں۔ کرینگے تم پر کبھی نئے رقیب
میں دل جلا تم سے کہہ رہا ہوں کہ تم بھی یونہی جلا کروگے

تم اپنے کیا کام آئے ابتک کہ آؤ گے میرے کام یعنی
بھلا کچھ اپنا کیا ہے تم نے جو دوسروں کا بھلا کروگے

کبھی تمہاری نہ وہ سنینگے دل آنکی چیتون کو دینے والو
ہمیشہ شکوہ کیا کروگے ہمیشہ یوں ہی گلا کروگے

ادہر بھی آؤ کبھی مسیحا۔ اُمید تم سے ہے ہمکو اب تک | ہمارے دلکی شفا کروگے ہمارے دلکی دوا کروگے

ہے آج وعدہ کی رات **قرباں** یہ فیصلہ پہلے دلمیں کرلو
اگر وہ آئے تو کیا کروگے۔ اگر نہ آئے تو کیا کروگے

بہار آئی جہاں میں جب سے شراب رندوں میں چل رہی ہے | الٰہی ٹوٹے نہ میری توبہ کہ آج نیت بدل رہی ہے
کسے وہ مارے کسے جلائے خدا ہی جانے ہو کیا نتیجہ | وہ آج نکلا ہے گھر سے اپنے تمام دنیا دہل رہی ہے
کبھی نہ اب حشر تک بجھیگا۔ کبھی نہ اب حشر تک بجھیگی | جو شعلہ دلمیں بھڑک رہا ہے جو آگ سینہ میں جل رہی ہے
لگا کے بیٹھے ہیں آج مہندی کہیں نہیں جائینگے وہ گھر سے | سنا ہے افسانہ جب سے میرا جفا گری ہاتھ مل رہی ہے
ہماری خود بھی تو ہی ہے خواہش کہ جلد آئے وہ جلد آئے | جہاں کے جھگڑے تو ہو گئے طے۔ بس اک باقی اجل رہی ہے
نہیں ہے پہلی سی اب تو رونق زمانہ اب تو ہے ناموافق | جدھر بھی دنیا میں دیکھتے ہیں نئی ہی صورت بدل رہی ہے
یہ کہہ رہی ہیں کہ آئیں گے وہ وہ کہہ رہا ہے نہ آئینگے وہ | ہماری آنکھوں کی اور دلکی پھر آج آپس میں چل رہی ہے
ہوا ہے حاصل جو وصل انکا۔ یہ حال دونوں کا ہو گیا ہے | ہمارا دامن نکل رہا ہے تو انکی چولی نکل رہی ہے

صراحی کہتی ہے مئے نہ دونگی پیالہ کہتا ہے میں تو دونگا
تجھے جو **قرباں** انھوں نے دیکھا تو آج آپس میں چل رہی ہے

میرے لئے ہی تو یہ امتیاز رہنے دے | عدو کو آج سے محروم ناز رہنے دے
کبھی نہ پھر یہ میری بیکسی پھرے در۔ در | جو اپنے در ہی پہ عاجز نواز رہنے دے
میں خوب دیکھ لوں قاتل کو اپنے جی بھر کر | اجل یہ آنکھیں ابھی نیم باز رہنے دے
میں خود ہی بزم میں تیری خموش بیٹھا ہوں | سنا نہ نغمہ نہ اب چھیڑ ساز رہنے دے
تجھے جو بننی ہے اے شیخ میکدہ میں آ | نہیں تو اپنا یہ سب احتراز رہنے دے
دکھا کے تو نہ تو مغرور اُن کو آئینہ | یہ اپنی صنعتیں آئینہ ساز رہنے دے
مریض عشق کو دوائے وصل کافی ہے | دوا۔ طبیب تو یہ خانہ ساز رہنے دے
حجاب توڑ کے بے باک کر مجھے ساقی | پلا کے مجھکو نہ اب پاکباز رہنے دے

تمام عمر نہ **قرباں** ان بتوں میں گذار
تو سیکھ۔ عشق حقیقی مجاز رہنے دے

چاہئیں دو دل میرے تن کے لئے | اِک جوانی ایک بچپن کے لئے
بلبلو لایا ہوں اپنے استخواں | تیلیاں یہ لو نشیمن کے لئے

یار کا کوچہ نہیں جنت سے کم
یہ زمیں اچھی ہے مدفن کے لئے

لگ گئی اُس پہ تھی میری خاک گور
خوب لیتے اُس نے دامن کے لئے

خشمگیں آنکھیں تیری صیاد اُف
برق بن جاتی ہیں گلشن کے لئے

یاد ہم کو بھی کیا ہوتا.... کلیم
جب مرے تھے نورِ ایمن کے لئے

سوزِ الفت ہی جلا دے گا مجھے
شعلہ اک کافی ہے خرمن کے لئے

مر گیا۔ میں اب تو جوڑا کھو لدو ؎
مانگ زیبا ہے سہاگن کے لئے

سب جفائیں تم نے مجھ پر ختم کیں
کچھ نہ رکھا میرے دشمن کے لئے

دل کو رکھنا چیر کر بالائے گور
لوح کافی ہے یہ مدفن کے لئے

کھینچ زخموں کے لئے تار نفس
چاہیے وہاں کا بھی سوزن کے لئے

نذر دو قربان دل اُس زلف کو
یہ ہے تحفہ خوب ناگن کے لئے

انداز کی چھری سے بمشکل تراش کے
دل کو جگر میں کر دیا شامل تراش کے

رکھنا لگن میں پہلے میرا دل تراش کے
پھر رکھنا میرے جسم کو قاتل تراش کے

سر کو الگ کیا ہے جو قاتل تراش کے
کیا ہاتھ آگیا تنِ بسمل تراش کے

مقراض جب چلیگی خزاں کی تو دیکھنا
رکھدے گی وہ گلوں کو عنادل تراش کے

دیکھے تو کوئی اُس کو وہ کیسا ہے سنگدل
پہلو میں غم کی رکھدی میرے سل تراش کے

کیا دفن اب کریگا انھیں سینکڑوں جگہ
سو ٹکڑے ہو گئے تنِ بسمل تراش کے

گلگیر کو دکھانا ہے انجام سوز و ساز
رکھی ہے شمع یوں سرِ محفل تراش کے

کیسی ہی پُر خطر ہو نہیں اس کا مجکو غم ؎
رکھدوں گا تیرے عشق میں منزل تراش کے

قدرت نے اپنے ہاتھ سے چہرے پہ آپ کے
دو ابرو رکھدئے مہ کامل تراش کے

دل پر نظر ہے اور وہ کہتے ہیں بار بار
دیکھا نہیں ہے ہم نے کبھی دل تراش کے

کشتی یہاں ٹھہرنے لگی انتظار کی
رکھا ہے ہم نے آنکھ میں ساحل تراش کے

ہے آرزو کے قیس تو محمل سے باہر آ
لیلےٰ نہ دیکھ پردۂ محمل تراش کے

بسمل کا جسم اس کے لئے کھیل ہو گیا
سو سو طرح سے رکھتا ہے قاتل تراش کے

دیکھا جو اُس نے مجکو وہ بولا رقیب سے

قرباں کا رکھدو سر۔ سر محفل تراش کے

کیا اتنا ہی ظالم ہے جتنا کہ سیہ رو ہے
کیوں مار سیہ بنکر ڈستا تیرا گیسو ہے

تدبیر بہت کچھ کی۔ سلجھا نہ سکا کچھ بھی
دل سے یہ میرے الجھا کس شوخ کا گیسو ہے

جنبش جو ہوئی لاکھوں بیمار ہوئے اچھے
تیرا لب رنگیں بھی اعجاز ہے جادو ہے

بہ بہ کے نکلتے ہیں یہ لخت جگر میرے
ٹکڑے کو میرے دل کے کہتے ہیں وہ آنسو ہے

آتی نہیں قبضے میں۔ سو رنگ دکھاتی ہے
ہے شیر جو دل میرا۔ وہ آنکھ بھی آہو ہے

بے بس ہوں نہیں اپنی ہستی پہ میرا قبضہ
جس دن سے میرے دل پر ظالم تیرا قابو ہے

اک گھونٹ جو پیتا ہے۔ پڑھتا ہے تیرا کلمہ
ساغر میں تیرے ساقی یہ مئے ہے کہ جادو ہے

اے شیخ ترے دل پر ہے چوٹ لگی ورنہ
کیوں تیری زباں پر اب یہ نعرہ یا ہو ہے

برباد ہوا قرباں ناشاد ہوا قرباں
اب تیری طرح دل پر کچھ بس ہے نہ قابو ہے

میرے اک جینے کا موہوم سا پہلو ہو جائے
مرتے دم سامنے گر شکل پریرو ہو جائے

اب مسیحا بھی یہ رو رو کے دعا کرتے ہیں
تیرا بیمار یہ اچھا کسی پہلو ہو جائے

آنکھیں بدلیں۔ جو تری ساری خدائی بدلی
کون راضی ہو اگر تجھ سے خفا تو ہو جائے

اس کے اک ادنیٰ اشارہ سے ہو تن سر سے جدا
تیغ و خنجر سے زیادہ تیرا ابرو ہو جائے

روشنی دن کی ہو وہ منہ سے الٹ دے جو نقاب
رات دنیا میں ہو گر وا یہ گیسو ہو جائے

نظر آ جائے کہیں تو جو عدو کی ہمراہ
خشک فوراً ہی میری آنکھ کا آنسو ہو جائے

پھر ہو کچھ۔ تجھ کو میری اس کی محبت میں تمیز
غیر کی طرح میرا تجھ پہ جو قابو ہو جائے

جا کے چمکے وہ سر چرخ مہ نو کی طرح
پردۂ رخ سے جو باہر تیرا ابرو ہو جائے

عقل مختل ہو میری ہوش پراگندہ ہوں
دل اگر دیکھ لے صورت تیری آہو ہو جائے

بات تو جب ہے مری روح بھی نکلے یوں ہی
جس طرح باغ میں پھولوں سے جدا بو ہو جائے

کیسے ممکن ہے یہ قرباں وہ خدا سب کا ہے
تیرا منشا تو یہی ہے کہ تو ہی تو ہو جائے

کیا عجب واعظ اگر دنیا ہمارے دل میں ہے
آسماں کا سارا نقشہ آنکھ کے ایک تل میں ہے

کشمکش ہوتی ہے جس جا موت کی اور زیست کی
تیرا بیمار محبت آج اس منزل میں ہے

خاک تھا اور خاک ہے اور خاک میں ملجائیگا
خاصیت تیری یہ اے انسان آب و گل میں ہے

یوں تڑپتا چھوڑ کر جانا تیرا۔ اچھا نہیں
جان کچھ باقی ابھی قاتل تنِ بسمل میں ہے

بیٹھ جائے عاشقِ ناکام دم لے لے ذرا
کوئی بھی سایہ کی جا اس عشق کی منزل میں ہے

بھر دیئے ہوں جیسے پھولوں میں ہزاروں آفتاب
اے تپ فرقت کچھ ایسی آج سوزش دل میں ہے

آگے آگے دیکھ ابدل کیا تیرا انجام ہو
تو ابھی تو ابتدائی عشق کی منزل میں ہے

فرق ہے عشقِ حقیقی اور مجازی میں بہت
جو حقیقت میں مزہ ہے وہ کہاں باطل میں ہے

سخت جانی کی وجہ سے کیا نہیں گردن کٹی
دم نہیں باقی رہا یا خنجرِ قاتل میں ہے

آگ بنکر مہر انور میں ہے تیرا ہی جلال
نور تیرا جانا نی بنکر مہِ کامل میں ہے

دل کو دیکھے یا جگر کو اب میرا تیماردار
جان اُس کی بھی عیادت سے بہت مشکل میں ہے

دیکھئے رخنہ کرے لیلےٰ کا یا پردہ رکھے
قیس کی وہ اک نگاہِ عشق جو محفل میں ہے

انکساری نے دیا کیا خوب اس کو یہ فروغ
ساری دنیا کا تماشا آنکھ کے اِک تل میں ہے

کیا پڑھاتا ہے تو ناصح کیا سناتا ہے مجھے
میری الفت کا سبق تحریر میرے دل میں ہے

اک اُترنے کا ہے وقفہ سرزمینِ موت پر
کشتیٔ عمرِ رواں گہوارۂ منزل میں ہے

گردنیں عشاق کی کاٹی ہیں اُس نے اسقدر
دھار موٹی پڑ گئی اب خنجرِ قاتل میں ہے

پھر ملیں وہ یا نہیں موقع غنیمت ہے یہی
آج سب کہدے جو اے **قربان** تیرے دل میں ہے

جس کو دیکھا ہم نے دنیا میں وہ تیرے غم میں ہے
تیرا چرچا چھپنے والے کس قدر عالم میں ہے

کہہ کے یہ لیلےٰ نے ہنگامے کو برہم کر دیا
کوئی کیا جانے میرا۔ دیوانہ کس عالم میں ہے

آب الفت میں کریں اب غسل گلہائے چمن
اشکِ بلبل ہو گیا تحلیل سب شبنم میں ہے

اہل محشر جو تپش تھی داغِ دل کی ایک دن
وہ تمازت آج گویا نیرِ اعظم میں ہے

کوئی دیکھے میری چشمِ یاس کی گنجائشیں
نوح کا طوفان میرے دیدۂ پرنم میں ہے

آنکھ کی پتلی سمجھتا ہے وہ ظالم غیر کو
ہائے نامحرم بسا کیا دیدۂ محرم میں ہے

خشک بھی کرتا ہے زخموں کو ہرا کرنیکے بعد
یہ تماشا ہم نے دیکھا آپ کے مرہم میں ہے

قدرداں گل کا نہیں ملتا چمن میں کوئی آج
باغباں بھی تیرے بلبل آج تو ماتم میں ہے

آ گئی غالب صداقت کھل گیا رازِ وفا
جو تھا غیروں میں کبھی وہ آج دیکھو ہم میں ہے

اس سے کیا حاصل تجھے قربان اتنا تو بتا
عمر تیری رائیگاں جو فکرِ بیش و کم میں ہے

نگہ کی تیغ سے بسمل تمام ہو جائے
تمہارا نام ہو اور اس کا کام ہو جائے

ابھی تو میکدہ میں اژدہام ہو جائے
ذرا سی دیر کو گر اذن عام ہو جائے

یقیں ہے ہم کو کہ وہ شوخ رام ہو جائے
کبھی جو اس سے سلام و پیام ہو جائے

کبھی جو دن کو ہی وہ خواب میں چلے آئیں
تو میرے روزِ مصیبت کی شام ہو جائے

کبھی تو دیکھ لیں ہم قتل عام کا منظر
کبھی تو تیغ نظر بے نیام ہو جائے

سرور غم کا نہ ہو جس شراب میں داخل
ہمارے واسطے وہ مے حرام ہو جائے

اس انجمن میں ہو کچھ اور یا نہ ہو یارب
قبول دوست ہمارا سلام ہو جائے

ہم اس کو معجزہ سمجھیں کمال الفت کا
وہ بت جو ہم سے اگر ہمکلام ہو جائے

عدو کا اور میرا کر دو فیصلہ آکر
کسی طرح تو یہ جھگڑا تمام ہو جائے

شراب پی کے محبت کی ہم بھی بے خود ہوں
شروع جو بزم میں اب دورِ جام ہو جائے

لگے جو چوٹ ترے شعرِ ترکی اے قربان
قبول دہر میں تیرا کلام ہو جائے

سخت جانی سے کہیں تو بھی نہ قاتل الجھے
ترے خنجر سے نہ میرا تنِ بسمل الجھے

صاف صحرا کو تو کر تارِ نظر سے ورنہ
ڈر ہے مجنوں نہ کہیں پردۂ محمل الجھے

اس سلا دنیا میں نہ ہوگا کوئی ناکام امید
جس کی گرداب میں کشتی سرِ ساحل الجھے

تجھ کو معلوم ہوں کچھ عشق و محبت کے مزے
تیرا دل بھی جو کہیں اے میرے قاتل الجھے

چارہ گر عشق کے ہیں داؤں مجھی کو معلوم
تجھ سے سلجھے نہ کبھی جو میری مشکل الجھے

کیوں بری آنکھوں سے دیکھا ہے عدو کو تو نے
اتنی سی بات پہ مجھ سے سرِ محفل الجھے

ان کی زلفوں کی جو لیتا ہے بلائیں جاکر
تو نہ گیسو میں کہیں اے دلِ بسمل الجھے

تم مذاق اپنی طبیعت کا بدل دو قربان
نہ ہو پھر جان کو آفت نہ کہیں دل الجھے

جدا جدا ہے جہاں میں عادت کسی کی کچھ ہے کسی کی کچھ ہے
الگ الگ ہے بشر کی خصلت کسی کی کچھ ہے کسی کی کچھ ہے

کسی میں شوخی ہے بھولپن کسی میں زردی اسیر رخ کی
الگ الگ ہے گلوں کی رنگت کسی کی کچھ ہے کسی کی کچھ ہے

کسی کو حاصل یہاں ہے دولت کسیکو حاصل ہے فقر و ذلت
نہیں ہے یکساں جہاں کی قسمت کسی کی کچھ ہے کسیکی کچھ ہے

ہوا ہے شیدا کوئی بتوں پر بنا ہے بندا کوئی خدا کا
ہے مختلف قسم کی عقیدت کسیکی کچھ ہے کسیکی کچھ ہے

ہیں مشک آسا کسیکی زلفیں کسی کے عارض ہیں ہوئے صندل
نئی نئی ہے گلوں کی نکہت کسی کی کچھ ہے کسیکی کچھ ہے

کسیکی صورت ہے دل لبھاتی کسیکو صورت سے ہے تنفر
جدا جدا ہے ہر ایک صورت کسی کی کچھ ہے کسیکی کچھ ہے

اگر ہے کوئی وفا کا پتلا تو کوئی یاں ہے جفا کا پیکر
نہ ایک سیرت نہ ایک خصلت کسیکی کچھ ہے کسیکی کچھ ہے

کوئی ہے پڑھتا نماز پیہم کوئی ہے کرتا گناہ پیہم
ہے بزم کثرت یہاں طبیعت کسیکی کچھ ہے کسیکی کچھ ہے

کوئی تو قرباں غم ہے کھاتا کوئی ہے قرباں عیش کرتا
طرح طرح کی یہاں ہے عادت کسی کی کچھ ہے کسیکی کچھ ہے

جام ایک تو خوشگوار دیدے
اب ہے ساقی بہار دیدے

پھولوں کو شباب غنچے کو رنگ
دیدے دیدے بہار دیدے

اُن کو پروا نہیں کسی کی
جان اپنی کوئی ہزار دیدے

اُس کا یہ ہی فرضِ زندگی ہے
کیوں جان نہ جاں نثار دیدے

انصاف کا دن قریب تر ہے
خوب آج لحد فشار دیدے

ہم رند ہیں پی کے جائینگے آج
ساقی طعنہ ہزار دیدے

یارب مجھے داغ عشق دیگر
رنگینیِ لالہ زار دیدے

کرنا ہے مطیع ایک ساحر
افسوس کوئی چشم یار دیدے

تربت کا میری پتہ جو پوچھو
میرا مشتِ غبار دیدے

قرباںؔ۔ طلب سے فائدہ کیا
جو چاہے وہ کردگار دیدے

سر کو اب نذر دار کر دیجئے
جان اُن پر نثار کر دیجئے

مری تربت میں شافعِ محشر
دُور آکر فشار کر دیجئے

رشکِ خورشید غیرتِ ناہید
میرا مشتِ غبار کر دیجئے

پڑھ نہ لے کوئی نام قاتل کا
دُور لوحِ مزار کر دیجئے

وہ نہیں مانتے کبھی احساں
اُن پہ احساں ہزار کر دیجئے

عشق میں دے کے داغ کثرت سے
دل کو اک لالہ زار کر دیجئے

اپنے ابرو کے اک اشارے سے
میرا سینہ فگار کر دیجئے
اپنے دل میں مجھے جگہ دے کر
بے نیاز مزار کر دیجئے
دل ہے گستاخ تو اجازت ہے
اسپہ ابرو کا وار کر دیجئے
صبح اچھی نہ رات اچھی ہے
ختم لیل و نہار کر دیجئے
اُن کی اُلفت کا ہے اگر دعوےٰ
جان قرباں نثار کر دیجئے

سزائیں دیکے سو سو کرتے ہو تقصیر کے ٹکڑے
سمجھتے یہ نہیں ہوتے ہیں خود تقدیر کے ٹکڑے
سیہ باطن ہوا کرتے ہیں سب تنویر کے ٹکڑے
بظاہر گو حسیں کتنے ہی ہوں تنویر کے ٹکڑے
وہی ہوگا ازل سے جو لکھا ہی تیری قسمت میں
یہ کہہ کہہ کر کئے تقدیر نے تدبیر کے ٹکڑے
سوائے یادِ لیلیٰ کون آسکتا ہے صحرا میں
بہت محفوظ ہیں مجنوں تری جاگیر کے ٹکڑے
تمنا شوق و حسرت آرزو ارمان بن بن کر
لحد میں بکھرے پھرتے ہیں دلِ دلگیر کے ٹکڑے
ستارے جنکو سمجھے ہو۔ وہ آہوں کے شرارے ہیں
جلا کر کر دئے ہیں مینے چرخِ پیر کے ٹکڑے
کدھر جائیں۔ کدھر نکلیں ہے راہِ عشق پیچیدہ
سمجھ میں کچھ نہیں آتے ہیں یہ زنجیر کے ٹکڑے
نہ سمجھا خاک بھی انجام کیا ہوگا محبت کا
کئے مینے بہت ہر خواب کی تعبیر کے ٹکڑے
جدا کر کے لکھے ہیں تو نے دلکے حرف اے ظالم
کلیجے سے لگا لوں آ۔ تری تحریر کے ٹکڑے
رُلاتے ہیں جلاتے ہیں ہنساتے ہیں جگاتے ہیں
غضب ہوتے ہیں میرے نالۂ شبگیر کے ٹکڑے
جگہ دی ہے کلیجے میں جگر میں دل میں پہلو میں
کئے ہیں مینے کتنے ایک تیرے تیر کے ٹکڑے
تمہارے تیر کے ٹکڑے ہر اک رگ میں ہیں پیوستہ
دکھاؤں کس طرح لیکن بہتیں دل چیر کے ٹکڑے
بیانِ عشق کی تشریح تم کیا خاک سمجھوگے
غلط معنی لگائے کر دئے تفسیر کے ٹکڑے
کلیجہ نے سُنائی داستاں دل سے الگ اُنکو
چلا فتراک میں لٹکا کے جب نخچیر کے ٹکڑے
ہماری شمع الفت بھی بہت ہی سخت جاں نکلی
کٹایا سر کو جب دو کر دئے گلگیر کے ٹکڑے
کسی کو سرد کرتے ہیں کسی کو یہ جلاتے ہیں
نرالے ہیں مری ہر آہ کی تاثیر کے ٹکڑے
تڑپ کر خاک پر گرتے ہیں آنسو یوں مرے پیہم
بکھر جاتے ہیں جیسے ٹوٹ کر زنجیر کے ٹکڑے

اُسی کا ہر طرف جلوہ نظر آیا جدھر دیکھا
حسینؑ ہوتے ہیں سب قرباں یہ تنویر کے ٹکڑے

اگر پتھر بھی اسکے سامنے ہو وہ بھی پانی ہے
الٰہی کس غضب کی اُن کے خنجر میں روانی ہے

خوشی ایسی ہوئی ملنے کی اسکو تیرے اے ظالم
زلیخا کی طرح تازہ ملی دل کو جوانی ہے

اگر تربت مٹا دیگا تو پھر پچتائے گا ظالم
یہی اک مرنیوالے کی فقط باقی نشانی ہے

کبھی صیاد کو بھی اتنو آجاتا ہے رحم اس پر
غنیمت آج کل مرغِ چمن کی ناتوانی ہے

کسی دن بیٹھکر کرلیں نہ کیوں ہم فیصلہ اس کا
مجھے تم سے نہیں اہلِ وفا سے بدگمانی ہے

مرے پیچھے پڑی رہتی ہے زلفوں کیطرح ظالم
شبِ فرقت الٰہی کیا بلائے ناگہانی ہے

تو اپنے حسن سے پہلے مری آنکھوں کو خیرہ کر
تجھے منظور اگر ظالم ابھی چلمن گرانی ہے

نہ پوچھو میری حالت اب نہیں ہے اس سے کیا مطلب
میں زندہ ہوں غنیمت ہے تمہاری مہربانی ہے

تو اے قرباںؔ تصویر تصور کھینچ لیتا ہے
کہ تیرے سامنے اک نقشِ حیرت آج مانی ہے

یاد آگیا ہے ہم کو خدا کچھ نہ پوچھئے
کس طرح اُس نے کی ہے جفا کچھ نہ پوچھئے

سوزش۔ تپش خلش ہے مرے دل میں مستقل
اس عشق نے جو حال کیا کچھ نہ پوچھئے

ہم نے تمام عمر گذاری ہے لوٹ کر
کیا درد نے دیا ہے مزا کچھ نہ پوچھئے

اک درد و رنج و غم ہے فقط حاصلِ حیات
جو عشق و عاشقی میں ملا کچھ نہ پوچھئے

ناکامی سے بھری ہے مری داستانِ دل
ہوتا ہے رنج بہرِ خدا کچھ نہ پوچھئے

کیوں زندگی کا لطف مٹا کیا بتاؤں میں
کیوں ہوگیا وہ مجھ سے خفا کچھ نہ پوچھئے

سینہ سے وہ نکل کے گیا ہے جگر کے پاس
پہونچا کدھر ہے تیرِ ادا کچھ نہ پوچھئے

شاید ہے اس نے خونِ عدو کا ملالیا
پھیکا ہے کیوں یہ رنگِ حنا کچھ نہ پوچھئے

اس کی دوا وہی ہے جو دیتا نہیں کوئی
بیمارِ غم کی اپنے دوا۔ کچھ نہ پوچھئے

ٹوٹا شبِ فراق مرے دل پہ کوہِ غم
آئی تھی سر پہ کیسی بلا کچھ نہ پوچھئے

قرباںؔ میکدہ میں وہ ساقی کا لطفِ خاص
اور پھر وہ میکشوں کی دعا کچھ نہ پوچھئے

وہ اپنی شرم کا آخر نباہ کرلیں گے
کہ مجھکو دیکھ کے نیچی نگاہ کرلیں گے

رہیں جو تیری یہی بے نیازیاں ہم سے
تو ہم کسی سے کہیں رسم و راہ کرلیں گے

تمہارے چاہنے والے اسی میں ڈوبیں گے
تمہاری چاہِ ذقن کو وہ چاہ کرلیں گے

خبر لو اپنے مریضوں کی جلد تم ورنہ
تمہارے عشق میں حالت تباہ کرلیں گے

جلا جو داغ جگر کا چراغ کی صورت
تو دور ظلمت بخت سیاہ کرلیں گے

تمہاری تیغ ادا کے شکار جو ہوں گے
وہ جلد طے غم الفت کی راہ کرلیں گے

ہمیشہ ہم ہی رہیں گے تمہاری محفل میں
یہ غیر تھوڑے دنوں کو نباہ کرلیں گے

نقاب کھولدی تو نے جو بام پر آکر
حجاب دیکھ کے یہ مہر و ماہ کرلیں گے

جو حال عشق کا منکر نکیر پوچھیں گے
تو اُن کو عشق کا قرباں گواہ کرلیں گے

یہ کیا شے ہے ناصح تو کیا جانتا ہے
مرا دل ہی غم کا مزا جانتا ہے

جو دل کو ستانا روا جانتا ہے
ہر انداز کی وہ جفا جانتا ہے

یقیں تم کو آئے نہ آئے نہیں غم
محبت کو میری خدا جانتا ہے

اُسے کیا ہے مطلب جفا و ستم سے
کہ عاشق تو اپنی وفا جانتا ہے

ڈریگا قیامت سے کیا وہ۔ جو عاشق
قیامت کو اُن کی ادا جانتا ہے

نہ کھائی ہو جس نے کبھی چوٹ دل پر
مرے حال دل کو وہ کیا جانتا ہے

بچھاتا ہے وہ دام زلفوں کے کیا کیا
مرے دل کو مرغ ہوا جانتا ہے

اُٹھائی ہے تکلیف جو دل پر اس نے
ترے عشق کا مبتلا جانتا ہے

وہ کہتے ہیں آتا نہیں اور تجھکو
فقط تو تو کرنا گلہ جانتا ہے

میرے دل میں الفت ہے کتنی تمہاری
خدا جانتا ہے خدا جانتا ہے

بتوں کی تمنا ہے قرباں لیکن
مرے دل کی حالت خدا جانتا ہے

لیکے ارمان اور حسرت بے خبر کے سامنے
ہم کو جانا ہے کسی بیداد گر کے سامنے

نام لیکر آپ کا بیمار غم اُف مرگیا
جان دیدی اُسنے اپنے چارہ گر کے سامنے

ڈر عدو کا اسقدر رہتا ہے مجکو رات بھر
خواب میں بھی تمکو رکھتا ہوں نظر کے سامنے

آج اے تیر فغاں ٹکڑے اُڑا دے چرخ کے
اک یہی دیوار حائل ہے اثر کے سامنے

لکھ لئے سب کلک قدرت نے بیاض صبح پر
جو بیاں ہم نے دئے شمع سحر کے سامنے

بڑھ نہیں سکتی کبھی خورشید محشر کی چمک
داغ دل کے سامنے داغ جگر کے سامنے

بڑھ گئے تیرے دُرِ دندان آخر بڑھ گئے
آج سبقت لیگئے لعل و گہر کے سامنے

مجھسے اے صیاد کیوں ہے ذکرِ مرغانِ چمن
قصۂ پرواز کیا بے بال و پر کے سامنے

یہ اگر چاہے تو کر دے نوح کا طوفاں بپا
ہیچ ہے قربان دریا چشمِ تر کے سامنے

اب پسندیدہ ہے آزادی سے بربادی مجھے
کیوں ستائے جا رہا ہے رنجِ آزادی مجھے

دیکھکر گلشن کو آجاؤنگا پھر میں تیرے پاس
کر عطا صیاد فصلِ گل میں آزادی مجھے

حشر سے پہلے ہی اُسنے کاٹ لی میری زباں
یہ سمجھکر کہ نہ دے بدنام فریادی مجھے

سر کٹا کر جان دے کر مل گئی مجھکو بقا
نغمۂ غم بن گیا ہے نغمۂ شادی مجھے

کہہ رہی ہے فطرتِ صیاد باغِ دہر میں
بلبلو تم نے سکھائی خود ہی صیادی مجھے

مثلِ مجنوں کیوں نہ صحرا سے محبت ہو مجھے
پہاڑ کھانے کیلئے دوڑے ہی آبادی مجھے

مینے دیکھی ہیں بہاریں کب یہ دیکھا جائیگا
کیوں دکھائے بختِ بد گلشن کی بربادی مجھے

روز یہ کہتا ہے اے قربان تیشہ مار لے
کیا کوئی سمجھا ہے ظالم تو نے فرہادی مجھے

خون آنکھوں سے نکلتا ہے مری رس رس کے
دلمیں رہجاتے ہیں ارمان مرے بس بس کے

اتنی عشاق نے اُس در پہ جبہ سائی کی
خود جبیں سنگِ درِ یار بنا گھس گھس کے

ایک قطرہ نہ مرے جسم میں باقی چھوڑا
خونِ دل زخم سے میرے ہے بہا رس رس کے

سب کو دنیا میں طرفدار تمہارا پایا
لیکے فریاد گیا پاس ہوں میں جس جس کے

چارہ گر دل بھی ہے مجروح جگر بھی زخمی
زخم دیکھے گا بھلا یہ تو بتا کس کس کے

تو بھی ایدل یونہی اب اپنی بدل لے حالت
رنگ دیتی ہے حنا اُنکی بنا پس پس کے

تیری تحریرِ مقدر نہ مٹے گی قربان
صاف پیشانی بھی کر دیگا اگر گھس گھس کے

ہم کو امید ہے پھر صبحِ وطن دیکھیں گے
بخت یاور ہے اگر سیرِ چمن دیکھیں گے

اسپہ مچلے ہیں کہ ہم زخمِ کہن دیکھیں گے
تن کے بیٹھے ہیں ترے دل کی لگن دیکھیں گے

آہ نباش ترا جسم و بدن دیکھیں گے
برہنہ کر کے تجھے دزدِ کفن دیکھیں گے

ہاتھ سے ہاتھ ملا عشق کا دعویٰ ہے اگر
مجھسے کہتے ہیں ترا ہم یہ بچن دیکھیں گے

میرے لاشے کو ذرا۔ آ کے تو عبرت ڈھک دے
غیر ہنس دینگے جو بیگور و کفن دیکھیں گے

دل میں باقی نہ رہی تیرے تو گنجائش کچھ
داغ کہتے ہیں کہ ہم اور چمن دیکھیں گے

تیرے ملنے کی نہ امید کبھی جائے گی
حشر تک راہ تری عہد شکن دیکھیں گے

زلف بکھری ہے تو رہنے دے یونہی عارض پر
کس طرح چاند کو لگتا ہے گہن دیکھیں گے

روک کر لکھ تو اے قربان قلم کو اپنے
اس غزل کو تری سب اہل سخن دیکھیں گے

آنکھوں میں سمندر مری بہتا تو نہیں ہے
پہلو میں آ ہی کوئی دریا تو نہیں ہے

پوچھے جو کوئی مجھ سے مرے زخم کی حالت
دل رکھنے کو کہدوں مگر اچھا تو نہیں ہے

وہ طور پہ اب آ کے کریں کیا یہ بتا دو
جلوے تو وہی ہیں کوئی موسیٰ تو نہیں ہے

مرنے کے لئے ہم جو ابھی سے ہوئے تیار
پیغام قضا نے کوئی بھیجا تو نہیں ہے

مسرور ہوئے جاتے ہو تم خون کو پی کے
دل ہے یہ مرا ساغر و مینا تو نہیں ہے

کیا خواب میں بھی قیس کے آتی نہیں لیلیٰ
ہے عالم رویا کوئی صحرا تو نہیں ہے

میخانے میں آتا ہے چلا چھوڑ کے کعبہ
اے شیخ تو کچھ راہ کو بھولا تو نہیں ہے

یاں پہ نہ ملے تم تو قیامت میں ملو گے
مایوس ابھی یہ دل شیدا تو نہیں ہے

قربان کیا وصل کا وعدہ تو انہوں نے
پورا کبھی کر دیں گے تقاضا تو نہیں ہے

کس پہ تو چھوڑ چلا اُن کو گذرنے والے
تجھکو روتے ہیں وفا پر تری مرنے والے

ہم کہاں دار فنا میں ہیں ٹھہرنے والے
سانس جو باقی ہیں وہ بھی ہیں گذرنے والے

روز آئینے رہی کیا تری ہیبت قائم
تجھسے اب اے شب غم ہم نہیں ڈرنے والے

یہ تو رُو کے سے رکیں گے نہ کبھی چارہ گرو
زخم دل ابھریں گے جتنے ہیں ابھرنے والے

ہم تو جب جانیں قیامت میں بھی تو جائے مکر
ہمسے او وصل کے وعدوں پہ مکرنے والے

عمر بھر مجھ کو قفس ہی میں نہیں رہنا ہے
یہ نہ سمجھا پر پرواز کترنے والے

دار فانی میں اب لنے ہی کو ہے بانگ درا
چند دن اور ٹھہر جائیں ٹھہرنے والے

وہ تری ترچھی نگاہیں وہ جگر دوز آنکھیں
وہ ترے تیر مرے دل میں اترنے والے

جلوۂ ملک عدم عام ہے انساں کے لئے
سب ہیں اس ایک ہی رستے سے گذرنے والے

جو بگاڑے گئے قرباںؔ ازل کے دن سے
وہ مقدر نہیں ہرگز کبھی سنورنے والے

تمہیں کیا واسطہ آہ و فغاں سے
بلا سے جائے کوئی اپنی جاں سے

قفس میں جا کے بلبل ہاتھ دھوئے
چمن سے گل سے اپنے آشیاں سے

خزاں ہو یا بہار عادت ہے اس کو
چمن چھٹتا نہیں ہے باغباں سے

ضعیفی میں نہیں اٹھتا قدم بھی
رہا جاتا ہوں پیچھے کارواں سے

بنے ہیں گل چمن میں شوخ دیدہ
اڑا لائے ہیں یہ شوخی کہاں سے

تحفظ راز الفت کا کروں گا
نہیں کرتا بیاں اپنی زباں سے

عدو سے کہتے ہیں اچھا ہے قصہ
مزہ آتا ہے میری داستاں سے

ترا ہو حسن دنیا میں نمایاں
اگر پردہ اٹھا دے درمیاں سے

گلا اس کا ہے جس کا ہے یہ ساتھی
نہیں شکوہ ہمیں کچھ آسماں سے

نہ پایا چین اک دم اس جہاں میں
خدا قرباںؔ نکالے اس جہاں سے

جب تک اثر دوا میں نہ وہ بے نیاز دے
کیا فائدہ دوا تری اے چارہ ساز دے

عصیاں کے غم سے مجھ کو چھڑا کارساز دے
رحمت سے اپنی تو مجھے مولا نواز دے

بے کیف ہو کے ساری صدائیں تباہ ہوں
آواز سوز کی نہ اگر دل کا ساز دے

جلتا رہے یہ عشق میں یوم نشور تک
دل میں الٰہی ایسا تو سوز و گداز دے

تدبیر دل کے درد کی اپنے کروں کوئی
گر چین مجھ کو شوخی عشوہ طراز دے

فطرت جو حسن کی ہو در آشنائے عشق
محمود کے نہ دل کو تسلی ایاز دے

قدموں پہ اس کے شام و سحر ہوں جھکا ہوا
پھر کیوں نہ مجھ کو لطف یہ عجز و نیاز دے

مجھ سے نہ ہو سکیں کی حقیقت پرستیاں
یارب مجھے سلیقۂ عشق مجاز دے

قرباںؔ کس طرح مجھے صحت نصیب ہو
دل کی دوا ہی جب نہ مجھے چارہ ساز دے

میرا فانوس محبت اسکا پردہ پوش ہے
دل کے اندر جو تجلی کا تمہاری جوش ہے

تھے تو افسانے عدم کے یاد لیکن اب نہیں
آتے ہی دنیا میں رویا تھا بس اتنا ہوش ہے

دیکھتے ہیں ہر طرف کاندھا بدلے کوئی اور
اُن کو لاشہ دو قدم بھی میرا بار دوش ہے

چار جانب ہے اُداسی کسقدر چھائی ہوئی
فرطِ عبرت سے چراغِ قبر بھی خاموش ہے

یہ تو وہ کہتے نہیں ہوں حسن کا مخمور میں
صرف یہ کہتے ہیں لوگوں سے کوئی بیہوش ہے

دستِ وحشت بڑھ رہے ہیں جیب و داماں کیطرف
میرے مولا عشق کا اب تو ہی پردہ پوش ہے

اب کچھ ایسا ہو کھلیں آنکھیں نہ صبحِ حشر تک
خواب کے اندر وہ ہمسے آج ہم آغوش ہے

حشر میں میری خطائیں کھل نہیں سکتی کبھی
میرا مولا جب گنہگاروں کا پردہ پوش ہے

آہ اے قربان یہ حالت زمانے کی ہے آج
دیکھکر چلتے ہیں سب کوئی اگر خوش پوش ہے

کہاں سے آتے ہیں فتنے وہ اب اُٹھائے ہوئے
کہ پیچھے پیچھے ہیں محشر بہت جلائے ہوئے

عزیز و غسل نہ میت کو دو ہماری تم
کہ ہم تو آبِ ندامت سے ہیں نہائے ہوئے

ہمارے سینہ پہ ہے آج سانپ لوٹ رہا
عدو کو دیکھا ہے جب سے گلے لگائے ہوئے

ہمارے دفترِ عصیاں کو حشر میں دھویا
وہ کام آئے جو کچھ اشک تھے بہائے ہوئے

ہمارے خونِ جگر کا بھی اس میں حصہ ہے
وہ آج ہاتھوں میں مہندی جو ہیں لگائے ہوئے

اب اپنی آنکھ نہ کھولیں گے صبحِ محشر تک
شبِ فراق میں اے غم ترے جگائے ہوئے

یقین کیسے میں کر لوں دغا نہیں کرتے
وہ لاکھوں بار کے میرے ہیں آزمائے ہوئے

وہاں جو دیکھا تھا اب یاد کچھ نہیں ہمدم
زمانہ ہو گیا ہم کو عدم سے آئے ہوئے

سفر طویل ہے قربان اور وقت ہے کم
بڑھے چلو یونہی اپنے قدم بڑھائے ہوئے

ہونے سے کوئی پائمال آج مزار رہ نجائے
کشتۂ راہِ عشق کی مشتِ غبار رہ نجائے

توڑ کے پھول پھول کو باغ سے پھینک اے خزاں
گوشۂ باغ میں کہیں نامِ بہار رہ نجائے

تیرا مریضِ ناتواں بھرتا ہے آہ اس لئے
سوزِ تپِ فراق کا دل میں غبار رہ نجائے

داغِ دل و جگر سے میں لایا ہوں آج گوندھ کر
نذرِ حریمِ ناز سے یہ مرا ہار رہ نجائے

ایسا نہ ہو کہ تو کہے ہم نہ تجھے سنا سکے
کوئی ستم کوئی جفا شعبدہ کار رہ نجائے

عبرتِ روزگار کی بگڑی ہوئی ہے پھر ہوا
پھر کہیں ہو کے گل مری شمعِ مزار رہ نجائے

ایسا نہ ہو کہ حشر کے روز بھی جھومتا اُٹھوں
باقی شرابِ عشق کا مجھکو خمار رہ نجائے

آیئے جلد آیئے دل کی لگی بجھا دیجئے
پھونکنے کو دل وجگر کوئی شرار رہ نجائے

قرباں عدم میں اپنے ساتھ جائیں نہ کچھ کدورتیں
دل یہیں صاف کیجئے دل میں غبار رہ نجائے

کسی معشوق سے ہم بھی محبت کرکے دیکھیں گے
نمایاں عشق کی دل پر حقیقت کرکے دیکھیں گے

ہمیں بھی دیکھنا ہے وہ نظر کیوں کر نہیں آتا
خدا کو اب کے وا چشم بصیرت کرکے دیکھیں گے

جو کہتا ہوں قیامت میں کرونگا تیرے شکوے میں
تو کہتے ہیں کہ برپا ہم قیامت کرکے دیکھیں گے

مزہ جاتا رہیگا کیا خلش اندوزیٔ دل کا
سنا ہے اب وہ درمانِ جراحت کرکے دیکھیں گے

انھیں ہوتی ہے ہم سے یا نہیں ہوتی محبت کچھ
رقیبوں کی سی ہم بھی اپنی صورت کرکے دیکھیں گے

عجب کیا ہے جو سنکر قصۂ غم رحم آجائے
بیاں سب آج اُنسے اپنی حالت کرکے دیکھیں گے

کوئی تدبیر شاید انبساطِ دل کی بن جائے
کسی سے ہم بیانِ رنج و فرقت کرکے دیکھیں گے

وہ مجکو دیکھ کر شاید ارادوں کو بدل ڈالیں
جو کہتے ہیں تو یوں ہی ہم بھی الفت کرکے دیکھیں گے

یہ آداب مروت کس سے اے قرباں ہوے پورے
بہت کہتے چلے آئے مروت کرکے دیکھیں گے

اس رنج و غم کی میرے کوئی انتہا بھی ہے
دُنیا میں دردِ ہجر کی کوئی دوا بھی ہے

اب بھی نہ جو پئے وہ بڑا بدنصیب ہے
ساقی بھی ہے شراب بھی ہے دلربا بھی ہے

کیا کیا دیے خدا نے حسینو تمہیں کمال
شوخی بھی ہے حیا بھی ستم بھی جفا بھی ہے

قدرت نے اُن کو مجمعِ اوصاف کردیا
انداز بھی ہے غمزہ بھی ناز و ادا بھی ہے

کبتک یونہی میں ایڑیاں رگڑونگا چارہ گر
آخر مرے مرض کی جہاں میں دوا بھی ہے

یہ دیکھنا ہے کون ہو مقتل میں کامیاب
تیر ادا بھی تاک میں ہے اور قضا بھی ہے

مطلق نہیں خیال دلِ عندلیب کا
اے پھول تجھ میں نام کو بوئے وفا بھی ہے

آئی ندا۔ ثمر جو وفا کا طلب کیا
گل کوئی نخلِ عشق میں اب تک کھلا بھی ہے

حیرت نے دیکھنے نہ دیا آپ کا جمال
سو بار گو گرا بھی ہے پردہ اٹھا بھی ہے

پہونچا نہ ایک روز بھی دامانِ یار تک
تربت کا گو غبار اُٹھا اور اُڑا بھی ہے

قرباں تجکو غم ہے کہ تیرا نہیں ہے وہ
یہ تو بتا کسی کا وہ ظالم ہوا بھی ہے

اُنھیں ڈر ہے کہ چھُو جائے نہ اسکی خاک دامن سے
خزاں آتی ہے تو دیتی ہوئی آتی ہے یہ قدغن
ذرا یہ تو بتا دے میں نے تیرا کیا بگاڑا ہے
چمکتی ہے تو گلشن میں ہمیشہ اس پہ گرتی ہے
شب وعدہ عدو کی رخنہ اندازی کا یہ ڈر ہے
جسے تو ڈھونڈتا ہے وہ تو زاہد پاس ہی تیرے
جُنوں تنکے نشیمن کے گلوں سے پھر ذرا کھیلو
نہ کیوں صیاد کے پھندے میں جا کر صید ہو تا ہیں
نہ وہ صحرا میں رہتا ہے نہ آبادی میں رہتا ہے

الگ بچکر نکلجاتے ہیں وہ عاشق کے مدفن سے
میں آتی ہوں اُڑا دو بلبلو کو آج گلشن سے
تجھے اے برق کیوں ہے کاوشیں میرے خرمن سے
محبت ہو گئی ہے برق کو میرے نشیمن سے
اُچھل پڑتا ہوں جب موج ہوا آتی ہے روزن سے
اُٹھا کر دیکھ لے پردہ ذرا تو اپنی گردن سے
مبارک بلبلو فصل خزاں جاتی ہے گلشن سے
کہ رنگ دام تھا ملتا ہوا رنگ نشیمن سے
نہیں واقف ہوا عاشق کی تیری کوئی مسکن سے

وہی مذہب ہے اپنا جو ہی مذہب یار کا اپنے
تعلق کچھ نہیں قرباں ہیں شیخ و برہمن سے

بہت دشوار ہے دلسے خیال مہ جبیں نکلے
الٰہی کسکی شامت آج آئی ہے کہ وہ گھر سے
فریب دوستی میں جان لے لی اے معاذ اللہ
ترا کوچہ ہے یا اک مرکز جور و جفا ظالم
گرے عصیاں کے دریا میں تو نکلے بحر رحمت میں
وہ نکلے ہیں عیادت کے لئے ہمراہ دشمن کے
اگر چلنے لگو تم میری آنکھوں کے اشاروں پر
جنھیں ارمان و حسرت آرزو اور یاس کہتے ہیں

نکلجائے اگر تن سے مرے جان حزیں نکلے
بھویں تانے ہوئے نکلے چڑھائے آستیں نکلے
جنہیں ہم دوست سمجھے تھے وہ مار آستیں نکلے
کہ جب نکلے ترے کوچہ سے ہم اندوہگیں نکلے
کہیں ڈوبے تھے ہم جا کر مگر جا کر کہیں نکلے
دعائیں مانگتا ہوں دم مرا جلدی کہیں نکلے
تو میرا عشق بھی کم خرچ اور بالا نشیں نکلے
یہی وہ چار وقت غم ہمارے ہم نشیں نکلے

بہت ممکن ہے حسرت غیر کی دنیا میں نکلی ہو
کبھی قرباں کے ارمان تو دل سے نہیں نکلے

ہم نشیں ہنسنا ہنسانا کوئی ہم سے سیکھ جائے
لیکے نکلے تو بہت ہیں یہ ہمیں معلوم ہے
کیف عشرت کا اٹھانا تو بہت آسان ہے
کس ادا سے کہتے ہیں ٹھوکر لگا کر قبر پر

رنج اور راحت اُٹھانا کوئی ہم سے سیکھ جائے
لیکے حسرت دلمیں جانا کوئی ہم سے سیکھ جائے
بار الفت کا اٹھانا کوئی ہم سے سیکھ جائے
ایسے مُردوں کا جلانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

جتنے تھے ارمان و حسرت سب دیے ہم نے نکال
دل کا سرمایہ لٹانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

برق کی وہ دیکھکر یاد دل میں سب کہتے ہیں ہنسی
لب ہی لب میں مسکرانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

ڈال کر منہ پر وہ آنچل مجھسے کہتے ہیں ندیم
تہرتایاں کو چھپانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

توڑ کر اقرار وہ کہتے ہیں کس انداز سے
خون حسرت کا بہانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

غیر کو چھاتی لگا کر کہتے ہیں قربان وہ
اپنے روٹھوں کو منانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

نہیں پہلو میں جب سے مہ جبیں ہے
بہت بیتاب یہ قلب حزیں ہے

وہ صورت دیکھ کر کہتے ہیں میری
ہے اتنا یاد اسے دیکھا کہیں ہے

ہوا منقوش تیرا نام اس میں
تو میرے خاتم دل کا نگیں ہے

ضعیفی میں کمر خم ہو گئی ہے
کہاں اب اپنے قابو میں نہیں ہے

عجب ہے عالم ہستی کا عالم
جسے دیکھو وہ ہی اندوہ گیں ہے

کبھی عشرت کی صورت ہی نہ دیکھی
ہوا غم جب سے اپنا ہم نشیں ہے

زمیں پر آ گئیں سب دیکھ واعظ
کہاں حوریں کہاں خلد بریں ہے

عدو کے واسطے سیکھا ہے اقرار
ہمارے واسطے ہر دم نہیں ہے

نہ کر قربان تخم فکر ضائع
زمیں بیکار ہے اچھی نہیں ہے

سمجھ کر کچھ چراغ گور بھی خاموش ہوتا ہے
لحد پر شب میں آیا جب وہ پردہ پوش ہوتا ہے

فرشتے گور میں کرتے ہیں کب پرسش گنہ ہوں کی
کہ انساں پی کے جام موت جب بیہوش ہوتا ہے

بدلتے جاتے ہیں احباب اور اہل عزا کاندھے
جنازہ مرنیوالے کا وبال دوش ہوتا ہے

جو انساں نظر آتا لاتا ہے ذوق میکشی دل میں
وہ پیدا ہوتے ہی مجبور نا و نوش ہوتا ہے

بلائے چارہ گر بالیں یہ کچھ روشن بجھالوں کو
چراغ زیست اپنا دیکھ اب خاموش ہوتا ہے

ملاتے ہو جفا سے خاک میں تم ہائے جس دل کو
تمہارا غم اسی میں آ کے پردہ پوش ہوتا ہے

وہی ہوتا ہے مجرم مستحق رحمت مولا
جو امید کرم رکھتے ہوئے خاموش ہوتا ہے

فرشتو کیا لحد میں تم سے پوچھے آہ یہ درد
کہ تم کو دیکھتے ہی دفعتاً گم ہوش ہوتا ہے

تموج بحر الفت کا لیا کرتا ہے موجیں سی
میرا آنکھوں سے بڑھ کر سر دل میں جوش ہوتا ہے

تجلی وہ دکھائیں کسکو جب معلوم ہے اُن کو
جو انکو دیکھ لیتا ہے وہی بیہوش ہوتا ہے

مرے اعمال محشر میں ہوا خیرہ جو کرتے ہیں
کرم مولا کا فوراً آکے پردہ پوش ہوتا ہے

بہت بہتر کریگا وہ نہ اب فریاد بھولے سے
تمہارے کہنے سے قربان اب خاموش ہوتا ہے

سامان سکوں کا ہو دلِ مضطر کے سامنے
میں دیکھ لوں جو تم کو نگہ بھر کے سامنے

اپنی جفا و جور کا رکھنا ذرا حساب
جانا ہے تم کو داورِ محشر کے سامنے

کوچے میں اُن کے ہمنے بھی آسن جما دیا
دھونی رما کے بیٹھ گئے گھر کے سامنے

قاتل نے رحم ہائے نہ بسمل پہ کچھ کیا
دی اُسنے جان تیر کے خنجر کے سامنے

لو آؤ اپنی قوتِ بازو کو آزماؤ
گردن جھکائے بیٹھے ہیں خنجر کے سامنے

ساقی کوئی گواہ رہے میرے جذب کا
سجدے کرونگا شیشہ و ساغر کے سامنے

مرجائیگا کوئی تمہیں آتا نہ تھا یقین
ہم نے تمہیں دکھا ہی دیا مر کے سامنے

سوزن کو دیکھتا ہے کبھی زخم کو کبھی
رکھے ہیں دل کے چاک رفوگر کے سامنے

قربان ایسی باتو نسے اُن پر ہو کیا اثر
عرضِ وفا فضول ہے پتھر کے سامنے

صبر ہے بہتر صبر ہے بہتر غیر سے حالت کیا کہئے
جو ہنستا ہو سُنکے مصیبت اُس سے مصیبت کیا کہئے

یاد ہیں ہمکو سارے قصے روزِ ازل کے دوست مگر
آئے نہ سنکر جسکو یقین کچھ ایسی حکایت کیا کہئے

بات نرالی اُنکی ہمدم سب سے نرالا اُنکا اصول
اُنکی شکایت غور سے سنئے اپنی شکایت کیا کہئے

وہم نہ پہونچے آہ نہ پہونچے نالہ نہ پہونچے ہائے ستم
ایسی جگہ پر آپنے کی ہے اپنی سکونت کیا کہئے

جتنے گنہ دنیا میں کئے تھے سب وہ اُسپر روشن ہیں
پھر معافی پیشِ داورِ روزِ قیامت کیا کہئے

لاکھوں عاشق تمنے دیکھے آئی نہ لیکن تم کو تمیز
تمکو محبت غیروں سے ہے مجھسے ہی نفرت کیا کہئے

آنکھ میں آنسو دل میں اُلجھن نیند نہیں آرام نہیں
کیسی بلا ہے کیسی ستم ہے یہ شبِ فرقت کیا کہئے

وہ تو بھلے تھے کب وہ بُرے تھے انکی شکایت ٹھیک نہیں
مجکو خدا نے دی تھی ازل کی ایسی ہی قسمت کیا کہئے

اب نہ بھروسہ اسکا ہیں کچھ اور نہ بھروسہ اسکا ہیں کچھ
اُنکی محبت کیا کہئے اور اُنکی عداوت کیا کہئے

پیرِ طریقت تیرے صدقے ہوش نہیں دنیا کا ذرا بھی
کیسا پلایا تونے ہمکو ساغرِ وحدت کیا کہئے

ہاتھوں میں مہندی تمنے لگائی خونِ عاشق سے ملا کر
کیسی شوخی کیسی بُو ہے کیسی ہے رنگت کیا کہئے

غیر پہ تو الطاف ہیں تیرے مجھ پہ ذرا بھی لطف نہیں | تو نہ جھجکی افسوس ذرا بھی چشمِ مروت کیا کہئے
پار لگایا عشق کا بیڑا۔ بار اٹھایا تو نے بڑا
آفریں ہی تجھ پر اے قرباںؔ یہ تری ہمت کیا کہئے

(قطعات و رُباعیات)

رُباعی

گویائی بھی دی فہم بھی ہم کو بخشا | مخلوق میں پھر سب سے بڑھایا رُتبا
جتنا بھی کروں شکر وہ ہے کم سے کم | صدقے تری قدرت کے میں جاؤں مولا

ایضاً

بخشش تری معلوم عنایت معلوم | رحمت تری معلوم رعایت معلوم
جو چاہے تو دم میں کرے قرباںؔ تجھ پر | قدرت تری معلوم حکومت معلوم

ایضاً

گلشن میں کوئی پھول جو کھل جاتا ہے | رنگین ترانے وہ ترے گاتا ہے
اس میں بھی ہے جلوہ گر تری صناعی | قدرت سے تری رنگ و بُو پاتا ہے

ایضاً

بیمار ہو تو اُس کو شفا دیتا ہے | غمگین ہو تو غم کی دوا دیتا ہے
یا رب ترے الطاف ہیں کیسے کیسے | تو اپنی محبت کا پتا دیتا ہے

ایضاً

کی سینہ و دل کی نہ صفائی ہم نے | سب عمر گناہوں میں گنوائی ہم نے
اس پر بھی دیا تو نے ہمیں اے مولا | دیکھی یہ تری شانِ خدائی ہم نے

ایضاً

سنتا ہے خلیل کی بھی نمرود کی بھی | موسیٰ کی بھی فرعون سے مردود کی بھی
سب کا تو خدا ہے سب کا معبود | حاسد کی بھی سنتا ہے تو محسود کی بھی

ایضاً

قطرے کو اگر چاہے تو دریا کر دے | اور کوہ کو تو چاہے تو ذرّہ کر دے

کیا کیا تری قدرت کا کوئی حال لکھے | تو کور کو دیکھ لے تو بینا کر دے

ایضاً

اللہ کی قدرت کی نمایش ہے جہاں | ہر چیز میں اک صنعت صانع ہے عیاں
وا چشمِ بصیرت کو کر دے قربانؔ | دیکھو اس ذات کو عیاں ہے کہ نہاں

ایضاً

ایمن میں گیا تو جلوہ سازی دیکھی | دیکھا ترا ناز بے نیازی دیکھی
پاتے ترے پلتے ہیں ترے دشمن و دوست | قربانؔ تری بندہ نوازی دیکھی

ایضاً

جب دل سے دوئی کو دور ہم کرتے ہیں | بتخانے میں بھی سیر حرم کرتے ہیں
آتا ہے نظر تیرا ہی نقشہ اس میں | جس وقت نظر سوئے صنم کرتے ہیں

دنیا

دنیا میں عجب آکے تماشا دیکھا | یاں ہم نے کسی کو نہ کسی کا دیکھا
غیروں کی شکایت نہیں قربانؔ نہیں | اپنوں کو بھی دیکھا تو نہ اپنا دیکھا

رباعیات مجاز

رو رو کے غمِ ہجر سنایا اُن کو | رویا میں بہت خوب رلایا اُن کو
ہر چند کیا میں نے بہت کم ظاہر | جاگا میں کئی رات جگایا اُن کو

ایضاً

جاگا ہوں شبِ ہجر میں تا وقتِ سحر | کی رات بسر تمام تارے گن کر
تم پوچھ لو دو مردمِ دیدہ ہیں گواہ | آنکھوں میں مرے نیند نہ آئی دم بھر

ایضاً

بھر بھر کے مجھے جام پلا دے ساقی | ہوں تشنہ بہت خوب چھکا دے ساقی
تو خوش رہے آباد رہے میخانہ | یہ دل بھی مرا دل سے دعا دے ساقی

ایضاً

اربابِ سخن بزمِ سخن میں آئے | جس طرح بہارِ گل چمن میں آئے

اُٹھی ہر سمت مرحبا کی آواز | اللہ وہ لطفِ انجمن میں آئے

ایضاً

دل پر جو گذرتی ہے خبر کس کو ہے | معلوم مرا دردِ جگر کسکو ہے
کہدو اگر آنا ہے شبا شب آئیں | اب مرتا ہوں امیدِ سحر کسکو ہے

ایضاً

سر پھوڑ کے اپنا آپ مرتے ہیں ہم | جانِ شیریں سے اب گذرتے ہیں ہم
ہیں عشق کے فن میں ہم بھی قربان اُستاد | فرہاد نے جو کیا وہ کرتے ہیں ہم

ایضاً

گھنگور گھٹا آئی ہے اُٹھکر ساقی | لا بادۂ گلرنگ کا ساغر ساقی
قربان کو کر مست پلا کر مئے ناب | قربان کرے وہ جان تجھ پر ساقی

ایضاً

ہم نے وہ لکھا ہے وصف تیرا قاتل | ہے رنگ سخن میں خونِ دل کا شامل
جو دیکھتا ہے اسکو تڑپ جاتا ہے | آنکھوں میں ہوئے مردمِ دیدہ بسمل

ایضاً

اُلفت تری معلوم عداوت معلوم | صورت تری معلوم ہے سیرت معلوم
ساماں ہیں سب تباہیٔ عاشق کیلئے | شوخی تری معلوم شرارت معلوم

ایضاً

فرض اپنا ہر اہلِ دل ادا کرتا ہے | کون اُس پہ زمانے میں جفا کرتا ہے
جس میں نہ وفا ہو اُس کو ظالم کہئے | معشوق وہی ہے جو وفا کرتا ہے

علم

دولت ہی نہیں علم سے کوئی بڑھ کر | راحت ہی نہیں علم سے کوئی بڑھ کر
کرتا ہے گدا کو شاہ دم بھر میں یہی | عزت ہی نہیں علم سے کوئی بڑھ کر

ایضاً

دُنیا میں کوئی اپنی جو شہرت چاہے | سرمائے کی آرزو ہو دولت چاہے
تو چاہیئے تعلیم کو حاصل وہ کرے | دُنیا میں جو کوئی اپنی عزت چاہے

ادب

اس دہر میں کوئی جو ادب کرتا ہے
دامن گلِ امید سے وہ بھرتا ہے
ہوتا نہیں بے ادب سے مولا راضی
کرتا نہیں جو ادب وہ دکھ بھرتا ہے

ایضاً

دُنیا میں اگر تم اپنی عزت چاہو
بدیوں سے نجات اور شہرت چاہو
سیکھو تہذیب اور ادب کے آداب
ہر دل میں جو تم اپنی محبت چاہو

ایضاً

آقا بننا جو چاہے کوئی خادم
سب سے پہلے ادب ہے اُسکو لازم
سر اہلِ ادب کا کب جھکا کرتا ہے
ہوتا ہے جہاں میں بے ادب ہی نادم

حقیقت

نفس نے میرے کیا مجکو الٰہی مغلوب
میرے عصیاں نے کیا مجکو بہت کچھ محجوب
بخشدے رحم تو کر ورنہ ٹھکانا ہے کہاں
سر جھکائے ہے کھڑا سامنے تیرے معتوب

ایضاً

مہر اور قہر ہے یہ دوزخ و جنت کیا ہے
بولے آگے جو ترے بندہ کی قدرت کیا ہے
گو بشر اپنے کو سمجھے ہے بہت کچھ لیکن
قطرۂ آب ہے یہ اسکی حقیقت کیا ہے

ایضاً

کیڑا پتھر میں جو ہو اُس کو غذا دیتا ہے
اور اشجار کو تو نشو و نما دیتا ہے
کوئی مایوس جو ہو زیست سے اپنی بیمار
تو اُسے اپنی عنایت سے شفا دیتا ہے

ایضاً

جھوٹ لکھتا ہے غلط کہتا ہے اور بکتا ہے
بھید کو تیرے کہاں کوئی بشر سمجھا ہے
باتیں قدرت کی تری راز ہیں ابتک سب پر
اپنے بھیدوں کو الٰہی تو ہی خود جانتا ہے

ایضاً

لاتحصیٰ ترے احساں ہیں ہم پر مولا
تیرے الطاف سے معمور ہے ذرہ ذرہ
تجکو تخصیص نہیں ہوتی ہے منظور کبھی
سامنے ایک ہیں تیرے یہ سب ادنیٰ اعلیٰ

تو جو کچھ چاہتا ہے میرے خدا ہوتا ہے
خشک ہو کوئی شجر وہ بھی ہرا ہوتا ہے
بے ترے حکم نہیں ہلتا ہے پتہ ہرگز
فہم سے بالا ترا کام سدا ہوتا ہے

ایضاً

تو نہ چاہے تو نہ ہرگز کوئی تدبیر بنے
دم میں بگڑی ہوئی تو چاہے تو تقدیر بنے
تو جس اکسیر کو چاہے ابھی مٹی کر دے
اور جس خاک کو چاہے ابھی اکسیر بنے

ایضاً

کشتی منجدھار میں پھنس جائے تو تو کھیتا ہے
ہو جو پتھر میں بھی کیڑا تو غذا دیتا ہے
آبِ رحمت سے تری پیاس بجھاتے ہیں سبھی
شرم تو اپنے گنہگاروں کی رکھ لیتا ہے

ایضاً

عظمت شاہ کو دم بھر میں مٹا دیتا ہے
ہو گدا کوئی تو سلطان بنا دیتا ہے
کوئی منکر ہوا۔ گر تیرا تو اسکو فوراً
اپنی قدرت کا تماشا تو دکھا دیتا ہے

ایضاً

راہ جو ٹھیک تھی وہ مجکو بتائی کس نے
کی زمانے میں مری راہ بنائی کس نے
تو نہ تھا گر مرے کاموں کا بنانے والا
میری بگڑی ہوئی تقدیر بنائی کس نے

ایضاً

نفس نے مجھ کو کیا میرے ہے مولا مجبور
اسکی طینت نے مجھے ہائے بنایا مقہور
ہاں مگر شانِ رحیمی سے تری ہے اُمید
کہ گنہگار کو تو چاہے تو کر دے مغفور

ایضاً

بطن ماہی سے تھا یونس کو نکالا کس نے
گھر میں فرعون کے موسیٰ کو تھا پالا کس نے
جاؤں قربان تری شان کے مولا ہر دم
جسم ایوبؑ سے تھا درد کو ٹالا کس نے

ایضاً

تا بکے رنج و غم دہر الٰہی میں سہوں
اب میں کبتک یونہی حیران و پریشان رہوں
سن لے مولا تو ہی مغموم کہانی میری
تو نہ گر بات سنے میری تو میں کس سے کہوں

ایضاً

بیٹھے بیٹھے جو یہ اعمال ہیں لکھتے میرے
دوش پر کیوں یہ بٹھائے ہیں فرشتے میرے

میرے مولا تجھے منظور ہے پردہ پوشی | کام پھر آئیں گے کس کے یہ نوشتے میرے

ایضاً

فیض بندوں پہ ترا صبح و مسا ہوتا ہے | وہم بھی جسکا نہیں وہ بھی عطا ہوتا ہے
شکر کس کس کا کریں حد بھی ہو آخر کوئی | ہر گھڑی تیرا اک احسان نیا ہوتا ہے

ایضاً

آج بھی تو جسے چاہے اُسے موسیٰ کر دے | دیدۂ کور پہ ہو رحم تو بینا کر دے
سیکڑوں موسیٰ تُنیں طور ہوں لاکھوں موجود | تو جو دُنیا میں کبھی عزمِ تجلی کر دے

مجاز

اتنا اغماز نہ کر ہم کو تو اتنا نہ ستا | وصل کا کرلے تو اقرار نہ ہو یار خفا
حسن کی رہتی ہے دُنیا میں بہت تھوڑی بہار | لے دُعا دل کی اسے جتنا بھی ممکن ہو لٹا

ایضاً

سچ تو ہے غیر سے الفت نہیں ہرگز کرتا | کچھ بھی ہو مان لے اتنا مرا ظالم کہنا
حسن زوروں پہ ہوا وقت ہے نازک بیحد | مفت بدنام نہ ہو اپنی تو عزت کو بچا

ایضاً

رات آنکھوں میں کٹی ساری تھی تارے گن کر | نکلے سب سامنے اور سامنے ڈوبے اختر
جسکی خاطر ہوئی تکلیف ہمیں ساری رات | وہ وفا باختہ آیا تو مگر وقتِ سحر

ایضاً

کس طرح رازِ محبت کے جتائیں تمکو | دل پہ جو گذرے ہے کسطرح بتائیں تم کو
تمہیں آتا نہیں زنہار محبت کا یقیں | اپنا دل چیر کے کیا آج دکھائیں تم کو

ایضاً

ظلم کا کس نے سبق ایسا پڑھایا تم کو | دل کی بربادی کا سامان بتایا تم کو
کہیں ملجائے تو ہم پاؤں ہی پوجیں اُنکے | ناز و انداز و ستم جسنے سکھایا تم کو

ایضاً

مانتا ہوں کہ تری یار ہے صورت اچھی | کیا کروں پر کہ نہیں ہے تری عادت اچھی

قدر کیا اُس کی جو باہر سے ہو پاکیزہ شر | ہے حسین وہ ہی عطا ہو جسے سیرت اچھی

ایضاً

غیر کے نامہ کا فوراً ہی دیا تم نے جواب | ظلم کیوں مجھ پہ کیا تو نے مگر مست شباب
خط مرا کر دیا واپس فقط اتنا کہہ کر | تیری تقدیر بری اور خط تقدیر خراب

ایضاً

یہ بتادے تو ذرا آج مجھے مست شباب | روز کا مجھ پہ روا رکھا ہی کیوں تو نے عذاب
کیا خدا کا بھی نہیں خوف و خطر دل میں ترے | ایکدن دینا پڑیگا تجھے محشر میں جواب

ایضاً

جان دینے کو ہے تیار تمہارا بسمل | مرنا ہوتا نہیں اس کیلئے کچھ بھی مشکل
قتل سے پہلے مگر فرض ہے تیرا اتنا | خواہش دل بھی ذرا پوچھ لے اس سے قاتل

ایضاً

روز کے روز مجھے آکے تو ظالم نہ ستا | کیوں لیا تو نے مرا ایسا ہے ہر دم پیچھا
کبھی گھر غیر کے جاکر بھی ذرا پوچھ مزاج | میرے ہی گھر کا طواف اے شب فرقت یہ کیا

ایضاً

روز ہوتا ہے صبا تیرا ادھر کو پھیرا | اُن کے کوچے کی ذرا کوئی خبر تو لانا
کیا وجہ ایسی ہوئی کیا کہیں ناراض ہوئے | ایک مدت سے نہیں کیوں مجھے بھیجا نامہ

ایضاً

ہوتا معلوم ہمیں عشق جو انجام ترا | لیتے ہرگز نہ کبھی بھول کے ہم نام ترا
یوں ہی بیکار گئی زندگی اُس کی یعنی | کام آیا نہ جہاں میں کہیں ناکام ترا

ایضاً

ایسے معشوق سے کرنی ہے محبت بیکار | جو سمجھتا ہو کہ عاشق سے ہے ملنا دشوار
ہے وہ معشوق جو بے باک بھی آزاد بھی ہو | نہ نگہباں کا خطر اور نہ خوف اغیار

ایضاً

باتیں کرتا ہے کرے جیسے ستمگر کوئی | ایسا دل سخت ہے جیسے کہ ہو پتھر کوئی
تجھ سے اُمید کسی کو نہیں دلجوئی کی | کس طرح اپنا بنالے تجھے دلبر کوئی

اس طرح بگڑے ہو جسطرح کہ بگڑے مقسوم　　غیر سے عشق ہوا۔ قدرِ محبت معلوم
رائگاں عشق گیا۔ اور گئی محنت برباد　　تم نے عاشق کو کیا اپنے نہایت مغموم

ایضاً

اس سے پہلے کہ مجھے آپ کوئی دیں تعذیر　　دیکھ تو لیجئے ہے بھی کہ نہیں کچھ تقصیر
عذرِ تقصیر کا مجھ کو بھی تو موقع ملجائے　　گو اثر کرتی نہیں آپ پہ میری تقریر

ایضاً

ان بتوں کی ہے بہت ہمنے عدالت دیکھی　　دیکھا انصاف بھی اور شانِ مروت دیکھی
غیر سے خوش یہ رہیں غیر کے بخشیں یہ قصور　　اپنے جو خاص ہیں ان پر نہ عنایت دیکھی

ایضاً

تجھ پہ عاشق جو ہوئے دہر میں ناکام رہے　　اور دنیا میں نہ ہرگز وہ خوش انجام رہے
نہ تو راحت ہی ملی ان کو نہ عزت ہی ملی　　اور کبھی خوش نہ رہے مفت میں بدنام رہے

علم

علم ہوتا نہ اگر کوئی نہ ہوتا دانا　　ورنہ حیوان بھی کھا لیتے ہیں یوں تو کھانا
علم ہوتا نہ اگر جہل نہ ہوتا معدوم　　علم ہی سے تو خدا کو بھی یہاں پہچانا

ایضاً

چاہتا ہے جو کوئی اُس کی ہو ہر جا تعظیم　　اور ہستی کو کرے اُس کی زمانہ تسلیم
تو بغیر اس کے کبھی کام نہیں چل سکتا　　چاہیئے پہلے کہ حاصل کرے انساں تعلیم

ایضاً

علم دُنیا میں اگر ہو نہ بشر کو حاصل　　اور دنیا میں رہے کوئی جو بن کر جاہل
ہوش ہونے پہ بھی بیہوش اسے کہتے ہیں　　یعنی ہستی سے بھی رہتاہے وہ اپنی غافل

ایضاً

جو کہ دُنیا میں نہیں چاہتا اپنی تذلیل　　اپنی امیدوں کی منظور ہے جسکو تکمیل
یاد رکھے وہ اسے خوب یہ ہے گُر اُس کا　　عزم و کوشش سے کرے علم کی پوری تحصیل

ایضاً

کر نہیں سکتا بشر کوئی سیاست بے علم　　کون کر سکتا ہے دُنیا میں حکومت بے علم

علم وہ شے ہے کہ جو کام ہے دیتا ہر دم | پیدا ہوتی نہیں ہرگز بھی لیاقت بے علم

ایضاً

حق و ناحق کی بھی ہرگز اسے پہچان نہیں | علم جس کو نہیں اُس کی تو کوئی شان نہیں
اسکو حیوان کہیں تو ہے مناسب قرباںؔ | ہو جو بے علم حقیقت میں وہ انسان نہیں

ایضاً

کوئی بھی کرتا نہیں اس کی جہاں میں تعظیم | اس کی ہستی کو نہیں کوئی بھی کرتا تسلیم
جو ہے جاہل وہ ہے خلعت بھی پہنکر عریاں | ہے شریفوں کے لئے معنوی زیور تعلیم

ایضاً

مال و زر پاس نہیں رہتا زمانے میں کبھی | ٹوٹا پڑ جاتا ہے شاہوں کے خزانے میں کبھی
علم سے کونسی دُنیا میں ہے دولت بڑھکر | کہ یہ آتا ہی نہیں مٹنے مٹانے میں کبھی

ایضاً

پیچھے پھرتی ہے سدا اُنکے جہاں میں دولت | ساتھ رہتی ہے سدا انکے جہاں میں عزت
جنکے سینہ ہیں بھرے علم و عمل کی ضو سے | انکو تکلیف کبھی دیتی نہیں ہے عسرت

ادب

فرض ماں باپ کا یہ بھی ہے کریں جتنا پیار | اتنے ہی بچوں کے ستھرے رکھیں اطوار و شعار
اپنی اولاد کو دیں پہلے ادب کی تعلیم | تا کہ وہ بے ادبی کا نہ ہوں دُنیا میں شکار

ایضاً

چھوٹے کرتے ہیں بزرگوں کا اگر اپنے ادب | اُن کو ملتا ہے زمانے میں سدا عیش و طرب
اُن کے چھوٹے بھی یونہی کرتے ہیں انکی تعظیم | اُن کا جاتا نہیں دُنیا سے کبھی حسب و نسب

ایضاً

چاہتا ہے جو کوئی سمجھیں اُسے سب مخدوم | چاہتا کرنا دلوں کو ہے جو کوئی محکوم
چاہیئے اس کو کرے سب کا ادب اور لحاظ | دونوں باتیں ہیں یہ اسکے لئے لازم ملزوم

ایضاً

وہی عاقل ہے ندے ہاتھ سے اپنے مقصود | کام ایسا کرے خوش جس سے ہوں ساجد مسجود
ہے ابھی سامنے انسان کے شیطاں کی مثال | ایک لمحہ میں ہوا جو کہ لعین و مردود

سارے کاموں نے کرے پہلے ادب کی تحصیل
اس کی دُنیا میں ضروری ہے نہایت تکمیل
بے ادب دیکھینگے جب تجکو تو سب کہدیں گے
حکم کی تو نے نہ کی کچھ بھی خدا کی تعمیل

ایضاً

بے ادب کی نہیں تقریر بھی اچھی ہوتی
بے ادب کی نہیں تحریر بھی اچھی ہوتی
با ادب رہتا ہے دنیا میں ہمیشہ خوش وقت
بے ادب کی نہیں تقدیر بھی اچھی ہوتی

ایضاً

کونسی شے ہے جو خادم کو بنادے مخدوم
کونسی شے ہے جو کرتی ہے دلوں کو محکوم
مجھسے گر پوچھتے ہو صاف تو کہتا ہوں ادب
چھوڑ دیتا ہے اسے دیکھ کے ظالم مظلوم

سخاوت

کونسی شے ہے سوا ہوتی ہے جس سے توقیر
کونسی شے ہے بنا دیتی ہے بگڑی تقدیر
مجھسے پوچھو تو کہوں گا کہ سخاوت ہے وہ
کہ سخاوت سے ہوا کرتا ہے خوش رب قدیر

ایضاً

تخم راحت کے لئے اپنے یہاں بوتا ہے
مستحق بخشش غفار کا وہ ہوتا ہے
جو سخی ہوتا ہے کرتا ہے سخاوت ہر دم
اپنے عصیاں کے وہ دفتر کو یہیں دھوتا ہے

ایضاً

کوئی تکلیف جہاں میں نہیں آتی اس کو
کوئی آفت نہیں ہرگز بھی ڈراتی اس کو
جو سخی ہوتا ہے شیوہ ہے سخاوت اُس کا
تنگدستی نہیں زنہار ستاتی اُس کو

ایضاً

تنگدستی کف افسوس سدا ملتی ہے
بخل والوں کی کہیں دال نہیں گلتی ہے
جو سخی ہوتا ہے رہتا ہے جہاں میں خرم
آئی آفت بھی سخاوت سے سدا ٹلتی ہے

ایضاً

مال و زر سے نہیں دنیا میں کوئی ہوتا امیر
پاس دولت بھی جو اپنے کوئی رکھتا ہو کثیر
دل سخی جس کا ہے ہوتا ہے امیر ابن امیر
اس کی ہوتی ہے امیروں سے بھی بڑھکر توقیر

ایضاً

فیض ہوتا نہیں جس سے ہو وہ دولت بیکار | کام آئے نہ اگر تو ہے لیاقت بیکار
دیس کو نفع نہ ہو ایسی سیاحت بے سود | امن سوزی جو کرے ایسی سیاست بیکار

ایضاً

صاحب جُود و سخا اسکو سمجھتے ہیں ذلیل | جسکو دولت دے خدا۔ اور وہ بنجائے بخیل
کوئی دُنیا میں جب اُس سے نہیں راضی ہوتا | کیوں نہ پھر اس سے ہو ناراض خداوندِ جلیل

ایضاً

برف کی طرح سدا۔ ان کو ہے گلتے دیکھا | ہاتھ ملتے ہی رہ گئے انھیں ہم نے ہی ملتے دیکھا
شاد دیکھا نہ زمانے میں بخیلوں کو کبھی | اپنی ہی آگ میں ہر دم اُنھیں جلتے دیکھا

تہذیب

جو کہ تہذیب کو دُنیا میں بناتے ہیں شعار | وہ ندامت کا نہیں دیکھتے منہ پھر زنہار
جس جگہ جاؤ وہاں بیٹھو مہذب بن کر | ہر بشر کرنیکو عزت ہو تمہاری تیار

ایضاً

کونسی شے ہے جو نظروں سے گرا دیتی ہے | کونسی شے ہے جو مقبول بنا دیتی ہے
پوچھتا کوئی نہیں اُسکو جو ہو بد تہذیب | اور تہذیب سر آنکھوں پہ بٹھا دیتی ہے

حسد و رشک

ہم نے اُن کو ہے بہت غور سے دیکھا بھالا | بعدہٗ اُس کا نتیجہ یہ ہوا ہے پیدا
رشک والا نہیں کرتا ہے بُرائی ہرگز | اور حاسد نہیں ہوتا ہے جہاں میں اچھا

ایضاً

حملہ کرتا ہے زمانے میں کوئی تم پہ اگر | لڑنے کو رہتا ہے تم سے جو کوئی سینہ سپر
اتنا کافی ہے کہ رد حملہ کو کر دو اس کے | یہ مناسب نہیں سبقت کرو تم بھی بڑھکر

ایضاً

خط جو لکھو تو کچھ ایسا کرو اس میں تحریر | جس جگہ جاؤ کرو ایسی وہاں پر تقریر
کوئی انگلی نہ اٹھائے نہ کوئی رنج کرے | جسکو پڑھ سُنکے کریں غیر تمہاری توقیر

پوچھتا کوئی نہیں ذات ہے تیری کیسی | یا بزرگوں نے ترے کی تھی بھلائی کوئی
پوچھتے سب ہیں کہ اعمال ترے کیسے ہیں | تو ہے اچھا تو ہے اسلاف کی شہرت اچھی

ایضاً

بدسرشتوں کی نہیں ہوتی ہے عادت اچھی | اُنکی الفت نہیں اچھی نہ محبت اچھی
اُنکے ملنے سے بگڑ جاتی ہے اچھی عادت | ان سے ملنا ہے بُرا۔ اُنسے ہی نفرت اچھی

مذمت جاہل

بیٹھو اُن لوگوں میں جنکی کہ ہو صحبت اچھی | جن کی عادت ہو بھلی اور لیاقت اچھی
خاک بھی ہونگے تو کردیں گے وہ تجھ کو اکسیر | از نگ کو رنگ بنا دیتی ہے خصلت اچھی

ایضاً

اسکی الفت سے اٹھاؤ گے سدا تم ذلت | اس سے بہتر ہے کرو جتنی ہو تم سے نفرت
دوستی اچھی نہیں ہوتی ہے جاہل کی کبھی | اس کی بندر کی طرح ہوتی ہے گویا طینت

ایضاً

علم والوں سے زمانے میں سدا ملتے رہو | ہو سکے تم سے تو تم اُس کا تتبع بھی کرو
دوستی کا نہیں ہوتا ہے بھروسہ اُس کی | بات اس سے نہ کرو تم جسے جاہل سمجھو

مذمت شراب

بھول کر تم کبھی لینا نہ کہیں نام شراب | پھونک ڈالے گی وگرنہ یہ تمہیں خانہ خراب
مال و زر۔ لٹتا ہے اور اس کے علاوہ کمبخت | رفتہ رفتہ یہ جلا دیتی ہے دل مثل کباب

حقوق العباد

میں نہیں کرنے کا ہرگز بھی تمہاری تعریف | تم نہ جبتک کرو یہ پیدا صفت یہ توصیف
ہو سکے گر۔ تو کرو غیر کی تکلیف کو دُور | فرضِ انسانی ہے اوروں کی مٹانا تکلیف

متفرق

عجب بہار نمایش کی اب کے سال آئی | کہ اس کے دید کا ہر شخص ہے تمنائی

مشاعرہ بھی بڑی دھوم سے ہوا قربانؔ | سخنوروں کو ملی دادِ نکتہ پیرائی

ایضاً

ایسا تھا فیضِ عام جنابِ غریبؔ کا | ہر لب پہ تھا کلام جنابِ غریبؔ کا
باقی اگر ہے ایک بھی میکش جہان میں | اٹھنے نہ دے گا نام جنابِ غریبؔ کا

ایضاً

تشنہ ہوں میں کسی کے نہ مینا نہ جام کا | حاصل ہے مجھ کو لطفِ سرورِ دوام کا
ساقی تھا گو غریب پہ خست نہ انہیں تھی | میکش ہوں میں جنابِ امیرِ کلام کا

سہرے

خوب دولہا کے بندھا چاند سے سر پر سہرا | کیوں چمک کر نہ بنے ماہِ منور سہرا
کسلئے اس کی چمک باعثِ تسکین نہ ہو | بھیجا رضواں نے ہے خود تیرا بنا کر سہرا
تیرے مشتاق ہیں ہم نیچی نگاہوں والے | چہرہ ہم کو بھی دکھا اپنا اٹھا کر سہرا
جلد بیٹا ہو ترے اسلئے مالن تیری | طشتِ امید میں لائی ہے سجا کر سہرا
تو پھلا پھولا رہے باغِ جہاں میں ہر دم | دی دعا سب نے ترے دیکھ کے سر پر سہرا
نیرِ اوج ترا چمکے زمانے میں مدام | عیش و عشرت کا بنے یہ ترے اختر سہرا
نظرِ بد سے بچے تو یہ ہے اس کا مطلب | رکھتا چہرے کو ہے جو تیرے چھپا کر سہرا
نخلِ امید رہے تیرا جہاں میں شاداب | اوج و اقبال کا ہر دم رہے سر پر سہرا
خاص رکھتی ہے تری ذات سے الفت مالن | اسنے گوندھا نہ کبھی اس سے تھا بڑھ کر سہرا
کہیں ہو جائے نہ بھولے سے کوئی گستاخی | کانپتا ہے ترے رخسار پہ تھر تھر سہرا
صدق و اخلاص کا اور ساتھ میں امیدوں کا | باندھ کے آیا ہے سر پر ترا شوہر سہرا
بدھی امید کی اور کنگنا خوشی کا ہے بنا | کامرانی کا بندھا ہے ترے سر پر سہرا
تیرے آئے نہ پسینہ کہیں رخساروں پر | تجھ کو دیتا ہے ہوا خود ترا ہلکر سہرا
نیچی نظریں کئے محفل میں ہے بیٹھا نوشاہ | کیا دکھاتا ہے یہ پیارا ہمیں منظر سہرا

ذوق و غالب کی طرح تو نے پروئے مضموں
داد قربانؔ ہے دیتا تجھے ہل کر سہرا

رہیں عیش و مسرت سے مرے دولھا دلہن دونو
رہیں آپس میں الفت سے مرے دولھا دلہن دونو

بنا کے مشتری زہرہ یہاں سہرے کو لائی ہیں
بہت اخلاص و الفت سے مرے دولھا دلہن دونو

شرافت اسکو کہتے ہیں بزرگوں سے جھکتے ہیں
جھکے بیٹھے ہیں غیرت سے مرے دولھا دلہن دونو

بسانِ مہر اور خورشید۔ چہچہ عیش و عشرت پر
نظر آتے ہیں صورت سے مرے دولھا دلہن دونو

نگاہِ بد سے یہ محفوظ ہوں یارب زمانہ میں
رہیں دنیا میں راحت سے مرے دولھا دلہن دونو

ادب ملحوظ ہے ان کو حیا ملحوظ ہے ان کو
مزین ہیں لیاقت سے مرے دولھا دلہن دونو

کوئی خورشید کا قرباںؔ کوئی ہے چاند کا ٹکڑا
ملے کیسے ہیں قدرت سے مرے دولھا دلہن دونو

مرے دولھا ترے رخ پر ترا سہرا مبارک ہو
ترے ہاتھوں میں بدھی اور یہ کنگنا مبارک ہو

خوشی سے باغِ عالم میں دلہن دولھا پھلے پھولیں
کہیں جلدی سے پھر آکر تمہیں بیٹا مبارک ہو

بہت مدت سے حسرت دیکھنے کی دل میں رکھتے تھے
عزیزوں کو ترے یہ آج کا جلسہ مبارک ہو

نئی تیری امنگیں ہیں نئی دلہن بھی ہے تیری
تجھے سہرے کی دلہن اے مرے دولھا مبارک ہو

رہو اخلاص سے باہم بڑھے الفت سدا ہر دم
تمہیں یہ ابتدائے عیش دنیا کا مبارک ہو

دلہن دولھا رہیں یہ تا ابد آباد۔ دنیا میں
اسے دلہن مبارک ہو اسے دولھا مبارک ہو

جہاں کی یہ خزاں ہرگز نہ دیکھیں باغ میں اپنے
ترا قرباںؔ لکھنا انکو یہ سہرا مبارک ہو

ذرا سہرا۔ اٹھا تیرے سہرے کی خیر
ذرا چہرہ دکھا۔ ترے سہرے کی خیر

چنے پہلے تو گل۔ بھرے کشتی میں پھر
ہوئے نغمہ سرا۔ ترے سہرے کی خیر

ترے رخ پر سجا میرے دولھا بہت
لگا سب کو بھلا۔ ترے سہرے کی خیر

ترے سہرے کو دیکھ ترے کنگنے کو دیکھ
یہ کی سب نے دعا۔ ترے سہرے کی خیر

تری شادی ہوئی خوشی سب کو ہوئی
ہوا فضلِ خدا۔ ترے سہرے کی خیر

پیارے دولھا کی خیر پیاری دلہن کی خیر
ہے قرباںؔ ترا۔ ترے سہرے کی خیر

پیارا کیسا ترا مالن نے بنایا سہرا
چن کے گل ہائے سبک لائی ہے ہلکا سہرا

بد نظر سے تو بچے اس کو ہے منظور یہی
اس لئے چہرے کو تیرے ہے چھپاتا سہرا

ایک تو حسن خداداد ہے تیرا نوشاہ
اس پہ کرتا ہے دوبالا ترا گنگنا سہرا
دیکھنے والے یہ کہتے ہیں بہت دیکھے ہیں
ہم نے دُنیا میں نہیں دیکھا ہے ایسا سہرا
پیار آئے نہ ہمیں دیکھ کے سہرا کیوں کر
کہ دل آرا ہے بہت اور ہے پیارا سہرا
ہے دعا اسکے کھلیں پھول ہزاروں آج دم
دوستوں کی ترے دولھا ہے تمنا سہرا
ہو مبارک تجھے دولھا یہ مبارک ساعت
پیاری دلہن ہے تری اور ہے پیارا سہرا

کیوں نہ قربان بھلا چوم لوں میں ہاتھ اُسکے
جبکہ مالن نے محبت سے ہے گوندھا سہرا

رخصتی

بٹھا کے ڈولے میں مجکو آبا۔ روانہ کردو روانہ کردو
سجا کے ڈولہ پہنا کے گہنا۔ روانہ کردو۔ روانہ کردو
مجھے کھلایا مجھے پلایا۔ مجھے ہے پالا اگرچہ تم نے
اُٹھا یہاں سے اب آب ودانہ۔ روانہ کردو۔ روانہ کردو
مجھے تم ابّا پیار کرلو۔ لگا لو چھاتی سے مجھ کو اماں
دکھا دو مجکو کہاں ہے بھیا۔ روانہ کردو۔ روانہ کردو
کبھی نہ میں نے تمہیں ستایا۔ ہمیشہ تابع رہی تمہاری
ہمیشہ مانا تمہارا کہنا۔ روانہ کردو۔ روانہ کردو
مجھے ہی جب تم نے دیدیا ہے تو اس سے بڑھکر نہیں ہے کچھ بھی
دیا جو تم کو بھتا اور دینا۔ روانہ کردو۔ روانہ کردو
بنا کے دی ہے جو مجکو باندی رہونگی باندی ہی اُن کی بنکر
تمہارا رکھوں گی بول اونچا۔ روانہ کردو۔ روانہ کردو
تمہاری بھیجی ہوں میں تو جاتی۔ کوئی جو بھیجے تو پھر میں آؤں
پرائے بس میں ہے آنا جانا۔ روانہ کردو۔ روانہ کردو
تمہاری گودوں میں تھی میں سوتی۔ مناتے تم تھے جو میں تھی رُوتی
یہاں سے ہوتی ہوں اب روانا۔ روانہ کردو۔ روانہ کردو

نئے گھرانے میں اب ہوں جاتی جہاں کی دُنیا نہیں ہے دیکھی
نئی ہیں باتیں نیا زمانہ۔ روانہ کردو۔ روانہ کردو

رکھے ہیں طاقوں میں سب کھلونے دئے تھے تم نے جو مجھ کو لاکر
نہیں ہے اِن کا وہاں ٹھکانا۔ رَوانہ کردو۔ روانہ کردو

مجھے جو اماں نے ہے سکھایا۔ مجھے جو آبا نے ہے بتایا
کروں گی ساس اور خسُر کا کہنا۔ روانہ کردو۔ روانہ کردو

کروں گی شوہر کی میں غلامی رہونگی عزت کی اُس کی حامی
لگاؤں گی وضع میں نہ بٹّا۔ روانہ کردو۔ روانہ کردو

مری ہے عزت اسی میں آبا۔ بٹھاکے ہاتھوں سے اپنے خود تم
ہنسی خوشی سے یہ میرا ڈولا۔ روانہ کردو۔ روانہ کردو

دُعا یہ اماں ضرور دینا رہوں خوشی سے وہاں بھی جاکر
نہیں ہے دیکھا نیا ٹھکانا۔ روانہ کردو۔ روانہ کردو

جسے بھی دیکھو وہی ہے نالاں بپا ہے گھر بھر میں شور قرباں
ہے بام و در کا یہ ایک نغمہ روانہ کردو روانہ کردو

الوداع رمضان المبارک

الوداع اے ماہِ رمضاں الوداع | الوداع اے شہرِ یزداں الوداع
الوداع اے شانِ قرآں الوداع | الوداع اے فخرِ ایماں الوداع
الوداع اے ماہِ رمضاں الوداع

چشم گریاں چھوڑ کر جاتے ہو تم | سینہ بریاں چھوڑ کر جاتے ہو تم
نعمتیں ساری لئے جاتے ہو تم | ہوکے رخصت ہم سے کیا جاتے ہو تم
الوداع اے ماہِ رمضاں الوداع

کس ادا و آن سے آتے تھے تم | ساتھ لاکھوں رحمتیں لاتے تھے تم
محو کرنے کلفتیں آتے تھے تم | اور نوید عید بھی لاتے تھے تم
الوداع اے ماہِ رمضاں الوداع

ہم گنہگاروں کا دل ہے یوں فگار | یہ کہاں پھر رحمت پروردگار
پھر خوشی سے لائے تم کو کردگار | پھر وہی خوشیاں منائیں روزہ دار

الوداع اے ماہِ رمضاں الوداع

اے شہِ جود و سخا۔ نیکو شیم | اے مرے ابرِ عطا عالی ہمم
عرضِ قرباں ہے بہ آہِ چشم نم | مجھ سے عاصی پر بھی پھر کیجے کرم

الوداع اے ماہِ رمضاں الوداع

دے کے جاتے ہو جو تم فرقت کے داغ | ان سے سینہ ہو گیا میرا اجاغ
اب تپِ غم سے ہو گا انفراغ | باغِ ہستی بن گیا گویا اراغ

الوداع اے ماہِ رمضاں الوداع

ان کی آمرزش ہو اے ماہِ صیام | قایم و صایم رہے ہوں جو مدام
جو کہ کرتے تھے عبادت صبح و شام | ان پہ بھی رحمت ہو حق کی بالدوام

الوداع اے ماہِ رمضاں الوداع

درد سے اٹھتا نہیں میرا قلم | رو سیاہی سے ہے وہ رنج و الم
کرتا ہے قرباں رُو رُو کر رقم | آپ کے جانے کا سب کو ہے الم

الوداع اے ماہِ رمضاں الوداع

ہولی

رُت بدلتے ہی بڑی دھوم سے آئی ہولی | رنگ بن بن کے پھر آفاق پہ چھائی ہولی
اب نہ سردی ہے نہ وہ کاوشِ فصلِ سرما | تو عجب ایک فضا ساتھ میں لائی ہولی
دیکھیے جس کو طرب ناک نظر آتا ہے | یہ تجلی ہے یہ تری روح کشائی ہولی
نوجوانوں کی گلستاں میں جو آئی ٹولی | کثرتِ کیف سے پھولی نہ سمائی ہولی
آج ہے زندگی نو سے ہر اک محفل گرم | تو نے کیسی یہ نئی آگ لگائی ہولی
ساری دنیا نظر آتی ہے خوشی سے بدمست | بانسری خوب محبت کی بجائی ہولی

رنگ اڑاتے ہی لپٹے گلے مل مل کر
ہم نے قرباں بصد شوق منائی ہولی

منقبت جناب علیؑ کرم اللہ وجہہ

علیؑ کی دل سے تو کر محبت۔ علی علی کہہ۔ علی علی کہہ
ہو تجھ پہ فوراً خدا کی رحمت۔ علیؑ علیؑ کہہ۔ علی علی کہہ

ہے ذکر سب سے یہ سن لے افضل یہی ہی بڑی یہی ہے زینہ
تو لینی چاہے اگر ولایت۔ علی علی کہہ۔ علی علی کہہ

خدا ہو راضی۔ نبی ہو راضی۔ یہ نام ان کو ہے ایسا پیارا
ملیگی فوراً ہی تجھ کو جنت۔ علی علی کہہ۔ علی علی کہہ

علی سے تیرا ملیگا مطلب۔ علی ہے اوّل۔ علی ہے آخر
بنائے شیوہ تو ان کی مدحت۔ علی علی کہہ۔ علی علی کہہ

علیؑ خلیفہ علیؑ وصی ہے۔ علیؑ ولی ہے نہیں ہے کچھ شک
علی نبی کا ہے فخر امت۔ علی علی کہہ۔ علی علی کہہ

کسی کو درجہ نہیں ملا یہ۔ کسی کا رتبہ نہیں ہوا یہ
نبی نے خود دی اُسے ولایت۔ علی علی کہہ علی علی کہہ

خلیفہ برحق خلیفہ صادق۔ خدا بھی راضی۔ نبی بھی راضی
نبی نے اسکو ہے دی خلافت۔ علی علی کہہ۔ علی علی کہہ

یہ نام ایسا ہے کر دے روشن۔ مٹا دے دلکی یہ سب کدورت
جو چاہے ہو دور تیری کلفت۔ علی علی کہہ۔ علی علی کہہ

بھٹکتا پھر تو نہ ہر جگہ پر۔ یہ صاف رستہ ترے لئے ہے
تجھے سکھا دیں گے درس وحدت۔ علی علی کہہ۔ علی علی کہہ

جو چاہے تجھپر ہو راز افشا۔ جو چاہے باتیں کھلیں خدا کی
اسی میں مضمر ہے بس حقیقت۔ علی علی کہہ۔ علی علی کہہ

نہیں ہے کہنا غلط ہمارا۔ ذرا تو دیکھ آزما کے اس کو
زباں کو آتی ہے کیسی لذت۔ علی علی کہہ۔ علی علی کہہ

کھلیں گے اسرار علم و عرفاں۔ تمام کلفت مٹے گی دل کی

ہے سب سے بڑھکر یہ اک ریاضت۔ علی علی کہہ۔ علی علی کہہ
زباں کا تیری ہو ورد اگر یہ۔ اگر یہی ہو ترا وظیفہ
تو تیرے دل کو ملیگی راحت۔ علی علی کہہ۔ علی علی کہہ
اسی سے جائیگا درد قربا کل علی کا کرے تو بس وظیفہ
اسی سے تجھکو ملے گی صحت۔ علی علی کہہ۔ علی علی کہہ

سلام

سلامی کربلا میں کس قدر ظلم و ستم ٹوٹا
کہ قلب فاطمہ پر شام والوں کا علم ٹوٹا
گلا شبیر کا کاٹا۔ نہ رُو کا دستِ قاتل کو
نہ کیوں دستہ ترا اے شمر کی تیغ دو دم ٹوٹا
حسین ابنِ علی کے سامنے مارے گئے اصغر
غضب ٹوٹا ستم ٹوٹا کہ ایسا دلپہ غم ٹوٹا
جُدا۔ اُف کوفیوں نے کر دیا شبیر کے سر کو
بیاضِ احمدِ مرسل کے لکھنے کا قلم ٹوٹا
شہادت جبکہ پائی تھی نواسہ نے محمد کے
ترا دُنیا نہ کیوں اس ظلم سے فوراً ہی دم ٹوٹا
تبا شمرِ لعین شاہِ عرب کے قتل کرنے کو
بڑھا یا جب قدم تو نے نہ کیوں تیرا قدم ٹوٹا
ہوئے عباس بے بازو گئے جب لینے کو پانی
تری امت کے ہاتھوں یا نبی تیرا علم ٹوٹا
جا بازار میں سکہ محبت کا شہادت سے
کھرا وہ بھی رہا جو آلِ احمد کا درم ٹوٹا
ہُونا شامیوں نازاں ملینگے ظلم کے بدلے
تمہارے ہاتھ سے اسلام کا کیسا بھرم ٹوٹا
نہ اکبر ہے نہ اصغر ہے نہ ہے عباس سا بھائی
غضب ہے سامنے شبیر کے سب کا ہی دم ٹوٹا
حسن نے جان دیدی اک پیالہ زہر کا پی کر
یہ اس مظلوم کے دلپر فلک کیسا ستم ٹوٹا
گلے کٹتے تھے سب کے کربلا میں پھر بھی خوش تھے
نہ جانے والوں کا یہ سلسلہ سوئے عدم ٹوٹا
تری اُمت نے دنیا کی طمع میں قتل کر ڈالا
ترے بعد اے نبی اولاد پر کیسا ستم ٹوٹا

چلا جائیگا جنت میں تو اے قربان بے کھٹکے
محبت میں جو اہلبیت کی تیرا بھی دم ٹوٹا

مدح حضرت غوث پاک

بہ بین حال پریشانی محی الدین جیلانی
کہ ہستم غرقِ حیرانی محی الدین جیلانی

تو لی سرخیل سلطانی محی الدین جیلانی ۔۔۔ تو لی فخر سلیمانی محی الدین جیلانی

فروغ ملت احمد چراغ راہ نیک و بد ۔۔۔ مطیع حکم ربانی محی الدین جیلانی

بکفیل امت احمد۔ وکیل روز جد و کد ۔۔۔ تو حامی مسلمانی محی الدین جیلانی

چگویم درد پنہانی۔ بیاتش ہست نادانی ۔۔۔ تو عالم خوب میدانی محی الدین جیلانی

صدف ساں تشنہ لب ہستم چکاں قطرات رحمت را ۔۔۔ کہ ابر اشک نیسانی محی الدین جیلانی

بیارد خواب ما سرور۔ رہا کن از غموم و شر ۔۔۔ عیاں کن روئے نورانی محی الدین جیلانی

علامت عاشق احمد۔ بخواہد روضہ را بنید ۔۔۔ بکن امداد پنہانی محی الدین جیلانی

منم بیچارہ و مضطر۔ بشو آلایش جرمم ۔۔۔ تو بحر عفو رحمانی محی الدین جیلانی

مسیح درد عصیانی۔ مریضم زخم پنہانی ۔۔۔ مریضاں را تو درمانی۔ محی الدین جیلانی

نہ راغب سوئے غلمانم نہ محو حسن حورانم
منم قربان جیلانی محی الدین جیلانی

مدحت حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ

مجھ پر بھی کچھ دیا ہو۔ بندہ نواز خواجہ ۔۔۔ تم فخر اولیا ہو۔ بندہ نواز خواجہ

دست کرم تمہارا ابھرتا ہے سبکے دامن ۔۔۔ مجھ کو بھی کچھ عطا ہو۔ بندہ نواز خواجہ

اس سے رسول ناخوش اس سے خدا ہو ناخوش ۔۔۔ جس سے کہ تم خفا ہو۔ بندہ نواز خواجہ

دم میں ہو پار بیڑا میرے غم و الم کا ۔۔۔ تیری اگر رضا ہو۔ بندہ نواز خواجہ

جتنے یہاں ولی ہیں تابع ہیں سب تمہارے ۔۔۔ تم سب کے پیشوا ہو۔ بندہ نواز خواجہ

تجھسے کہے جو کوئی حق سے اسے دلادے ۔۔۔ جس کا جو مدعا ہو۔ بندہ نواز خواجہ

ظلمت کو بھی مٹایا اسلام بھی بڑھایا ۔۔۔ بازوئے مصطفےٰ ہو۔ بندہ نواز خواجہ

کردے جو تو شفارش کیسی ہی پھر خطا ہو ۔۔۔ راضی مرا خدا ہو۔ بندہ نواز خواجہ

حق سے نہیں دلادے کرکے ذرا سفارش ۔۔۔ قسمت میں جو لکھا ہو۔ بندہ نواز خواجہ

تیری دعا سے فوراً پاتا ہے مخلصی وہ ۔۔۔ غم میں جو مبتلا ہو۔ بندہ نواز خواجہ

تم مصدر کرم ہو۔ تم مصدر سخا ہو ۔۔۔ تم منبع عطا ہو۔ بندہ نواز خواجہ

حق نے کلید دی ہے ہندوستاں کی تمکو ۔۔۔ وہ کیوں نہو جو چاہا ہو۔ بندہ نواز خواجہ

مٹی سے تیرے در کی پائے شفا وہ فوراً
دکھ میں جو مبتلا ہو۔ بندہ نواز خواجہ
ہو اس کے چارہ گر جو عاجز ہو زندگی سے
بیمار کی دوا ہو۔ بندہ نواز خواجہ

آپ سے سلام کو وہ ہے التجا یہ اسکی
قربان کو شفا ہو۔ بندہ نواز خواجہ

مدحت حضرت قطب الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

جلوہ اپنا آج دکھا دو خواجہ قطب الدین ولی
پردہ اپنے رخ سے ہٹا دو خواجہ قطب الدین ولی
دلمیں لیکر اپنے مطلب در پہ تمہاری آہی پڑے
حق سے ہمکو آج ملا دو خواجہ قطب الدین ولی
تمکو ساقی حق نے بنایا دیر کا پھر اب کام ہے کیا
جام مئے وحدت کا پلا دو خواجہ قطب الدین ولی
در پہ کھڑی ہیں تیرے سوالی دامن خالی ہاتھ بھی خالی
فیض کو اپنے آج لٹا دو خواجہ قطب الدین ولی
دید و دید و جام وحدت ہاتھ میں لیکر شیشہ و ساغر
مست پلا کر ہم کو بنا دو خواجہ قطب الدین ولی
میری کشتی آکے پھنسی ہے بیچ میں اف منجدھار کے اب
پار مرے بیڑے کو لگا دو خواجہ قطب الدین ولی
تم تو رستہ جانتے ہو لاکھوں نکو تم نے پار کیا
راہ خدا کی ہم کو بتا دو خواجہ قطب الدین ولی
عشق خدا کی عشق نبی کی اپنے اے خواجہ
دلمیں ہمارے شمع جلا دو خواجہ قطب الدین ولی
رنج و الم میں آج پھنسا ہوں کب سے غوطے کھاتا ہوں
درد کو دل کے میرے مٹا دو خواجہ قطب الدین ولی
اذن خدا نے تم کو دیا ہی خاص خدا کے بندہ ہو تم
جسکو خدا سے چاہے ملا دو خواجہ قطب الدین ولی
منگتے پیالے اپنے بھر لیں لوگ کھڑے ہیں آس لگائے
فیض کا دریا آج بہا دو خواجہ قطب الدین ولی
در پہ تمہارے آکر خواجہ خالی میں کیوں جاؤنگا
جیسا چاہو ہمکو بنا دو خواجہ قطب الدین ولی
میرے گنہ کے ساتھ ہیں دفتر
آگ ذرا تم انہیں لگا دو خواجہ قطب الدین ولی
غوث قطب اقطاب کے قبضے میں حق نے ہر بات ہی دی
جیسا چاہو جس کو بنا دو خواجہ قطب الدین ولی

قربان امیدیں کچھ دلمیں لیکر دہلی آیا ہے
بہر دعا تم ہاتھ اٹھا دو خواجہ قطب الدین ولی

مدحت حضرت بابا فرید الدین رح

ہوا ہوں جب سے متوالا فرید الدین بابا کا
مجھے کہتے ہیں سب شیدا فرید الدین بابا کا

معاصی جنکے افزوں ہوں نہالیں وہ یہاں آکر … ہے جاری فیض کا دریا فرید الدین بابا کا

فرشتے بھی یہاں آکر درود خاص پڑھتے ہیں … مجھے کہتے ہیں سب شیدا فرید الدین بابا کا

بھر و اے تشنہ کاموں اپنی اپنی تم صراحی کو … کہ موجوں پر ہے اب دریا فرید الدین بابا کا

تمنا ہے یہی دل کی یہی ارمان ہے دل کا … الٰہی دیکھ لیں جلوہ فرید الدین بابا کا

خدا اس کو ملے فوراً نبی اس کو ملے فوراً … ہے کوئی جو متوالا۔ فرید الدین بابا کا

فریب باغ عالم ہوگیا باطل نگاہوں میں … ہوا جب سے مجھے سودا۔ فرید الدین بابا کا

نہ رتبہ کیونکر اعلیٰ ہو۔ نہ درجہ کیونکر افضل ہو … ملا خواجہ سے ہے رشتہ فرید الدین بابا کا

یونہی صابر چلے جائیں نہ ہو دشوار یہ منزل … بتادو ہم کو بھی رستہ فرید الدین بابا کا

کھلے عرفاں کا در دلپر ضیا آنکھوں میں بھر جائے … جو کوئی دیکھ لے روضہ فرید الدین بابا کا

نظام الدین دہلی میں تو کلیر میں علی احمد … جدہر دیکھو ادھر جلوہ فرید الدین بابا کا

اگر ہو خاک کی صورت تو وہ اکسیر ہو جائے … اشارہ ہو۔ اگر ردنا۔ فرید الدین بابا کا

نہ ہوش آئے ازل تک بھی رہیں مست حقیقت وہ … اگر پی لے کوئی پیالہ۔ فرید الدین بابا کا

فرشتے بھی یہ کہتے ہیں بڑا درجہ ملا اُن کو … فلک تک ہے سُنا چرچا۔ فرید الدین بابا کا

شفا قربان کو ہوگی مرض ہو جائیگا رخصت
دعا کو ہاتھ اگر اُٹھا۔ فرید الدین بابا کا

مدحت حضرت صابر صاحب رحمتہ اللہ علیہ

رخ سے پردہ اپنے اٹھادے اے صابر کلیر والے … چہرہ مجھے تو اپنا دکھادے اے صابر کلیر والے

سر خدا۔ اور سر نبی سب تجھپہ عیاں ہیں ای خواجہ … راہ تو حق کی مجکو دکھادے اے صابر کلیر والے

عیسیٰ کی اور تیری کرامت دونو یکساں دونو برابر … شان ہے ایسی مردہ جلادے اے صابر کلیر والے

جھولی لیکر سائل آئے بھیک تو در سے اپنے دیدے … فیض تو اپنا آج دکھادے اے صابر کلیر والے

بیتاب دل اور بے یار رہو نہیں مغموم بھی ہمیں تلپھار ہو نہیں … دلکو ٹھکانے میرے لگادے اے صابر کلیر والے

لال علی کا۔ پیارا نبی کا۔ ہم ترا رتبہ جانتے ہیں … رب سے چاہے جسکو ملادے اے صابر کلیر والے

ڈھونڈتے ہیں ہم چار طرف ملتا ہی نہیں اب تیرا نشاں … اپنا پتہ تو ہم کو بتادے اے صابر کلیر والے

عشق نے تیرے مجکو پھونکا صبح و مسا میں جلتا ہوں … دل کی میرے آگ بجھادے اے صابر کلیر والے

بخ بہت ہیں صدمے بُت ہیں تیر انفظا اک آسرا ہے
دلکی کلفت میرے مٹا دے اے صابر کلیر والے

آکے پھنسی منجدھار میں ہے کوئی بھی نہیں اسکا ملاح
پار مری کشتی کو لگا دے اے صابر کلیر والے

لوگ ہیں کہتے مجکو وحشی عشق نے تیرے مست کیا
میری بگڑی بات بنا دے اے صابر کلیر والے

جلیتا رہو نہیں چاہ میں تیری جیسے جلے ہے پروانہ
عشق کی دل میں آگ لگا دے اے صابر کلیر والے

پل میں قلندر پل میں ولی تو ایک نظر میں کرتا ہے
قرباں پہ بھی رنگ چڑھا دے اے صابر کلیر والے

مدحت حضرت نظام الدین اولیاؒ

ہوا ہوں جب سے دیوانہ میں محبوبِ آلہی کا
بنا پھرتا ہوں دیوانہ میں محبوب آلہی کا

عطا کر دے صراحی سے جو اک جلوئہ وحدت
لگا لوں منہ سے پیمانہ میں محبوب آلہی کا

مجھے رضواں نہ جانے دیگا کیوں گلزار جنت میں
چلا ہوں لیکے پروانہ میں محبوب آلہی کا

پلا دے معرفت کے جام مجھ کو یا حقیقت کے
پھروں پھر بنکے مستانہ میں محبوب آلہی کا

پیاسوں اور ندیدوں کی طرح گر جاؤں میں فوراً
کھلا دیکھوں جو میخانہ میں محبوب آلہی کا

مجھے لوٹینگے اہلِ میکدہ جب عین مستی میں
یہ کہہ دونگا ہوں دیوانہ میں محبوب آلہی کا

نہ پاؤں فیض میں جبتک نہ جبتک ہو دعا پوری
نہ چھوڑونگا یہ کاشانہ میں محبوب آلہی کا

اُٹھے گی لو مری تن سے اٹھونگا میں شہید دنیا
جلوں گا ہوکے پروانہ میں محبوب آلہی کا

ہوئیں قربان روشن مجھپہ سب باتیں حقیقت کی
بنا ہوں جب سے مستانہ میں محبوب آلہی کا

مدح حضرت شاہ بہلول حب صابر رحمتہ اللہ علیہ

واجب تعظیم یہ دربار شہ بہلول ہے
واجب التکریم یہ سرکار شہ بہلول ہے

ذرہ ذرہ فیض سے خورشید ہے ناہید ہے
ہر طرف چھایا ہوا انوار شہ بہلول ہے

فاتحہ خوانی کو آتے ہیں فرشتے اس جگہ
دیکھ لو کیسی بڑی سرکار شہ بہلول ہے

معرفت کے اور حقیقت کے کھلے ہیں گلستاں
واہ کیا پھولا پھلا گلزار شہ بہلول ہے

مل گیا اس کو علی۔ اس کو بنی اُس کو خدا
جو جہاں میں واقف اسرار شہ بہلول ہے

اس کا دل روشن کرینگے آکے یہ اک دن ضرور ۔ جو کہ دل سے طالب دیدارِ شہ بہلول ہے
کوئی مسلم ہو کہ ہندو یا کہ نصرانی کوئی ۔ عام دنیا کے لئے دربارِ شہ بہلول ہے
حشر کے دن اس کے منہ سے آئیگی خوشبو ضرور ۔ میکدہ میں جو کوئی میخوارِ شہ بہلول ہے
ہم تو در در کی نہ کھائینگے کبھی بھی ٹھوکریں ۔ ہم کو تو کافی یہی سرکارِ شہ بہلول ہے
اپنے مرشد اُسکے دینے میں نہیں کرتے دریغ ۔ طالبو ارزاں بہت بازارِ شہ بہلول ہے
ہم کو اب دوزخ میں گرنے کا نہیں باقی خطر ۔ اب سہارے کیلئے دیوارِ شہ بہلول ہے
حشر تک آنکھیں رہینگی اُن کی بینا دیکھنا ۔ ہو گیا جن کو کبھی دیدارِ شہ بہلول ہے
انکو کچھ تکلیف دے سکتے نہیں رنج والم ۔ جنکو ہمدم الفت سرشارِ شہ بہلول ہے
اس کو مستی میں بھی آتا ہے خدا ہر دم نظر ۔ پی کے جو الفت کی مے سرشارِ شہ بہلول ہے

کیوں تجھے اہل محلہ سب نہ سمجھینگے عزیز
زیب سر قربان جب دستارِ شہ بہلول ہے

متفرقات نظمیں قصائد وغیرہ

شمع

شمع تجھ سے پوچھتا ہوں ایک بات ۔ دیکھ کر حیراں ہوا ہوں جسکو رات
آیا پروانہ تجلی سے ترے گر ۔ تو نے کیوں اس کو جلایا بےخطر
دل سے تیرے حسن کا دلدادہ تھا ۔ عشق کا دم بھرنے کو آمادہ تھا
لائی تھی الفت کی گرمی تیرے پاس ۔ کھو گئے تھے دیکھ کر ہوش و حواس
شوق تھا بے حد شہادت کا اُسے ۔ پاسِ الفت چاہئے تھا کچھ تجھے
تجھ کو لازم تھا کہ کرتی احتیاط ۔ کیا تھی نھی جان کی آخر بساط
تجھکو لازم اُس کی تھی دلداریاں ۔ اُس کو تیرے غم میں تھی سرشاریاں
جان دے کر وہ تصدق ہو گیا ۔ سایہ میں خاموش تیرے سو گیا
کیا تھا دل میں کچھ خبر اس کی نہیں ۔ حسرتیں بھی ساتھ اُسکے جل گئیں
کیوں خیال اس کا نہ کچھ تو نے کیا ۔ کون صدقے ہو کے تجھپر مر گیا

جوابِ شمع

سچ ہے وہ عاشق بھی تھا صادق بھی تھا
مجھ پہ صدقے ہو کے جو جل بھن گیا

ہے مرا دل ایک تفسیر عشق کا
دل مرے پہلو میں ہے ٹھنڈا ہوا

وہ جو آیا پاس میرے ایک بار
سامنے اُس کے ہوئی میں اشکبار

منہ سے غم میں میرے نکلا تھا دھواں
آنکھ سے بھی بہتے مرے آنسو رواں

عشق میں وہ جل کے ٹھنڈا ہو گیا
میں تو اُس کے غم میں جلتی ہوں سدا

آیا جب اُس کی شہادت کا خیال
ہو گیا مجھکو بھی سر اپنا وبال

کان میں گل گیر کے میں نے کہا
ہے اجازت سر کو میرے دے اُڑا

زیست کا مجھکو مزہ حاصل نہیں
جب مرا عاشق سرِ محفل نہیں

میرے پہلو میں وُہ آکر سو گیا
عمر بھر کو وہ مجھے پر کھو گیا

وہ ہُوا آزاد غم سے واقعی
عمر بھر میں سوگ میں جلتی رہی

نتیجۂ غرور

سُنتے ہیں مغرور تھا کوئی امیر
بخل میں رکھتا نہ تھا اپنا نظیر

ایک دن بیٹھا وہ کھانا کھانے جو
آکے سائل نے کہا کچھ مجھکو دو

سن کے یہ آواز سائل کی امیر
ہو گیا غصے اُسے سمجھا حقیر

گالیاں دیں سینکڑوں مغرور نے
عیش کے دلدادہ و مخمور نے

مارنے اُسکو لگا۔ اور یہ کہا
جان سے مار دل گا تجھ کو برملا

اُس کی بیوی نے منع بے حد کیا
مانا ہرگز نہ مگر وُہ بے حیا

اور کہا کھانے کا میرا وقت ہے
کس لئے آیا یہاں یہ مانگنے

یہ کہا بیوی نے کہ شوہر مرے
چاہیئے بندہ کو کہ ڈرتا رہے

ہو گیا ناراض وہ سُنکر کلام
کچھ نہ سوچا آگا پیچھا بدلگام

اپنی بیوی کو دیا فوراً طلاق
کھینچا بے دردی سے ظالم نے بلاق

وہ بھلی مانس گئی گھر سے نکل — اور پڑھانے کا لگی کرنے شغل
کچھ دنوں کے بعد یہ ہم نے سُنا — عقد ثانی اُس نے اپنا کر لیا
اب کے جو شوہر ملا وہ نیک تھا — درد دُکھ غربا کا سُنتا تھا سدا
عید کا تھا روز کھانا کھانے کو — بیٹھا ہمراہ اپنی بیوی کے جو وہ
آیا سائل اور لگا دینے صدا — ہوں بہت بھوکا کرو کھانا عطا
سُن کے یہ آواز وہ مردِ شریف — بولا بیوی سے جو ہو کھانا لطیف
جا کے دو سائل کو پیاری ایک دم — کھاتے ہی رہتے ہیں ہم تو بیش و کم
عید کے دن بھی ہے یہ بھوکا غریب — رنج ہوتا ہے کوئی ہے بدنصیب
کھانا جب سائل کو وہ دینے لگی — کیا ہے قدرت کا تماشہ دیکھتی
جو کھڑا ہے مانگتا در پہ غریب — پہلا شوہر اُس کا ہے وہ بدنصیب
ہو گئی حیران اور واپس گئی — اپنے شوہر سے حقیقت سب کہی
بولا شوہر میری بیوی نیکذات — سُن لے مجھ سے راز کی تو اور بات

میں ہی ہوں جسکو کہ مارا اپنے تھا
پا رہا ہے آج وہ جس کی سزا

قطعہ بزبانِ دیہاتی

کیوں نہیں جاتا تے باپو۔ باڑی بونے کھیت نوں
کی کہوں بیٹی میں جاتا یوں نی ایکے کھیت نوں
کانگرس والوں جگ میں یہ اُڑادی بات ہے
جو کوئی بووے گا باڑی ایکے اپنے کھیت نوں
دیگا حاکم اُس پہ تو اپنا بڑھا ایکے لگان
یا اُجاڑے گا وہ آکر اپنے سارے کھیت نوں
کی۔ تے کہتا ہے اے باپو یہ تو سارا جھوٹ ہے
جا مزے سے دیکھ اب تے۔ اپنے پیارے کھیت نوں
کانگرس والوں نے تو ایسا اُجاڑا ہے ہمیں

جیسے کہ پیدا ہوئی ہو کچھ نہ اُپنے کھیت نوں
پانچ سیر کا بیج بویا۔ سولہ سیر کا وہ بکا
کیا کرے گا کوئی آگے بو کے اپنے کھیت نوں
نہ بنی جب گدڑی سُتھن۔ ہوگا پھر کیسے گجر
جو نہ تے بو ویگا باڑی ایکے اپنے کھیت نوں
ابکے پہلے دے ستے۔ باکی۔ آئے جو حاکم یہاں
دی بھیس رب نے ہے اپّی ابکے اپنے کھیت نوں
ابکے منگلی کا ہے کرنا ہم کو چپا لا تو ضرور
لے کے تے لاٹھی و گودی۔ جاتے اپنے کھیت نوں
لے لیا گاڑھا تو ہم تے کانگرس کے لوگوں نے
اب بجز بد ڈالتے ہیں یہ تو اپنے کھیت نوں
کی مدت کی کانگرس والوں نے اپنی تے پتا
کھا گئیں بھیں آکے ٹڈیاں جبکہ سارے کھیت نوں
بات پٹواری کی سچی کہہ گیا ہے۔ آکے وہ
چین سے جا کر کے بو۔ تے اپنے سارے کھیت نوں
مست تے حاکم سے بگاڑے کہتا ہے کہ رباں یہ
کھیت رکھے باڑ نوں۔ اور باڑ رکھے کھیت نوں

برسات

برسات کی رُت آئی | ہر سمت گھٹا چھائی
بلبل پھرے اترائی | عشرت کی خبر لائی
مخمور مزہ پائیں
گلشن کی طرف جائیں
سبزہ ہے اُگا ہر سو | ہر چیز بنی دلجو
قمری ہے کرے کو کو | پھولوں کو ملی خوشبو

ہے آج نیا جلسہ
چھوٹے ہیں پڑے ہر جا
فوّارے سے تھے جو چپکے   گرمی کے سبب بیٹھے
پھر آج ہوئے چلتے   پھر آج لگے بہنے
شاداب ہر اک گل ہے
نایاب ہر اک گل ہے
تھی خشک زمیں ساری   اور گرمیوں کی ماری
پھر آئی نظر پیاری   ہر اس کی بھری کیاری
شاداب ہوئی اک دم
بھولے ہیں کساں سب غم
ہل چلنے لگے اُن سے   محنت وہ لگے کرنے
پودے بھی لگے اُگنے   مولا میں ترے صدقے
دم بھر میں مٹی کلفت
دی تو نے بدل رنگت
شاداب ہے ہر غنچہ   جاں دار ہے ہر پتہ
جس چیز کو بھی دیکھا   ممنونِ خدا پایا
اشجار کھڑے ایسے
نوخیز جواں جیسے
گلشن میں ذرا جا کے   برسات کے سن نغمے
کمسن ہیں وہاں گاتے   ڈالے ہیں کئی جھولے
جس طرح اُڑیں پریاں
کرتے ہیں وہ رنگ رلیاں
تو بھی تو ذرا اخترؔ باں   کر جمع ذرا اوساں
بیٹھا ہے بنا بے جاں   عشرت کا ہے سب ساماں
اُٹھ کر کوک سنا اپنی

کہتی ہے مجھے یہ تیری

برسات نہیں اب کے | پہلے تھی ہوئی جیسے
مہمان تھے وہ میرے | موجود تھے سب جلسے

جاتا تھا لپٹ مجھ سے
بجلی سے کوئی ڈر کے

ہاں کالی گھٹا چھائی | بلبل پھرے اترائی
کیا اس کی خبر لائی | جس کی مجھے یاد آئی

کھل جائے کلی پھر بھی
اے ابر میرے دل کی

پہلو میں مرے بٹھلا | پھر اس کو بلا کر لا
وہ یار مرا رعنا | چھپ کر ہے کہاں بیٹھا

ورنہ یہ سب ہی جلسے
ہیں رنج مجھے دیتے

اشکوں کی جھڑی میری | کیا تو نے نہیں دیکھی
رہتی ہے نمردہ سی | چھاتی کی میری کہتی

برباد کئے پودے
صدموں نے مرے دل کے

اشکوں کو کبھی پی لوں | سمجھوں مئے لالہ گوں
پھر جس کی طرف دیکھوں | ہر شے میں اسے سمجھوں

برسات ہو یا خشکی
بے اس کے ہے کلفت ہی

میرا تو لٹا گلشن | ہے چاک مرا دامن
اب کیا جو کھلے سوسن | اپنے تو جھڑے چمن

جھولوں میں کوئی جھولے
جب داغ مٹیں دل کے

برسات وہ ہی آئے
مولا مجھے دکھلائے
تسکین پھر دل پائے
سب رنج یہ مٹ جائے
سمجھوں میں تو پھر آئی
اور ساتھ خوشی لائی

کنڈی ڈیٹ اور وُوٹر

پاس کنڈی ڈیٹ کے وُوٹر گیا
اُس نے نوکر سے کہا کر تو خبر
بولا نوکر سوتے ہیں آقا مرے
بولا وُوٹر وقت سونے کا نہیں
اور سب مصروف کنڈی ڈیٹ ہیں
ووٹ میں ان کو نہیں دینا کبھی
سُن کے اندر بات یہ نوکر گیا
سُن کے اُس سے حال باہر آئیں وہ
اور فرمایا نہیں معلوم کیا
جاگتا شب کو ہے دن کو سوتا ہے
بولا وُوٹر کیجئے مجھکو معاف
جس کی بیوی آپ جیسی ہو حسیں
میری بیوی آپ سی ہوتی اگر
وقت وہ گیارہ بجے تھا صبح کا
ایک وُوٹر ملنے کو آیا ہے گھر
جب وہ جاگیں آپ ملنے آیئے
دن چڑھے تک کوئی بھی سوتا نہیں
تیرے صاحب اُٹھنے میں بھی لیٹ ہیں
بات یہ مجھکو نہیں اچھی لگی
من وعن سب میم صاحب سے کہا
اور وُوٹر پر بہت جھنجلائیں وہ
جو کہ سوتا ہے وہ شوہر ہے مرا
اعتراض اس پر تجھے کیوں ہوتا ہے
کھل گیا اب حال سارا صاف صاف
اُس کو ہرگز نیند آسکتی نہیں
سوتے سوتے میں تو کرتا دوپہر
آپ دل میں کچھ نہ اب گھبرایئے
ووٹ صاحب ہی کو دونگا جایئے

آقا اور مُلازم

ایک آقا نے مُلازم سے کہا
دیر کیوں آنے میں کی مجکو بتا
بولا نوکر میرے آقا نامدار
کچھ خطا میری نہیں ہے زینہار

حکم پا کر جب گیا بازار میں
دب گیا جاتے ہی موٹر کار میں
ایک ٹکر جو لگی میں گر پڑا
پاؤں بھی میرے گئے تھے لڑکھڑا
دیر کا میری ہے مالک یہ سبب
مجھ پہ ٹوٹا آسمانی تھا غضب
بولا آقا اس قدر بک بک نہ کر
ورنہ توڑ دونگا ابھی پتھر سے سر

دیر کرنے میں لگی یہ کیا کہا
کام تھا یہ صرف اک سیکنڈ کا

منطقی خاوند

ایک عورت کا تھا شوہر منطقی
اور تھی عورت بھی اس کی محبتی
ایکدن شوہر نے اس سے یہ کہا
تو نے کیا رکھا مری خاطر پکا
بولی وہ میں نے پکائی خاک ہے
دیکھتی ہوں کیا ترا ادراک ہے
بولا شوہر خاک کو الٹو۔ اگر
کاف پیدا۔ اس سے ہوگا سر بسر
کاف کے معنی ہیں ہوتے محل کے
لحم ہو کر محل کو الٹا کرے
لحم کے معنی ہیں ہوتے گوشت کے
گوشت یوں تو نے پکایا خاک سے

پس پکایا گوشت تو نے آج ہے
آج دستر خواں پہ میرا راج ہے

کثرت ازدواج

ایک عورت نے یہ حضرت سے کہا
مجھکو تبلا دو محمد مصطفےٰ
مرد کر سکتا ہے عورت چار تک
ایک پر عورت کرے کیوں اکتفا
عورتوں کو حکم ایسا دیجیے
چار تک شوہر انھیں بھی ہوں روا
سن کے حضرت نے دیا اسکو جواب
ہے مناسب تو علیؑ کے پاس جا
تجکو دیں گے اس کا وہ فوراً جواب
علم اپنا ہیں نے ان کو ہے دیا
وہ علیؑ کے پاس پہونچی بے قرار
اور مقصد اپنا کل ان سے کہا
یہ دیا سنکر علیؑ نے پھر جواب
اے زن ہیوہ مجھے اتنا بتا

ہو کوئی جو عورتیں رکھتا ہو چار　　پاس جن کے ایک شب میں ہو گیا
ایک شب میں رہ گئے سب کو حمل　　تو مجھے اتنا بتا دے اب ذرا
کتنے بچے اس کے پھر پیدا ہوئے　　پاس سب کے ایک ہی شب گو رہا
اس نے سن کر یہ دیا اس کو جواب　　چار بچے ہوں گے ان کے بر ملا
پھر کہا حضرت علیؓ نے اے مجیب　　اب ذرا آگے مجھے اتنا بتا
چار شوہر ایک عورت کے ہوں گر　　پاس ان سب کے وہ سوئے بیسوا
ایک شب میں کس قدر نطفے رہے　　فائدہ اس سے مرتب کیا ہوا
اس سے بھی کیا چار ہی بچے ہوئے　　کام تنہا مرد نے جو کر کیا
سن کے وہ دل میں ہوئی اپنے خجل　　اور ہو کے اوس نے شرمندہ کہا

تھا غلط یہ وہم میرا یا علیؓ
ہے وہ آمنا صدقنا جو کہا

قطعہ تاریخ بر بنائے مسجد موضع سونا جو کہ حاجی محمد اسحاق مرحوم سوداگر کے برادر زادگان نے بنوائی

تایا نے جو کہا تھا ان سے بوقت رحلت　　ایوب اور عمر نے پوری وہ کی وصیت
یعنی بنائی مسجد سونے میں اس رقم سے　　رکھی تھی جو کہ قرباں اسحاق نے امانت
دنیا میں جو دیا تھا عقبیٰ میں کام آیا　　جنت میں گھر ملا ہے واہ کی دیکھو قسمت
ہجری و عیسوی میں تاریخ کہہ دے قرباںؔ　　حاجی فراخ ہمت ۔ تاجر فراخ ہمت

۱۳۴۸ھ ——— ۱۹۳۰ء

قطعہ تاریخ وفات منشی عبد الغفار صاحب مرحوم ڈپٹی کلکٹر آگرہ

آج دنیا سے اٹھ گیا سردار　　سوگ میں پڑ گیا ہے کل گھر بار
ہائے عبد الحی یہ کہتا ہے　　لٹ گیا اپنا اک بھرا گلزار
کیا فالج نے ختم کام آخر　　رنج دیتا رہا جو لیل و نہار

ان کی تاریخ مرگ ہے قرباںؔ
حذف کن چار از "ہو الغفار"
۱۹۲۲ء

قطعہ تاریخ وفات خان بہادر شیخ سلطان احمد صاحب مرحوم رئیس
و آنریری مجسٹریٹ پدر مصنف

آفت الٰہی کیسی آئی ہمارے سر پر — اندوہ سے پریشاں اپنا ہے آج گھر بھر
تھی روشنی یہ جس سے روشن تھا جس سے یہ گھر — وہ شمع بجھ گئی اب اندھیر ہے سراسر
دنیا یہ کہہ رہی ہے ہاتھوں کو اپنے مل کر — افسوس چل دیا ہے دنیا سے ایک مخیر
بیوقت سر سے سایہ والد کا اُٹھ گیا ہے — ٹوٹا ہے غم کا اپنے اک آسمان دل پر
ہم نے بہت ہی ڈھونڈا پایا نشاں نہ کوئی — ملتا نہیں پتہ کچھ بیٹھے کہاں ہو چھپ کر
تھی عمر ابھی نہ ایسی۔ یہ دن نہ تھے قضا کے — بیٹھے ابھی تو رہتے ہم بیکسوں کے سر پر
عزت فقط تھی تم سے شہرت فقط تھی تم سے — دولت کیسا تھ ہی تھا اعزازِ خاں بہادر
جو تھے اقارب اپنے مغلوب تھے جو تم سے — وہ اب ستارے ہیں عقرب کا نیش بنکر
کیا حال ہے ہمارا جب سے ہو تم سدھارے — اکدن بھی حال پوچھا تم نے یہاں نہ آکر
کڑیاں بکھر گئیں ہیں شیرازۂ وطن کی — سب منتشر ہوئے ہیں کیا خویش کیا برادر
راحت کا اب ہماری ہے قحط اس جہاں میں — رُو رُو کے کٹ رہے ہیں گذرے جو دن تھی ہنسکر
اب غمگسار کوئی اپنا نہیں رہا ہے — دست قضا نے چھینا افسوس اپنا یاور
اب کوئی مجھ کو اپنا پیارا نہیں ہے کہتا — مجھ کو نہیں بلاتا۔ یہ نام کوئی لے کر
معدوم کر دیا ہے مجھ کو جہاں میں تم نے — آرام تم نے پایا جنت میں خوب جاکر
جو تھے تمہارے دشمن وہ میرے مدعی ہیں — لیتے ہیں مجھ سے بدلے بنکر وہ سب ستمگر
کل تک تھے ہم سے ڈرتے لیکن گئے ہو جب سے — اب شیر ہو گئے ہیں جو تھے تمہارے نوکر
میری یہ آرزو ہے پاس اپنے ہی بلا لو — اپنے دل حزیں پر صدمے اُٹھاؤں کیونکر
قربان کر نہ تو غم یہ موت کہہ رہی ہے — خلد بریں میں اکدن اُن سے ملیگا جاکر
آخر میں صاف کہدے تاریخ سالِ رحلت — جائیں جسے سمجھ سب جاہل ہوں یا سخنور
اُنیس سو تھے چوبیس جنت کو جب گئے وہ — اور پیر کا وہ دن تھا بائیس تھی دسمبر
قلبِ اجل سے میں نے تاریخ جب طلب کی — قربان "شیخ اعظم" تھا سالِ مرگ بہتر

۱۹۲۴=۳+۱۹۲۱ء

فریادِ اسلام

اُٹھ مسلم خوابیدہ تو کیوں ہے پڑا سوتا | غفلت میں تو کیوں اپنے اس وقت کو ہے کھوتا
ڈر ہے کہ کہیں اک دن در در نہ پھرے رُوتا | غفلت سے تری ناداں کچھ کام نہیں ہوتا

چھوڑا تھا جنہیں پیچھے جاتے ہیں چلے آگے
میدان وہی لیں گے جاتے ہیں جو اب بھاگے

مالک تھے کبھی تم تو تہذیب و سیاست کے | مالک تھے کبھی تم تو دُنیا میں حکومت کے
مالک تھے کبھی تم تو ایثار و حمیت کے | مالک تھے کبھی تم تو گنجورِ محبت کے

افسوس رہی باقی تم میں نہ کوئی خوبی
آتی ہے نظر ہم کو ہر چیز میں مایوسی

اخوت کا سبق تم کو قرآں نے پڑھایا تھا | تاریک بھی روشن بھی ہر پہلو دکھایا تھا
اخلاص کا اک دریا سینہ میں بہایا تھا | جو رازِ حقیقت تھا وہ تم کو بتایا تھا

تعلیم کو تم اس کی کیوں دل سے بھلا بیٹھے
اسلام کو کھوتے ہی عظمت بھی گنوا بیٹھے

پہونچائی حکومت نے ہر طرح کی آسانی | اس کی بھی مگر تم نے کچھ قدر نہیں جانی
کیوں کام کرو ایسے جن سے ہو پشیمانی | محکوموں کی ڈھونڈو نہ بیکار نگہبانی

افسوس کہ تم اپنی تنظیم نہیں کرتے
اور رائے حکومت کی تکمیل نہیں کرتے

خاموش رہو بیٹھے اب وقت نہیں ایسا | وہ کام کرو تم بھی دُنیا میں جو ہو اچھا
تم سے جو گئے آگے تم اُن کا کرو پیچھا | وہ دن نہ خدا لائے دیکھو جو کہیں نیچا

ہے باعثِ صد غیرت غیروں سے رہو پیچھے
ہے بات تو جب پہونچو منزل پہ کہیں پہلے

سوراج سے پہلے ہی دیکھے ہیں بہت جلوے | تہواروں پہ اپنے تو ہوتے ہیں سدا حملے
قربانی پہ باجے پر پیپل پہ ہوئے جھگڑے | اُٹھتے ہیں غرض ہر سو ہر روز نئے فتنے

اُمید نہیں ہم کو الفت وہ کریں ہم سے

جو ہم سے یہاں پہلے سمجھوتہ نہیں کرتے

حاصل ہے یہ ہی اپنا تنظیم کرو اپنی ۔ بہتر ہے یہی بابا تنظیم کرو اپنی
ہے کام یہی اچھا تنظیم کرو اپنی ۔ اُٹھ دیکھو رُخِ دُنیا تنظیم کرو اپنی

دیکھو گے ستم ورنہ سوراج ہے کیا کرتا
ناسور ہو جب پیدا۔ پھر زخم نہیں بھرتا

غیروں سے کبھی ہرگز کہنے پہ نہ تم جانا ۔ پہلے کی طرح اب کے غلطی نہ کوئی کھانا
آزادی کے چکمے میں ہرگز نہ کبھی آنا ۔ دیتا ہے تمہیں دھوکا اک دشمنِ فرزانا

جو اسکی حقیقت تھی قرباںؔ اُسے سمجھا دی
جو اسکی سیاست تھی قرباںؔ اُسے سمجھا دی

فریادِ اسکول

کچھ بتاؤ تو سہی آج یہ حالت کیوں ہے ۔ دل کے آئینہ میں بے وجہ کدورت کیوں ہے
مہر و الفت کی جگہ آج یہ نفرت کیوں ہے ۔ اپنے ہمدرد سے یہ قطعِ محبت کیوں ہے

تم وفادار ہو کیوں عہدِ وفا توڑتے ہو
میں ہوں اسکول تمہارا مجھے کیوں چھوڑتے ہو

لو سناتا ہوں یہ قرباںؔ کا پیغام تمہیں ۔ علم کی سخت مہم دینی ہے انجام تمہیں
پیس ڈالے نہ کہیں گردشِ ایام تمہیں ۔ شورشِ اہلِ جہاں سے ابھی کیا کام تمہیں

طالبِ علم ہو تم۔ علم تو حاصل کر لو
اپنی ہستی کو بنا کر۔ کسی قابل کر لو

نونہالانِ وطن قوم کی امید ہو تم ۔ اک نئے دورِ خوش آثار کی تمہید ہو تم
جس پہ اُٹھتی ہیں نگاہیں وہ مہِ عید ہو تم ۔ صبحِ فردا کے چمکتے ہوئے خورشید ہو تم

علم کے نور کا ہر سمت اُجالا کر دو
ظلمتِ جہل کی دُنیا تہ و بالا کر دو

ہم نے مانا کہ ہوا ملک میں کچھ اور ہے آج ۔ رنگ بدلا ہے زمانے کا عجب طور ہے آج

یعنی ہر سمت تغیر کا نیا دور ہے آج
اپنے انجام پہ سب کی نظر غور ہے آج

دیکھنا یہ ہے کہ اب فرض تمہارا کیا ہے
کل تمہیں اپنے پہنے کا سہارا کیا ہے

آج طوفانِ حوادث جو یہاں برپا ہے
دیکھتے جاؤ کہ تم نے ابھی کیا دیکھا ہے
سر پہ سایہ ہے بزرگوں کا تمہیں غم کیا ہے
اپنی کشتی کو سنبھالیں گے یہ کام اُن کا ہے

جوش میں آ کے نہ تم بعد کو پچتاؤ کہیں
دولتِ علم سے محروم نہ رہ جاؤ کہیں

پہلے اسباب ترقی کے مہیا تو کر لو
فرض منصب جو تمہارا ہے وہ پورا تو کرو
ذہن کو اپنے رسا عقل کو پختہ تو کرو
قوتِ فکر و تدبر ابھی پیدا تو کرو

رہ کے بے علم بتاؤ تو کہاں جاؤ گے
قوم کے سامنے کس منہ سے بھلا آؤ گے

اپنی تعلیم نہ چھوڑو کہ سیاست ہے یہی
نصرتِ ملک یہی قوم کی خدمت ہے یہی
علم کا زور ہے تم میں تو حکومت ہے یہی
وجہ عظمت ہے یہی باعثِ عزت ہے یہی

دیکھنا فرق نہ اس بات میں آنے پائے
ہاتھ سے منزلِ مقصود نہ جانے پائے

زنانہ پکٹنگ

گھر سے باہر کبھی بے پردہ نہ آنا بہنو
منہ کھلے تم سر بازار نہ جانا بہنو
جوشِ ایثار پسندیدہ ہے مانا بہنو
اپنی عزت ہے مگر فرض بچانا بہنو

راہ پُر خار ہے دامن سے خبردار رہو
فتنۂ اہلِ جہاں سے ذرا ہشیار رہو

ہوش میں آؤ ذرا کھول کے آنکھیں دیکھو
تم کو زیبا نہیں ہرگز یہ پکٹنگ سُن لو
خانہ داری کو تو اپنی نہ فراموش کرو
کام مردوں کے ہیں جو کچھ وہ انہیں پر چھوڑو

تم یہ بتلاؤ کہ جب گھر ہی بگڑ جائیں گے

مرد کس طرح سے میدان میں پھر آئیں گے

شرم آتی ہے ہمیں دیکھ کے تم کو باہر | مضحکہ دیکھو اڑاتے ہیں عدو ہنس ہنس کر
ڈال لو رُخ پہ ذرا عقل کی اپنے چادر | اک مناسب ہے کہ غیروں کی پڑے تم پہ نظر

مختلف قومیں ہیں یاں بد بھی خوش اطوار بھی ہیں
نیک بندے بھی خدا کے ہیں ہوس کار بھی ہیں

گھر سے باہر تمہیں کیا کام ذرا غور کرو | ہے کہیں صبح کہیں شام ذرا غور کرو
تم ہو اور رہ گذرِ عام ذرا غور کرو | مفت کیوں ہوتی ہو بدنام ذرا غور کرو

اپنے گھر میں ہے تمہاری تو سیاست محدود
بال بچوں ہی میں بہتر ہے محبت محدود

بعض کے قلب ہیں تاریک جہالت سے ابھی | بعض واقف نہیں ماں بہنوں کی عزت سے ابھی
بعض مجبور ہیں بگڑی ہوئی عادت سے ابھی | بعض محروم ہیں اخلاق کی دولت سے ابھی

ایسی حالت میں کہو فرض تمہارا کیا ہے
شمع کو پردہ فانوس ہی کچھ زیبا ہے

قید خانوں میں مناسب نہیں تم کو جانا | چھوڑ کر ننھے سے بچوں کو سزائیں پانا
جھڑکیاں مفت میں اغیار کی ہر دم کھانا | کیا یہ دانائی ہے تم جیل میں پیسو دانا

اور کیا چاہتی ہو تخت بھی ہے تاج بھی ہے
تم ہو اور گھر کی حکومت ہے تو سوراج بھی ہے

گھر کی اصلاح کا ہے کام تمہارے ذمے | خوش رہیں مرد رہیں چین سے سارے بچے
خوش سلیقہ تو وہ ہے گھر کو جو دیکھے بھالے | کام تقسیم عمل ہی سے ہیں ہوتے اچھے

یہی حالت ہے تو گھر دیکھنا تاراج ہے پھر
گھر ہے تاراج تو کس کام کا سوراج ہے پھر

ماں کی خصلت کا بہت ہوتا ہے بچوں پہ اثر | ماں کی ہر بات جگہ کرتی ہے دل کے اندر
ماں کا ہر فعل ہے بچوں کو سدا۔ پیش نظر | ماں دکھائے گی تو بھی آپ نمونہ بن کر

ماں اگر گھر کے فرائض نہ بجا لائے گی
کیونکر اولاد۔ گرہستی کا سبق پائیگی

گھر میں تم بیٹھی ہوئی گھر ہی کا نقشہ دیکھو
کام دنیا کے جو ہیں اُن کو خدا پر چھوڑو

جو بُری راہ ہو تم اس سے بہر حال بچو
بات باریک میں کہتا ہوں اسے تم سمجھو

تم کو زیبا نہیں جلسوں میں کرو جو تقریر
تم کو زیبا نہیں پبلک کو دکھاؤ تحریر

امن کی قدر بدامنی میں سوا ہوتی ہے
دستِ قدرت کی طرف سے یہ سزا ہوتی ہے

جب کہ ہر وقت قیامت سی بپا ہوتی ہے
انہیں نالے تو کہیں آہ و بکا ہوتی ہے

انقلاب

اس مصیبت کی تو قربان تمنا نہ کرو
ریولیوشن ہے بُری شے اسے زندہ نہ کرو

رقعہ شادی رشید احمد پسر حاجی حبیب احمد

دیکھی مدت کے بعد ایسی بہار
چار جانب کھلا ہے لالہ زار
بلبلوں کی ہے یوں نوا سنجی
خود اُچھلتے ہیں ۔ آج فوارے
بہریں جاری ہیں عیش و راحت کی
کیا سبب ہے جو ایسے ساماں ہیں
چودھویں ذالحجہ کی رات کو بارات
اس کی رخصت ہے پندرہ ذالحجہ کو
تین اور چار ہوں گی تاریخیں
وقت بارات نو بجے ہوگا
ہے یہ شادی رشید احمد کی
لا کے تشریف دیں مجھے عزت
زعم اس کو ہے کچھ محبت کا

شکر حق کا کریں نہ کیوں ہر بار
باغ امید بن گیا گلزار
جیسے کوئی ہو بزم موسیقار
منہ سے اُگلے ہیں ۔ وہ دُرِ شہوار
ناچتے ہیں طیور خوش منقار
کیوں سجایا ہے دہرنے بازار
ہیرا جائیگا۔ لے کے برخوردار
پیر کا دن وہ ہوگا بے تکرار
اور مہینہ مئی کا اے غمخوار
اگلے دن صبح کھانا ہے تیار
جو کہ بیٹا ہے میرا خوش اطوار
ورنہ شکووں کی ہوگی پھر بھرمار
ہے امیرِ دل سے ملتجی نادار

ہوگا ممنون یہ حبیب احمد
لیں گے حصہ خوشی میں گر غمخوار

اچھے دولہا بھائی

ایک جنٹلمین رستہ میں ملا
شکل و صورت سے جو لگتا تھا بھلا

ہاتھ میں اپنے لئے تھا اک چھڑی
تھی کلائی پر بجی دستی گھڑی

کالی مخمل کی تھی اچکن زیب تن
جو دکھاتی تھی نئی اپنی پھبن

بے کمانی کی تھی عینک ناک پر
اور ٹرکش کیپ بھی تھی زیب سر

پہنے جوتہ وارنش کا پیر میں
پاؤں اُٹھتے تا نہ اُس کا دیر میں

عفتری مونچھیں بنائے چہرہ پر
جائے جن کو دیکھ کر قیصر بھی ڈر

اور سگرٹ منہ میں سیزر کی لگی
جاتی آنکھیں تھیں دہویں سی گو مچی

جی میں آیا اس سے باتیں میں کروں
اور پھر الفت کا اسکی دم بھروں

پوچھا میں نے ہے تمہارا نام کیا
اور تم کرتے ہو صاحب کام کیا

منہ بنا کر یہ دیا مجھ کو جواب
نام بتلانے سے آتا ہے حجاب

باپ تھے اک اعلیٰ عہدہ پر مرے
جنکی عزت دنیا والے کرتے تھے

مونچھ کو پہلے مروڑا۔ پھر کہا
گو زیادہ میں نہیں لکھا پڑھا

کام کرنیکی مجھے حاجت نہیں
سہنے کی تکلیف کچھ عادت نہیں

گو کہا تھا مجھ کو ابا جان نے
نوکری اچھی سی کوئی ڈھونڈیے

نوکری میرے لئے تیار تھی
نوکری سے مجکو لیکن عار تھی

میں نے یہ سمجھا کہ زندہ باپ ہے
ایسی حالت میں غلامی پاپ ہے

بعد میں ان کا جو ہے اندوختہ
ساتھ دیگا مدتوں تک وہ مرا

خرچ میرا۔ ایسا کچھ لمبا نہیں
اور زیادہ ساتھ میں کنبہ نہیں

خرچ میں کرتا نہیں ہرگز فضول
ہاتھ سے جانے نہیں دیتا اصول

ایک میں ہوں ایک بیوی ہے مری
جو ہے دیوی صبر کی اور شکر کی

چار سیزر کے بکس پیتا ہوں روز
ایک ڈبیہ چائے کی لاتا ہوں روز

بعد مرنے کے پدر کے یہ ہوا
سیر چشمی سے لُٹا اندوختہ

اب بھی ہمکو کچھ نہیں تکلیف ہے
دولہا بھائی لائق تعریف ہے

دولھا بھائی سب اُٹھاتے ناز ہیں — مجکو سب معلوم اُن کے راز ہیں
بولنے سے میرے وہ بھی ڈرتے ہیں — میری ہمشیرہ کا کہنا کرتے ہیں
شان میں دیتا نہیں ہوں ہاتھ سے — دولھا بھائی چاہے جو احساں کرے
صاف کہدیتا ہوں کیا بیٹا ہوں نہیں — فی الحقیقت شیر کا بیٹا ہوں میں
دولھا بھائی چونکہ عزت والے ہیں — ہم بھی اُنکے ساتھ عزت والے ہیں
دولھا بھائی سے نہیں گھبراتا ہوں — کھاتا ہوں اور اسپہ میں غراتا ہوں
دولھا بھائی کے خوشی ہو کوئی گر — بیٹھ جاتا ہوں سدا میں رُوٹھ کر
اس لئے دینا نہ مجکو کچھ پڑے — اور دُنیا مجھ پہ لعنت نہ کرے
جب خوشی کا وقت جاتا ہے گذر — ان کے گھر آتا ہوں فوراً بے خطر
عیش تو جب ہوگی حاصل واقعی — دولھا بھائی جب مرینگے اے اخی
رات دن ان کی پھروں گا کار پر — بہن کو لے آؤنگا میں اپنے گھر
دولھا بھائی کے ہیں وارث جسقدر — میرے لیکچر سے وہ سب جائیں گے ڈر
مال وافر ہے ملیگا مجھ کو سب — خواب یہ سچا کرے جلدی مرا رب
بہن کی پھر کھاؤنگا میں ہڈیاں — میں نہ سمجھوں گا کہ کیا سود و زیاں
بیچ ڈالوں گا اثاثہ اُن کا کُل — بہن کی آنکھوں میں دیکر ایک جُل
تنگدستی پھر ستائے گی اگر — زہر کھالوں گا میں چشمہ بیچ کر

بیوی کا ترکہ

بعد مدت ایک صاحب سے ملا — دیکھ کر حیرت میں جن کو پڑ گیا
تنگدستی تھی ملا جب پہلے تھا — اور برعکس اسکے دیکھا ماجرا
کپڑے بھی اچھے تھے اور حالت بھی خوب — دیکھ کے جسکو گیا حیرت میں ڈوب
میں یہ بولا یار یہ مجکو بتا — میں سماں کیا دیکھتا ہوں یہ نیا
آپ کی حالت یہ بدلی کس طرح — مٹ گئی نکبت وہ ساری کسطرح
ہو کے خوش مجکو دیا اُس نے جواب — تم سے کہنے میں نہیں آتا حجاب
تھے خسر میرے نہایت مالدار — سلطنت انگریزی میں تھے عہدیدار

صدقے جاؤں اپنے میں ماں باپ کے ——— شادی میری اس جگہ کی بھانپ کے
مر گئے میرے خسر ہیں پچھلے سال ——— ہاتھ کافی آ گیا ہے اُن کا مال
پہونچا ترکہ جو مری بیوی کو تھا ——— اس کا جلوہ ہے جو ہے تو دیکھتا
میری بیوی ہے نہایت ہی شریف ——— دور کر دی میری سب حالت کثیف
بیچ ڈالا اُس نے ترکہ ایک دم ——— جیسے عصیاں کر دے مولا کالعدم

گرچہ سالے نے بہت تکرار کی
پر نہ سالے کی کوئی پیری چلی

کھلاڑی لڑکا

ایک دن اسکول کی جانب گیا ——— مجھ کو شاید کچھ ضروری کام تھا
ایک لڑکے سے کیا میں نے کلام ——— کھیل میں جو ہمہ تن مصروف تھا
پوچھا میں نے مجھ کو بتلا دیجئے ——— دن ہے اچھا کونسا اسکول کا
بے تامل یہ دیا مجھ کو جواب ——— بند ہو جس روز صاحب مدرسہ

میں اور شہنشاہ اکبر

میں سکندرہ میں جو اک دن تھا گیا ——— دیکھنے کا جس کے پہلا وقت تھا
اس کی بابت تھا بہت میں نے سنا ——— شاہ اکبر کا وہاں ہے مقبرہ

واں نظر اونچی عمارت اک پڑی
گورِ اکبر پر جو تھی رُوتی کھڑی

صدر دروازے میں جب داخل ہوا ——— تو نظر آیا عجب اک ماجرا
خادمِ روضہ نے مجھ سے یوں کہا ——— تھی مُطلّا اور منقش یہ بنا

انقلاب دہر نے یوں کی جفا
کہ پلستر تک بھی اُس کا مٹ گیا

جب میں اندر صحن کے داخل ہوا ——— آ کے میرے دل میں غم شامل ہوا
چشمہ اُس کا خشک تھا کامل ہوا ——— باعثِ وجہ ملالِ دل ہوا

جس جگہ چلتے کبھی فوارے سے تھے
ضبطِ گریہ کے سبب چپ سارے تھے

تھے نشاں واں باغ کے کچھ کچھ مٹے | جو زبانِ حال سے یہ کہتے تھے
جس جگہ تھے بلبلوں کے گھونسلے | آ کے واں زاغ و زغن ہیں بس گئے

جن کو الفت تھی وہ مالی اٹھ گئے
لٹ گئے سامان والی اٹھ گئے

مقبرہ کے جب کہ اندر میں گیا | جسم پر لرزہ مرے بے حد چڑھا
جز خموشی کے وہاں کچھ بھی نہ تھا | ایک تھا تعویذ پتھر کا رکھا

تھا وہاں مصروفِ راحت کون آہ
بادشاہِ ہند۔ اکبر بادشاہ

روتے روتے ایک دم میں سو گیا | بند آنکھ ہوتے ہی کیا ہوں دیکھتا
ایک ہے دربار شاہانہ سجا | تختِ شاہی ہے وہاں رکھا ہوا

اس پہ بوڑھا ایک بیٹھا آدمی
شکل سے لگتا تھا دانا آدمی

چار جانب اس کے درباری کھڑے | آسماں پر جس طرح تارے جڑے
ڈیرے خاموشی کے تھے ہر سو پڑے | دبدبے تھے جاہ و عظمت کے بڑے

رعب سے بوڑھا یہ بولا بیربل
کون آیا غیر اس جائے محل

اس کو لے آ ایک دم میرے حضور | تا نکالوں اس کے میں دل کا فتور
شرم کا ہے اس کی آنکھوں میں وفور | کر کے آیا ہے کسی کا کیا قصور

بیربل آیا۔ جب ہی لینے مجھے
شاہ کا پیغام یہ دینے مجھے

اکبرِ اعظم بلاتے ہیں تجھے | گفتگو کرنا ہیں تجھ سے چاہتے
کیا تجھے ملتا ہے یاں لیٹے ہوئے | چل کے شاہی دبدبہ بھی دیکھ لے

لیکے ہمراہ وہ گیا اکبر کے پاس

دیکھ کر بولا مجھے وُہ حق شناس

کون ہے تو اور یہاں آیا ہے کیوں | اشک یوں آنکھوں میں بھر لایا ہے کیوں
خود کو میرے پاس پہونچایا ہے کیوں | اس قدر تو دل میں گھبرایا ہے کیوں

عرض کی میں نے کہ اے میرے حضور
منظرِ عبرت سے ہے غم کا وفور

ہنس دیا بوڑھا لگا۔ کہنے سب مجھے | جائے عبرت ہے یہ تو خود دیکھ لے
پر نہ تھے جس جا۔ پرندے مارتے | ہیں وہاں زاغ و زغن کے گھونسلے

میں نے پوچھا۔ مجھ کو بتلائیں جناب
کیوں ہے قدرت نے کیا یہ انقلاب

بادشاہ کہنے لگے سُن اے اُخی | مصلحت تھی کچھ خدا کی ایسی ہی
بھائیوں نے بھائیوں کے راج کی | فتح کر کے باگ میرے ہاتھ دی

جانشینوں نے نہ رکھی میری بات
میں نے سمجھا دن وہ سمجھے اسکو رات

خانہ جنگی کرنے آپس میں لگے | باپ بیٹے تھے پیاسے خون کے
بھائیوں میں سیکڑوں جھگڑے ہوئے | اسپ خزائن سلطنت کے لٹ گئے

میں وبائے جتنے بیٹھا سے فتنے تھا
ہو گیا اُن کو اُنھیں کا سامنا

میرے پوتے نے بنایا تاج تھا | جس کے باعث لال قلعہ تھا سجا
تختِ طاؤسی جہاں پر تھا رکھا | سامنے دُنیا کے سب جلسہ لٹا

جو بلوں سے بھی نکلتے تھے چوہے
لوٹنے کو تخت کے وُہ شیر تھے

ہم نے تو ایسے دکھائے تھے ہنر | دیکھ کر حیران ہو جن کو بشر
بیٹھتے ہیں لوگ ٹکریں مار کر | راز یہ کھلتا نہیں ہے عقل پر

جب نہ تھا آلہ نہ تھا جرِ ثقیل۔
کس طرح اٹھتے تھے پتھر مثلِ فیل

وُہ دلوں میں جن کے کینے تھے بھرے
زندگی میں جو کہ ہم سے ڈرتے تھے
دیکھ کر کمزور۔ وہ فوراً اُٹھے
یادگاروں تک سے بھی بدلے لئے

لے گئے جتنے جواہر تھے جڑے
بعض نے کھوڑے کئے انہیں کھڑے

جو ہُوا۔ اچھا ہوا۔ بہتر ہوا
حال اور دل کا بھی ہے عبرت فزا
زار۔ بھی سُنتے ہیں دُنیا سے مٹا
ہند کو حیرت سے تھا جو دیکھتا

جو کیا۔ وہ جانشینوں نے کیا
اُن کی خانہ جنگیوں کی ہے سزا

سلطنت برطانیہ کی آ گئی
داد میری روح قربان پا گئی
جس کی ہیبت چار جانب چھا گئی
سرکشوں کا سب تکبر ڈھا گئی

اُس نے بھیجا لارڈ کرزن کو یہاں
کر لئے محفوظ اس نے سب نشاں

ورنہ کیا اُن کا نشاں ملتا کوئی
حال بد ان کا بھی ہو جاتا یہی
لوگ دنیا کے اُڑاتے پھر ہنسی
اور ہوتی قوم کی بے عزتی

اے جواں جا۔ تو بھی اپنا کام کر
رُوح کو اپنی نہ بے آرام کر

بیوہ کی فریاد

ایک بیوہ مجھ سے اک دن تھی ملی
درد اپنا اس طرح کہنے لگی
میں بھی صورت کی نہایت ہی بھلی
شوق سے خاوند نے بھی شادی کی

ہر طرح کے ناز سہتا تھا مرے
رات دن کہنے میں رہتا تھا مرے

میں بھی اُس کی وہ مری آنکھوں کا نور
میں بھی اس کے وہ مرے دل کا سرور
وہ سمجھتا تھا مجھے دُنیا کی حور
عیب کو میرے سمجھتا تھا شعور

تھا وہ مخلص اور تابعدار تھا
میرا کہنا کرنے کو تیار تھا

عیش میں رکھی نہ میرے کچھ کمی | مرنے والے نے سدا راحت ہی دی
باندی بن کر گھر میں۔ میں رہتی خوشی | جانتی بھی تو نہ تھی۔ کیا ہے غمی

میوہ وہ ہر ہر طرح کے لاتا تھا
پہلے میں کھا لوں تو پیچھے کھاتا تھا

جس طرح چاہے کروں ٹوکے نہ وہ | جو جسے چاہے میں دوں روکے نہ وہ
لاکے دولت دے۔ مگر پوچھے نہ وہ | خرچ جو چاہے کروں بولے نہ وہ

زیور اور کپڑے وہ لاتا تھا نئے
چاؤ بیجا میرے سب غمزے سہے

عمر کا بائیسواں آیا جو سال | کر گیا اُف دفعتاً وہ انتقال
دے گیا مجھکو ہمیشہ کا ملال | آگیا اب وقت کا مجھ پر وبال

کیا خبر مجھ کو رنڈاپا کیا ہے چیز
میں سمجھتی تھی خوشی کو اک کنیز

باغِ عشرت ہائے اپنا لُٹ گیا | دامن فضل بہاری چھٹ گیا
میرا تنہائی سے ہے دم گھٹ گیا | ساز و ساماں عیش کا سب اُٹھ گیا

جا کے جب بستر پہ تنہا سوتی ہوں
سیج خالی دیکھکر میں روتی ہوں

خواب میں بھی وہ مرے آتے نہیں | مجھکو صورت اپنی دکھلاتے نہیں
چاہنے والے کو تڑپاتے نہیں | روٹھ کر اُن کی طرح جاتے نہیں

مرنے والے بے خبر عورت کی اب
خاک اُڑتی ہے تری عزت کی اب

وہ سمجھتے تھے جنہیں اپنا رفیق | جن کو کہتے تھے ہمیشہ وہ شفیق
وہ سمجھتے تھے جنہیں بے حد خلیق | کھودتے ہیں وہ ہی اب غارِ عمیق

لوٹ کر وہ کل اثاثہ لے گئے

رانڈ کے دل پر وہ صدمے دے گئے

کھاتے تھے آ کر جو میرے گھر فقیر | وہ سمجھتے ہیں مجھے بے حد حقیر
مال سے تیرے بنے دشمن امیر | کون ہو اب آ کے میرا دستگیر

دیکھ کر صورت کو اور دولت کو لوگ
لوٹنے کو پھرتے ہیں عزت کو لوگ

بیٹھتی ہوں جس جگہ میں جا کے آہ | قہر کی کرتے ہیں مجھ پر سب نگاہ
ہو عزیزوں میں کبھی اپنے بیاہ | وہ سمجھتے ہیں مجھے مارِ سیاہ

بدشگونی میرا جانا ہے وہاں
رانڈ دکھیا کا ہے کون اب قدرداں

ساس تک کہتی ہے مجکو بے حیا | کھا گئی میرے پسر کو یہ بلا
جانے والا تجھ کو لے جلدی بلا | تجھ سے چھوٹے بھی کہیں پیچھا مرا

میرا رکھنا اس کو اب دشوار ہے
مرنے والے تیری عزت عار ہے

دنیا والے جان کر بیوہ مجھے | کیسا کیسا کرتے ہیں رسوا مجھے
کر دیا دشوار ہے رہنا مجھے | ہو گیا مشکل ہے اب جینا مجھے

تاک میں عصمت کی ہے کوئی کھڑا
کوئی ٹھہراتا مجھے ہے بیسوا

رفتہ رفتہ جو اثاثہ تھا مرا | وارثوں کے ہاتھ تلے پڑ گیا
ہے مجھے دشوار اب جینا ہوا | کھانے پینے کا نہیں ہے آسرا

کیسے اب عزت رکھوں قائم تری
دیکھ لے آ کر ذرا حالت مری

نفس ظالم بھی ستاتا ہے مجھے | راہ یہ الٹی بتاتا ہے مجھے
بن ترے گھر کھائے جاتا ہے مجھے | اور شیطاں آزماتا ہے مجھے

گھر میں تنگی بھی کبھی جو آتا ہے
جا لپٹ جا نفس یہ بہکاتا ہے

جاؤں میں ماں باپ کے گھر اپنے گر | بھاگتے ہیں دُور دُکھیا جان کر
میری صورت سے اُنھیں لگتا ہے ڈر | پھاڑتے ہیں کہہ کے وہ میرا جگر

لے کے تو مطلب یہاں آئی ہے کیا
دیں دوبارہ ہم کہیں تجھکو بٹھا

دُور ہو ہم کو نہ یہ صورت دکھا | کب بزرگوں سے ہے یہ اپنے ہُوا
دن ہیں ایسا نہ دکھلائے خدا | خانداں کی اپنے دیں عزت مٹا

عقدِ بیوہ خانداں میں عار ہے
کام یہ ہوتا نہیں دشوار ہے

روتے روتے ایک دن میں سو گئی | کیا تماشہ آنکھ سے ہوں دیکھتی
باغ ہے اس میں عمارت ہے بڑی | اور ساماں واں کے ہیں سب جنتی

حُور اور غلماں کھڑے دروازے پر
جیسے چوکیدار کچھ ہوں پہرے پر

لی اجازت میں نے اندر جانے کی | اور عمارت چاہی میں نے دیکھنی
بعد منت یہ اجازت مجھکو دی | شرط یہ تھی جلد ہو گی واپسی

جسمِ خاکی کو نہیں جرأت یہاں
رُوح کرتی ہے فقط سیرِ جناں

قصر کے اندر جو میں داخل ہوئی | اک نئی دُنیا نظر آنے لگی
پھولوں کی خوشبو ہوا میں تھی بسی | کل عمارت تھی قرینہ سے سجی

نہر بھی جاری مصفا آب کی
جو نہ دیکھی اور کانوں سے سُنی

ایسے ایسے پھول تھے ہر سُو کھلے | نام بھی جن کے نہیں ہم جانتے
غیب سے نغمے بھی کانوں سے سُنے | تھے پرندے تک وہاں کے بولتے

جس ثمر کو تھی طبیعت چاہتی
گود میں لا کر صبا تھی ڈالتی

کیا سناؤں میں جو کچھ دیکھا وہاں | نام ہی تھا اُس کا گلزارِ جناں

مجھ کو فوراً دھیان آیا ناگہاں
ڈھونڈ لے پیارے کا اپنی بھی مکاں

ایک دروازے پہ فوراً میں رُکی
نام کے شوہر کی تھی تختی لگی

بے دھڑک اندر گئی پروا نہ کی
جاتی تھی غم سے مری چھاتی پھٹی
جس قدر بھی ہو سکی عجلت ہی کی
سنگ مرمر کی عمارت میں گئی

اک زمرد کا بچھا دیکھا پلنگ
پھول کچھ چاروں طرف تھے شوخ رنگ

میرا شوہر اُس کے اُوپر لیٹا تھا
چار جانب حوروں کا یہ جلسہ تھا
شوق سے گانا۔ وہ اِن کا سنتا تھا
داد عربی لہجے میں کچھ دیتا تھا

دیکھ کر دل پر ہوا میرے یہ غم
یہ اُٹھائے عیش میں جھیلوں الم

بے تحاشا پاس میں اس کے چلی
تھی لپٹ جانا میں اس سے چاہتی
دیکھ کر میں اُس سے یوں گویا ہوئی
اور میں نے گفتگو اُس سے یہ کی

کیا ہی شرطِ وفا ہے واہ واہ
آپ عشرت میں رہیں۔ اور ہم تباہ

میں ترے غم میں ہوئی ہوں پائمال
روتے روتے ہو گیا ہے جی نڈھال
جب سے کہ تو نے کیا ہے انتقال
ہو گئی ہے زیست بھی مجکو وبال

جا کے میری کچھ خبر تو نے نہ لی
اور حوروں سے ہے کر لی دل لگی

وہ ذرا۔ اپنی مسہری سے اٹھا
اور پھر گھبرا کے یوں کہنے لگا
کون ہے تو یہ مجھے جلدی بتا
یاد پڑتا ہے تمہیں دیکھا تو تھا

دُور۔ رہ لیکن کہ بُو آتی ہے اب
ایسی بد بُو کب مجھے بھاتی ہے اب

پیارے شوہر بھول کیا مجھکو گئے
تھے تمہیں تو ایک دن شوہر مرے
ناز میرے تم اٹھاتے رہتے تھے
تم تھے حوروں سے زیادہ چاہتے

آج بد بُو مجھ میں بتلاتے ہو تم
کس لئے کرتے ہو میرے ہوش گم

میری خاطر روز گجرے لاتے تھے | بن مرے کھانا نہ ہرگز کھاتے تھے
تم بلا پوچھے نہ باہر جاتے تھے | لے کے میوہ ساتھ عمدہ آتے تھے

آج تم پیارے گئے ہو مجھ کو بھول
دوستی ہم نے بھی کی تم سے فضول

وہ لگے کہنے کہ کل قصّہ سُنا | تا کہ سمجھوں تھا کہیں تجھ سے ملا
میں نے سب اول سے آخر تھا کہا | اور رنڈاپے کا سُنایا ماجرا

ایک غلماں کو بلایا بے گماں
اور کہا۔لا۔ ڈائری میری یہاں

وہ گیا۔ اور ڈائری لایا جب ہی | ورق اُلٹے میرے شوہر نے سب ہی
اور بولا مجھ سے وہ فوراً جب ہی | واسطہ تجھ سے پڑا تو تھا کبھی

سیر جب کی تھی سرائے دہر کی
واں ہوئی تھی مجھ سے تیری دوستی

یہ بتا مجھکو ذرا اے باولی | میں تھا دنیا میں بشانِ اجنبی
تو نے اتنی کیوں بڑھائی دوستی | دربدر پھرتی ہے مجھ کو ڈھونڈتی

دوسرے شوہر سے گھر آباد کر
مجھ کو راضی اور خدا کو شاد کر

میں نے اس سے یہ کہا پیارے نہیں | تیری عزت میں نہ کھوؤں گی کہیں
تجھ سا نظروں میں نہیں کوئی حسیں | میرے دل کا ہے تو ہی ماہِ مبیں

میں نہ ہرگز اب یہاں سے جاؤنگی
تیرے پہلو میں ہی راحت پاؤنگی

سُن کے وہ بولا۔ کہ اب اچھا تو جا | جلد تم کو ہم یہاں لیں گے بلا
پاک تو نے اپنی عصمت کو رکھا | پاکبازی کا تجھے دوں گا صلہ

جسم سے تیرے جو بدبو آتی ہے

غیر حالت میری ہوتی جاتی ہے

ایک دم پھر آنکھ میری کھل گئی | اور کلفت ساری دل کی ڈھل گئی
جسکے غم میں۔ میں یہاں تھی گھل گئی | اخاک میں جس کے لئے تھی رل گئی

کرلیا وعدہ اسی نے خواب میں
جان آئی۔ ماہئی بے آب میں

جلد وہ مجھ کو بلالیں گے وہاں | جس کو دنیا والے کہتے ہیں جناں
پاس میں اُن کے رہوں گی شادماں | ہو لو دُنیا والو مجھ سے بدگماں

اشتیاقِ موت ہے اب ہر گھڑی
زندگی کی گنتی ہو گھڑیاں پڑی

جگنو

ننھے بچے نے پکڑلی ننھی جاں | رکھ کے ٹوپی میں ہوا وہ شادماں
اُس پہ ہیرے کا ہوا۔ اسکو گماں | اور سمجھا اُس کو مالِ بیکراں

بولا جگنو کیوں مجھے پکڑا ابتا
کس لئے ہے اس طرح جکڑا ابتا

روشنی ہے جو کہ میری دیکھتا | راز اس کا صبح ہوتے جب کھلا
ہے یقیں دل میں بہت پچھتائیگا | ہوگا جب بچے مرا۔ اندھا دیا

پیارے بچے چھوڑ دے اب تو نہ کر
ننھے ہاتھوں سے ستم اس جان پر

بولا بچہ میں نہ چھوڑوں گا کبھی | روشنی مجھکو لگی تیری بھلی
لے کے گھر جاؤنگا میں تجھ کو ابھی | دیکھکر گھر والے خوش ہونگے سب ہی

میں نے محنت سے تجھے پکڑا بہت
میں نے محنت سے تجھے جکڑا بہت

بولا جگنو میرے بچے بات سُن | اپنے مستقبل کا پہلے تانا۔ بُن
سیکھ لے دنیا میں اچھے جو ہوں گُن | علم کی صبح و مسا رکھ دل میں دُھن

تجھ میں میری سی ضیا آجائے گی
روشنی تجھ سے بھی دُنیا پائے گی

شمع میری تو فقط ہے عارضی | صبح ہوتے ہی یہ گُل ہو جائے گی
شمع لیکن علم کی ہے کب بجھی | تند جھونکوں سے بھی لو بڑھتی رہی

آگیا بچے کو جب اسکا یقیں
چھوڑ جگنو کو دیا۔ اس نے وہیں

نبیؐ اور علیؓ

ایک دن بیٹھے علیؓ حضرت کے گھر
کر رہے کچھ ذکر تھے باہم دگر

بس گیا دل میں علیؓ کے یہ خیال
مجھ سا دُنیا میں نہیں ہے زور ور

ساتھ ہی آیا تصور اسکا بھی
علم بھی مجھ سا نہیں رکھتا بشر

چونکہ حضرت پر تھا ظاہر دل کا حال
وہ سمجھ باتیں گئے ہیں سر بسر

بولے حضرت اے علیؓ جنگل کو جا
اور تھوڑی دیر واں پھر سیر کر

چل دیئے سن کر علی حکمِ حضور
دل کے اندر اپنے فوراً سوچ کر

راز مخفی ہے کوئی اس بات میں
بھیجتے ہیں مجھکو جو خیرُ البشر

جا کے جنگل میں عجب دیکھی یہ بات
جا رہا گھوڑے پہ ہے کوئی بشر

راستہ میں تنگ پلیا آگئی
وہ گیا گھوڑے سے فوراً ہی اُتر

دیکھ کر حیراں ہوئے حضرت علیؓ
اس بشر کی قوت اور اس زور پر

آگے اس سے پھر گئے حضرت علیؓ
دیکھے کچھ بیٹھے وہاں پر جانور

ہیں بنے لعل و جواہر کے تمام
اور ہیں یاقوت کے سب اُنکے پر

اور پر دل پر اُن کے ہے قرآں لکھا
پھر دوبارہ جو پڑی اُن پر نظر

دیکھتے کیا ہیں کہ کھاتے گو ہیں سب
لوٹے ان یاقوں کو اپنے دیکھ گھر

پاس حضرت کے گئے خاموش بیٹھ
دیکھ کر بولے اُنھیں خیرُ البشر

آج کیوں خاموش ہو بھائی علیؓ
کچھ تم آزردہ سے مجھے آئے نظر

تب علیؓ بولے کہ حضرت کیا کہوں
آپ نے مجھ سے کہا تھا سیر کر

حکم پا کر میں گیا جنگل میں جب
سب بتایا جو وہاں دیکھا غرض
بولے حضرت کیوں تمہیں حیرت ہوئی
تم کو قدرت نے دکھایا اک سوار
وہ پرندے تم نے جو دیکھے علیؑ
چودھویں صدی میں اُمت میں مری

اک عجب منظر پڑا جسکو نظر
تھا علی نے من وعن اور سر بسر
دہیان آیا امتکو اپنے زود پر
پار۔ پلیا کے گئیا۔ جو کہ اُدھر
جو پڑے تھے گو تمہیں کھاتے نظر
بعض عالم ہوں گے ایسے خوش سیر

علم تو ہوگا مگر اعمال بد
وہ کریں گے اس طرح اپنی بسر

اسیر بلبل

ایک کی صیاد نے بلبل اسیر
چل دیا گھر کو وہ اپنے مثل تیر

باغ میں سمجھا جسے وہ بے نظیر
اتا نہ ڈالے رخنہ یہ کچھ چرخ پیر

کر دیا پھر اس کو محبوس قفس
اس میں وہ اپنے گذارے کچھ نفس

گو کیا صیاد نے تھا اس کو قید
دیکھنے آتے تھے جس کو بکر و زید

یہ سمجھ کر اس کو کہ ہے ایک صید
وہ چھپاتا راز تھا با مکر و کید

کس جگہ سے اس کو لایا ہے یہاں
غم سے جس کے گھل رہا ہے باغباں

رکھتا بلبل کو ہمیشہ پیار سے
کہہ دیا تھا اس نے کل گھر بار سے

لا کے دیتا پھول پھل بازار سے
چھیڑ کچھ کرنا نہ تم اس زار سے

مجھ کو الفت ہے بہت بلبل کیساتھ
میرے آئی ہے بڑی مشکل سے ہاتھ

پھول لاتا۔ توڑ کر اچھے مدام
میٹھے میٹھے اس سے کرتا تھا کلام

اور قفس پہ لا کے رکھتا تھا تمام
تاکہ وہ آرام سے ہوجائے رام

اس پہ بھی بلبل مگر خاموش تھی
گم کئے اپنے قرار و ہوش تھی

دانا پانی وہ نہ تھی کھاتی کبھی | اس کے جھانسوں میں نہ آتی تھی کبھی
چونچ سے تھی کوٹتی چھاتی کبھی | آہ و نالہ کرکے رہ جاتی کبھی

دیکھ کر صیاد کو ہوتا الم
سوچتا تھا کونسا ہے اس کو غم

ایک دن دل میں بسا اسکے یہ دھیان | یاد کرتی ہو یہ شاید گلستاں
لے کے پھر پنجرہ چلا اس کا دہاں | جس جگہ اس کا کبھی تھا آشیاں

پنجرہ رکھا بیچ میں گلزار کے
تن میں تا دم آئے دل افگار کے

باغ کی کل بلبلیں آئیں وہاں | اور شبنم سے کئے آنسو رواں
دیکھ کر اس کو ہوئیں وہ نیم جاں | پھر بسایا جا کے اپنا آشیاں

لوٹ کر صیاد آیا اپنے گھر
دیکھا پھر بلبل کو اس نے نوحہ گر

بولا یہ صیاد مبتلا عندلیب | تیری حالت دیکھتا ہوں میں عجیب
کیا ہے تو ناساز کہہ تو اے غریب | تا تری خاطر کوئی لاؤں طبیب

پھول و پھل تیرے لئے لاتا ہوں میں
اس پہ بھی خاموش ہی پاتا ہوں میں

اب قفس ہی گھر ہے میری بات سن | کام آئیگا نہ تیرا کوئی گن
چاہے کتنا بھی تو سر کو اپنے دھن | اب قفس میں رہکے ہی بس دانا چن

میں سدا خوش تجھ کو رکھوں گا یہاں
گہ بہ گہ لے کر چلوں گا گلستاں

بولی بلبل تو بہت نادان ہے | اپنے چھٹنے کا بہت ساماں ہے
راز سے میرے ابھی انجان ہے | کوئی دم کی تن میں باقی جان ہے

جاؤں گی تیرے قفس کو چھوڑ کر

تیلیاں زندان غم کی توڑ کر

میوہ دیتا ہے مجھے تو لاکے جو | مہربانی ہے بہت یہ مجھ پر گو
پھول بھی لاتا ہے تو دلجوئی کو | پر شگفتہ کسطرح سے دل یہ ہو

آنکھ جب کھولی تو میں آزاد تھی
قید کی خود ہی رکھی بنیاد تھی

ایسے میووں میں کہاں لذت بتا | ہاتھ سے جو غیر دے اپنے سدا
گل بھلا تیلا ہیں وہ بھائے کیا | توڑ کر کے جو کہ ہو۔ لایا ہوا

میوہ وہ ہے خود جو کھائیں توڑ کر
گل ہے وہ جائے نہ گلشن چھوڑ کر

کہتے کہتے آنکھ اس نے بند کی | اور وہ صیاد سمجھا مر گئی
پنجرے سے باہر وہ بلبل پھینک دی | اُڑ گئی گلشن کو وہ ہنستی ہوئی

اڑتے اڑتے کہہ گئی اک بات سن
کام آتا ہے سدا۔ دنیا میں گن

گل چیں

بولی گل چیں پہلے میری بات سن | کیا لگائی تو نے ہے ناحق کی دُھن
عیب کو بھی ہے سمجھتا اپنے گن | ابد میں چاہے تو جتنے پھول چن

کیوں یہ تیرے ہاتھ چلتے ہیں یہاں
کیوں کیا بلبل کو تو نے بدگماں

تو اگر بلبل کو روتا دیکھ لے | پھر تو سفاکی کا پیشہ چھوڑ دے
بند آنا تو یہاں اپنا کرے | پھول لگتے شاخ پر ہیں کچھ بھلے

پھول بھی وہ توڑتا ہے بے خطر
جو نظر آتا ہے تنہا شاخ پر

بولا گل چیں سچ ہے اے عالی گہر | کیا کروں مجبور دل سے ہوں مگر

ہے مرا معشوق جو اک سیمبر | پھولوں سے اُلفت ہے رکھتا خاصکر
توڑ کر میں پھول دیتا ہوں اسے
تاکہ خوشبو اس کی وہ لیتا رہے
چونکہ دنیا میں ہے وہ بھی ایک ہی | رشک گل ہے اُسکا حسن ظاہری
حور کہئیے اس کو غلماں یا پری | میں نے یہ تعریف ناقص اُسکی کی
توڑتا ہوں اس کی خاطر پھول میں
تاکہ نظروں میں رہوں مقبول میں
توڑنے سے میرے ہرگز غم نہ کر | میں نہ توڑوں خود گریگا ٹوٹ کر
ہوتی ہے عزت اُسی کی اے بسرا | چھوڑ دیتا ہے کوئی جو اپنا گھر
میرا گل رو جبکہ سینہ پر رکھے
کتنی پھر اس پھول کی عزت بڑھے
گر یقیں تجکو نہ آئے دیکھ لے | سیکڑوں ہیں پھول مرجھائے ہوئے
اُن کی جانب تک نہیں ہیں دیکھتے | خاک ہو جاتے ہیں آخر سوکھ کے
دوسرے ہے ایک اسمیں خاص بات
وہ بھی سن لے مجھسے تو اے نیک ذات
بلبلوں کا خون یہ کرتے ہیں جو | بھیجا مجھ کو اس کا بدلہ لینے کو
جو تمہیں کی نظر اُس پر کرو | بات پھر معلوم ساری تم کو ہو
میرا مولا ہے بڑا ہی بے نیاز
توڑتا ہے میرے ہاتھوں اُنکا ناز

انقلاب

اک جگہ دو دوست تھے بیٹھے ہوئے | اس طرح تھے گفتگو وہ کر رہے
کیا ہے شئے دُنیا کے اندر انقلاب | ایک نے فوراً دیا سُن کر جواب
تخت کے لٹنے کو کہتے ہیں سدا | سلطنت چھٹنے کو کہتے ہیں سدا
دوسرا بولا نہیں یہ لغو ہے | انقلاب اس کے سوا ہے ایک شئے

جو بدل دے اپنی صورت کو کوئی
اس سے بڑھکر بس نہیں ہے انقلاب
سن رہا تھا میں یہ سب چپکا کھڑا

جو بدل دے اپنی سیرت کو کوئی
کالی جو ڈاڑھی کرے مل کر خضاب
کہدیا جو دل میں آیا۔ برملا

ہے بڑوں کا سایہ اُٹھنا انقلاب
بعد میں پڑتے ہیں سر پر سو عذاب

جنیدؒ اور شوقِ شہادت

کہتے ہیں حضرت جنیدؒ باخبر
دل کے اندر تھا بسا شوقِ جہاد
جب کیا آغاز حضرت نے جہاد
دیکھا پکڑے ہیں فرشتے اونٹوں کو
سوچنے دل میں لگے اپنے جنید
ایک ساتھی ہو گیا اُن کا شہید
ہو چلے اس طرح جبکہ دس شہید
اتنے میں آیا یہودی اک وہاں
کیا فقیروں کو لڑائی سے ہے کام
دس محافے لے کے ساتھی چلدیئے
اب مرے جانے کی باری آئی ہے
جاؤنگا میں ہو کے جنت میں شہید
یہ لگا کہنے یہودی اُن سے پھر
وہ مسلماں ہو گیا اور مر گیا
وہ یہودی چل دیا سوئے جناں
آئی اک آواز فوراً اے جنیدؒ

ایک دن لڑتے تھے حق کے نام پر
ساتھ میں تھے آپ کے گیارہ بشر
پڑ گئی گیارہ محافوں پر نظر
ساتھ میں حوریں بھی آتی ہیں نظر
دیں گے حق کی راہ میں گیارہ ہی سر
ایک محافہ بھی نہ آیا پھر نظر
اونٹ بھی غائب ہوئے دس سر بسر
بولا اُن سے اے جنیدؒ باہنر
کس لئے لڑنے کو آنکلے ادھر
بولے حضرت اس کی کیا تجھکو خبر
باقی میرا ہے محافہ اونٹ پہ
مر گیا میں بھی جو حق کے نام پر
مجھ کو بھی ایمان اب تلقین کر
مل گئی اسکو شہادت دیکے سر
اس محافے میں خوشی سے بیٹھ کر
جاؤ بس اب تم یہاں سے اپنے گھر

اپنی کھرپا۔ اور جالی لو سنبھال
گھر ہی میں تسبیح پھیرو بیٹھکر

موسیٰ اور جالینوس

پیٹ میں تھا درد موسیٰ کے بہت
جا کے فوراً طور پر یہ عرض کی
حکم یہ رب نے دیا۔ موسیٰ تو جا
سونف جب موسیٰ نے کھائی تھوڑی سی
ایک دن ہونے لگا پھر اُن کے درد
پھر گئے اور رب سے یہ بولے کلیم
حکم موسیٰ کو ملا۔ اے خوش سیر
پاس جالینوس کے فوراً گئے
بولا جالینوس اے حق کے نبی
اس عمل سے درد پھر جاتا رہا
جا کے مولا سے یہ کی موسیٰ نے بات
تو نے کیوں یہ گُر نہ بتلایا مجھے
بولے حکمت کا ہے وہ موسیٰ رسول

ہو گئی مشکل تھی جس سے عافیت
دے مجھے یارب دوا۔ اس درد کی
اور تھوڑی سونف فوراً آج کھا
ہو گئی اُس درد میں فوراً کمی
نبض بھی پڑنے لگی حضرت کی سرد
درد سے میری ہوئی حالت سقیم
جا کے جالینوس کے ہو اب کے سر
اور دوا اپنی لگے۔ وہ مانگنے
سونف کچّی پھانک لو۔ فوراً ابھی
اک تعجب سا یہ موسیٰ کو ہوا
پاک ہے تو اور تیری پاک ذات
پاس جالینوس کے بھیجا مجھے
بات کا ہوتا ہمیشہ ہے اصول

کام جس کے ہاتھ میں جو دے دیا
کام اُسی سے ہم وہ لیتے ہیں سدا

رنڈی اور رابعہ بصری

رابعہ بصری وہ فخر روزگار
چونکہ حضرت تھی نہایت ہی حسین
چاہا رنڈی نے کمائی میں کردں
لا بٹھایا اس کو آخر بام پر
پاس جو جاتا کوئی اُن کے کبھی
وہ دوگانہ پہلے پڑھواتیں سدا

پڑ گئیں رنڈی کے ہاتھوں ایکبار
ثانی اُن کا دوسرا تھا ہی نہیں
حسن سے کچھ فائدہ اُنکے میں لوں
دیکھ کر مرنے لگے اُن کو بشر
اس طرح سے بات ہے میں نے سنی
فیض دے کر صبح کو کرتیں جدا

ایک مدت تک رہا یہ ماجرا — ایک دفعہ جو پاس اُن کے آ گیا
پھر نہ دوبارہ کبھی دیکھا اسے — لوگ آتے اور جاتے ہی رہے
دیکھا چھپ کر ایکدن رنڈی نے حال — پاؤں پر پھر گر پڑی وہ پیرزال
یہ لگی پھر کہنے وہ اے رابعہ — حال تھا مجھکو نہ معلوم آپ کا
آج میں کرتی تمہیں آزاد ہوں — جاؤ تم آزاد میں دل شاد ہوں
رابعہ بصری نے فوراً یہ کہا — سُن لے رنڈی بات تو میری ذرا

کیا کیا تو نے مجھے۔ آزاد آج
نفس کو بھی کر دیا۔ برباد آج

پیپل اور متقی

ایک تھا دُنیا کے اندر متقی — رکھتا پیپل سے نہایت دشمنی
لے کلہاڑی ہاتھ میں اکدن چلا — جس جگہ پیپل کہ تھا لہرا رہا
چاہتا تھا اک کلہاڑی مار کر — کاٹ ڈالے اُس کے ٹہنے بیخطر
ایک دم پیپل سے عورت بن گئی — ہاتھ اپنے باندھ کر یہ عرض کی
اک اشرفی روز لے جایا کرو — کاٹنے پیپل نہ تم۔ آیا کرو
پھنس گیا لالچ میں زر کو دیکھکر — چل دیا وہ متقی فوراً ہی گھر
آیا لینے اشرفی روز دویم — بن گیا پیپل وہ عورت ایکدم
اور کہا اب کے اگر آیا یہاں — کر دونگی تن سے الگ میں تیری جاں

خالصاً للّٰہ تھا۔ آیا یہاں
پھنس گیا دُنیا میں اب تو بے گماں

سید اور مہاراجہ بھرت پور

ایک سید تھے بھرت پور میں مقیم — شاد تھا جن سے بہت رب کریم
کر لی ذبح گائے تھی بقر عید کو — تا کہ قربانی کا فرض انجام ہو
جب ہوا معلوم یہ مہاراجہ کو — یہ کہا کہ توپ دم اس کو کرو

دیکھا دیوان حافظ شیراز کا — ایک مصرع اس کا سید نے پڑھا
صاف نکلی اس کی خاطر فال تھی — جو کہ ظاہر کرتی سچا حال تھی
اس میں تھا لکھا کرے کوئی مدد — جس سے ہو جائے یہ تیرا درد رد
جب کہ سید کو پکڑ کرکے چلے — اور نیچے محل کے ہو کر گئے
ہو گیا رانی کے پیدا۔ اک پسر — ہو گیا آباد جس سے اس کا گھر
سن لی رانی نے بھی آخر یہ خبر — توپ دم جاتا ہے ہونے کو بشر
بولی رانی بات ہے یہ واہیات — ہوں خوشی کے وقت ایسے حادثات
پاس مہاراجہ کے بھیجا آدمی — اور کہا کہ آج ہے سب کو خوشی
چھوڑ دو سید کو بھی تم ایک دم — عفو کر دو سب خطائیں یک قلم
راجہ نے جب بات رانی کی سنی — بعد فہمایش کے دی بس مخلصی
پھر دوبارہ عید آئی اگلے سال — پھر کیا سید نے گائے کو حلال
پھر دیا مہاراج نے یہ ہی حکم — جائے سید کو کرو تم توپ دم
اب کے بھی گذرا وہی کل ماجرا — رانی کے لڑکا ہوا۔ اک دوسرا
فال بھی دیوانِ حافظ سے جو۔ لی — پھر وہی نکلی جو پہلے تھی کھلی
پھر دیا مہاراج نے سید کو چھوڑ — ہتکڑی اور بیڑیاں دی اسکی توڑ
تیسرا۔ پھر عید کا آیا جو سال — گائے پھر سید نے کر ڈالی حلال
پھر دیا مہاراج نے حکم ستم — کردو۔ اب کے اس بشر کو توپ دم
لیکن اب کے واقعہ ایسا ہوا — تھا کوئی نواب واں ٹھہرا ہوا
یہ کہا مہاراج سے نواب نے — جان انساں لے نہ حیواں کے لئے
بات یہ دنیا کرے گی کب پسند — مضحکہ تیرا کریں گے ہوشمند
یہ بہادر شخص ہے تو قدر کر — کام آئے گا ترے اسکا ہنر
حکم پھر مہاراج نے اس کو دیا — جبکہ موقعہ ہو تمہاری عید کا
ایک قربانی کا جسکو اذن ہے — لیکن اپنے گھر میں چھپکر جو کرے
پھر جو آیا عید کا دن اگلے سال — گائے سید نے نہ کی اب کے حلال
بولا یہ مہاراج سید کو بلا — کیوں نہ اب کے گائے کی مرد خدا

بولا جب انسانیت تم سے ہوئی
ہم نے بھی نفسانیت کو چھوڑ دی

بات یہ راجہ کو جو اچھی لگی
اعلیٰ درجہ کی اُسے دی نوکری

جبکہ نرغے میں بھرت پور آگیا
چار جانب دشمنوں سے تھا گھرا

ایک لشکر کا تھا سید بھی امیر
خوش ہو۔ اسکی رُوح سے رب قدیر

اُس نے ایسے ہاتھ واں دکھلائے تھے
داد۔ دینے کو فرشتے آئے تھے

وہ رہا پایندہ جبتک اُس جگہ
مل سکا قبضہ نہ تب تک اُس جگہ

جب ہوا۔ سید وہ بیچارہ شہید
قلعہ کی دشمن کے ہاتھ آئی کلید

مہاراجہ رنجیت سنگھ اور سچائی

ایک مسلماں تھا کوئی لاہور میں
جو کہ تھا رنجیت سنگھ کے دور میں

گیارہویں ہر سال کرتا تھا غریب
تاکہ خوش مولا کا ہو اُس سے حبیب

آگیا غربت میں آخر ایک سال
کچھ نہ تھا تو گائے ہی کر لی حلال

ہڈیاں اُس کی اٹھائیں چیل نے
گھر برہمن کے گرائیں چیل نے

گھر برہمن کا وہاں گو پاس تھا
فکر بھی کوئی نہ کچھ وسواس تھا

پھر برہمن کو جو غصہ آگیا
اس نے آکر یہ مسلماں سے کہا

پاس مہاراجہ کے لے جاؤں تجھے
اور سزائیں خوب دلواؤں تجھے

اُس برہمن کی خوشامد اس نے کی
بات پر اُس نے نہ اس کی کچھ سُنی

آگیا آخر مسلماں کو بھی جوش
اور غصہ نے کئے گم اُس کے ہوش

لایا وہ تلوار اپنے گھر سے جا
سر برہمن کا کیا۔ تن سے جدا

فکر لاحق پھر اُسے فوراً ہوا
خون کا کیونکر چھپے گا واقعہ

باندھ کر گٹھڑی میں اسکی شب کو لاش
گاڑنے کی جا لگا۔ کرنے تلاش

راستہ میں اک سپاہی مل گیا
دیکھ کر گٹھڑی اُسے شک سا ہوا

بولا گٹھری میں تری کیا ہے بتا
اس مسلماں نے یہ سُن کر یوں کہا

کپڑے دینے جاتا ہوں دھوبی کے گھر
دل میں اپنے اور تو کچھ شک نہ کر

جھوٹ سمجھا اس کا کہنا پہرے دار / اور گٹھری سر سے لی اس کے اُتار
کھول کر دیکھا تو اس میں لاش تھی / اور گٹھری میں تھی وہ لپٹی ہوئی
اس مسلماں کو لیا۔ فوراً پکڑ / اور ہاتھوں کو دیا اُس کے جکڑ
پاس مہاراجہ کے اُس کو لے گیا / حال جو کچھ کہ تھا دیکھا۔ سب کہا
بولا مہاراجہ بتا دے صاف صاف / حال مجھ پر کر تو اپنا انکشاف
سن کے مجرم نے کہا۔ کل اپنا حال / گائے تک کا بھی۔ جو۔ کی اُسنے حلال
بولا مہاراجہ اسے اب چھوڑ دو / بیڑیاں پیروں کی اس کے توڑ دو
سچ کہا اس نے نہیں آیا۔ یقیں / بات پوشیدہ کوئی رکھی نہیں

ٹھیک تھا کرنا برہمن کو حلال
اس کو ہمسایہ کا کرنا تھا خیال

بیدادنگری

سُنتے ہیں دُنیا میں کوئی تھا دیار / اور ظالم تھا وہاں کا شہریار
چیلہ پہونچا واں گرُو کی ساتھ میں / اُس کی چیلے کو پسند آئی بہار
خورد نی اشیا کا بھاؤ ایک تھا / تھا اشرفی اور ٹکے کا اک شمار
بولا چیلے سے گرُو جلدی چلو / ٹھیک یاں رہنا نہیں ہے زینہار
کچھ تحفظ یاں مراتب کا نہیں / ایک ہی ہے یاں سدا لیل ونہار
بولا چیلا یہ گرُو کی بات سن / بعد مدت کے ملا۔ ایسا دیار
خیر تیری مرضی چیلے سے کہا / ہے گرُو کا کام کردے ہوشیار
حلوا پوری کھاکے چیلا صبح و شام / پھول کر اک دم ہوا مثل حمار
اتفاقاً ایک مجرم کو وہاں / حکم تھا شہ کا چڑھا دو جسکو دار
بولا راجہ سے مگر اُسکا وزیر / یہ تو مجرم ہے بہت با حالِ زار
کوئی موٹا آدمی ہو دستیاب / زیب دیگا اُس کو ہونا زیب دار
دیکھ کر دُبلا دیا اُس کو تو چھوڑ / اور وہاں پکڑے گئے موٹے دو چار
سب سے موٹا ان میں چیلا خوب تھا / بولا شہ ہوگا یہی اب زیب دار

گوڈ ہائی راجہ کی چیلے نے دی
شاہ بولا تو تو موٹا خوب ہے
آ گئے واں پر گرو بھی دیکھتے
ہم نہ کہتے تھے اسی خاطر تجھے
دوسرے چیلے سے اپنے یہ کہا
کچھ اگر بولے تو کہنا شاہ سے
سیدھا جنت کو چلا جائے گا وہ
کر دکھایا چیلے نے جیسا کہا
اور لگا کہنے وہ اپنے لوگوں سے
بچ گیا چیلا گرو کی بات سے
جو گرو تم سے کہے وہ ہی کرو

اور کہا میں تو ہوں تقصیر وار
کیا ہے تھوڑا یہ گنہ اے تیرہ کار
بولے بیٹا خوب کھا حلوا اچار
ٹھیک یاں رہنا نہیں ہے زینہار
شاہ سے کہنا تجھے دے پہلے دار
آج کے دن ہوگا جو کہ زیب دار
یاں رہے گا وہ نہ ہرگز زینہار
سن کے جس کو خوش ہوا وہ شہریار
مجھ کو کر دو آج فوراً زیب دار
چڑھ گیا پھانسی پہ فوراً شہریار
اور کچھ مطلب نہیں ہے زینہار

اس کہانی سے ہے مطلب میرا یہ
اپنے کو سمجھو نہ ہرگز ہوشیار

نوحؑ اور شیطان

نوحؑ سے ابلیس رستے میں ملا
خوب ہی تم نے کیا حق کے رسول
میرے سر کا آج ہلکا بار ہے
قوم کو سمجھا کے تم بھی تھک گئے
چین سے سوئیں گے اب ہم اور آپ
ہے نہ اب گمراہی کا کچھ بھی سوال

اور یہ مردود نے ان سے کہا
کر دیا دنیا میں اک طوفاں بپا
کام اچھا کر گئی ہے بد دعا
میں بھی بہکانے سے ان کو تھک گیا
کام اب باقی نہیں کچھ بھی رہا
اور نہ باقی ہے ہدایت کا مزا

نوحؑ یہ شیطان کا سن کے کلام
عمر بھر روتے رہے اپنی تمام

معاویہ اور ابلیس

لکھتا ہے یہ مولوی معنوی
تم نے دیکھی ہو جو اُن کی مثنوی

معاویہ جو دیر تک سوتے رہے
صبح کو آیا یہ شیطاں دیکھ کے

اور سوتے سے دیا اُن کو اُٹھا
دیکھ کر حیراں ہوئے یہ ماجرا

بولے اے شیطاں ذرا مجکو بتا
کام تو نے یہ کیا کیسا نیا

معاویہ سے یہ کہا شیطان نے
ہوتا دوگانہ قضا اس خواب سے

میں نے ہے تم کو دیا فوراً اُٹھا
کام یہ میں نے کیا ہے کیا بُرا

معاویہ بولے نہ اُٹھوں گا کبھی
راز سے جب تک نہو گی آگہی

بولا شیطاں ایکدن اے معاویہ
ہو گیا دوگانہ یوں ہی تھا قضا

آپ نے دریا بہائے اشک کے
اور پھر مغموم سے بیٹھے رہے

دیکھکر مولا نے اے میرے جناب
ایک کے بدلے دئے ستر ثواب

دیکھ کر مجھ کو یہ حکم بے نیاز
یاد پھر آیا وہ ہی وقت نماز

تم کو میں نے یوں دیا فوراً اُٹھا
تا نہ پاؤ تم ثواب اس سے سوا

معاویہ یہ دل سے پھر کہنے لگے
آنکھوں میں آنسو کو اپنے روک کے

حال سب معلوم ہو مردود ہو
وائے گر نیکوں کو آگاہی نہ ہو

فرعون اور غلام

ہو گئی فرعون کی گم ایک چیز
جس کو رکھتا تھا نہایت وہ عزیز

سب غلاموں کو بلایا اور کہا
ڈھونڈ کر جو چیز میری لائیگا

مستحق ہوگا بہت انعام کا
اور غلامی سے بھی وہ ہوگا رہا

سن کے یہ کرنے لگے سب جستجو
ایک کی بر آئی آخر آرزو

جاکے دی اس نے وہیں فرعون کو
اور کہا پورا وہ اب وعدہ کرو

اور جتنے اُسکے تھے باقی غلام
تھے بہت مغموم دل میں وہ تمام

یہ کہا فرعون نے ہامان سے
کیوں نظر آتے ہیں یہ حیران سے

بولا یہ فرعون سے اس کا وزیر
اس لئے یہ ہو گئے غم کا اسیر

تھے برابر جستجو میں سب غلام
پائی شے جس نے ہوا ہے اُسکا نام

یہ دیا فرعون نے اس کو جواب
پہلے دو انعام ان کو بے حساب

ساتھ ہیں آزاد بھی کر دو انھیں
تا کہ یہ سب لوگ مجھ سے خوش رہیں

پھر وہ بولا چیز تھی جسکو ملی
خوب ہی انصاف کی یہ بات کی

مجھ میں ان میں فرق کیا باقی رہا
کیا یہی انصاف ہے تیرا شہا

یہ دیا فرعون نے سن کر جواب
کس لئے تو کھا رہا ہے پیچ و تاب

تھے برابر سب طلب میں یہ تری
ایک ہی شے تھی جو میری گم ہوئی

فرق یہ بھی ہم مٹائے دیتے ہیں
ہم تکبر تیرا ڈھائے دیتے ہیں

مار دی لے کر زمیں پر وہ ہی چیز
تھا سمجھتا جسکو وہ سب سے عزیز

تھی نہ ایسی اس کے پانے کی خوشی
اور نہ ہے کچھ ٹوٹ جانے سے غمی

موسیٰ اور خدا کا دوست

حق تعالیٰ سے یہ موسیٰ نے کہا
جو کہ تیرا دوست ہے مجکو بتا

حق تعالیٰ نے دیا سن کر جواب
دوست تو ہے کچھ نہیں تجھ سے حجاب

پھر یہ موسیٰ نے کہا بتلا مجھے
کون خالص تیرا مولا دوست ہے

جب لگے اصرار ہی کرنے کلیم
یوں ہوا گویا خداوند کریم

سامنے جو ہے نظر آتا پہاڑ
کچھ اُگے اُسپر نظر آتے ہیں جھاڑ

اس جگہ اک میرا مخلص دوست ہے
کھو دیا الفت میں جسنے پوست ہے

موسیٰ فوراً دیکھنے اُسکو گئے
جا کے واں ہیں کیا تماشہ دیکھتے

ایک جذامی شخص بیٹھا ہے وہاں
کچھ نظر آتا نہیں جز استخواں

سخت بد بو آ رہی ہے جسم سے
دیکھ کر واپس اُسے ہونے لگے

بولا وہ مرد خدا۔ سن ایک بات
کیوں لگی تجھ کو بری ہے میری ذات

ملنے آیا مجھ سے اور جاتا ہے تو — دیکھ کر نفرت سے مجھے کھاتا ہے تو
بولے موسیٰ مجھ کو اتنا تو بتا — دوست ہے تیرا خدا۔ مردِ خدا
پھر بھی تیرا حال ایسا ہو گیا — ایسی تکلیفوں میں تو ہے مبتلا
بولا عاشق کا یہی ہوتا ہے حال — خوش وہ ہوتا ہے بڑھے جتنا وبال
پوچھا موسیٰ نے بتا اپنی طلب — تاکروں میں عرض جا کر پیشِ رب
بولا حسرت ایک پوری ہو گئی — آپ کی صورت جو میں نے دیکھ لی
ایک حسرت میری اب باقی رہی — آرزو ہے مجھ کو آبِ سرد کی
جلد ہی لینے کو موسیٰ سرد آب — آئے پانی لے کے وہ ٹھنڈا اشتاب
دیکھتے کیا ہیں وہاں پر ماجرا — شیر اُس کو ٹکڑے ٹکڑے کر گیا
دفن کر کے آئے موسیٰ طور پر — پھر خدا سے یوں کہا اے دادگر
بھید اس کا تو مجھے بھی دے بتا — کیوں ہوا تو دوست سے اپنے خفا
حکم آیا۔ دو خطائیں اس نے کیں — جس کو میں برداشت کر سکتا نہیں
میرا عاشق ہو۔ تری خواہش کرے — اور ٹھنڈے پانی کو تجھ سے کہے

وہ اگر پانی مجھ ہی سے مانگتا
سوکھے دریا کو بھی میں دیتا بہا

جنیدؒ اور شرابی

ایک دن نزدِ جنیدؒ باصفا — آدمی ایک آ کے یوں کہنے لگا
بیٹھ کر مسجد میں کرتے وعظ ہو — ہم تو جب جانیں تمہیں مردِ خدا
شہر سے باہر شرابی چند ہیں — اُن کو بھی بتلاؤ جا کے راستا
سن کے یہ پہونچے وہاں فوراً جنیدؒ — تھے شرابی جس جگہ جلوہ نما
رات دن تھا شغل اُن کا راگ و رنگ — کرتے بدعت ہی وہ رہتے تھے سدا
وہ شرابی دیکھ کر ڈرنے لگے — تم نہ گھبراؤ یہ حضرت نے کہا
پینے آیا ہوں یہاں میں بھی شراب — میں بھی لیتا ہوں بہت اس کا مزا
پھر شرابی سن کے یہ کہنے لگے — کیا خبر تھی ہم کو اے کانِ حیا

ہم شرابیں گھر پہونچاتے حضور
آپ فرمائیں اگر ہم سے حضور
بولے رندوں سے مگر حضرت جنیدؒ
بولے ہم میں تو کرامت یہ نہیں
سن کے یہ کہنے لگے اُن سے جنیدؒ
سن کے یہ مشتاق فوراً ہوگئے
دیر کیا ہے مہرباں جلدی کرو
سب نہاؤ بدلو کپڑے ایک دم
سب ہوئے تیار وہ اُس کام کو
جب لگے وہ رند سب پڑھنے نماز
رہنمائی اُن کی اب آگے تو کر
میرے مولا آگے تیرا کام ہے

ے سے خالی اب تو مٹکا ہوگیا
شہر سے فوراً ابھی ہم دیں منگا
مجھکو تو فوراً ہی اب دو تم پلا
بیٹھے بیٹھے دیں یہیں تمکو پلا
دوں تمہیں سب لو ابھی ایسا بنا
سب نے مل کر ایک دم اُن سے کہا
اور کرو ہمکو کرامت یہ عطا
پڑھ لو دو رکعت بھی حضرت نے کہا
جو ابھی حضرت نے اُن سے تھا کہا
عرض کی حق سے کہ اے ربّ العلا
میں نے تیرے پاس تک پہونچا دیا
استقامت جو کرے ان کو عطا

سب بنے کامل وہ جتنے رند تھے
ہو گئی مقبول حضرت کی دعا

مہاراج کبیر اور بقال

گھر تھے بیٹھے ایکدن اپنے کبیر
کچھ نہ ساماں پاس کھانے کا تھا
پاس بیوی کے گئے فوراً کبیر
ان کے کھانے کا تو کچھ ساماں کر
بولی بیوی گھر کے اندر کچھ نہیں
میری صورت کا بہت دلدادہ ہے
تم کہو تو جاکے سودا لاؤں میں
بولے سن کر اپنی بیوی سے کبیر
جاکے اس کے پاس سے سودا تو لا

چند سادھو آئے جو تھے راہگیر
فقر و فاقہ سے تھا اُن کو سامنا
بولے آئے ہیں یہاں کچھ راہگیر
تاکہ جائیں وہ یہاں سے پیٹ بھر
پاس اک بقال رہتا ہے یہیں
میرا کہنا کرنے کو آمادہ ہے
کچھ ہنر اپنا اُسے دکھلاؤں میں
جا یہاں سے جلد تو اب مثل تیر
سادھوؤں کو جلد پھر کھانا کھلا

پاس وہ فوراً آگئی بقال کے
ہو کے خوش بقال نے فوراً کہا
چاہیے جتنا لے مجھے کیا عذر ہے
رات کو آنا تجھے ہوگا ضرور
لے کے ساماں کر کے وعدہ آگئی
رات جب بھیگی تو یوں بولے کبیر
اپنے کندھے پر لیا اُس کو چڑھا
دیکھ کر بقال بے حد خوش ہوا
آج بارش ہے بہت ہی زور کی
کیا سبب اس کا ہے دے مجکو بتا
سُن کے یہ بقال حیراں ہو گیا
پاؤں میں آ کر گرا بیہار آج کے
ہو گئے خوش اُس سے پھر فوراً کبیر

اور کہا اتنا مجھے سودا۔ تو دے
مال آگے ہے ترے سارا پڑا
شرط یہ ہے میرا تو کہنا کرے
تا ہو حاصل وصل سے تیرے سرور
بات سب خاوند سے آ کر کہی
ہاں پہن کپڑے تو بن جا مثل ہیر
اور گئے بقال جب جا رہا تھا
اور پھر دریافت عورت سے کیا
جوتیاں تیری ہیں کیوں سوکھی ہوئی
بولی شوہر لایا ہے کاندھے چڑھا
دل نے چٹکی لی پریشاں ہو گیا
اور کہا مجھ کو بھی کچھ تعلیم دے
بن گئے فوراً ہی اُس کے دستگیر

آئینہ دل اُسکا فوراً کر دیا
نور سے سینہ بھی اس کا بھر دیا

علیؑ اور عربی

ایک عربی نے علیؑ سے یہ کہا
کیوں خلافت میں پڑی ہے گڑبڑی
بولے اُس سے یوں علیؑ حیراں نہ ہو

کیا سبب ہے اسکا اے شیر خدا
عہد میں پہلے نہ تھا ایسا ہوا
میں سبب اس کا بتاؤں سُن ذرا

پہلے خلفاء کے تو ہم سے تھے مشیر
وقت میں میرے مجھے تجھ سا ملا

سلیمانؑ اور شیطان

ایک دن حضرت سلیمانؑ نے کہا
کر دعا مقبول یہ رب العلا

کردے تابع میرے شیطاں کو ضرور — جب کئے تابع مرے وحش و طیور
یہ ملا اس کا سلیمانؑ کو جواب — ٹھیک کب رہنا ہے اسکا ہم رکاب
ملک میں تیرے وہ ڈالے گا فتور — اس سے رہنا چاہیئے بس دور دور
تھا سلیمانؑ نے کیا اصرار جب — ہو گیا تھا مہرباں پھر اُس پہ رب
حکم یہ فوراً ملا شیطان کو — تم سلیمانؑ کے یہاں جا یا کرو
سن کے شیطاں آ گیا دربار میں — اور لگا رہنے اُسی سرکار میں
لیکن اس دربار میں روتا رہا — اور غم میں جان و دل کھوتا رہا
ایک دن بولے سلیمانؑ اے لعیں — دیکھتا ہوں میں تجھے اندوہ گیں
بولا یہ شیطان اے حق کے نبی — میں نہیں تابع ہوا۔ ہرگز کبھی
میں برا تھا۔ یا بھلا۔ جیسا بھی تھا — یا۔ رہا ہو کر میں مردودِ خدا
پر میں عاشق تھا اُسی کا بندہ تھا — اور بندوں سے نہیں تھا واسطہ
فی الحقیقت طوقِ لعنت اب پڑا — دوسروں کا جو مجھے تابع کیا
دی تسلی اور سلیمانؑ نے کہا — لے کے جنت ساتھ تجھ کو جاؤنگا
ایسے لالچ کو تھا کب وہ مانتا — یوں سلیمانؑ سے وہ پھر گویا ہوا
اے سلیمانؑ ایسی جنت کیا کریں — جو کہ ہو بالواسطہ حاصل نہیں
اس سے بہتر ہے وہ دوزخ واقعی — آپ مولا نے جو خوش ہو کر ہو۔ دی
تین دن شیطان جب روتا رہا — ہوش اپنے اس جگہ کھوتا رہا
آ گئی مولا کی رحمت جوش پر — بے قراری کر گئی اُس کی اثر
حکم تھا رب کا سلیمانؑ کو مدام — سی کے تو زنبیل کر حاصل طعام
وہ سدا زنبیل بافی کرتے تھے — پیٹ اس سے ہی وہ اپنا بھرتے تھے
جب سے شیطاں کی ہوئی واں حاضری — کوئی بھی زنبیل بک سکتی نہ تھی
بھوک نے بیتاب اُن کو کر دیا — سلطنت سے لینے کا یارا نہ تھا
کی سلیمانؑ نے یہ مولا سے دعا — میں مرا جاتا ہوں بھوکا اے خدا
غیب سے پھر آئی اُن کو یہ ندا — اے سلیمانؑ کیا نہ تھا ہم نے کہا
قید جب دلاں ہو اے متقی — پھر خریدے کون زنبیل آپ کی

پھر سلیمانؑ نے خدا سے یوں کہا | دور کر مجھ سے تو یہ اپنی بلا

پائی شیطاں نے رہائی لا کلام
پھر وہی اس نے مچائی دھوم دھام

فرعون اور شیطان

جب کہا فرعون نے میں ہوں خدا | سامنے شیطان بھی حاضر ہوا
اور کہا کر دے مجھے اپنا رسولؑ | ہے خدائی کے لئے یہ ہی اصول
کر دیا فرعون نے اسکا کہا | پاس اس کے وہ لگا رہنے سدا
اتفاقاً خشک سالی ہو گئی | ناج کی کل منڈی خالی ہو گئی
ساری دنیا ہو گئی فاقوں سے تنگ | اک نئی ہونے لگی عالم میں جنگ
سب نے یہ فرعون سے فوراً کہا | کر دے بارش آج دنیا میں ذرا
تو یہ کیا بن کے بیٹھا ہے خدا | مٹی جاتی ہے خدائی برملا
یہ کہا ابلیس سے فرعون نے | دے بتا ترکیب بارش کی مجھے
منحرف ہو گی وگرنا۔ ساری قوم | خوار ہو گی سب یہ میری پیاری قوم
بولا یہ شیطان کر دل میں نہ فکر | اور اس کا کر کسی سے تو نہ ذکر
دے دلاسا قوم کو تو لا کلام | میں ابھی کرتا ہوں جا کر انتظام
قوم سے فرعون نے اپنی کہا | جاؤ کی مقبول ہم نے التجا
چیلوں کو شیطان نے تاکید کی | تم کرو پیشاب دنیا میں ابھی
جتنے تھے شیطاں کے چیلے ایکدم | سب لگے پیشاب کرنے بیش و کم
لوگ سمجھے ہو رہی ہے بارش اب | جائیگی سب خشک سالی اس سبب
پھر نتیجہ کیا ہوا۔ اسکا اخی | کھیتی جو باقی تھی وہ بھی جل گئی
پھر کہا فرعون نے یہ دیکھکر | اب بتا میرے رسولؑ نامور
کر دیا تو نے تو الٹا یہ حساب | قوم کو کیا دوں بتا اسکا جواب
بولا یہ شیطان اس سے برملا | مجھ سا پیغمبر ہو۔ اور تجھ سا خدا
اس جگہ۔ ہو گا یہی آخر ظہور | رحمت خالق رہے گی دور دور

تو کہے دُنیا سے ہوں سب کا خدا ‫ اور پیغمبر سے چاہئے مشورہ
پاس تھا فرعون کے رکھتا انار ‫ تحفتاً لایا تھا اُس کا کوئی یار
چار قاشیں کر دی شیطاں نے اُنکی ‫ اور کہا تو جوڑ دے اسکو ابھی
بولا یہ فرعون اُس سے نامور ‫ جانتا میں تو نہیں ایسا ہُنر
لے کے وہ ابلیس نے فوراً تمام ‫ دیدیں پھر ترتیب فوراً لا کلام
اور پھر بولا کہ اے فرعون سُن ‫ جانتا ہوں گو میں صدہا ایسے گُن

آج تک تو نے نہیں ہو گا سُنا
میں نے دعویٰ ہو خدائی کا کیا

سُکھدیو جی اور راجہ جنک

ایک دن سکھدیو جی نے جا کے پاس ‫ یہ کہا تبلا پتہ بیدابیاس
کس طرح سے گیان ہو حاصل مجھے ‫ اور جیون مکت کا درجہ ملے
باپ نے یہ سُن کے اُس سے یوں کہا ‫ راجہ جنک کے یہاں فوراً تو جا
سُن کے ان کی بات وہ گیانی چلا ‫ جا کے دروازے پہ راجہ کے کہا
جاؤ لوگو ایک دم راجہ کے پاس ‫ ہے کھڑا فرزند ست بیدابیاس
جا کے دی لوگوں نے راجہ کو خبر ‫ بولا راجہ رہنے دو دروازے پر
سات دن تک وہ رہا اُس جا کھڑا ‫ جس جگہ راجہ نے اُس کو تھا کہا
پھر دوبارہ دی یہ لوگوں نے خبر ‫ وہ نہیں جاتا وہاں سے لوٹ کر
تو دیا یہ حکم راجہ نے اُسے ‫ ہو کھڑا دلہ دوازے پہ وہ دوسرے
سات دن تک وہ رہا اس جا کھڑا ‫ جس جگہ راجہ نے اُس کو تھا کہا
تیسری بار اُس نے پھر کی التجا ‫ میرا راجہ سے کہو سب ماجرا
اب کے راجہ نے اجازت اُسکو دی ‫ دل کی حاصل ہو گئی اُس کی خوشی
پھر وہاں وہ دیکھتا جا کرے ہے کیا ‫ ٹھاٹھ دُنیا کا لگا ہے جا بجا
اُس کے دل میں فکر یہ پیدا ہوئی ‫ خود جگت بیوپاری ہے یہ آدمی
گیان کیا دیگا مجھے راجہ بھلا ‫ وہ تو خود محتاج ہے اسباب کا

منکشف سب حال جنک کو ہُوا ۔۔۔ وسوسہ جو دل کے اندر تھا بھرا
حکم راجہ نے دیا پھر جشن کا ۔۔۔ اور کہا دو شہر کو فوراً سجا
ایک پیالہ دُودھ سے لبریز تھا ۔۔۔ ہاتھ میں سُکھدیوجی کے وہ دیا
اور کہا لوگوں سے تم لے جاؤ اب ۔۔۔ شہر کو اچھی طرح دکھلاؤ اب
کہدیا راجہ نے یہ بھی ساتھ میں ۔۔۔ گر پیالہ اس کے چھلکے ہاتھ میں
گردن اس کی تو اُڑا دینا وہیں ۔۔۔ ماننا کہنا یہ میرا بالیقیں
شہر سے جب گھوم کر واپس وہ آئے ۔۔۔ پاس راجہ کے گئے فوراً بلائے
بولا راجہ خوب کرلی تم نے سیر ۔۔۔ کیوں ہوئی اتنی یہاں آنے میں دیر
بولے یہ سکھدیوجی راجہ بھلا ۔۔۔ سیر کرتا کس طرح پابند تھا
اس کٹورے کا تو تھا دھڑکا لگا ۔۔۔ یہ اگر چھلکا تو میں مارا گیا
سُن کے اس کی بات جنک ہنس پڑے ۔۔۔ اس طرح وہ اس سے پھر کہنے لگے
تو ہمارے دیکھ کر شاہانہ کام ۔۔۔ اپنے دل میں وہم لایا خستہ کام
بات سن سُکھدیو میری غور سے ۔۔۔ کہہ نہیں سکتا کسی میں اور سے
ہے سپاہی تو قضا اے خوش ضمیر ۔۔۔ تن کٹورہ اور اُس میں رُوح شیر
رہتا ہے کھٹکا یہیں ہر دم لگا ۔۔۔ گر نہ جائے یہ کٹورا دُودھ کا
اس لئے بھاتی نہیں دُنیا کبھی ۔۔۔ کب ہے دیکھا غور سے جلسہ کبھی

سُن کے یہ سکھدیو چُپکا ہوگیا
راجہ نے یوں گیان سے دل بھر دیا

موسیٰؑ اور سچی دُعا

ایک مُوسیٰؑ کا تھا سچا امتی ۔۔۔ دست بستہ عرض اک دن اُس نے کی
زندگی کتنی ہے باقی پوچھ دے ۔۔۔ طور پر جا کر ذرا اللہ سے
جا کے مُوسیٰؑ نے خدا سے یوں کہا ۔۔۔ زندگی کتنی ہے اُس کی دے بتا
یہ کہا رب نے کہ اے میرے کلیم ۔۔۔ اس سے کہدے جا کے کہتا ہے علیم
ایک ہفتہ زندگی باقی رہی ۔۔۔ واپس آئے حضرت مُوسیٰ نبی

اس نے قصہ کہہ دیا آکر تمام — سن کے اپنے گھر گیا حق کا کلام
اور کہا بچوں سے اپنے ماجرا — ساتھ میں پھر ان سے یہ بھی کہدیا
پیٹ بھر کر آج تک کھایا نہیں — موت کا مجھ کو ہوا ہے اب یقیں
خوب کھانا تم پکاؤ اس گھڑی — آگئی ہے سر پہ ساعت موت کی
کر دیا بیٹوں نے اس کے انتظام — لاکے رکھے جا بجا خوانِ طعام
کھانے بیٹھا جبکہ وہ مردِ خدا — ایک سوالی بھی وہاں پر آگیا
اور کہا بھوکا ہوں ہفتہ بھر سے میں — مانگنے آیا نکل کر گھر سے میں
سن کے یہ اس نے دیا کھانا اٹھا — اور سائل کے حوالے کر دیا
اس کے دل میں یہ ہوا پیدا خیال — کس طرح اس کا کروں میں رد سوال
روز میں تو بیش و کم کھاتا رہا — ہفتہ بھر سے ہے یہ بھوکا بے نوا
کھا کے سائل نے دعا اسکو یہ دی — تجھ کو حاصل ہو درازی عمر کی
اور سیدھا گھر کو سائل چل دیا — پیٹ کھا کر خوب تھا اس کا بھرا
اس نے اک چادر جو الٹی بر ملا — سانپ اک چادر میں تھا لپٹا ہوا
مار ڈالا اس نے لاٹھی سے اسے — موت کی تھی یہ گھڑی اس کے لئے
ہوگئی جس وقت پوری وہ گھڑی — بات یہ موسیٰؑ سے اس نے پھر کہی
میں تو اے موسیٰؑ ہوں زندہ اب بتا — کیوں نہیں وقتِ مقرر پر مرا
حیرت آئی سن کے موسیٰ کو شتاب — اور کہا کل میں تجھے دونگا جواب
حضرت موسیٰؑ گئے جب طور پر — عرض کی خالق سے اے رب البشر
امتی سے میں تو جھوٹا پڑ گیا — زندہ ہے ہرگز نہیں ابتک مرا
یہ دیا خالق نے موسیٰؑ کو جواب — جاکے اس بندے سے یہ کہدو شتاب
بھیجا ہم نے موت کا سامان تھا — سانپ اس کی لینے آیا جان تھا
دی دعا سائل نے سچے دل سے تھی — اس نے مانگی تھی درازی عمر کی
مجھ کو وہ منظور ہی کرنی پڑی — سچے دل سے چونکہ تھی نکلی ہوئی

حال پھر موسیٰؑ نے اس سے سب کہا
کس طرح سر سے ٹلی اس کے بلا

لطیفۂ نماز اور دستر خوان

بوہریرہ صاحبِ صدق و صفا — جب لڑیں تھے معاویہ۔ شیرِ خدا
بیٹھ جاتے تھے وہ ٹیلے پر سدا — دیکھتے جاتے تھے میدان دعا
ساتھ میں پھر یہ بھی کہتے جاتے تھے — دونوں حق پر آج ہیں یہ لڑ رہے
وقت کھانے کا جب آتا مومنو — معاویہ کے پاس جاتے کھانے کو
وقت پر ہوتا تھا جب جوشِ نیاز — تو علی کے پیچھے پڑھتے تھے نماز
ایک دن آخر کسی نے یہ کہا — بوہریرہ تو ہمیں اتنا بتا
ایک جا کھانا ہے اور اک جا نماز — کیا سبب ہے اسکا اے بندہ نواز
بوہریرہ بولے سُن اے خوش کلام — لگتا اچھا معاویہ کا ہے طعام

پھر نماز دل کا مزہ آئے جبھی
جب امامت خود ہی فرما دیں علی

لاحول اور شیطان

جا رہا تھا اونٹنی پر ایک سوار — ایک جگہ ایسی ہوا۔ اُس کا گذار
جس جگہ چشمہ رواں وہ دیکھ کر — بولا جائیں گے ٹھہر کر۔ دوپہر
اونٹنی سے وہ اُتر فوراً آ گیا — کیونکہ منزل کا تھکا درماندہ تھا
جھاڑیوں کے پاس وُہ جا کر پڑا — اس جگہ سایہ بہت ہی خوب تھا
دیکھ کر تنہائی میں آیا خیال — اونٹنی کا وہ کرے حاصل وصال
مدتیں گذری ہیں گھر چھوڑے ہوئے — اور لذت وصل کی چکھے ہوئے
کر دیا مغلوب شہوت نے اُسے — باز آیا منہ نہ بے کالا کئے
ہو گیا آخر کو وہ اُس پر سوار — پھر یہ سوچا کس طرح لوں اسکا پیار
گردنِ معشوق تھی لمبی بڑی — ٹہنی اک جھاڑی کی اُس نے توڑ لی
موڑی گردن اونٹنی نے کھانے کو — اس کی گردن میں پڑا خم دوستو
پیار فوراً اس نے اُس کا لے لیا — کارِ شیطانی سے فارغ ہو گیا

بعد ازاں لاحول جب اس نے پڑھی — اور یہ شیطاں کو اک گالی ہوئی
ایک دم شیطان واں حاضر ہوا — یوں مخاطب ہو کے پھر اس نے کہا
یہ بڑا لا کام تو۔ تو نے کیا — مجھ پہ سب ہے لاحول پڑھتا بے حیا

تو نے تو ظالم ہے ایسی بات کی
باپ تک کو بھی نہ میرے سوجھتی

اللہ کا گھر

عرش پہ تھا خواب میں پہونچا خیال — واں فرشتوں سے کیا میں نے سوال
سب کنانِ چرخ دو مجھ کو بتا — کس جگہ رہتا ہے ربِ ذوالجلال
سن کے میری بات حیران ہو گئے — اور فرشتوں کو ہوئی حیرت کمال

بولے وہ ہم نے سنا تھا اے بشر
ہے بشر کے دل میں ربِ ذوالجلال

ملکی ترانہ

دنیا میں سب سے اعلیٰ ہندوستاں ہمارا — عالم میں سب سے اچھا ہندوستاں ہمارا
فضلِ خدا ہے ان پہ رہتے ہیں جو یہاں پر — رکھتا ہے سب پہ سایہ ہندوستاں ہمارا
ہندو ہو یا مسلماں۔ یا پارسی۔ یہودی — گویا وطن ہے سب کا ہندوستاں ہمارا
تہذیب میں ہے یورپ کہتے ہے یہ ہمکو دعوی — دیکھے کبھی نہ نیچا ہندوستاں ہمارا
اسمیں ہے ایسی خوبی ملتی نہیں کہیں بھی — دیکھے ہے آگے دنیا ہندوستاں ہمارا
حکمت کا ہے خزانہ الفت کا ہی یہ مصدر — علم و ہنر کا دریا ہندوستاں ہمارا
اخلاص کا ہے منبع تہذیب کا ہے مخزن — ہندوستاں ہمارا ہندوستاں ہمارا
آئے جو کوئی یہاں باہر سے اس کو اکثر — کرتا ہے تاج سر کا ہندوستاں ہمارا
ہمنے ہی خوب دیکھا غیروں کے واسطے بھی — اپنا ہے خوں بہاتا ہندوستاں ہمارا
اوروں سے ہے یہ بہتر اور دل سے ہے یہ اچھا — بولا وہ جس نے دیکھا ہندوستاں ہمارا
ہندو ہوں یا کہ مسلم دونوں ضیا ہیں پاتے — آنکھوں کا ہے یہ تارا ہندوستاں ہمارا

سر پر ہمالیہ کے اُسکے ہیں بیل بوٹے | باندھے ہوئے ہے سہرا ہندوستاں ہمارا
نقشہ میں بھی نمایاں نظر دمیں بھی درخشاں | اک آئینہ ہے گویا ہندوستاں ہمارا

آتا ہے یاد بیحد ہوتے ہیں ہم جو باہر
قربان ہیں یہ ہے پیارا ہندوستاں ہمارا

مہاراج نانک

محمد اُس سی خوش ہی دم صداقت کا وہ بھرتا ہے | وہ خود کسریٰ و حاتم تک کی بھی تعریف کرتا ہے
تعصب کی نہیں تعلیم وہ دیتا کوئی ہم کو | بُرائی کرنیکو کہتا نہیں ہرگز کبھی ہم کو
تو پھر میں کیوں نہ نانک کی کروں تعریف بے کھٹکے | نہ کیوں مہاراج نانک کی کروں توصیف بے کھٹکے
عقیدہ ان کا جیسا ہو۔ طریقہ ان کا جیسا ہو | ہمیں اس سی نہیں مطلب کہ مسلک چاہے جیسا ہو
عبادت میں رہا مصروف وہ ذرات ای ہمدم | ہمیں اچھی ہوئی معلوم انکی ذات اے ہمدم

تو انکا وہ نہیں قایل وہ ہی توحید کا قائل
کیا پنجاب میں وحدت کی جانب خلق کو مایل

بیوی

بیوی ہے اگر اچھی تو جنت ہے ترا گھر | بیوی ہے اگر کھوٹی تو کلفت ہے ترا گھر
بیوی ہے اگر راضی تو راحت ہے ترا گھر | بیوی ہے تیرے پاس حکومت ہے ترا گھر

راحت نہیں دنیا میں کوئی بیوی سے بڑھکر
کلفت نہیں دنیا میں کوئی بیوی سے بڑھکر

گر چین نہیں گھر میں تو دوزخ سے سوا ہے | بیوی جو ملے اچھی تو مولا کی عطا ہے
بیوی جو ہو ناراض تو ہم نے یہ سُنا ہے | دُنیا ہی میں اس کے لئے دوزخ کا مزا ہے

بیوی ہی اگر چاہے تو عزت کو بڑھا دے
بیوی ہی اگر چاہے تو۔ توقیر گھٹا دے

باہر سے تھکا ماندہ جو آئے کوئی گھر پر | بستر پہ گرے صورت تصویر وہ تھک کر
آغوش میں بیوی ہو تو کیوں دل ہو مکدر | دُنیا میں نہیں اس سے کوئی اور ہے بہتر

اس سے ہی تو خوش ہوتا سدا قلب حزیں ہے
دولت ہے بڑی پاس اگر بیوی حسیں ہے

تنظیم کرے گھر کی اور اولاد کو پالے | دے جھاڑو کرے گھر سے جدا روز یہ جالے
بچے ترے پیدا ہوں اگر شکل میں کالے | وہ شوق سے تارا۔ انھیں آنکھوں کا بنالے

بیوی ہے اگر پاس تو راجہ ہے تو گھر کا
اک جان پہ ہر روز حکومت ہے تو کرتا

اسکو تری خدمت کے سوا کچھ نہیں معلوم | مالک ہے ترے گھر کی مگر ساتھ ہی محکوم
فریاد نہیں کرتی کسی سے تری مظلوم | قسمت کا سمجھتی ہے وہ اپنی تجھے مقسوم

بیوی کی حکومت بھی ہے محدود تجھی تک
بیوی کی سیاست بھی ہے محدود تجھی تک

دنیا میں اگر چین سے رہنا کوئی چاہے | آرام سے دو روٹیاں گھر بیٹھ کے کھائے
تکلیف کے اندر بھی جو راحت کوئی پائے | قربان یہ ہی گر وہ فقط کام میں لائے

بیوی سے بگاڑے نہ کبھی اپنے جہاں میں
دنیا میں رہے ایسے کہ گویا ہے جناں میں

روداد الست

لو سناتا ہوں تمہیں اپنی میں روداد الست | کس طرح میرے رہا پاؤں کے اندر چکر
روح کیسے ہے بنی اور ہے کیسے آئی | روشنی جس سے ہوئی جسم کے اندر باہر
ذات واحد تھی فقط جب ہوا۔ آدم کا ظہور | کچھ نظر آتا نہ تھا جاتی تھی جس سمت نظر
کہنے والے نے کہا کن تو ہوئے سب پیدا | آب اور خاک ہو۔ وہ نار ہو۔ یا نور و شجر
حکم مولا سے بنا ایک تھا بے جان جسد | آب سے خاک سے اور نار ہوا سے ملکر
مجتمع کرکے عناصر کا بنایا پتلا | روح پھونکی گئی پھر جسم کے فوراً اندر
پھر فرشتوں سے کہا اس کی کرو تم تعظیم | گو بشر ہے یہ مگر درجہ ہے تم سے بڑھکر
جز عزازیل نہ انکار کسی نے بھی کیا | سب ملائک نے کیا سجدہ زمیں پر جھک کر
گلشن خلد میں پھر بھیجدیا آدم کو | کچھ دنوں تک یہ رہا عیش سے اسکے اندر

وہ عزازیل کیا سجدے سے تھا جس نے گریز — آکے جنت میں کیا اُس نے نیا پیدا اثر
جسکے باعث ہوا جنت سے خروجِ آدم — آئے دُنیا کی طرف خلد سے ہو کر باہر
بائیں پسلی سے ہوا مادرِ حوا کا ظہور — تاکہ آدم کا نہ گھبرائے یہاں جی رہ کر
بعض آدم نے جہاں میں یہ دکھایا جلوہ — بطنِ حوا میں بنا قطرہ بسانِ گوہر
منتقل ہو گیا انساں شکمِ مادر میں — پیٹ میں دیکھا نیا اس نے تماشا رہکر
لوتھڑا خون کا اک پہلے بنا پیٹ میں پھر — اسمیں پیدا ہوئے یہ دست یہ پا قلب و جگر
اور اعضا رئی بھی پھر پیٹ میں پائی تشکیل — جن سے معلوم ہوئی صورتِ تخلیق بشر
ماں کے اس خون سے کہتا ہے جسے حیض جہاں — پیٹ بھرتا تھا سدا پیٹ کی اندر رہ کر
ایک جھلی تھی جو تھی چار طرف اُسکے چڑھی — جیسے عریاں کوئی رے اوڑھ مصفا چادر
امر بی جو کہیں اُسکو تو بالکل ہے بجا — روح جو پھونکی گئی جسم بشر کے اندر
شکم مادر میں بھی کیا وسعتیں اپنی خاطر — گویا موجود یہ دُنیا تھی اسی کے اندر
گُد گُدے تکیے تھے گویا کہ طحال اور جگر — پیٹ میں خوب بچھایا تھا ملائم بستر
ماں کے نتھنوں سے تھا ہر وقت تنفس جاری — وہ بخارات غلیظہ کو تھا کرتا باہر
قلب مادر بجھے پنکھا سا جھلا کرتا تھا — تاکہ گرمی سے نہ رہجاؤں میں مر کر اندر
خون ملتا تھا مجھے غیب سے پینے کیلئے — نلکیوں سے جو رگوں کی مجھے ملتا چھن کر
میری شامت سے ہوئے جبکہ وہاں پر نو ماہ — دردِ زہ نے کیا فی الفور شکم سے باہر
راستہ اتنا مطول وہ نظر آیا مجھے — طے کرے جیسے کوئی منزلیں دو سو ستر
آکے دنیا میں ہوا مجھ کو بہت ہی افسوس — سیکڑوں آفتیں نازل ہوئیں میرے سر پر
کل عزیزوں کو ہوئی میرے تولد سے خوشی — پیار آبا نے کیا گود میں مجھکو لیکر
یاد مجھکو نہ رہا بھول گیا میں افسوس — کیوں میں آیا تھا یہاں کر کے طویل اتنا سفر
نہ عبادت ہی ہوئی اور نہ ریاضت ہی ہوئی — اور عصیاں کے مرتب ہوئے لاکھوں دفتر
ایک دن زیست میں آیا تھا مرے ایسا بھی — ہو گئی روح میرے جسم سے فوراً باہر
یہ خبر مجھکو نہیں ہو گئی رخصت وہ کدھر — چھوڑ کر بے حس و حرکت مرا خاکی پیکر
پھر ہوا۔ ایسا تھا مجبور کہ توبہ توبہ — کوئی قدرت نہ رہی میرے بدن کے اندر
تھے جو احباب عزیز اور اقارب میرے — گھر کو سر پر وہ اٹھاتے رہے سب رو رو کر

غسل کے بعد وہ سب کاندھوں پہ رکھکر مجکو
دفن کرنے کو چلے کنجِ لحد کے اندر

اُن عزیزوں نے محبت تھی جنہیں مجھ سے بہت
دفن پھر مجھ کو کیا قبر میں فوراً جاکر

یاد آیا ہے مجھے فوراً شکمِ مادر پھر
واں بھی تاریکی میں رہتے تھے یونہی ہم اکثر

واں تھے جھیلی میں یہاں ہیں تھے کفن میں لپٹے
ہمتو سمجھے تھے جگہ ہوگی یہ اس سے بڑھ کر

قبر میں خاک کا اک ہم کو بچھونا تھا ملا
زیرِ سر چبھتے تھی ہر وقت ہزاروں کنکر

گور کہتی تھی مجھے دیکھ کے بہت سخت فشار
مارتا چلتا تھا تو مجھ پہ کسی دن ٹھوکر

یہ نہ سمجھا ہے بنا خاک ہی سے جسم ترا
ایکدن خاک تو ہوجائیگا مجھسے مل کر

ہڈیاں پسلیاں سب چور ہوی جاتی تھیں
پیستی تھی مجھے جسوقت زمیں مل ملکر

طرفہ تر یہ ہے کہ نکیرین بھی دو آئے وہاں
دیکھ کر شکل ہوا جن کی بہت خوف و خطر

مجھسے کرنے لگے وہ سیکڑوں پیچیدہ سوال
یہ نہ سمجھے ابھی لیٹا ہوں یہاں میں تھک کر

دیکھے تکلیف تکلف سے کہا پھر مجھ سے
حشر تک اب یہیں تنہا تو پڑا سویا کر

تیرے اعمال وہاں پیش کئے جائینگے
ساتھ عصیاں کا بہت لیکے تو آیا دفتر

میں پڑا روتا ہوں اعمال مرے سب ہیں خراب
کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے مآلِ محشر

اور کچھ یاد نہیں میری کہانی ہے یہ ہی
تکملہ اس کا مگر ہو گا بروزِ محشر

قصیدہ رخصتی جناب معلی القاب ایل ایم اسٹب صاحب بہادر کلکٹر سہارنپور

گلستاں میں اب دورِ بادِ خزاں ہے
وہ فصلِ بہاری کہاں ہے کہاں ہے

نہ چشمے رواں ہیں نہ طاؤس رقصاں
نہ وہ دلکشاں رونقِ بوستاں ہے

ہوئی سبز پتوں کی اب زرد رنگت
گل و لالہ میں بھی وہ سرخی کہاں ہے

ہے اظہر من الشمس باعث خزاں کا
چمن میں غمِ رخصتِ باغباں ہے

تھا سیراب یہ باغ جس کی بدولت
وہ اب دوسری سمت چشمہ رواں ہے

یہاں جو کلکٹر تھے اسٹب بہادر
سواری بریلی کو ان کی رواں ہے

عجب نیک صورت عجب نیک سیرت
خصائل میں مقبول پیر و جواں ہے

سخاوت میں حاتم شجاعت میں رستم
عدالت میں مانند نوشیرواں ہے
وہ طرزِ حکومت ہر اک جس سے راضی
وہ طرزِ سیاست ثنا خوانِ جہاں ہے
ہے دل میں محبت نگہ میں مروّت
وہ ہے صاف باطن وہ خوش رفیواں ہے
نہیں علم و فن میں کوئی اس کا ثانی
ہنر کا ہنر مند کا قدر داں ہے
مددگار نیکوں کا۔ دشمن بدُ دل کا
نہیں اس صفت کا کوئی حکمراں ہے
ہے افسوس جانے کا اُن کے نہایت
جدائی کا صدمہ دلوں پر گراں ہے
کروں وصف کیا اُنکی بیگم کا قربان
وہ شیریں سخن ہے وہ شیریں زباں ہے
وہ عصمت کی عفت کی تصویر زیبا
نگاہوں میں اس کی حیا بے گماں ہے
اُٹھاتا ہوں اب ہاتھ دونوں دُعا کو
کہ توصیف میں ان کی قاصر زباں ہے
جہاں میں رہیں دونوں دل شاد و خرّم
یہ جب تک وجودِ زمین و زماں ہے
ترقی ہو اقبال و جاہ و حشم کی
یہ ہر وقت ہر لحظہ وردِ زباں ہے

خدا کے لئے بھول جانا نہ مجھکو
مرے دل کا جو حال ہے وہ عیاں ہے

قصیدہ در مدح اعلیحضرت نظام خلد اللہ ملکہ

قصیدہ

اُٹھاتا ہوں قلم تجکو مگر اک شرط ہے تجھ سے
کریگا تو ادب کیساتھ طے رستے قصیدے کے
عجب کیا ہے منقش صفحۂ قرطاس ہو جائے
اتو گلہائے فصاحت سے چمن تخیّل کے بھرے

مرے دلمیں یہ آیا ہے کروں تعریف میں اسکی
زمانہ جسکا واصف ہے کروں توصیف میں اسکی

تجھے لکھنا پڑیگا۔ آج دورِ حالِ عثمانی
کروں تعریف میں اسکی ہر دلمیں ہے نے یہ ٹھانی
ہماروں کی خدانے دی ہے دنیا میں نگہبانی
میسر ہے دلِ مخلوق پر بھی جسکو سلطانی

وہ سلطانِ دکن وہ میر عثمان علیخاں ہیں
دلیں علم و فن وہ میر عثمان علیخاں ہیں

بنا گلزار کی صورت ہے جس سے صحن دکن کا
کھلے علم و ہنر کے پھول جس میں جابجا صدہا

بہا ہے رحمتِ حق کا جہاں پر آج اک دریا | نہیں پیاسا کسی فردِ بشر کو جس نے ہے رکھا
سُنا کرتے تھے قصہ تو نہیں کہ ہُن دکن میں لُٹتا ہے
مگر اس دور میں دُنیا نے خود آنکھوں سے دیکھا ہے

شہر یارِ دکن نے جب نوازا۔ اس ریاست کو | ہوا منظور مولا کو دکھانا اپنی قدرت کو
مٹایا روم سے جب آلِ عثماں کی حکومت کو | تو منسوبِ دکن پھر کر دیا اس شان و شوکت کو
شہِ عثماں علیخاں نام رکھ کر۔ کر دیا سلطاں
مسلمانوں کی تا رنجیدگی کا دُور ہو ساماں

زمانے والو تم نے بات یہ اب تک نہیں سمجھی | نہیں ہر بات خالی مصلحت سے کوئی مولا کی
کمی جس میں جو باقی تھی تو وہ اسطرح کی پوری | خلیفہ نے دُرِ شہوار عقدِ شاہ پور میں دی
کہ تا نسلِ نظام الملک سے ایک ایسا سلطاں ہو
جو ماں اور باپ کی رُو سے ابنِ خونِ عثماں ہو

زمیں وُہ جو شکاروں کیلئے پہلے مقرر تھی | وہی پہلے حکومت بھی جسے بیکار تھی سمجھی
ہُوا۔ اس دور میں ایسا وہاں ہوتی ہے اب کھیتی | ہزاروں آدمی جس سے دکن میں کھاتے ہیں روٹی
نہیں ہے آج تک ایسا زمانہ میں ہوا پیدا
کہ اک بنجر زمیں سے جس نے کر دی ہو غذا پیدا

نہیں کچھ فیض دکن تک رہا محدود ہے اسکا | ہے بہتا فیض کا ہندوستاں میں اسکے اک دریا
کھلا ہندوستاں میں مدرسہ کوئی نیا جس جا | اُسے مرہونِ سلطانِ دکن کا ہم نے ہے پایا
علی گڈھ میں جہاں جاؤ ادھر دیکھو اُدھر دیکھو
زمانہ نے کہا دل سے ہے سلطان العلوم انکو

بچایا اس نے اُردو کو وگرنہ مٹ چکی ہی تھی | کوئی دم کی تھی مہماں نبض اسکی تھے جب دیکھی
بہت کچھ خرچ کر کے ایک یونیورسٹی کھولی | ہے اب طب اللساں شاہِ جہاں کی روح والا بھی
معاونِ علم کا ایسا نہیں سلطاں ہوا کوئی
محافظ علم کا ایسا نہیں انساں ہوا کوئی

بنایا ایسا دروازہ ہے اس نے دیکھ لو جا کر | کیا احسان یہ اجمیر کے مشہور روضہ پر
ہوا۔ اجمیر کا جس سے بہت ہی حسبِ نظر منظر | جسے آتی ہے گویا دیکھنے کو آج دُنیا بھر

اشاروں سے کیا پورا۔ نگاہوں سے ہوا پورا
کیا وہ کام جو ابتک نہ شاہوں سے ہوا پورا

سخاوت تیری ایسی ہے بہا یا فیض کا دریا | خلیفہ ہیبت در سے پاتلہے اب ترے شاہا
بڑھایا ربط کر کے عقد اپنے شاہزادوں کا | اور شہوار۔ نیلوفر کا آیا ہند میں ڈولہ
تمنا ہے یہ حاتم کی سوالی تیرے در کا ہو
دعا یہ ہے کہ رتبہ اور عالی تیرے در کا ہو

شجاعت تیری ایسی ہے کہ لرزے روح رستم کی | نگہ بگڑی اگر تیری بنی دشمن کو وہ بجلی
نہیں ہے تاب اور طاقت کسی میں ہم نے یہ دیکھی | اٹھائی ہو کسی مظلوم پر ظالم نے انگلی بھی
یہاں سب شیر بکری پی رہے اک گھاٹ پانی ہیں
کبھی تھے دشمن جانی۔ مگر اب دوست جانی ہیں

سیاست تیری ایسی ہے گلیڈ اسٹون حیراں ہے | پرنس بسمارک بھی آگے ترے طفل دبستاں ہے
پڑے مشکل کوئی بھی مرحلہ تجکو وہ آساں ہے | کہاں اب کوئی دور حاضرہ میں ایسا انساں ہے
سیاست دان یورپ سیکھ لیں آ کر سبق تجھ سے
مسائل اہل یوناں پوچھ لیں آکر ادق تجھ سے

عدالت تیری ایسی ہے تو وہ انصاف کرتا ہے | زمانے بھر میں تیرے عدل کا مقبول سکہ ہے
کوئی جھوٹا جو ہوتا ہے تو وہ خفت اٹھاتا ہے | جو سچا کوئی ہوتا ہے تو ہنستا گھر کو جاتا ہے
سنا کرتے تھے نقشوں میں کبھی ہم نام کسریٰ کا
مگر انصاف آنکھوں سے ترا ہم نے یہاں دیکھا

سخاوت اور شجاعت کیوں نہ ہو ممدوح کی ایسی | سیاست اور حکومت کیوں نہ ہو ممدوح کی ایسی
لیاقت اور حکومت کیوں نہ ہو ممدوح کی ایسی | مروت اور عنایت کیوں نہ ہو ممدوح کی ایسی
ہے وہ فرزند اکبر میر محبوب علی خاں کا
نظام الملک آصف جاہ سچا جانشیں بیٹا

تو وہ ہے کہ شہنشاہی بھی خادم تیری بنجائے | تو وہ ہے وقت مشکل کام ہر سلطان کے آئے
تو وہ ہے اہل دولت کو سخاوت اپنی دکھلائے | تو وہ ہے جو شہنشاہوں کا ایلائی بھی کہلائے
عدد اور جنگ یورپ میں ہوا یہ آشکارا ہے

شہنشاہی کو تیرے خانداں کا اک سہارا ہے

سُنا ہے اک جہاں پر بادشاہی تھی سلیماںؑ کی | حکومت انکی جن و انس و حیواں اور ہوا پر تھی
سلیماںؑ کو نہیں بات تھی حق نے مگر بخشی | ہمارے اعلیٰ حضرت کی حکومت ہے دلوں پر بھی

سلیماںؑ تو تجل اک مُور کے بھی ہو گئے آگے
مگر دیکھا ہے اسکے گھر شہنشاہوں کو بھی کھاتے

مُسلماں ہی نہیں سکھ اور ہندو بھی ہیں خوش اس سے | نہ کیوں ہوں شاد جب دونوں کو اک ہی آنکھ سے دیکھے
اگر لندن کی مسجد کیلئے اُسنے دیے چندے | کیا ہندو کو خوش گئو ہتیا کا التوا کر کے

ادا کی مت کیا تابع کیا ہے نام وہ پیدا
زمانہ میں نہیں ایسی صفت کا بادشاہ دیکھا

قصیدہ ختم کر اور یہ دُعا کر دلسے اے قرباں | رہے ممدوح دُنیا میں ہمیشہ شاد اور فرحاں
بڑھے اقبال روز و شب ہوں دشمن دیکھکر حیراں | رکھے سایہ ہمیشہ سر پہ اُسکے ایزدِ سبحاں

دعا یہ کیوں نہو منظور وا بابِ اجابت ہے
نظام الملک پہ اللہ کی خود ہی عنایت ہے

یہ اعظم یہ معظم اور جتنے اور بیٹے ہوں | دعا یہ ہے مرے دل کی وہ سارے تیرے جیسے ہوں
الٰہی جانشین ممدوح کے صادق ہوں سچے ہوں | کہے دُنیا کہ اچھے کے نہ بیٹے کیونکر اچھے ہوں

جو تو اب اعلیٰ حضرت ہے توکل کو ہنر بخشی ہو
سمندر میں تری چلتی ہوئی مضبوط نیوی ہو

رہے تو رہتی دنیا تک اٹھائے لطف تو آقا | رہے چلتا ہمیشہ یوں ہی دُنیا میں ترا سکہ
گھر اسکے رہے تیرا نہ کھائے وہ کبھی بٹا | اگر کھوٹا درم بھی ہو تو سمجھیں سب اُسے سچا

یہ تیری عمر اور اقبال دولت روز افزوں ہوں
رہیں خوش دوست سب تیرے ترے دشمن بھی محزوں ہوں

دُعا کر ختم اور قرباں وہ ارمان ظاہر کر | لئے پھرتا ہے مدت سے جو اپنے قلب کے اندر
شہِ عثماں علیخاں مالکِ دیہیم اور افسر | نہ حاجت نوکری کی ہے نہ ہے پروائے مال و زر

تمنا ہے مگر اک دن زیارت میں کروں تیری
بُلا کر پاس اپنے پوری کر دے آرزو میری

در مدح مسٹر سی ڈبلو گرانٹ صاحب بہادر آئی سی ایس کلکٹر سہارنپور

بموقعہ نمائش

خدا کا شکر نمائش میں آئی ہے وہ بہار   بنی تمام زمیں جس سے تختۂ گلزار

یہ کہہ رہے ہیں نمائش کے دیکھنے والے   عجب طرح کی ہے اس قطعۂ زمیں پہ بہار

ہر ایک شے میں نمائش کے ہے وہ دلچسپی   بھرے نہ دیکھنے سے دل جو دیکھئے سو بار

ہر ایک سمت ہے اس میں بہشت کی رونق   خزاں کا ہو نہیں سکتا ہے اس چمن میں گذار

نشاط و عیش سے معمور ہے سہارنپور   خوشی سے رقص میں ذرات ہیں درو دیوار

مجسٹریٹ جو اس سر زمیں کا حاکم ہے   اُسی سے شہر و نمائش بنے ہیں لالہ زار

وہ عین عدل ہیں مسٹر گرانٹ اہل کرم   دعائیں کرتے ہیں جس کے لئے صغار و کبار

کرم کے سامنے اُس کی درم کی قدر نہیں   اگر ہو سائل قطرہ وہ دے دُرِ شہوار

برنگ ابر گہر بار کی زر افشانی   تمام شہر میں کوئی نہیں رہا نادار

تہ فلک درِ دولت کو اسکی کوٹھی کے   امید گاہ سمجھتے ہیں بیکس و بے یار

دلوں کو اہل ستم کے ہلا دیا اُس نے   کسی پہ ظلم کرے کس طرح کوئی جبار

لگائے ہاتھ گلوں کو اگر گلستاں میں   گلا خزاں کا اُڑا دے بہار کی تلوار

نگاہِ قہر سے دیکھے اگر وہ اُن کی طرف   جلا دے خرمنِ اعدا کو صاعقہ کردار

نگاہِ مہر کرے ذرے ذرے کو خورشید   اگر ہو قطرہ وہ بن جائے قلزمِ زخار

فدا ہے جانِ تہور کی اسکی جرأت پر   دلاوری کا قوی دل بہادری پہ نثار

اگر میں جرأت و ہمت کی کچھ لکھوں تعریف   قلم کے نیزے سے پیدا ہوں زوردار اشعار

یہ رعب ہے کہ گلستاں میں جب وہ آتا ہے   سرِ نیاز جھکاتے ہیں دو رُخے اشجار

جو اس کی خاکِ قدم کو بنائے سرمۂ چشم   ہو تندرست گلستاں میں نرگسِ بیمار

نگاہِ مہر سے دُنیا کو کر دیا روشن   کہ ذرہ ذرہ زمیں کا ہے مطلع الانوار

جفا و جور و ستم کو مٹا دیا اُس نے   شعاعِ مہر سے مٹتی ہے جس طرح شبِ تار

کیے ہی جائیں جو سیرت کی اسکی ہم تعریف   تو چار روز میں دفتر ہوں سیکڑوں تیار

دعا کو ہاتھ اُٹھا اپنے اے قربان   دمِ سحر ہے اجابت کے ہیں عیاں آثار

تمام سال کٹیں اُس کے دشمنوں کے سر
ہلال عید بنے اُن کے واسطے تلوار

ہمیشہ بڑھتا رہے جاہ و ماہ کی صورت
ہمیشہ کرسی اقبال پر رہیں سرکار

قصیدہ مسٹر ایل ایم اسمتھ صاحب بہادر آئی سی ایس کلکٹر سہارنپور

بہار بے خزاں آئی گلستاں رشکِ جنت ہے
چمن میں ہر طرف پھیلی ہوئی پھولوں کی نکہت ہے

بچھا ہے فرش سبزے کا ادھر دیکھو ادھر دیکھو
ہری گلبن کی شاخیں ہیں گلوں کی سرخ رنگت ہے

لگیں کلیاں چٹکنے باغ میں کھلنے لگے غنچے
رواں ہر سو نسیم جانفزائے عیش و عشرت ہے

کہیں بلبل چہکتے ہیں کہیں طاؤس ہیں رقصاں
ترانہ سنج طوطی ہے عجب گلشن کی حالت ہے

کہیں ہے رقص کی محفل کہیں رقاص ہیں ناقل
کہیں چلتا ہے جام مے کہیں گانے کی صحبت ہے

جہاں میں چار سو یہ دھوم شادی کی نہ کیونکر ہو
بڑا دن ہے خوشی کا روز ہے یوم مسرت ہے

چلو قرباں مبارک باد دو صاحب کلکٹر کو
قصیدہ مختصر پڑھ دو کہ وقت عرض و مدحت ہے

پڑھو اک مطلع موزوں صفت میں اُن کی برجستہ
تقاضائے ارادت ہے تقاضائے طبیعت ہے

تہمتن تجھسے لرزاں ہے کچھ ایسی تیری ہیبت ہے
کہ ترساں روح رستم کی غضب کی شان و شوکت ہے

ہر ایک فرد بشر تیری صفت کے راگ گاتا ہے
تو ایسا پاک سیرت ہے تو ایسا پاک طینت ہے

تو خود خوش ہے رعایا سے۔ رعایا تجھسے خوش خرم
ترحم تیرے دل میں ہے نگاہوں میں مسرت ہے

رعایت مجرموں کی تو نہیں کرتا نہیں کرتا
تری نوشیرواں سے بھی کہیں بڑھکر عدالت ہے

کوئی اب نام کو بھی نام حاتم کا نہیں لیتا
کہ مشہور زمانہ آجکل تیری سخاوت ہے

وہ ہے دست کرم تیرا کہ بھر دے دامنِ سائل
اگر جا کر کہے کوئی بھی صاحب یہ حاجت ہے

کہانتک یوں کروگے مدحت و توصیف اے قرباں
دعا اب دل سے مانگو تم کہ ہنگام اجابت ہے

پھلے پھولیں ہمیشہ مسٹر اسمتھ باغ عالم میں
طفیل حضرت عیسیٰ کہ روح دین و ملت ہے

مسز اسمتھ بھی یارب باغ عالم میں رہیں شاداں
کہ مشہور زمانہ اُن کی راستی و عصمت ہے

قطعہ تاریخ از مصنف برائے نعتیہ دیوان منشی نیاز احمد صاحب

اقبالؔ سہارنپوری یادگار حضرت داغؔ مرحوم

آفریں اقبال تجھ کو آفریں
واقعی دیواں ترا بے عیب ہے
ذات پر تیری ہیں سب فخر و ناز
تو بنی کا شیفتہ لاریب ہے
ہے ترا پایا بڑا ابعد غریب
اور تیری شاعری بے عیب ہے
شستہ و پاکیزہ ہے تیرا خیال
فکر تیری دور رس لاریب ہے
ہے ترا دیوان کان معرفت
شاعروں کی آج خالی جیب ہے
زلف اور چوٹی کی الجھن ہی نہیں
کیونکہ تو اس کو سمجھتا عیب ہے
اجر تحسین ترے اشعار کا
تیری خاطر خلد میں لاریب ہے
لکھ دیا دیوان ایسا بے دریغ
اس میں کچھ تائید لطف غیب ہے
حال ترتیب اس کا اے قرباںؔ زار
ارمغانِ بے بدل۔ لاریب ہے

۱۳۵۰ھ

قطعۂ تاریخ از قلم گوہر رقم علامۂ جلیلؔ مانک پوری

استاد نظام فخر ہندوستان

قربان اس سخن کے اس شاعری کے صدقے
جاں بخش جس کو مثل آب حیات پایا
تاریخ طبع دیواں تم بھی جلیلؔ لکھ دو
جو شعر ہم نے دیکھا قند و نبات پایا

۱۳۵۱ھ

قطعہ تاریخ از قلم گوہر رقم برادرِ معظم مولوی ایوب احمد صاحب آثم قادری

ایڈوکیٹ بی اے ایل ایل بی وکیل سہارنپور

آتا نہیں ہے تیری صفت کا کوئی نظر
ہر شعر تیرا۔ قرباں بہارِ مدام ہے
تاریخ تو بھی لکھ کے بتا دے جہان کو

تو نے کلام کے وہ دکھائے ہیں کل ہنر
دیوان تیرا خوفِ خزاں سے ہے بیخطر
کیسے ہوا ہے نخلِ سخن اسکا بار در

آثم غریب نے اسے اکسیر کر دیا
اُستاد کی تھی کہدے۔ نظرِ کیمیا اثر
۱۹۳۲ء

از نتیجہ فکر جناب منشی شیخ نیاز احمد صاحب اقبال سہارنپوری

تلمیذ جناب داغ مرحوم

فصیح البیاں شیخ قرباں احمد
ترے سر پہ تاجِ کمالِ سخن ہے

سخنور سخن گو سخن رس سخنداں
شب و روز محوِ خیالِ سخن ہے

ہے دیواں ترا چشمۂ آبِ حیواں
رواں جس سے آبِ زلالِ سخن ہے

معانی سے پُر ہے ہر اک شعر اسکا
عیاں جس سے رعب و جلالِ سخن ہے

ہوئے جاگزیں سب مضامین دل میں
یہی فی الحقیقت مآلِ سخن ہے

ہیں اہلِ سخن فیضیاب آج اس سے
ثمر در ترا نونہالِ سخن ہے

ہو شاخِ نباتِ حسن میں کیوں نہ یکتا
کہ قرباں اس پر جمالِ سخن ہے

جب اقبال نے تیرا۔ دیوان دیکھا
کہا ختم تجھ پر کمالِ سخن ہے

ندا۔ اختتامِ اشاعت پہ آئی
کہ تاریخ اس کی خیالِ سخن ہے
۱۳۵۱

قطعہ تاریخ جناب حضرت منشی نور محمد صاحب نور فخرِ سہارنپور

شاعرِ خوش نصیب ہیں قرباں	یادگارِ غریب ہیں قرباں		

ش ۳۰۰ ق ۱۰۰ م ۴۰ ا ۱	شعر گوئی ہے آپ کا حصہ قابل و لایق و شریف و امیر منصفی و مجسٹریٹی میں آنکھ سے ہیں مری اگرچہ دُور	شاعروں کے ادیب ہیں قرباں رہبرِ و ہم لبیب ہیں قرباں نام آور عجیب ہیں قرباں نورِ دل کے قریب ہیں قرباں	ش ۳۱۰ ر ۲۰۰ ن ۵۰ ن ۵۰

۷۴۱   ۷۴۱ + ۶۱۰ = ۱۳۵۱ھ   ۶۱۰

قطعہ تاریخ جناب حکیم خورشید حسن صاحب خورشید سابق ایڈیٹر الخلیل

ملکِ سخن میں دھوم ترے دم قدم سے ہو — طبلِ دوات اور قلم کے علم سے ہو
خورشید کی دعا ہے کہ جامِ سخن ترا — ہنگامِ بزمِ فکر سوا جامِ جم سے ہو
چوکھٹ پہ تیری ناصیہ سا ہو دبیرِ چرخ — شہرتِ کلام کی یہ زبانِ قلم سے ہو

از نتیجہ فکر مولوی حافظ قاری مناظر حکیم محمد یاسین صاحب

ہلالی انجم وغیرہ وغیرہ

کیجئے شکر حضرتِ قرباں — شادماں ہوئیے مُراد ملی
یعنی نایاب چھپ گیا دیواں — جس کی اوروں کو بھی تمنا تھی
ملہمِ غیب نے کہا انجم
ہر غزل بے مثال ہے اس کی

۱۹۳۱ء

قطعہ تاریخ نتیجہ فکر منشی انوار احمد صاحب قیصر تلمیذ

جناب عطار سہارنپوری

چمن میں جب پئے گلگشت وہ رشکِ چمن نکلا — تو غنچے بول اُٹھے منہ سے اب غنچہ دہن نکلا
مبارکباد کا نغمہ سنانے عندلیب آئے — کہا ہر ایک گل نے ہنسکے وہ غنچہ دہن نکلا
جو پوچھا میں نے کس کا ذکر ہے یہ شور کیسا ہے — تو یاروں نے کہا اک تحفۂ یادِ وطن نکلا
سنا ہے چھپ گیا ہے حضرتِ قرباں کا دیواں — کہ تیرہ سو اکاون جسکا ہجری سالِ سن نکلا
ہوئی تاریخ کی جب فکر القیصر صدا آئی — وہ خورشید سخن نکلا۔ وہ خورشید سخن نکلا

۱۳۵۱ھ   ۱۳۵۱ھ

قطعہ تاریخ از منشی فتح محمد خاں صاحب اُنس پیشکار پنچ مجسٹریان سہارنپور

شیخ قربان کا چھپا دیواں   اس کی تاریخ برملا لکھدو
اس کا ہر ہر ہے شعر معنی خیز   اس کو جام جہاں نما لکھدو
اس کے مضمون دیکھ کر اک دم   نسخۂ شاعری چھپا لکھدو
اُنس تاریخ کی ہے فکر اگر
بوستانِ سخن کھلا۔ لکھ دو

۱۳۵۱ھ

قطعہ تاریخ از قلم منشی محمد الیاس صاحب اختر تلمیذ جناب بے تاب

جہاں وہ جلوہ گر ہوتے ہیں صدرِ انجمن ہو کر   چمک جاتی ہے بزمِ مشعرہ رشکِ چمن ہو کر
جزاک اللہ کیا دیوان ہے قربان احمد کا   رہیگی دلمیں اس کی یاد بھی یادِ وطن ہو کر
ہوئی تاریخ کی جب فکر اے اختر صدا آئی
رہیگا خلق میں مشہور۔ یہ شمع سخن ہو کر

۱۳۵۱ھ

قطعہ از قلم منشی محمد شریف صاحب پیشکار پنچ آنریری منصفان سہارنپور

پڑھا میں نے دیوان قرباں کا جب   ہوا دور سب میرے دل سے ملال
کہا مجھ سے ہاتف نے یوں سال طبع   ہے معنی شناسان نازک خیال

۱۳۵۱

قطعہ تاریخ از قلم شیخ نوشیرواں احمد صاحب نوشہ برادر خورد مصنف رئیس سہارنپور

اپنے بھائی کے ہم نے دیواں کو   عیب کی جب نگاہ سے دیکھا
ہم نے پائی نہ اس میں کوئی کمی   صاف عیبوں سے اور مبرا تھا
اس کی تاریخ نوشہ ہاتف نے   روشنی چشم باغ زیبا کہا

۱۳۵۱ھ

قطعہ تاریخ از قلم برادر عزیز شیخ ذیشان احمد صاحب ذیشان رئیس سہارنپور

مبرا سخن عیب سے بے گماں ہے   تو فخر شہر ہے تو فخر جہاں ہے

مزہ اس سے پاتے ہیں دونوں برابر
یہ دیوان مقبول پیر و جواں ہے
مٹے گا نہ ہرگز ترا نام قرباں
جہانِ سخن میں یہ زندہ نشاں ہے

عبث فکر تاریخ تجھکو ہے ذیشاں
کہ تاریخ خود ارمغانِ جہاں ہے

از نتیجۂ فکرِ جنابِ منشی ثنا احمد صاحب صبر سہارنپوری

چھپا ہے یہ اے صبر دیوان ایسا
فصاحت بلاغت ہے سب اس پہ قرباں
جو ہے لفظ اس کا سو دُہ گل فشاں ہے
جو ہے بیت اس کی سو دُہ شاخِ مرجاں
ہراک اس کی جدول ہے گیسوئے معشوق
ہراک مصرع ہے مصرعہ قدِ خوباں
ضیا کی یہ حالت کہ خورشید ششدر
صفا کا یہ عالم کہ آئینہ حیراں
ہیں زیر و زبر جزم و تشدید ایسے
کہ محفل میں ہوں جیسے شمعیں فروزاں
ہراک بحر اس رو میں ہے موجزن کیا
کہ چلتی ہے کشتی طبع رواں یاں
ردیف و قوافی کی بوچھار ہے یہ
کہ ساون میں جس طرح ہو ابرِ باراں
تجلی مطلا۔ رُخ و پشت دونوں
جو یہ ماہِ تاباں وہ مہرِ درخشاں
دمِ فکر تاریخ ہاتف یہ بولا
کہو ہے یہ رشکِ بہارِ گلستاں

از نتیجۂ فکرِ جنابِ منشی صفت احمد صاحب صفت سہارنپوری

قطعہ

حضرت قرباں کا دیواں ہے عجیب
ہر جوان و پیر کو مرغوب ہے
اس کی یہ تاریخ تم کہہ دو صفت
خوب ہے۔ کیا خوب ہے۔ کیا خوب ہے

از قلم جنابِ خانصاحب شیخ مولوی فضل الرحمن صاحب رئیس و آنریری مجسٹریٹ درجہ اول و میونسپل کمشنر سہارنپور

برادر عزیز شیخ قربان احمد صاحب کا دیوان میں نے پڑھا۔ کلام کی بلندی اور دیوان کی ضخامت کو دیکھ کر تعجب ہوتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں۔ کہ عزیز موصوف کی ہستی سہارنپور

کے لئے قابل فخر ہے۔ عزیز موصوف نے اپنے کو جناب غریبؔ کا سچا شاگرد ثابت کیا۔ اور اول کے روشن نام کو قایم رکھا ہے۔ بہت سی غزلیات ایسی سنگلاخ زمین میں لکھی گئی ہیں جو معمولی قابلیت کے لئے ممکن نہیں۔ ہر زمین میں خوبی کے ساتھ اشعار لکھے گئے ہیں جو قابل رشک و قابل داد ہیں۔ زیادہ قابل تحسین یہ امر ہے۔ کہ باایں سن و سال اور باوجود مستقل علالت کلام ہر رنگ میں موجود ہے۔ شیخ قربان احمد صاحب شاعر ہی نہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کے ناظم بھی ہیں۔ اگر داغؔ یا امیرؔ مرحوم اس زمانے میں زندہ ہوتے۔ تو یقیناً وہ اس کلام کو دیکھکر بہت خوش ہوتے۔ میں دعا کرتا ہوں۔ کہ خداوند عالم اس دیوان کو مقبول کرے۔ اور عزیز کے طبع میں اور زیادہ روانی و آمد عطا کرے۔ اُن کی عمر دراز تک قایم و سلامت رکھے

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔

راقم

محمد فضل الرحمن عفی عنہ ۱۴ اپریل سنہ ۱۹۳۲ء

از قلم جناب شیخ مہربان احمد صاحب مہربانؔ برادر مصنف رئیس سہانپور

مہرباں احمد بتا تو انہیں | میں اب داغؔ لکھوں یا لکھدوں امیرؔ
ترے دم سے ہے کہدے تاریخ یہ | وجود قلم شاعر بے نظیر

۱۹۳۲ء

قطعہ تاریخ از قلم برادر مکرم شیخ نثار احمد صاحب نثارؔ آنریری مجسٹریٹ رئیس سہانپور

قربان نہیں جس کا جواب آج میسر | دنیائے سخن میں وہ کھلایا ہے گلستاں
دی حق نے خداداد لیاقت تجھے کیسی | اس عمر میں تو وقت تھا اپنے ہو اسخیاں
ہر شعر ترا پاک ہے عیبوں سے بری ہے | میں لطف نیا پاتا ہوں پڑھکر اسے ہر آں
مقبول ہو دنیا میں ملے داد جہاں سے | حق سے ہے دعا دیکھلے قرباں ترا دیواں

تاریخ کا مصرعہ تو نثارؔ آج یہ کہدے
پھولوں سے بدل جائیں کہو خار مغیلاں

۱۹۳۲ء

قطعہ تاریخ از قلم بابو طفیل احمد صاحب طفیلؔ موٹر میکنک

تلمیذ جناب اسد

کون سہانپور میں تھا اہلِ سخن کا بعدِ غریب
آج ہوا ہے برسوں میں تیرا نظارہ شمع سخن
تاریخ اس کی اشاعت کی۔ لکھدو یوں فی الفور طفیل
بزم طرب میں روشن ہے۔ آج دوبارہ شمع سخن

قطعہ تاریخ از قلم حاجی حبیب احمد صاحب حاجی مختار عام مصنف

قرباں تو نے اس میں موتی پرو دیے ہیں
ہوتی ہے خوش طبیعت دیوان تیرا پڑھ کر
تاریخ اس کی کہہ دو۔ کہتا ہے دل جو حاجی
صد آفریں سخنور۔ صد آفریں سخنور

۱۳۵۱ھ ۱۳۵۱ھ

قطعہ از قلم گوہر رقم جناب مولوی خلیق احمد صاحب صدیقی

"تاریخ الہام"

۱۳۵۱ھ

دیوان بے بہائے ادیب کامل والاجاہ جناب شیخ قربان احمد صاحب مصنف

سمبت ۱۹۸۹ بکرمی

شیخ قربان کہ ستر باش شوم
چوں مرتب کرد دیوان حسن
بے تکلف گفتم۔ از روئے جبیں
سالِ تدوینش "چراغ انجمن"

۱۳۴۸+۳=۱۳۵۱ھ

از۔ احقر زمن خلیق کان اللہ

۱۹۳۲ء

قطعہ تاریخ از قلم منشی رشید احمد صاحب۔ تلمیذ جناب اقبال

واہ دیوان حضرت قرباں
داد دیتا ہے پڑھ کے ہر انساں
کہہ دو تاریخ یہ رشید احمد
چمنِ بے نظیر ہے دیواں

۱۳۵۱ھ

قطعہ از قلم گوہر رقم جناب ڈاکٹر محمد حنیف صاحب حنیف میونسپل کمشنر سہارنپور

فکر تاریخ کی ہوئی قرباں | دیکھا دیواں حنیف نے جو کل
بولا فوراً یہ ہے دل کہ کم کردو | تین شاخ نبات سے تم پہل

۱۳۵۱ = ۳ - ۱۳۵۴

قطعہ از قلم گوہر رقم جناب پنڈت موتی لال صاحب بہار گو متخلص بہ موتی

رئیس و آنریری مجسٹریٹ ایم - ایل - سی سہارنپور

دیواں کو دیکھتے ہیں قرباں جبکہ تیرے | لذت بہت ہے آتی راحت ہو دل کو موتی
تاریخ اسکی یہ ہے گلشن میں کہہ رہی ہے | اسلم کلام موتی - شیریں زبان طوطی

قطعات تاریخ طبع دیوان از قلم گوہر رقم علامہ میر سید حبیب احمد صاحب افق

(کاظمی امروہی)

مژدہ باد اے ساکنانِ قصر اردو مژدہ باد | طبع شد دیوان قرباں پسندیدہ صفات
من ہمی گویم بجز ایں وصف از اوصاف او | اوست یک شاگرد مولانا عزیز نیکذات
گر سہارنپور دارد نرم و شیریں نیشکر | شعر قرباں نیز لطیف است بہ از قند و نبات
ذات او ممتاز در اہل سہارنپور ہست | گرچہ سوئے شہرت شعری ندارد التفات

میوہ شیرۂ تاریخ ہجری چوں ہمی خواہی افق
پس بقدر سہ الف کم قطعہ از شاخ نبات

۱۳۵۱ھ = ۳ - ۱۳۵۴

دیگر

حضرت قرباں چو دیوانے مرتب ساختہ | شاد شد جانِ حزینم جو شنیدم حالِ طبع
خواست چوں تاریخ او از من افق کلکم نوشت | شکر ایزد طبع شد دیوان قرباں سالِ طبع

۱۳۵۱ھ

دیگر

حضرتِ شیخِ قرباں احمد | کرد تصنیف دیواں چہ زیبا
بشنو یہ از افق سالِ طبعش | گلشنِ شعرِ قرباں چہ زیبا

۱۳۵۱ھ

ولہٗ در سنِ مسیحی

(۴)

چو در قالبِ طبع آمد افق | غزلہائے قرباں والاصفات
ندا داد ہاتف کہ تاریخ او | بگو۔ شکر آمیز شاخِ نبات

۱۹۳۲ء

(۵)

چو باغ پختہ اشعارِ حضرتِ قرباں | بدید شد ز مسرت نہالِ شاخِ نبات
بخواستند چو سالِ طباعتش ز افق | چہ خوش بگفت تمام و کمال شاخِ نبات

۱۹۳۲ء

(۶)

اردو

بلیغ و بامالِ تمکیں بیانِ حضرتِ قرباں | فصیح و دلکش و شیریں زبانِ حضرتِ قرباں
جو دیکھا جوہرِ تیغِ زبانِ حضرتِ قرباں | کٹے رشک و حسد سے دشمنانِ حضرتِ قرباں
نمایاں ہوگئی اچھی طرح تصنیفِ دیواں سے | جہانِ شاعری میں عز و شانِ حضرتِ قرباں
سہارنپور کے لوکاٹ لیچی اور گنے سے | لطیف و نرم و شیریں ہے زبانِ حضرتِ قرباں
غریبِ ناموَر کے آپ اک شاگرد نامی ہیں | بھلا کیونکر نہ ہو نادر بیانِ حضرتِ قرباں
کمالِ شاعری میں آپ کے جس کو تامل ہو | وہ آئے اور کر لے امتحانِ حضرتِ قرباں
سنا ہے جب سے مژدہ طبعِ دیوانِ گرامی کا | بہت خوش ہو رہے ہیں دوستانِ حضرتِ قرباں
نہایت اہتمام و شوق سے کیونکر نہ چھپواتے | نہیں دیواں یہ ہے آرامِ جانِ حضرتِ قرباں
ہزاروں بار ہو آراستہ حسنِ طباعت سے | پھلا پھولا رہے یہ گلستانِ حضرتِ قرباں
مثالِ شمعِ اربابِ ادب کی بزم میں روشن | قیامت تک رہے نام و نشانِ حضرتِ قرباں

نہ دو اس نظم کو اب طول فوراً اے افق لکھ دو
سنینِ طبع۔ میزانِ بیانِ حضرتِ قرباں

۱۹۳۲ عیسوی

آپ کا محب سید حبیب احمد افق کاظمی امروہوی

۱۳۵۱

قطعۂ تاریخ از قلم گوہر رقم نواب محمد عادل خاں صاحب عادل آنریری منصف

رئیس سہارنپور

ہم نے دیکھا خوب ہی عادل اسے | سارا دیواں لائق تعریف ہے
اس کی ہے تاریخ قرباں آج تو | گل بگارِ گلشن تصنیف ہے

قطعاتِ تاریخ عطیۂ جناب مولوی سید ظہیر حسین صاحب ظہیر

ایم اے۔ ایل۔ ایل۔ بی وکیل سہارنپور

قطعہ

کرد قرباں جمع دیوانے عجیب | کس ندیدہ مثل آں بے ریب و شک
سالِ طبعش گفت برجستہ۔ ظہیر | ایکہزار و سہ صد و پنجاہ و یک

۱۳۵۱ھ

دیگر

بدیں اہتمامے۔ بدیں آب و تابے | شدہ آخرش جمع دیوانِ قرباں
چو در پیچ و تابے حریفانِ بدگو | چہ خنداں چہ شاداں محبانِ قرباں
بہ بینید در پردۂ ایں کتابے | عیاں است جذباتِ پنہانِ قرباں
چہ رنگِ کلام و چہ طرزِ بیانش | بہ پرسید از قدر دانانِ قرباں
چو از ہاتفِ غیب تاریخ طبعش | بجستم بہ تعجیل فرمانِ قرباں
کشیدہ سرِ انتظار و بگفتا | نگو گشتہ مطبوع دیوانِ قرباں

سرِ انتظار یعنی الف ۱۳۵۲-۱=۱۳۵۱ھ

قطعہ تاریخ از قلم گوہر رقم جناب حکیم غلام مصطفےٰ صاحب حکیم سہارنپوری

قطعہ

حضرتِ قرباں کے صدقے جائیے | کس فصاحت سے ہے گفتارِ بلیغ
فکر کیا تاریخ لکھدے اے حکیم | نظم کر ڈالے ہیں افکارِ بلیغ

۱۳۵۱ھ

قطعات از قلم گوہر رقم جناب حکیم محمد قمیش احمد صاحب کیف قدوسی رئیس گنگوہ

سند یافتہ طبیہ کالج دہلی دہرہ دون

قطعہ

حبذا ہیں حضرت قرباں سخنور کامیاب
ہر غزل ہر شعر ہے آئینہ دار شاعری
گلستان شاعری پھر کیوں ہو شاخ نبات
ہر غزل سے ہے عیاں جوش بہار شاعری

فکر تھی تاریخ کی کیف حزیں دل نے مرے
کہدیا حسن مقال اور لالہ زار شاعری

۱۳۵۱ھ

دیگر

کیا ضیائے کلام قرباں سے
خوب روشن کیا چراغ سخن
جملہ جملہ ہے مخزن معنی
خوب پایا ہے یہ سراغ سخن
ہر غزل میں سرور مستی ہے
کہیئے دیوان کو ایاغ سخن
ہے بہاروں پہ گلشن معنی
عرش پر کیوں نہ ہو دماغ سخن

کہہ دو تاریخ عیسوی اے کیف
اللہ اللہ نہالی باغ سخن

از نتیجہ فکر جناب منشی رام کشور صاحب نامی تلمیذ جناب غریب

شیخ قرباں ہیں شاعر کامل
کہیئے دیواں کو ان کے در عدن
شاعری میں کمال رکھتے ہیں
کیوں نہ پھر کہیئے ان کو فخر وطن
وہ لطافت ہے شعر گوئی میں
گاتا ہے غزلیں ان کی مرغ چمن
فکر تاریخ تھی سے مجھے نامی
بولا ہاتف ریاح باغ سخن

نتیجہ فکر برادرم منشی محمد احمد صاحب احمد سہارنپوری یادگار غریب

کلام دل آرا چو مطبوع گشتہ
جہاں شد نثار کمالات قرباں
پریشاں مشو بہر تاریخ احمد
بگو شمع محفل خیالات قرباں

۱۹۳۲ء

دیگر

کلام استاد بھائی کا چھپا کیا | اتر آیا زمیں پر باغ رضواں
یہ کہہ دو مصرعہ تاریخ احمد | عدیم المثل ہے گلزار قرباں

نتیجہ فکر برادر مکرم منشی میر نصرت علی صاحب ناصر انجنیر پیٹل مل سہارنپور

سمبت ۱۹۸۹ بکری | استعارہ | خداداد ۱۳۵۱ھ | ۱۹۳۲ء

مرغوب خلائق ہے مرے بھائی کا دیواں | ہر شعر ہے حسن کا پتلا تکمیل بلاغت
ناصر نے جو کی فکر تو نکلا سن ہجری | عین دل قرباں ہے یہ دریائے فصاحت

۱۳۵۱ھ

دیگر

کیوں ہو عالم محو نظارہ | اک دلربا ہے دیوانِ قرباں
ناصر خوش گو سالِ اشاعت | اک خوش ادا ہے دیوانِ قرباں

۱۳۵۱ھ

دعا

خدا مشکل مری آسان کر دے | مری راحت کا کچھ سامان کر دے
جسے چاہے تو دم میں دے گدائی | جسے چاہے الٰہی سلطان کر دے
بڑی ہے نزع کی تکلیف مولا | یہ مشکل میری تو آسان کر دے
تری رحمت میں وسعت ہے بہت کچھ | مری بخشش کا بھی سامان کر دے
بچانا نزع میں شیطاں سے یارب | نہ دو ضائع مرا ایمان کر دے
مصفا دل کو اور سینہ کو میرے | الٰہی یہ ترا قرآن کر دے
محبت میں تری زندہ وہی ہے | جو اپنی جان کو قربان کر دے
نہیں میرا وسیلہ اور کوئی | کرم مجھ پہ تو اے رحمان کر دے
الٰہی فرض حج میرا ادا ہو | مرا پورا تو یہ ارمان کر دے
نہوں محتاج دنیا میں کسی کا | مری سب مشکلیں آسان کر دے

دعا قرباںؔ کی یارب یہ ہی ہے
مرا مقبول تو دیوان کر دے

گذارش

کوئی صاحب اس دیوان کے چھاپنے کی کوشش نہ کریں ورنہ قانونی گرفت میں آجاوینگے۔ اور نقصان اُٹھائیں گے جس قدر کاپیاں درکار ہوں مجھ سے یا مصنف صاحب سے طلب فرماویں۔

(الف) کی ردیف منشی غلام مصطفےٰ صاحب کاتب کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔ جنہوں نے کامل چار ماہ میں ایک ردیف کو ختم کیا۔ اور طرح طرح کی پریشان کن باتیں کیں۔ جس کی وجہ سے دیوان کی اشاعت میں بہت تاخیر ہوئی۔

شیخ صاحب کی علالت کی وجہ سے میں دیوان کو ایسی ترتیب نہ دے سکا جیسا کہ میں چاہتا تھا۔ بلکہ میں نے مجبوراً تمام کلام کو اکھٹا کر کے تقطیع وار شایع کرا دیا۔ میں یہ چاہتا تھا کہ شیخ صاحب کا کلام اس طرح سے شایع ہو کہ جس سے پڑھنے والا یہ اندازہ لگا سکے کہ کونسا کلام کس عمر کا ہے۔ کتنے عرصے میں کتنی ترقی کی۔ یا خیالات میں کیا کیا تبدیلیاں ہوئیں۔

دوسرے میں یہ چاہتا تھا۔ کہ کلام کا انتخاب شایع ہو لیکن شیخ صاحب کو اس کے خلاف پایا۔ اُن کا خیال ہے کہ شاعر کا ہر رطب یابس پبلک کے سامنے پیش ہونا چاہئے۔ اشعار کا انتخاب خود پبلک اپنے مذاق کے موافق کر سکتی ہے۔ بعض اوقات پھیکے اشعار بھی جائز مواقعہ پر اگر استعمال کئے جاویں تو لطف پیدا کر دیتے ہیں۔

پبلک عمر خیام کی رُباعیات کا جن کا ترجمہ شیخ صاحب نے اردو رُباعیات میں کیا ہے انتظار کرے۔ جس میں شیخ صاحب نے انتہائی کمالات دکھلائے ہیں شیخ صاحب کا نعتیہ دیوان بھی تیار ہے۔

اگر پبلک نے شاخ نبات کی کچھ حوصلہ افزائی کی۔ تو بہت جلد ہر دو شایع کرائے جائینگے بعض صاحبان کا خیال ہے۔ کہ شاخ نبات میں چکنا کاغذ کیوں نہیں لگایا۔ اس کے لئے اتنا کہہ دینا کافی ہے۔ کہ شیخ صاحب تو اس کے لئے بھی تیار نہیں تھے۔ میرے اسرار پر بہ مشکل تمام کلام کی اشاعت کی اجازت دی۔

خادم

(حاجی) حبیب احمد مختار عام

نمبر شمار	صفحہ	سطر	لفظ غلط	لفظ صحیح
۱۰۶	۳۱	۱۵	فرشتہ	فرشتے
۱۰۷	۳۲	۹	نعم	منعم
۱۰۸	۳۸	۳	کیوں رسوا	کیا رسوا
۱۰۹	۴۲	۱۵	جلاجانا	رولاجانا
۱۱۰	۵۵	۸	درہستی	دارھستی
۱۱۱	۵۷	۱۶	چیکتا	چھلکتا
۱۱۲	۵۹	۲۱	نہ ہونگا	نہ ہوگا
۱۱۳	۷۹	۲۳	بتکدہ سے لئے	بتکدہ کے لئے
۱۱۴	۹۰	۷	یہ	پہ
۱۱۵	۹۱	۴	پر	پھر
۱۱۶	۹۲	۱۹	ہوگئے وہ	ہوگئے ہوں
۱۱۷	۱۰۲	۳	نقش یا	نقش پا
۱۱۸	۱۰۴	۸	شیشہ	تیشہ
۱۱۹	۱۰۹	۱۵	لقاہت	نقاہت
۱۲۰	۱۱۰	۳	عجب	محب
۱۲۱	۱۱۱	۲۵	ہیں	کس
۱۲۲	"	"	اخلاں	اخلاص
۱۲۳	۱۱۵	۵	بلاسے	بلا سے
۱۲۴	۱۱۸	۱۰	بیداد ہیں	بیداد میں

نمبر شمار	صفحہ	سطر	لفظ غلط	لفظ صحیح
۱۲۵	۱۲۶	۱۷	ایا تھے	آیا تھا
۱۲۶	۱۳۸	۲۱	زاز	زار
۱۲۷	۱۳۹	۲۲	پال	بال
۱۲۸	۱۴۵	۸	رنج	نج
۱۲۹	۱۵۰	۶	میں بیزار	سے بیزار
۱۳۰	۱۶۲	۲۲	لے گیا	میں لے گیا
۱۳۱	۱۶۴	۵	جو	وہ
۱۳۲	۱۷۲	۱۶	تسیم	تقسیم
۱۳۳	۱۷۳	۱۸	بہتا	بہاتا
۱۳۴	۱۸۶	۱۶	حسن کے	مصر کے
۱۳۵	۱۹۰	۲۰	یکتا	بلکتا
۱۳۶	۲۰۱	۵	تجھے	مجھے
۱۳۷	۲۰۴	۱	دیتا	لیتا
۱۳۸	،،	،،	رستے ہیں	رستے ہیں
۱۳۹	،،	۲۱	شاید کہ شاید	شاید کہ شاق
۱۴۰	۲۱۲	۲۴	عذاب	شراب
۱۴۱	۲۱۴	۳	پہ	بہ
۱۴۲	۲۲۴	۲۴	صک	ہک
۱۴۳	۲۲۷	۱۳	محب	مجبور

نمبر شمار	صفحہ	سطر	لفظ غلط	لفظ صحیح
۱۴۴	۲۲۷	۱۵	سکی	جیسی
۱۴۵	۲۳۵	۲۲	کل	گل
۱۴۶	۲۵۴	۱۵	اعجاز سے	اعجاز کی
۴۷	۲۵۵	۲۱	قلب ہے	قلب سے
۱۴۸	۲۶۴	۲۴	مقتل ہے	مقتل ہیں
۱۴۹	رر	رر	کہتے ہیں	کہتے ہے
۱۵۰	۲۷۰	۲۲	سیں	نہیں
۱۵۱	۲۷۴	۹	تلون کو ہے ہم	تلوں کو ہم
۱۵۲	۲۹۳	۹	شیخ بر	سیخ پر
۱۵۳	۳۰۷	۱	چیزیں	خبریں
۱۵۴	۳۲۸	۱۷	خارپہ	خار بہ
۱۵۵	۳۴۰	۱۸	دل چو	دل چورہ
۱۵۶	۳۴۸	۳	در	دربدر
۱۵۷	رر	۴	قبہ	قبر
۱۵۸	۳۵۸	۱	جہاڑ	بہاڑ
۱۵۹	۳۶۴		کسی کی	کسی کی کچھ
۱۶۰	۳۷۱	۲۳	ثنا	ستا
۱۶۱	۳۷۳	۱۶	زحمت	رحمت
۱۶۲	۳۷۶	۱۳	نمرود	مردود

نمبر شمار	صفحہ	سطر	لفظ غلط	لفظ صحیح
۱۶۳	۳۸۱	۵	سُنیں	بنیں
۱۶۴	۳۸۳	۴	تحذاب	عذاب
۱۶۵	۳۹۸	۷	دیوانہ	مستانہ
۱۶۶	۴۰۱	۴	جو وہ	وہ جو
۱۶۷	۴۰۸	۱۰	کڑیاں	لڑیاں
۱۶۸	۴۱۱	۸	کرلو	کرو
۱۶۹	؍؍	۲۰	ہرگز ہے یہ	ہرگز ہے
۱۷۰	۴۱۹	۱۶	اپنی	میری
۱۷۱	۴۴۰	۲۳	پھر	پیر
۱۷۲	۴۴۸	۹	بھر	پہر
۱۷۳	۴۵۱	۲۲	جدہ	سجدہ
۱۷۴	۶۰	۰	اُستاد نظام	نواب فصاحب جنگ
۱۷۵	۲۷	۱۹	صدقے	صدقہ
۱۷۶	۱۶	۱۲	زخم کا	زخم دل کا
۱۷۷	۲۳۰	۰	شیخ پر	سیخ پر
۱۷۸	۱۰۸	۰	جان جب تک	جان میں جب تک
۱۷۹	۲۳۰ ۲۶۶	۱۰	تاریخ الہام	تاریخ الہام بیان
۱۸۰	۴۶۴ ۲۳۰	۱۸	شیخ پر	سیخ پر
۱۸۱	۴۵۷	۳	سلماں کو ہی	سلمان کو یہ ہیں

نوٹ ۱۔ شیخ صاحب علالت کی وجہ سے کاپیاں نہ دیکھ سکے اس وجہ سے متعدد غلطیاں کتابت

قطعہ

وفات باغ بانو سلمہا دختر مصنف

باغ بانو نہ دیکھی تو نے بہار — داغ [illegible] میں [illegible]
ضبط گریہ کو میں تو کر لوں گا — غم کے اشکوں کو [illegible]
حکم مولا پہ میں تو راضی ہوں — سب بھگت لوں گا جو پڑی سر پر
کب تھی امید تیرے ہونے کی — تیرے مایوس تھے پدر مادر
کیا تماشا دکھا دیا تو نے — چند دن کو جہان میں آکر
کہوں کیونکر ہیں تیری مادر سے — دل پہ رکھ لے وہ صبر کا پتھر
بعد شادی کے ایک مدت میں — جس نے دیکھی تھی ایک ہی دختر
گود خالی تو کر گئی اس کی — سوئی دادا کے قرب میں جا کر
کونسی شاخ ہے ہمیں بتلا — اڑ کے چڑیا تو بیٹھی ہے جس پر
ہاتھ پھیلا کے گود میں آ جا — تیرے مادر پدر ہیں سب مضطر
اپنے ہاتھوں کو پیار کروا لے — پھر اسی طرح ہاتھ پھیلا کر
سونے والی ذرا بتا تو ہمیں — کب اٹھی گی تو خواب سے [illegible]
بنا ساماں ہماری بخشش کا — باغ بانو ہو جب بپا محشر
جو کھلونے کہ تیرے رکھے ہیں — بن کے چبھتے ہیں دل میں وہ نشتر
نو مہینے کی عمر کل پائی — داغ غم کا تو دی گئی دل [illegible]
ان کمیڑوں کے وہ لگے جھٹکے — تو نے آخر کو جان دی تھک [illegible]
لے گئیں تجھ کو گود میں حوریں — چھین کر ہم سے اسے [illegible]
کاٹا رو ہاں ایک ظالم نے — جو پڑا رہتا تھا تیرے طرح
کس کو وارث تو کر گئی اس کا — نہ پسر ہے نہ باپ کے دختر
[illegible] تو نے باغ کی اس کے — ختم کر دی بہار ہے ثمر

باغ بانو کی مرگ کی تاریخ
ناصحہ سے قربان عزیزوں دختر ۱۳۵۲

شاہ عنایت [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] فقط